

نیل اور یل بہتارا

دوسرا اور آخری حصہ

عنایت اللہ



فتحِ تمہر۔ فرعونوں کی پُر اسراریت، نیل کے توہمات

پیش لفظ

آپ نے ”.... اور نیل بہتا رہا“ کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ معلوم نہیں میری یہ کاوش آپ کو متاثر کر سکی ہے یا نہیں لیکن آپ نے یہ تو ضرور ہی محسوس کیا ہو گا کہ فتح مصر ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ معجزے تو آپ کو آگے چل کے نظر آئیں گے۔ ہر لمحہ گمان ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام یہ قلعہ سر نہیں کر سکیں گے یا اس میدان جنگ سے مجاہدین کے قدم اکھڑ جائیں گے پھر ان کی ایسی پسپائی شروع ہو جائے گی کہ سرزمین مصر پر ان کے کہیں قدم جم نہ سکیں گے لیکن چشم فلک کچھ اور ہی تماشہ دیکھتی ہے۔ مجاہدین اسلام وہ قلعہ بھی سر کر لیتے ہیں جو بلا شک و شبہ ناقابلِ تسخیر تھے۔

مجاہدین کی ان جنگی کامیابیوں اور برق رفتار پیش قدمی کی تاریخ لکھنے اور ہم تک پہنچانے والے یورپی مؤرخ صاف بوکھلائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تو جیسے تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے کہ مسلسل لڑائیوں کے تھکے ہوئے چند ہزار مجاہدین نے چھ اور سات گنا زیادہ رومی فوج کو بھاگ اٹھنے یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ان غیر مسلم مؤرخوں نے رومی فوج کی حمایت میں جھوٹ بولے ہیں اور مجاہدین کی ان معجزہ نما فتوحات کو محض اتفاقیہ کامیابیاں کہا ہے۔ ان کا یہ بے بنیاد استدلال پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ دروغ گوئی سے شکست فتح میں تو نہیں بدل سکتی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مجاہدین نے آخر پورے مصر پر تسلط حاصل کر لیا اور رومی لشکر بحیرہ روم کے اُس پار برنظیمہ جا پہنچا۔

معجزے اپنے آپ ہی نہیں ہو جایا کرتے۔ ان کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور اللہ کا کرم صرف اُن کو عطا ہوتا ہے جو اللہ کی راہ پر قربانیاں دیتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کے دلوں میں اقتدار کی اور ملک گیری کی

ہوس نہیں تھی۔ وہ اللہ کا پیغام لے کر گئے تھے۔ ہر قلعے کی فتح کے بعد ان کے قدموں میں زرد جواہرات کا انبار لگا ہوتا تھا لیکن ان کے دلوں میں اللہ کا نام تھا۔ پھر معجزے کیوں نہ ہوتے!

اس کے برعکس قیصر روم شہنشاہ ہر قل اپنے آپ کو مخلوق خدا کا خدا سمجھتا تھا۔ اس نے عیسائیت کا چہرہ ہی مسخ کر ڈالا اور اپنی عیسائیت رائج کر دی تھی۔ اللہ نے اس قوم پر بھی کتاب اتاری تھی۔ ہر قل نے اس کتاب میں بھی اپنی ضرورت کے مطابق ترامیم کر ڈالیں اور پھر جس عیسائی نے اس کا یہ مذہب قبول نہ کیا اسے قتل کر دیا گیا۔ میرے اس ناول میں آپ کو ایسے واقعات ملیں گے کہ ہر قل نے کس طرح بڑے پادریوں تک کو اذیتیں دے دے کر مارا تھا۔ ہر قل دراصل اپنی وعایا کے لئے فرعون بن گیا تھا جبکہ مسلمانوں کے دلوں میں بنی نوع انسان کی محبت رچی بسی ہوئی تھی۔ وہ قبول اسلام کی دعوت اور کچھ مراعات دیتے تھے اور انکار کرنے والوں کو قتل نہیں کرتے تھے نہ انہیں حقوق انسانی سے محروم رکھتے تھے۔

ہر قل کی فرعونیت اور عیسائیت کا چہرہ مسخ کرنے کی وجہ سے اس کے اپنے عمل میں اور اس کی رعایا میں بڑے سنسنی خیز اور بڑے ہی دلچسپ ڈرامائی واقعات نے جنم لیا۔ ہر قل پر دراصل اللہ کی لعنتیں برس رہی تھیں۔

آپ یہ تمام واقعات اس کتاب میں پڑھیں گے اور کچھ واقعات تو ہم پرستی کے بھی ہیں۔ دریائے نیل کے ساتھ بھی لوگوں نے توہمات وابستہ کر رکھے تھے۔ مسلمانوں نے آکر یہ توہمات ختم کئے تھے لیکن وعظ کے ذریعے نہیں نہ ہی جبر و تشدد سے بلکہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے بڑے دلچسپ طریقے سے اس توہم پرستی کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالا تھا۔

میں نے ”.... اور نیل بہتا رہا“ کی پہلی جلد کے پیش لفظ میں کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس ناول میں بہت سی دلچسپیاں پیدا کی ہیں لیکن تاریخی واقعات اور تسلسل کو ذرا سا بھی مسخ نہیں ہونے دیا۔ دراصل فتح مصر کی کہانی ہے ہی دلچسپیوں سے بھرپور۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنا تاثر خود پیدا کرے گی۔

عنایت اللہ

مدیر ”حکایت“ لاہور

بات کرو سیلی نوش!“ — نوشی نے کہا — ”چپ نہ رہو۔ تمہاری خاموشی مجھے ڈرا رہی ہے۔“

”میں تو تمہیں بہت ہی دلیر اور ہڈ لڑکی سمجھا تھا نوشی!“ — سیلی نوش نے کہا — ”تمہیں جس کا ڈر تھا اُسے تمہارے سامنے قتل کر آیا ہوں۔ اس سے تم بچ کر نکل آئی ہو۔ اپنے منگیترا تمہیں ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تمہارا منگیترا ہے دشمن نہیں۔ جتنی دیر میں اسے پتہ چلتا ہے کہ تم لاپتہ ہو، ہم ڈور پہنچ چکے ہوں گے۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ہم کس طرف نکل گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے اسے یہ شک ہو کہ میں تمہیں زبردستی یا درغلا کر اپنے ساتھ لے گیا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بدوؤں کے خیموں اور جھونپڑوں میں ہمیں ڈھونڈتا پھرے گا۔“

”پہلے تو وہ ہامون جادوگر کے خیمے میں جائے گا۔“ — نوشی نے کہا — ”خون میں ڈوبی ہوئی اس کی لاش دیکھے گا تو اسے شک نہیں یقین ہو جائے گا کہ تم ہامون کو قتل کر کے مجھے اپنے ساتھ لے گئے ہو۔“

”وہ ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔“ — سیلی نوش نے کہا — ”ویسے بھی اس سے نہ ڈرو۔ باقی رہا میں، مجھ سے تمہارا ڈر نا بجا ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے تمہارے دل سے اپنا ڈر نکال سکوں۔ یہ ڈر اُس وقت تمہارے دل سے نکلے گا جب میں تمہیں تمہارے ماں باپ تک پہنچا دوں گا۔“

”میں نے پہلے بھی کہا تھا سیلی نوش!“ — نوشی نے کہا — ”اب پھر کہتی ہوں کہ مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو گے تو بے ہمانعام دلوؤں گی۔ تم حیران رہ جاؤ گے.... ایک کام اور کرنا۔ میرے ماں باپ کو یہ سارا واقعہ سنانا۔ میں نے سنایا تو شاید یقین نہ

کریں۔ اس منگیت کے متعلق بھی بتانا کہ یہ کس نیت کا آدمی ہے اور اس نے اپنی نیت کا اظہار کس طرح کیا تھا۔

”یہ تو بتاؤں گا ہی نوشی!“ — سلی نوش نے کہا — ”لیکن بار بار انعام کا نام نہ لو۔ مجھے کوئی انعام نہیں چاہئے.... میں نے اپنا انعام وصول کر لیا ہے اور....“

”کیا کہا؟“ — نوشی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے گہرائے ہوئے لہجے میں پوچھا —

”کیا تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ تم نے مجھے انعام کے طور پر وصول کر لیا ہے؟ کیا تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس نہیں لے جا رہے؟“

”بیوقوف لڑکی“ — سلی نوش نے کہا — ”میری پوری بات تو سن لو.... میں بدو نہیں ہوں نوشی! اور میں عیسائی بھی نہیں۔“

”پھر کیا ہو؟“

”مسلمان!“ — سلی نوش نے جواب دیا — ”میں مصری نہیں عربی ہوں اور میرا نام سلی نوش نہیں عباس بن طلحہ ہے۔ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ میں جب تمہیں تمہارے ٹھکانے پر پہنچا دوں گا تو بتانا کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور ان کا کردار کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں ہی ایک اچھا مسلمان ہوں، میری جگہ کوئی اور مسلمان ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا جو میں نے کیا ہے۔ یہ ہمارے مذہب کا حکم ہے جسے ہم اللہ اور رسول کا حکم سمجھتے ہیں۔“

نوشی کی حیرت زدگی کا یہ عالم کہ اس نے گھوڑا روک لیا اور عباس بن طلحہ کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کسی اور ہی جہان کی مخلوق ہو۔ عباس کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نوشی اس کے ساتھ نہیں تو اس نے گھوم کے دیکھا۔ نوشی گھوڑا روک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت زدگی اور تذبذب کا تاثر تھا۔ عباس کو غالباً یہ توقع تھی کہ نوشی فوراً یقین کر لے گی کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمانوں کے متعلق اس کی رائے بدل جائے گی اور بے اختیار کہہ اٹھے گی کہ مسلمان تو بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔

”رک کیوں گئیں نوشی؟“ — عباس نے گھوڑا اس کی طرف موڑ کر کہا — ”اس میں حیران ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان بہت ہی اچھے لوگ ہوا کرتے ہیں۔“

نوشی کا رد عمل کچھ اور ہی تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی نگام اس طرح کھینچ رکھی

تھی کہ گھوڑا آہستہ آہستہ اُلٹے قدم چل رہا تھا اور نوشی اس طرح دائیں بائیں دیکھ رہی تھی جیسے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ عباس اس سے ابھی کچھ دور ہی تھا کہ نوشی نے گھوڑا ایک طرف موڑ لیا۔

اب تو کوئی شک ہی نہیں رہ گیا تھا کہ نوشی بھاگ نکلنے کا ارادہ کر چکی ہے۔ عباس نے اپنے گھوڑے کو چھیڑا اور تیزی سے گھوڑا نوشی کے گھوڑے کے آگے کر دیا۔ نوشی کا چہرہ غصے سے تھما رہا تھا۔ اس نے باگ کو زور سے ایک طرف جھٹکا دے کر گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگائی۔

”میرے راستے سے ہٹ جا عرب کے بدو!“ — نوشی نے دانت پیس کر کہا —

”میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

”تو تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی؟“ — عباس نے کہا — ”کیا سمجھ بیٹھی ہو تم؟“

”دور رہ فریب کار!“ — نوشی نے تلوار نیام سے نکال لی اور لٹکار کر بولی — ”تیرا خیال ہو گا کہ یہ شاہی خاندان کی شہزادی ہے اور شوقیہ تلوار اٹھائے پھرتی ہے۔ تلوار نکالو، پہلے مجھے قتل کرو پھر میری لاش کے ساتھ کھیتے رہنا لیکن مجھے آسانی سے قتل نہیں کر سکو گے۔“

”میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا نوشی!“

”میں تیرے دھوکے میں آؤں گی ہی نہیں!“ — نوشی نے کہا — ”میں مان ہی نہیں سکتی کہ مسلمان اعتماد کے قابل ہوتے ہیں.... تو مسلمان بھی نہیں عیسائی بھی نہیں، تو اگر عربی ہی ہے تو صحرائی قزاق ہو گا.... تلوار نکال، تجھے افسوس نہ رہے کہ میں نے تجھے مقابلے کا موقع نہیں دیا تھا۔“

”تمہارے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں نوشی!“ — عباس نے کہا — ”میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر اپنی راہ لگ سکتا ہوں۔ میں اپنے ایک فرض کو نظر انداز کر رہا ہوں لیکن ایک مسلمان ہو کر ایک نوجوان لڑکی کو اس بیابان میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کوئی قزاق ہی آنکے۔ وہ تمہیں میری طرح نیک نیتی اور احترام سے اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا۔“

نوشی اتنی بھری ہوئی تھی کہ عباس کا اثر قبول کر ہی نہیں رہی تھی اور اسے تلوار لہرا کر لٹکارتی تھی۔ عباس نے آخر تلوار نکالی اور اس کے گھوڑے کے قدموں میں

پھینک دی۔ پھر کمر بند سے خنجر نکالا اور وہ بھی پھینک دیا۔ پھر کچھ ایسی باتیں کیں کہ نوشی کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا۔

”میرے دو سوالوں کا جواب دو“ — نوشی نے پوچھا — ”تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تم نے کون سا انعام وصول کر لیا ہے؟“

”میں جاسوس ہوں“ — عباس نے جواب دیا — ”میں بہت آگے جاسوسی کے لئے گیا تھا‘ اب واپس اپنے لشکر میں جا رہا تھا.... انعام یہ وصول کیا ہے کہ تم سے اور تمہارے منگیتر سے مجھے بڑی قیمتی معلومات ملی ہیں۔ یہ تو میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ تمہاری فوج کیوں پیچھے ہٹی جا رہی ہے‘ اب تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے جو مجھے معلوم ہوا تھا اور تم سے اور تمہارے منگیتر سے دو تین نئی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اسے میں اپنے لئے اور اپنے لشکر کے لئے بہت بڑا انعام سمجھتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے یہ بھی بہت بڑا انعام ہے کہ اس ہامون جادوگر کو قتل کر دیا ہے۔ اسلام اس توہم پرستی اور پیشین گوئیوں کو نہیں مانتا۔ آنے والے وقت کے راز صرف اللہ جانتا ہے اور وہی ہے جو بگڑے کام سنوارتا ہے۔ ہامون نے سیدھے سادے اور پسماندہ لوگوں کو محض فریب کاری سے اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ تمہارے ساتھ مجھے اس کے سوا کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ایک شیطان تمہیں دھوکہ دے کر بے آبرو کرنا چاہتا تھا اور مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ تمہیں اس سے بچاؤں۔“

”تم مجھے میرے باپ تک پہنچانے چلے ہو“ — نوشی نے کہا — ”کیا تم میرے باپ کو یہ بتانا چاہو گے کہ تم اصل میں کون ہو اور کیا ہو؟.... میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری اصلیت اپنے باپ سے چھپائے رکھوں گی۔ کیا یہ انعام نہیں ہو گا؟ میرا باپ تمہیں گرفتار کر لے گا۔ قتل بھی کروا سکتا ہے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔“

”میں تمہارے باپ تک پہنچوں گا ہی نہیں نوشی!“ — عباس نے کہا — ”مجھے کوئی لالچ اور کوئی ترغیب نہ دے۔ مجھے ڈرانے کی کوشش کرو۔ تمہیں بلیں شہر کے باہر چھوڑ کر گھوڑے کو اید لگا دوں گا اور جب تک تم اپنے باپ تک پہنچو گی میں بڑی دور نکل گیا ہوں گا.... میں تمہیں پھر کہتا ہوں ہوش میں آؤ، تمہارے وہم نے ہمارے درمیان ایسی صورت پیدا کر دی ہے جیسے تم مجھے سے آزاد ہونا چاہتی ہو اور میں تمہیں

درغلا کر اغوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس وہم سے نجات نہیں پاسکو گی تو جاؤ‘ یہ میرا راستہ ہے اور وہ تمہارا راستہ ہے۔“

روم کے شاہی خاندان کی اس لڑکی پر اب ایسی خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہو یا وہم سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں ہو۔

”گھوڑے سے اُترو“ — عباس نے کہا — ”میری تلوار اور خنجر اٹھاؤ اور اپنے پاس رکھو اور میرے ساتھ چل پڑو۔“

نوشی عباس کے چہرے پر نظریں جمائے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر گھوڑے سے اترتی‘ عباس کی تلوار اور اس کا خنجر اٹھایا اور یہ دونوں ہتھیار کسی کو پیش کرنے کے انداز سے ہاتھوں پر رکھے‘ عباس کے پاس گئی اور دونوں ہتھیار اس کی طرف کر دیئے۔ عباس نے اسے کہا کہ وہ تلوار اور خنجر اپنے پاس رکھے لیکن نوشی نے کچھ کہنے کی بجائے سر ہلایا کہ وہ اپنے پاس نہیں رکھے گی۔ عباس نے ہتھیار لے لئے اور نوشی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر اس نے عباس کو سر سے اشارہ کیا کہ چلو۔ دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو بلیں کی طرف چل پڑے۔



”تمہارے شاہی خاندان میں شاربنا نام کی ایک لڑکی ہوا کرتی تھی“ — عباس نے پوچھا — ”تم اسے جانتی ہو گی!“

”جانتی ہوں“ — نوشی نے کہا — ”وہ ہر قل کی بیٹی تھی۔ وہ تو کچھ عرصہ ہوا ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کچھ بھی پتہ نہ چلا.... تم اسے کس طرح جانتے ہو؟“

”اس طرح کہ وہ ہمارے پاس ہے۔“ — عباس نے جواب دیا — ”ہم میں سے کسی نے اسے اغوا نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے‘ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میرے ایک دوست کے ساتھ آگئی تھی اور اب اس کی بیوی ہے۔ میرا یہ دوست میری طرح جاسوس ہے۔ وہ جاسوسی کے لئے گیا تھا‘ شاربنا سے ملاقات ہوئی اور دلی محبت نے دونوں کو ایک کر دیا۔“

”میں اُس وقت لڑکپن کی عمر میں تھی“ — نوشی نے کہا — ”اس کے ساتھ تو میری گہری دوستی تھی۔ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ کیا وہ تمہارے ہاں خوش رہتی ہے؟“

”میں تمہیں بتاؤں گا تو تم مانو گی نہیں“ — عباس نے جواب دیا — ”خود جا کر

دیکھو تو تمہیں یقین آئے گا کہ وہ کتنی خوش ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی خاتون ہے.... میں اتنا ہی کہوں گا کہ وہ تو بھول ہی گئی ہے کہ روم کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ ہمارے ہاں فضا ہی کچھ ایسی ہے اور ماحول ایسا جس میں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں، محبت اور خلوص ہے۔“

کچھ دور تک شارینا کی باتیں ہوتی رہیں اور نوشی بڑی دلچسپی سے پوچھتی رہی کہ مسلمانوں کے ہاں عورت کے لئے معاشرتی اور دیگر حالات کیسے ہیں۔ عباس اسے بتاتا گیا۔

”معلوم نہیں دل میں یہ بات کیوں آتی ہے“۔ نوشی نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔ ”کچھ ایسی خواہش ابھر رہی ہے کہ تمہارے ساتھ ہی چلی چلوں.... کچھ ایسا لگتا ہے جیسے تم سے جدا ہو کر مجھے دیلی افسوس ہو گا۔ اس بد بخت منگیتر نے میرا دل مسل ڈالا ہے اور میں کچھ اور ہی سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ یہ بات بھی دل میں کھٹکنے لگی ہے کہ میرے شاہی خاندان میں عزت، غیرت اور حمیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ شاہی خاندان میں بدکاری ایک جائز رواج کی طرح چلتی ہے۔ مجھے تم نے دیکھ لیا ہے کہ اپنی عصمت کی خاطر اس بدو جادوگر کو تمہارے ہاتھوں مروایا اور اب تمہارے مقابلے میں تلوار نکال لی تھی۔“

”میں نے تمہارے متعلق ایسی کوئی بات سوچی ہی نہیں“۔ عباس نے کہا۔
”اور میں ایسی بات سوچوں گا بھی نہیں۔ تم جو سوچنا چاہتی ہو سوچتی رہو۔ میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کروں گا۔“

”ایک سوچ اور آتی ہے“۔ نوشی نے کہا۔ ”تمہارے ساتھ تو چلی چلوں لیکن معلوم نہیں تمہارا خاندان کیسا ہے.... میرا مطلب یہ ہے کہ....“

”میں تمہارا مطلب جان گیا ہوں“۔ عباس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
”تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح شاہی خاندان کا فرد ہوں یا میرے خاندان کی حیثیت کیا ہے۔ اگر میں کہہ دوں کہ میں بہت ہی امیر کبیر خاندان کا فرد ہوں تو تم میرے ساتھ چل پڑو گی ورنہ نہیں۔“

نوشی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ عباس بن طلحہ ٹھیک سمجھا ہے۔

”تم سن کر شاید حیران ہو گی نوشی!“۔ عباس نے کہا۔ ”اسلام میں کوئی شاہی خاندان نہیں ہوتا۔ ہم جنہیں اپنا حکمران بناتے ہیں وہ بھی شاہی خاندان کے نہیں ہوتے۔ ہم سب ایک ہیں اور سب کے حقوق اور سب کی حیثیت مساوی ہے۔ اگر ہمارے خلیفہ ہمارے لشکر میں آجائیں تو تم مانو گی ہی نہیں کہ یہ شخص ایک فاتح قوم کا سب سے بڑا سردار ہے۔ تم کو گی کہ یہ تو بالکل عام سا آدمی ہے۔ اسلام میں بادشاہ اور رعایا کا کوئی تصور نہیں۔ بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی ہمارا ایمان ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے اُس شیطان سے نہیں بچایا کہ تم بڑی خوبصورت اور شاہی خاندان کی لڑکی ہو بلکہ اس لئے کہ تم مجبور اور بے سہارا لڑکی ہو اور جذبات میں آکر غلط اور پُرخطر راستے پر چل نکلی تھیں۔“

”تو کیا مسلمانوں کے متعلق جو کچھ سنتی رہی ہوں وہ غلط ہے؟“۔ نوشی نے کہا۔
”میں نے سنا ہے کہ مسلمان لیرے اور وحشی لوگ ہیں۔“

”مجھ سے نہ پوچھو“۔ عباس نے کہا۔ ”ہم نے مصر کے دو بڑے شہر عریش اور فرماخ کئے ہیں۔ ان کے درمیان اور ارد گرد بے شمار گاؤں ہیں۔ وہاں جا کر عیسائیوں سے پوچھنا کہ فاتح مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہے۔ تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے گا.... میں شاہی خاندان کا ہی فرد ہوں اور تم میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا کیونکہ تم میرے ہاتھ میں ایک امانت ہو.... اپنے ماں باپ کی امانت.... میرے مذہب کا حکم ہے کہ امانت اُن تک پہنچاؤ جن کی ملکیت ہے۔“

○

”ٹھہرو“۔ عباس نے گھوڑے کی باگ کھینچ کر کہا۔ ”گھوڑے کے ٹاپ سن رہی ہو؟“

نوشی نے بھی اپنے گھوڑے کی باگ کھینچی اور کان کھڑے کئے۔ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ بڑی ہی دور کی آواز کی طرح سنائی دے رہے تھے۔ وہ گھوڑ سوار کوئی بھی ہو سکتا تھا لیکن ان دونوں کو خطرہ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ نوشی کے منگیتر کو جب پتہ چلے گا کہ نوشی اور سلی نوش غائب ہیں تو وہ ان کے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ یہ گھوڑ سوار نوشی کا منگیتر ہو سکتا تھا، اور وہ کوئی بدو بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا ہو گا کہ ہامون مرا پڑا

ہے اور سیلی نوش نوشی کے ساتھ لاپتہ ہے۔ قتل کا شک بلکہ یقین انہی پر ہو سکتا تھا لہذا کوئی بدو ان کے تعاقب میں آ رہا ہو گا۔

گھوڑے کے ٹاپ اب واضح ہو گئے تھے اور لگتا تھا جیسے گھوڑا انہی کی طرف آ رہا ہے۔ وہ دونوں مڑ مڑ کر دیکھتے چلتے ہی گئے۔

گھوڑا خاصی تیز دوڑتا آ رہا تھا۔ ان دونوں کی رفتار معمولی تھی۔ پورا چاند اوپر آ گیا تھا اور جنگل کی چاندنی پہلے سے زیادہ شفاف ہو گئی تھی۔ اب جو انہوں نے پیچھے دیکھا تو انہیں گھوڑا نظر آنے لگا۔ وہ رُک گئے۔ وہ گھوڑا سوار کوئی عام مسافر ہوتا تو معمول کی چال چتا لیکن وہ سریت گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بالکل قریب آ گیا۔

”نوشی!“ — گھوڑا سوار نے لکار کر کہا — ”اتنی آسانی سے نہیں جاسکو گی....

تکوار نکال لے او بدو! پھر نہ کہنا کہ میں نے تجھے مقابلے کی مہلت نہیں دی تھی۔“

وہ نوشی کا منگیترا ہی تھا۔ وہ تکوار لہراتا آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑا روکا اور عباس کو لکار کر گھوڑا عباس اور نوشی کے ارد گرد آہستہ آہستہ دوڑانے لگا۔

”میں تجھے موقع دیتا ہوں اے ردی!“ — عباس بن طلحہ نے کہا — ”میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا، اسے اس کے ماں باپ کے پاس لے جا رہا ہوں۔“

”جھوٹے بدو!“ — منگیترا نے کہا — ”میں جانتا ہوں تو اسے کہاں لے جا رہا ہے۔“

نوشی نے عباس سے کہا کہ وہ تکوار نکال لے اور اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرے۔ نوشی نے اپنی تکوار نکال لی۔ منگیترا نے کچھ ایسی ناروا باتیں کہہ دیں کہ عباس کو تکوار نکالنے ہی پڑی ورنہ عباس کی کوشش یہ تھی کہ لڑنے تک نوبت نہ آئے مگر منگیترا غصے سے پاؤں ہوا جا رہا تھا اور بڑھ بڑھ کر تکوار عباس کے آگے لہراتا تھا۔ آخر عباس اور نوشی کے منگیترا میں تیغ زنی شروع ہو گئی۔ دونوں اپنے گھوڑوں کو گھما پھرا کر اور پیٹیرے بدل بدل کر ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے، وار روک بھی رہے تھے۔ دونوں ماہر تیغ زن تھے۔ تکواریں عکراتیں اور جسموں سے دور رہتی تھیں۔

نوشی بھی تکوار لہرا کر منگیترا پر حملہ آور ہوئی لیکن عباس نے اسے ڈانٹ کر پیچھے کر دیا اور کہا کہ ایک کے مقابلے میں دو تکواروں کا آنا بزدلی ہے.... ان کی لڑائی تیز اور تیز تر ہوتی چلی گئی۔ نوشی اس قدر غصے میں بھری ہوئی تھی کہ وہ اس لڑائی سے الگ رہ نہ

سکی۔ بار بار درمیان میں آتی تھی لیکن دو مردوں کی لڑائی میں اس کی دخل اندازی کامیاب نہیں ہوتی تھی۔ عباس بار بار اسے پیچھے رہنے کو کہتا تھا۔

”آنے دے آگے اسے!“ — منگیترا نے غضب ناک آواز میں کہا — ”اسے میری ہی تکوار سے مرنا ہے۔ تم دونوں زندہ نہیں جاسکو گے۔“

”تم پیچھے ہٹ جاؤ عباس!“ — نوشی نے کہا — ”یہ میرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے۔“

”پیچھے رہ نوشی!“ — عباس نے گرج کر کہا — ”میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔“

منگیترا گھوڑا ایک طرف لے گیا اور ان دونوں کے ارد گرد دوڑانے لگا۔

”کیا نام لیا ہے اس کا!“ — منگیترا نے پوچھا۔

”عباس بن طلحہ!“ — عباس نے کہا — ”میرا نام سیلی نوش نہیں، میں مسلمان ہوں۔“

”ہا ہا!“ — منگیترا نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا — ”میری تکوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔“

اب منگیترا قہر اور غضب سے عباس پر حملہ آور ہوا لیکن عباس کی تکوار منگیترا کے پہلو میں اتر گئی۔ عباس نے تکوار کھینچ کر اس کی گردن پر ایسا دار کیا کہ آدھی گردن کاٹ دی۔ منگیترا گھوڑے سے ایک طرف گر پڑا۔

”چلو نوشی!“ — عباس نے کہا — ”میں نے اسے زندہ رہنے کا بہت موقع دیا تھا لیکن اسے اسی انجام کو پہنچنا تھا۔“

نوشی کی طرف سے عباس کو کوئی جواب نہ ملا جیسے نوشی وہاں تھی ہی نہیں۔ عباس نے اُدھر دیکھا جہاں نوشی کو ہونا چاہئے تھا لیکن اُدھر نوشی کا گھوڑا کھڑا تھا اور نوشی گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں تھی۔ عباس کو نوشی زمین پر گری نظر آئی۔ عباس کو دکھ گھوڑے سے اتر اور نوشی تک پہنچا۔ نوشی کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

عباس نوشی کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ نوشی درد سے کراہتی انتاہی کہہ سکی کہ بد بخت مرتے مرتے تکوار میرے سینے میں اُتار گیا ہے۔ یہ نوشی کے آخری الفاظ تھے اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

عباس کو پتہ ہی نہیں چل سکا تھا کہ نوشی کو اس کے منگیتر نے کس وقت اور کس طرح تلوار ماری تھی۔ اسی لئے عباس بار بار نوشی سے کہتا تھا کہ وہ دور رہے۔ نوشی کسی وقت اتنی قریب آگئی تھی کہ اس کا منگیتر اس پر وار کر گیا۔

عباس بن طلحہ نے دونوں کی لاشیں وہیں چھوڑیں، ان کے گھوڑوں کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھیں اور چل پڑا۔ وہ اتنی اچھی نسل کے گھوڑے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ذرا سا بھی افسوس نہ ہوا کہ اتنی خوبصورت لڑکی ماری گئی ہے، اسے اطمینان ہوا کہ اللہ نے اسے اس فرض سے جو اس نے خود ہی اپنے لئے پیدا کر لیا تھا، جلدی ہی بسکدوش کر دیا ہے اور اس نے امانت میں خیانت نہیں کی۔

○

اُسی رات کی بات ہے کہ سیلی نوش اور نوشی بڈوؤں کے جادوگر ہامون کو قتل کر کے، بڈو ملازم اور منگیتر کو سوتا چھوڑ کر وہاں سے چل پڑے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ منگیتر اور ملازم کو پتہ نہیں چلا کہ یہ دونوں یہاں سے چلے گئے ہیں۔ دونوں کچھ دور نکل آئے تھے۔

منگیتر کو موت اس طرف لے آئی تھی ورنہ نوشی کو اور عباس کو خیمے سے غائب پا کر وہ ان کی تلاش میں کسی اور طرف چل پڑا تھا۔ پھر وہ اس طرف کیوں آگیا؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ منگیتر کو عباس کے ہاتھوں ہی قتل ہونا تھا اور اصل جواب بھی مل گیا۔ وہ اس طرح کہ جب عباس نوشی اور اس کے منگیتر کی لاشیں وہیں چھوڑ کر اور ان کے گھوڑے ساتھ لے کر ذرا ہی دور گیا تھا کہ اسے اُسی طرف سے جس طرف سے منگیتر آیا تھا، دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ عباس نے یوں نہ کیا کہ ادھر ادھر ہو کر یا کہیں چھپ کر دیکھتا کہ اب کون آ رہا ہے۔ اس نے گھوڑا وہیں روک لیا اور آنے والے گھوڑا سوار کا انتظار کرنے لگا۔

گھوڑے کے ٹاپ بلند اور قریب تر آتے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد شفاف چاندنی میں اسے گھوڑا اور گھوڑا سوار کا ہولہ نظر آنے لگا۔ وہ کوئی اکیلا آدمی تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ عباس نے اپنا ایک ہاتھ تلوار کے دستے پر رکھ لیا۔ وہ کوئی بڈو ہی ہو سکتا تھا۔

وہ گھوڑا سوار اُس جگہ رک گیا جہاں نوشی اور اس کے منگیتر کی لاشیں پڑی تھیں۔

وہ گھوڑے سے اترا اور دونوں لاشوں کے پاس بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ چاندنی تو بڑی صاف تھی لیکن اتنی دور سے چہرہ نہیں پہچانا جاتا تھا۔ عباس کو یوں لگا جیسے وہ نوشی کا بڈو ملازم ہے۔ عباس اس کی طرف چل پڑا۔ وہ بڈو ملازم ہی تھا جو عباس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ عباس گھوڑے سے اترا اور اس کے پاس چلا گیا۔ اس ملازم سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ایک اس لئے کہ وہ ملازم تھا اور دوسرے اس لئے کہ وہ بڈو تھا۔

”یہ کیا ہوا ہے“ — بڈو ملازم نے ڈھیلی سی آواز سے پوچھا۔

”اس بد قسمت کو موت ادھر لے آئی تھی“ — عباس نے کہا — ”اور تمہاری یہ شہزادی اسی منگیتر کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے۔ یہ شخص میری تلوار سے مارا گیا ہے.... کیا تم ان کے پیچھے آئے ہو؟“

”میں شہزادی کے پیچھے آیا تھا“ — ملازم نے جواب دیا — ”بڑی اچھی شہزادی تھی، مجھے ملازم سمجھتی ہی نہیں تھی“ — اس کے آنسو نکل آئے۔

بڈو ملازم نے عباس بن طلحہ کو بتایا کہ منگیتر کس طرح اس طرف آگیا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ جب عباس اپنے خیمے سے دو زینیں اٹھا کر نکل رہا تھا تو اس ملازم کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ چونکہ چھوٹی حیثیت کا آدمی تھا اس لئے عباس سے یہ پوچھنے کی جرأت نہ کی کہ وہ زینیں کہاں لے جا رہا ہے لیکن یوں کیا کہ جب عباس نکل گیا تو ملازم نے اٹھ کر اسے دیکھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

ملازم نے عباس کو گھوڑوں پر زینیں کتے دیکھا پھر عباس اور نوشی کو گھوڑوں پر سوار ہوتے دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اس نے یہ جرأت بھی نہ کی کہ نوشی کے منگیتر کو بتاتا کہ عباس اور نوشی کہیں چلے گئے ہیں۔ وہ اپنے خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔

خاصا وقت گزر گیا تو بڈو ملازم نے نوشی کے منگیتر کو دیکھا کہ وہ خیمے سے نکل کر چند قدم آگے جا رہا تھا اور ہامون کے خیمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر وہاں رک کر منگیتر ہامون کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ اس وقت ملازم اپنے خیمے سے باہر آیا اور منگیتر کو دیکھنے لگا۔ اُس وقت بھی اس نے یہ ہمت نہ کی کہ منگیتر کو بتا دے کہ وہ دونوں تو کہیں چلے گئے ہیں۔

کچھ وقت بعد منگیتروڑتا ہوا اپنے خیمے کی طرف آیا۔ اُس وقت ملازم آگے ہوا اور پوچھا کہ وہ کیوں دوڑا آ رہا ہے۔ منگیتروڑنے اسے بتایا کہ ہامون مرا پڑا ہے اور وہ بدو (عباس) اور نوشی کہیں بھی نظر نہیں آ رہے۔

”تم ضرور جاننے ہو گے کہ بدو کہاں رہتے ہیں۔“ نوشی کے منگیتروڑنے ملازم سے کہا۔ ”وہ بدو ہامون کو قتل کر کے نوشی کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ وہ یقیناً اسے اپنے گھرنے گیا ہے۔ تم آؤ اور میرے ساتھ چلو اور مجھے بتاؤ کہ یہ بدو کہاں کہاں رہتے ہیں۔ ان کے سردار سے مجھے ملو“۔

ملازم ابھی اسے کچھ بتا ہی نہیں سکا تھا کہ منگیتروڑتا اپنے خیمے میں گیا اور زین اٹھا لیا۔ اس نے ملازم سے کہا کہ فوراً اپنی زین اٹھالائے اور گھوڑا تیار کرے۔

ملازم نے اسے بتایا کہ سیلی نوش اور نوشی اس طرف نہیں گئے جدھر بدو رہتے ہیں، وہ فرمایا بلیس کی طرف گئے ہیں۔

”یہ بدو سیلی نوش نہ فرما جائے گا نہ بلیس۔“ نوشی کے منگیتروڑنے قبر بھری آواز میں کہا۔ ”تم یہ بتاؤ کیا اس طرف بھی بدوؤں کے کوئی قبیلے رہتے ہیں؟“

”بہت دور جا کر راستہ دائیں کو مڑتا ہے۔“ ملازم نے جواب دیا۔ ”یہ راستہ خاصا آگے جا کر پھر دائیں کو مڑتا ہے اور کچھ اور آگے جا کر ایک علاقہ آتا ہے جس میں بدوؤں کے دو قبیلے رہتے ہیں۔“

”کیا تم سیلی نوش کو جانتے ہو؟“ منگیتروڑنے پوچھا۔ ”وہ کون سے قبیلے کا سردار ہے؟“

”نہیں!“ ملازم نے جواب دیا۔ ”میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ مجھے کچھ ایسا شک بھی ہوتا ہے کہ یہ شخص بدو ہے ہی نہیں۔“

”مجھے بھی یہی شک ہے۔“ منگیتروڑنے کہا۔ ”وہ لڑکی کو لے اڑا ہے.... تم بھی میرے ساتھ چلو۔“

ملازم نے غلامانہ سے انداز سے بات کرتے ہوئے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ گھوڑا اتنی تیز نہیں دوڑا سکتا اور اگر کہیں لڑنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لڑ بھی نہیں سکے گا.... نوشی کا منگیتروڑنے قدر غصے میں اور ایسی جلدی میں تھا کہ ملازم کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کیا، گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دوڑا دیا۔

ملازم نے عباس کو بتایا کہ نوشی کا منگیتروڑ چل پڑا لیکن وہ خود وہاں زیادہ دیر رک نہ سکا۔ اس نے سوچا کہ اب اپنے ہی گھر چلا جائے اور واپس بلیس نہ جائے وہ شاہی محل کی سیاست سے تنگ آ گیا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے قبیلے کی طرف چلنے لگا تو اسے نوشی کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو نوشی واپس بلیس چلی جائے تو پھر وہ اپنے دو چار فوجی اس کے قبیلے میں بھیج کر اسے گرفتار کروا کے بلا لے گی۔ اصل بات یہ تھی کہ بدو ملازم کوئی فیصلہ نہ کر ہی نہ سکا اور بلیس کی طرف چل پڑا۔

اس نے راستے میں نوشی اور اس کے منگیتروڑنے کی لاشیں دیکھیں تو وہ وہیں رک گیا۔ عباس نے اسے سنایا کہ یہ دونوں کس طرح مرے ہیں پھر اسے کہا کہ وہ بلیس جائے تو نوشی کے ماں باپ کو بتائے کہ کیا واقعہ ہوا تھا لیکن ملازم نے کہا کہ اب تو وہ اپنے قبیلے میں ہی جائے گا کیونکہ اسے ڈر ہے کہ وہ بلیس گیا تو نوشی کا جرنیل باپ غصے میں اسے ہی قتل کر دے گا۔

یہ مسئلہ عباس بن طلحہ کا نہیں تھا۔ نوشی کے والدین کو اطلاع ملتی نہ ملتی، یہ بدو ملازم بلیس جاتا یا اپنے قبیلے میں چلا جاتا، عباس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ عباس فرما کی طرف چل پڑا۔



عباس بن طلحہ ڈبڑھ یا دو دنوں کی مسافت کے بعد فرما پہنچا اور سید حاسبہ سالار عمرو بن عاص کے پاس گیا۔ عباس عمرو بن عاص کے جاسوسی کے اس نظام کا ایک بڑا ہی قابل اور دانشمند فرد تھا جو انہوں نے سارے مصر میں ایک جال کی طرح پھیلا دیا تھا۔ عباس ایک مہینے اور کچھ دنوں بعد جاسوسی کا مشن پورا کر کے واپس آیا تھا۔

”کوئی نئی خبر لائے ہو!“ عمرو بن عاص نے عباس سے پوچھا۔

عباس نے اپنی جاسوسی کی پوری رپورٹ سپہ سالار کو پیش کی اور آخر میں نوشی اور ہامون کا واقعہ سنایا۔ کوئی ایک بھی بات چھپائی نہیں اور ذرا ذرا سی تفصیل سنا ڈالی۔ سپہ سالار نے عباس کو ہلکی سی سرزنش کی کہ وہ خواہ مخواہ دوسروں کے مسائل میں اپنی ٹانگ جاڑا تا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ لڑکی کے منگیتروڑنے بجائے وہ منگیتروڑنے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔

”میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا سپہ سالار!“ عباس نے کہا۔ ”میں نے جب لڑکی

کی زبانی سنا کہ وہ ان بدوؤں کو رومی فوج میں شامل کرنے آئی ہے اور اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ بدوؤں کا جو لشکر مسلمانوں سے جاملہ ہے اسے ورغلا کر مسلمانوں سے ہٹایا جائے تو میں نے اپنا فرض سمجھا کہ اپنی شناخت بدل کر ان کے ساتھ ہوں۔ یہ دیکھنا بہت ہی ضروری تھا کہ یہ لوگ کیا کارروائی کرتے ہیں اور انہیں کچھ کامیابی حاصل ہوتی ہے یا نہیں۔ ہمارے لئے یہ معاملہ بڑا ہی اہم اور نازک تھا....

”اس ہامون جاودگر کو میں نے ایک تو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کی تہو ریزی کرنا چاہتا تھا جو اس کے لئے رضامند نہیں تھی اور اس سے نفرت کرتی تھی۔ اسے قتل کرنے کا دوسرا جواز یہ تھا کہ مجھے پتہ چلا کہ بدوؤں کے سرداروں پر اس کا ایسا اثر ہے کہ وہ اس کے اشاروں پر چلتے ہیں، میں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو جائے کہ یہ شخص اس لڑکی کو حاصل کرنے کی خاطر سرداروں سے کہہ دے کہ وہ اپنا ایک لشکر تیار کر کے رومی فوج کو دے دیں۔ میں نے ہامون کو قتل کر کے یہ خطرہ ہی ختم کر دیا۔ پھر شاہی خاندان کی یہ لڑکی بھی ماری گئی اور اس کا منگیتر بھی۔ اب ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ اس علاقے کے بدو رومیوں سے جاملیں گے اور ہمارے پاس آئے ہوئے بدو ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے....

”یہ بھی دیکھیں سپہ سالار! ان دونوں سے کتنی اہم معلومات مل گئی ہیں۔ بعض معلومات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اس میں کوئی شکست نہیں رہا کہ مقوقس اور اطربون آپس میں متفق نہیں کہ وہ مصر کا دفاع کس طرح کریں۔ مقوقس محتاط رویہ اختیار کرنا چاہتا ہے اور اطربون لڑنے کے حق میں ہے۔ اس رومی لڑکی نے مجھے بتایا تھا کہ ہر قتل نے ان دونوں کو پورے اختیارات دے دیئے ہیں لیکن یہ بھی کہا ہے کہ قبطنی عیسائیوں پر نظر رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بغاوت کر دیں۔ اس صورت میں مصر کو مسلمانوں سے بچانا ممکن نہیں رہے گا....

”لڑکی شاہی خاندان کی تھی اس لئے میں نے اس کی ہر بات قابل اعتماد سمجھی۔ وہ ہر قتل کے خلاف نفرت کا اظہار کرتی اور کہتی تھی کہ وہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔ شام کی شکست نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ وہ شاید اس لئے مصر سے دور رہنا چاہتا ہے کہ ایک اور شکست کا داغ اس کے ماتھے پر نہ لگے۔“

”یہ بدو ہمارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔“ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”انہیں ہم

نے فرما کا مال غنیمت اسی حساب سے دیا ہے جس حساب سے ہم نے اپنے لشکر میں تقسیم کیا ہے۔ وہ بہت ہی خوش ہیں۔“

”آخری فیصلہ تو آپ کو ہی کرنا ہے سپہ سالار!۔“ عباس بن طلحہ نے مشورہ دیا۔ ”میں جو کچھ دیکھ آیا ہوں، اس کے پیش نظر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کو ملک کا انتظار نہیں کرنا چاہئے اور فوراً پیش قدمی کر کے بلیس پہنچنا چاہئے۔ رومیوں کو سنبھلنے اور دم لینے کا موقع نہ دیں۔ انہیں سوچنے کی مہلت نہ دیں۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ غیر معمولی طور پر دانشمند اور جرأت مند تھے۔ ان میں خالد بن ولید والی صفات پائی جاتی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ عمرو بن عاص کو مصر پر حملے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ یہ خالد بن ولید کی طرح بے خطر اور بے دھڑک ایسے خطروں میں کود جاتے ہیں جہاں مجاہدین کے پورے لشکر کی ہلاکت صاف نظر آنے لگتی ہے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص ملک کے انتظار میں وقت ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے پہلے ہی لشکر کو تیاری کی حالت میں رکھا ہوا تھا اور اپنے ماتحت سالاروں اور کمانداروں سے کہہ دیا تھا کہ وہ دشمن کے تعاقب میں رہیں اور اسے دم نہ لینے دیں۔

○

جب نوشی بدوؤں کے علاقے میں چلی گئی تھی، اس کا شکست خوردہ جرنیل باپ بلیس پہنچا اور فرما کی شکست کی خبر سنا لی تو وہاں موت کا سکوت طاری ہو گیا۔ اس کی فوج کے بکھرے ہوئے سپاہی جب ایک ایک دو دو کر کے بلیس پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری کی ایسی باتیں سنائیں کہ بلیس میں جو فوج تھی، اس پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ دو یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی فوج میں یہ بات پھیل گئی اور سپاہیوں کی زبان پر چڑھ گئی کہ مسلمانوں کی فوج کی تعداد بہت ہی تھوڑی نظر آتی ہے لیکن جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو ان کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ مسلمانوں میں کوئی پراسرار اور غیبی طاقت ہے ورنہ انسان اس طرح نہیں لڑ سکتے۔

دسوں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو رومی فوج کی یہ کیفیت بھی بتا رکھی تھی۔ یہ اُس جذبہ بھاد کا کرشمہ تھا جس سے مجاہدین سرشار تھے اور انہوں نے اپنا تعلق براہ راست اللہ کے ساتھ جوڑ رکھا تھا۔

فتح شکست کے فیصلے میدان جنگ میں ہی ہوا کرتے ہیں اور تاریخ ان فوجوں اور ان کے جرنیلوں کی ہی کمائیاں سناتی ہے جو میدان جنگ میں لڑتے ہیں لیکن جنگ کے پس پردہ کچھ اور ڈرامے بھی ہوتے ہیں جو آنے والی نسلوں تک کم ہی پہنچتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی انفرادی کمائیاں ہوتی ہیں جو میدان جنگ سے دور ایسا کردار ادا کرتے ہیں جو فتح یا شکست پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن ایسے کردار تاریخ سے متعارف نہیں ہوتے۔ کبھی کوئی اُس دور کا وقائع نگار تاریخی نوعیت کے احوال و کوائف اکٹھے کرتے ہوئے کسی ایسے گنہگار کردار سے متعارف ہو گیا تو اس نے پردوں کے پیچھے کی ایک کمائی تاریخ کے دامن میں پوری تفصیل سے ڈال دی۔

ان میں غدار بھی ہوتے ہیں اور نوشی اور عباس بن طلحہ جیسے وہ کردار بھی جو جذبوں سے سرشار ہو کر کسی دنیاوی لالچ کے طلبگار نہیں ہوتے۔ نوشی ایسی ہی ایک لڑکی تھی جسے قوی جذبے نے دیوانہ بنا ڈالا تھا لیکن وہ آخر انسان تھی اور نوجوان۔ ایسی کمائیاں اگلی نسلوں تک سینہ بہ سینہ پہنچتی ہیں یا کوئی وقائع نگار تفصیل سے ایسے واقعات بیان کر کے نئی روایت آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر جاتا ہے۔

آئیے مدینہ چلتے اور دیکھتے ہیں کہ وہاں سے ابھی تک سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو ملک کیوں نہیں بھیجی گئی تھی.... عمروؓ بن عاص امیر المومنین حضرت عمرؓ کو جنگی صورت حال سے قاصدوں کے ذریعے آگاہ رکھتے تھے اور ہر بدلتی صورت تفصیل سے لکھوا کر بھیجتے تھے۔ تیز رفتار اور بڑی ہی سخت جان قسم کے قاصد تھے جنہیں اس کام کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

نقشے پر مصر اور مدینہ کا فاصلہ دیکھیں۔ بڑا ہی زیادہ فاصلہ ہے۔ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اُس دور میں گھوڑے کی پیٹھ پر یہ فاصلہ ایک مہینے میں طے ہوتا تھا یا اس سے زیادہ دن لگتے تھے لیکن تیز رفتار قاصد چند دنوں میں یہ فاصلہ طے کر لیا کرتے تھے۔ یہ راستہ ان علاقوں میں سے گزرتا تھا جو مجاہدین اسلام نے سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لئے تھے۔ قاصد خشکی کے راستے بحیرہ قلزم پھر بحیرہ احمر کے کنارے کنارے مدینہ تک

آتے جاتے تھے۔ تمام راستے میں چوکیاں بنا دی گئی تھیں جن میں نہایت اعلیٰ نسل کے تازہ دم گھوڑے تیار رکھے جاتے تھے۔ قاصد تھکے ہوئے گھوڑوں کو چوکی پر چھوڑتے اور تازہ دم گھوڑے پر سفر جاری رکھتے تھے۔ کہیں کہیں وہ کھانے پینے اور ڈراما سستانے کے لئے رک جاتے تھے لیکن کیا دن اور کیا رات وہ گھوڑے کی پیٹھ پر مسلسل سفر میں رہتے تھے۔ اس طرح پیغام رسانی کا نظام صحیح معنوں میں برق رفتار بنا دیا گیا تھا۔

○

ہر چند روز کے بعد عمروؓ بن عاص کا قاصد مدینہ پہنچتا اور تازہ صورت حال کا پیغام امیر المومنین تک پہنچاتا تھا۔ تاریخ کے مطابق ہر پیغام میں عمروؓ بن عاص ملک کے لئے لکھتے تھے لیکن انہوں نے ایسی بات کبھی نہیں لکھی تھی کہ انہیں ملک نہ ملی تو وہ پیش قدمی روک دیں گے اور یہ جنگی مہم آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ ان کا ہر پیغام حوصلہ افزا ہوتا تھا جیسے انہیں کسی بھی قسم کی مایوسی نہیں۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ اس قسم کے حوصلہ افزا پیغامات کو دیکھ کر ملک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تر توجہ مصر پر ہی مرکوز تھی کیونکہ عمروؓ بن عاص بہت ہی تھوڑی نفری لے کر ایسی صورت حال میں مصر چلے گئے تھے کہ امیر المومنین کے اہم ترین اور بزرگ مشیر اس مہم جوئی کے خلاف تھے۔ خود حضرت عمرؓ نے بہت ہی سوچ بچار کے بعد عمروؓ بن عاص کو مصر پر لشکر کشی کی اجازت دی تھی۔ حضرت عمرؓ یقیناً سوچتے ہوں گے کہ مصر میں ناکامی ہوئی تو انہیں مصاحبوں اور مشیروں کے آگے شرمسار ہونا پڑے گا کہ منع کرنے کے باوجود مجاہدین کے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیا گیا تھا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصر پر لشکر کشی کے سب سے بڑے مخالف بزرگ صحابی حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ اس مخالفت میں وہ حضرت عمرؓ سے ناراضگی تک بھی پہنچ گئے تھے لیکن اب وہی حضرت عمرؓ پر زور دے رہے تھے کہ عمروؓ بن عاص کو ملک بھیجی جائے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ملک میں تاخیر ہو رہی تھی۔ تاریخ نویسوں نے اس سوال پر قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہیں اور لے دے کی ہے۔ اس طرح کچھ وجوہات سامنے آگئی ہیں۔

یہ خاص طور پر پیش نظر رکھیں کہ اُس دور کے مشیر اور دیگر سرکردہ افراد جن سے

امیرالمومنین مشورے طلب کیا کرتے تھے، ہمارے آج کے سیاسی لیڈروں جیسے نہیں تھے۔ ان کے ہاں اپنی آنا کا کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں، ان کے پیش نظر دین اور ملت کا سودو زیاں رہتا تھا۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ معلوم کر لیتے کہ امیرالمومنین کیا چاہتے ہیں اور پھر ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ مخالفین اپنی مخالفت کو برحق ثابت کرنے کے لئے اُس کام میں بھی روڑے اٹکاتے جو دین اور سلطنت اسلامیہ کے لئے بہتر ہوتا تھا۔ وہ سب اپنے آپ کو سربراہ مملکت کے آگے نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آگے جواب دہ سمجھتے تھے۔ پہلے حضرت عثمانؓ بن عفان مکہ بھیجنے پر زور دے رہے تھے پھر دوسرے مخالفین نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یوں تہمانہ چھوڑا جائے۔ سب جانتے تھے کہ عمروؓ بن عاص خالدؓ بن ولید کی طرح خطرے مول لینے والے سپہ سالار ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پورے لشکر کو جانوں کے خطرے میں ڈال دیں۔

آخر ایک روز امیرالمومنین نے فجر کی نماز کے بعد سب کو روک لیا اور مکہ کے مسئلے پر بات شروع کی۔ حضرت عمرؓ بڑے ہی اثر انگیز انداز سے اور دلوں کو موہ لینے والے الفاظ میں بات کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایسا نہ کہا کہ آج مخالفین بھی مکہ بھیجنے پر زور دے رہے ہیں۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اچھی نیتوں کا اجر بہت اچھا دیا کرتا ہے۔ پھر انہوں نے مکہ کی تاخیر کی وجوہات بیان کیں جو مختصر آویں ہیں کہ عراق سے کسریٰ ایران کو بے دخل کر دیا گیا تھا لیکن اُس کی حالت اُس شیر جیسی تھی جو بُری طرح زخمی ہو چکا ہو لیکن ابھی مرانہ ہو۔ خطرہ تھا کہ زخمی شیر آخری حملہ ضرور کرے گا۔ اس خطرے کے پیش نظر عراق کے محاذ سے کوئی نفری نکالی نہیں جاسکتی تھی۔

ادھر پورے کا پورا ملک شام سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا تھا لیکن طاعون کی وبا مجاہدین کے لشکر کا تقریباً تیسرا حصہ چاٹ گئی تھی اور بہت سے نامور سپہ سالار دنیا سے اٹھ گئے تھے۔ اس قدر ترقی آفت کی پیدا کردہ کمی کو پورا کرنا تھا، اس میں مزید کمی نہیں کی جاسکتی تھی۔

پھر حضرت عمرؓ نے ایک وجہ یہ بتائی کہ انہیں یقین ہے کہ عمروؓ بن عاص عریش کو فتح کر چکے ہیں اور زیادہ سے زیادہ آگے بڑھے تو فرما تک جائیں گے اور وہاں مکہ کا انتظار کر کے آگے بڑھیں گے۔ حضرت عمرؓ کو پہلے عمروؓ بن عاص نے یہ پیغام بھیج دیا تھا

کہ بدوؤں کا ایک لشکر ان کے ساتھ آن ملا ہے جس نے رسد کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور اب یہ لشکر لڑائی میں بھی شامل ہو گا۔ حضرت عمرؓ کو اس پیغام سے تسلی ہو گئی تھی کہ کمک کی ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ اُس روز انہوں نے اور سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو تو اللہ کس طرح مدد کرتا ہے۔ کسی کو توقع تھی ہی نہیں کہ غیر مسلم بدوؤں کی اتنی زیادہ نفری مجاہدین سے آن ملے گی اور رسد اور کچھ اور ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ پھر فرما کی فتح کی اطلاع بھی آگئی۔ امیرالمومنین نے کہا کہ اسی کمک سے اتنا بڑا شرف فتح کر لیا گیا ہے اور اب عمروؓ بن عاص مدینہ کی کمک کے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے۔

مسجد میں جو حضرات موجود تھے، ان میں سے بعض نے کچھ مشورے دیئے اور اس مسئلے پر کچھ باتیں ہوئیں، آخر سب مطمئن ہو گئے۔

○

چند ہی دن گزرے تھے کہ فرما سے عمروؓ بن عاص کا ایک اور پیغام آگیا۔ پچھلے پیغام میں انہوں نے صرف فتح کی اطلاع دی تھی۔ اب انہوں نے تفصیلات لکھ کر بھیجی تھیں جن میں یہ بتایا کہ اپنا کتنا جانی نقصان ہوا ہے اور بدو کتنے مارے گئے ہیں۔ ان تفصیلات میں ایسے شدید زخمیوں کا بھی ذکر تھا جو ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصے کے لئے لڑائی کے قابل نہیں رہے تھے۔ فرما کی فتح نے جانوں کی قربانی خاصی زیادہ کی تھی۔ بدو اس لئے زیادہ مارے گئے تھے کہ انہیں کسی منظم لشکر کے ساتھ رہ کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ عمروؓ بن عاص نے لکھا کہ اللہ کی طرف سے انہیں کمک مل گئی تھی لیکن اب اپنے لشکر اور بدوؤں کی اس کمک کی تعداد اتنی رہ گئی ہے کہ کمک کی شدید ضرورت ہے۔

عمروؓ بن عاص نے یہ بھی لکھا کہ وہ اگلی صبح بلبل کی طرف کوچ کر رہے ہیں.... اس اطلاع نے امیرالمومنین کو پریشان کر دیا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اتنے تھوڑے لشکر کے ساتھ بلبل کی طرف سے لینا کس قدر بڑا خطرہ ہے۔ عمروؓ بن عاص نے اتنی جلدی پیش قدمی کے فیصلے کا جواز بھی لکھا تھا۔ ہم یہ جواز پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی رومیوں کو سنبھلنے اور سوچنے کا موقع نہ دیا جائے اور انہیں یہ تاثر بھی نہ ملے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ اس جواز سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رومیوں

کی چال یہ ہے کہ مسلمان مصر میں اور زیادہ اندر آجائیں اور پھر انہیں گھیرے میں لے لیا جائے اور عقب سے رسد اور کمک کے راستے بند کر دیئے جائیں لیکن دشمن کی چالوں سے صرف واقف ہو جانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ان چالوں کو بے کار کرنے کے لئے کوئی نئی چال سوچنی پڑتی ہے۔ عمروؓ بن عاصؓ دشمن کی چال اور ٹیٹ کو سمجھ کر ہی فرما سے کوچ کر رہے تھے اور جلدی سے جلدی بلیں پہنچنا چاہتے تھے لیکن سوال یہ تھا کہ ان کے ساتھ مجاہدین کی جو تعداد تھی، کیا وہ بلیں کو فتح کرنے کے لئے کافی تھی؟.... مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو لشکر تھا اس کی نفری رومیوں کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی۔ بعض مؤرخوں نے یہ تعداد چار ہزار لکھی ہے، بعض نے کچھ کم بعض نے ذرا زیادہ لکھی ہے۔ ان سب کی بتائی ہوئی تعداد پر غور کیا جائے تو اندازہ یہ ہے کہ بدوؤں کو ملا کر لشکر کی تعداد پانچ ہزار سے چند سو زیادہ تھی۔

لشکر کو باقاعدہ فوج کی حیثیت حضرت عمرؓ نے ہی دی تھی، باقاعدہ تنخواہیں اور مراعات مقرر کی تھیں لیکن مصر پر فوج کشی کے وقت تک یہ تبدیلی نہیں لائی گئی تھی۔ لوگ رضا کارانہ طور پر لشکروں میں شامل ہوتے تھے۔ اب حضرت عمرؓ نے شدت سے محسوس کیا کہ عمروؓ بن عاصؓ کے لئے کمک بھجوانی ہے تو انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو اُس وقت رائج تھا۔ وہ یہ کہ مسجد میں اعلان کیا گیا کہ مصر کے لئے کم از کم چار ہزار تعداد کا لشکر بھیجنا ہے اور لوگ آگے آئیں۔

مشہور و معروف مؤرخ ابن الککم نے چند ایک مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر پہلے ہی ایک صحابی پر تھی جن کا نام گرامی زبیرؓ بن العوام تھا۔ جنگ کا بہت تجربہ رکھتے تھے اور قیادت کی مہارت میں خاصے مشہور تھے۔ زبیرؓ بن العوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ امیر المومنین کی نظر ان پر تھی لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سے عمروؓ بن عاصؓ مصر میں داخل ہوئے تھے، زبیرؓ نے چند مرتبہ یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں مصر عمروؓ بن عاصؓ کے لشکر میں بھیجا جائے۔ تاریخ میں یہ ذکر نہیں کہ انہیں کیوں نہ بھیجا گیا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے انہیں ریزور میں رکھا ہو گا کہ جہاں صورت حال بہت ہی مخدوش ہو جائے، زبیرؓ کو وہاں بھیجا جائے۔ بہر حال اب حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا۔

”ابو عبد اللہ!“ - امیر المومنین نے زبیرؓ کو ان کے دوسرے نام سے مخاطب ہو کر پوچھا - ”کیا تو مصر کی امارت کا خواہش مند ہے؟“

”نہیں امیر المومنین!“ - زبیرؓ بن العوام نے جواب دیا - ”مجھے امارت کی ضرورت ہے نہ خواہش۔ اگر آپ مجھے کسی محاذ پر بھیجنا چاہتے ہیں تو میں جماد اور مجاہدین کی اعانت کے لئے جاؤں گا، دل میں کوئی لالچ لے کر نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ مجھے مصر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں سن چکا ہوں کہ مصر کے لئے کمک تیار ہو رہی ہے۔ میں جاؤں گا اور جب دیکھوں گا کہ عمروؓ بن عاصؓ نے مصر فتح کر لیا ہے تو اس کے کسی کام میں دخل نہیں دوں گا اور اسے امارت کے رتبے پر دیکھ کر روحانی مسرت کا اظہار کروں گا۔“

اُس وقت کے عربی معاشرے میں زبیرؓ بن العوام کو جو حیثیت حاصل تھی اس کا مختصر سا ذکر ہو جائے تو بے محل نہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی اور صحابی ہونا ہی ان کی عظمت کی بہت بڑی دلیل تھی لیکن انہیں اس سے زیادہ عظمت عطا ہوئی تھیں۔ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل تھے اور جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت ہوئی تو اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ شرف زبیرؓ کو ہی حاصل تھا کہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر بار جان کی بازی لگا کر لڑے۔

جنگ خندق میں ضرورت محسوس ہوئی کہ عیسائیوں کے دو قبیلوں کے متعلق معلوم کیا جائے کہ وہ اہل قریش کا ساتھ دے رہے ہیں یا نہیں اور اگر ان کا ساتھ دے رہے ہیں تو ان کی کتنی نفری ہے اور کب کمک کے طور پر آ رہی ہے۔ یہ براہی خطرناک کام تھا جس کے لئے زبیرؓ بن العوام نے اپنے آپ کو پیش کیا اور دشمن کے اندر جا کر صحیح خبر لے آئے۔ پھر ایک اور موقع پر بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاسوسی کی ضرورت محسوس کی تو آپ کو رضا کار ڈھونڈنے پڑے۔ یہ بھی براہی پر خطر کام تھا۔ اس کے لئے بھی زبیرؓ بن العوام نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر دشمن کی بستیوں میں گئے اور صحیح خبریں لے آئے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا - ”ہر نبی

کا ایک حواری ہوتا ہے۔ زیر بن العوام میرا حواری ہے۔“

اس سے زیادہ عظیم اور مقدس خراج تحسین اور کیا ہو سکتا ہے..... فتح مکہ کے دن مجاہدین کے لشکر میں تین علم تھے جن میں سے ایک زیر بن العوام کے ہاتھ میں تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب بھی زیر بن العوام سے خصوصی عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے اوصاف تھے کہ کوئی ایک بار ان سے متعارف ہو جاتا تو ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جس لشکر کی قیادت انہیں دی جاتی وہ لشکر ان کے اشاروں پر جانیں قربان کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے زیر بن العوام کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ مصر کے لئے کمک تیار کریں۔ زیر بن پہلے ہی بے تاب تھے کہ انہیں جہاد کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے۔ انہوں نے اُسی روز اس کام کی ابتدا کر دی۔ یہ کام ایک یا دو دنوں میں ہونے والا نہیں تھا۔ زیر بن نے دن رات ایک کروڑ یا دو لوگوں کو اکٹھا کرنے لگے۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ انہوں نے کمک کتنے دنوں میں اکٹھی کر لی۔ البتہ یہ بالکل واضح ہے کہ جو کمک انہوں نے تیار کی اس کی تعداد چار ہزار تھی۔

یہ کمک حضرت عمرؓ کو پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس چار ہزار نفری کے ایک ایک مجاہد کو دیکھا اور پھر اسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر ہر حصے کا الگ سالار مقرر کیا۔ ہر سالار کے ماتحت ایک ایک ہزار مجاہدین تھے۔ ان میں ایک تھے زیر بن العوام، دوسرے عبادہ بن الصامت، تیسرے تھے مقداد بن اسود سلمیٰ اور چوتھے تھے خارجہ بن حذافہ۔ ان چاروں کی سپہ سالاری کی ذمہ داری زیر بن العوام کو دی گئی۔

کمک کی تعداد کے متعلق تاریخ میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کمک کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ مستند اور محتاط تاریخ لکھنے والے مؤرخوں نے جن میں بٹلر بھی شامل ہے، صحیح بات لکھی ہے اور بتایا ہے کہ یہ غلط فہمی کیوں کر پیدا ہوئی۔

یہ غلط فہمی امیر المومنین حضرت عمرؓ کے الفاظ سے پیدا ہوئی ہے۔ انہوں نے اس کمک کے ساتھ جو تحریری پیغام عمرو بن عاص کو بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ تھے۔ ”میں تمہارے لئے چار ہزار مجاہدین بھیج رہا ہوں۔ ایک ایک ہزار مجاہدین پر ایک ایک سالار مقرر کر دیا ہے۔ یہ سالار جنگ لڑنے اور لڑانے کی اتنی مہارت اور اتنا جذبہ رکھتے ہیں

کہ یوں سمجھو کہ ایک ایک سالار ایک ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ میں تمہیں بارہ ہزار سرفروش مجاہدین بھیج رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ بارہ ہزار جانباز دشمن سے مغلوب نہیں ہو سکتے، دشمن کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔“

اس تحریر سے کچھ تاریخ نویس یہ سمجھ بیٹھے کہ کمک کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ صحیح تعداد چار ہزار تھی۔ صحیح طور پر نہیں لکھا جاسکتا کہ یہ کمک کتنے دنوں بعد عمرو بن عاص تک پہنچی۔ وہ تو تیز رفتار قاصد تھے جو حیران کن رفتار سے اتنا زیادہ فاصلہ چار پانچ دنوں میں طے کر لیا کرتے تھے۔ یہ پورا لشکر تھا جو اتنی تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتا تھا۔

جب یہ کمک نماز فجر کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئی تو امیر المومنین، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علیؓ اور تقریباً تمام بزرگ صحابہ کرام اس کمک کے ساتھ مدینہ سے دور تک گئے اور پھر ایک جگہ رک کر مجاہدین کو الوداع کہی۔ سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ مدینہ کی منڈیروں پر عورتیں دامن پھیلانے کھڑی مجاہدین کے لئے دعائیں کر رہی تھیں۔



آخر ایک روز سپہ سالار عمرو بن عاص نے کمک کا انتظار کئے بغیر لشکر کو بلبلس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ کوچ فجر کی نماز کے بعد ہوا تھا اور یہ فروری 640ء کا پہلا ہفتہ تھا۔

ایک روز پہلے عمرو بن عاص نے ایک پیغام مدینہ امیر المومنین کی طرف بھیج دیا تھا جس میں انہوں نے ایک تو بلبلس کی طرف پیش قدمی کی اطلاع لکھی اور دیگر امور کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ اب کمک کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے.... ہم اس پیغام کا پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عمرو بن عاص نے ایک روز پہلے لشکر سے خطاب کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار انہوں نے لشکر سے خطاب کیا اور بتایا تھا کہ اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے لئے مصر کتنا اہم ہے۔ مصر کو انہوں نے پیغمبروں کی سرزمین کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس راستے پر وہ مصر فتح کرنے جا رہے ہیں، یہ پیغمبروں کا راستہ ہے۔ اس راستے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام جا چکے ہیں۔ اس راستے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی گئے تھے۔ اب عمرو بن

عاص نے جو لشکر سے خطاب کیا اس میں انہوں نے کہا کہ ہم جس شر بلیس کو فتح کرنے جا رہے ہیں وہ فرما سے زیادہ اہم اور قیمتی شر ہے اور رومی یہ شر ہم سے بچانے کے لئے بے دریغ جانوں کی قربانیاں دیں گے لیکن اللہ کا حکم ہے کہ ہم یہ شر ہر قیمت پر فتح کریں۔

انہوں نے لشکر کو جذباتی الفاظ سے بھڑکایا نہیں اور انہیں سبزیباغ نہیں دکھائے نہ ایسا تاثر دیا کہ رومی بلیس کو پلیٹ پر رکھ کر انہیں پیش کر دیں گے۔ انہوں نے حقیقت بیان کی اور جن دشواریوں کا سامنا تھا وہ من و عن بیان کر دیں۔ انہوں نے بتایا کہ اپنی تعداد بہت تھوڑی ہے اور دشمن کی جنگی طاقت کئی گنا زیادہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ عریش اور فرما کی فتح ہمارے لئے صرف اس لئے آسان تھی کہ رومی ہمیں دھوکہ دے کر مصر میں کچھ اور آگے لانا چاہتے تھے۔ ہم اور آگے آگے ہیں اور مزید آگے جا رہے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ بلیس ایک پھندہ ہے جس میں رومی ہمیں پھنسا کر ہمیشہ کے لئے بے کار کر دینا چاہتے ہیں۔

”مت بھولو کہ تمہارا براہ راست تعلق اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ہے۔“ سپہ سالار عمرو بن عاص نے کہا۔ ”تم اللہ کے حکم سے اللہ کے راستے پر جا رہے ہو۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور ہمارا دشمن ہمیں شکست دے کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہمارا ایمان غلط ہے اور یہ کسی انسان نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ ہمیں کفار پر ثابت کرنا ہے کہ ہم دین الہی کے پیروکار ہیں اور اپنے ساتھ یہی دین لائے ہیں جو ایک رسولؐ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور اس کے ساتھ اللہ کا یہ حکم کہ یہ دین اللہ کے ہر بندے تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہمیں سمندروں کا سینہ چیرنا ہے، پہاڑوں کے جگر چاک کرنے ہیں اور دشت و جبل کو اپنے قدموں تلے روندنا ہے۔“

اس کے بعد عمرو بن عاص نے لشکر کو تمام حقائق سے آگاہ کیا اور انہیں ٹھوس قسم کی ہدایات دیں۔ انہوں نے لشکر کو پیش قدمی کے دوران جس طرح تقسیم کیا اور جس ترتیب سے لشکر کو پیش قدمی کرنی تھی وہ سب لشکر کو بتایا اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ یہ تقسیم اور یہ ترتیب کیوں کی گئی ہے۔

پیش قدمی کے دوران لشکر کی تقسیم اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے ہراول دستہ تھا اور اس دستے سے بہت آگے چند ایک مجاہدین مقامی کسانوں اور محنت کشوں کے

بھیس میں بکھرے ہوئے جا رہے تھے۔ وہ جاسوس تھے اور دیکھ بھال کرتے جا رہے تھے۔ کچھ دستے ہراول سے دور پیچھے تھے، ان کے دائیں اور بائیں خاصے فاصلے پر ایک ایک دستہ جا رہا تھا اور ایک دو دستے عقب میں آ رہے تھے۔ مطلب یہ کہ لشکر ایک مسلح قافلے کی صورت میں نہیں جا رہا تھا۔

یہ ترتیب یہ سوچ کر کی گئی تھی کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کو اچھی طرح معلوم تھا کہ رومی جرنیل انہیں اُس مقام پر لے آئے ہیں جہاں وہ کسی بھی وقت لشکر پر پیش قدمی کے دوران بہت زیادہ نفری سے دائیں اور بائیں سے یا عقب سے حملہ کر سکتے ہیں۔ جاسوسوں نے سپہ سالار کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ رومی مجاہدین کے لشکر کو پہلے آگے لا کر اور پھر گھیرے میں لے کر مارنا چاہتے ہیں۔

عمرو بن عاص روایتی لڑائیاں لڑانے والے سپہ سالار نہیں تھے۔ وہ دشمن کی شاطرانہ چالوں کو سمجھتے تھے اور ایسی ہی چالیں چلنے کی مہارت رکھتے تھے۔ دشمن کی نیت کو اور اُن چالوں کا توڑ کرنے کو جو ابھی دشمن کے ذہن میں ہوتی تھیں، عمرو بن عاص نے جاسوسی کا اتنا کارگر نظام قائم کر دیا تھا کہ ان کے جاسوس تو جیسے دشمن کے پیٹ میں اُتر کر خبر لے آتے تھے۔

یہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشوار گزار بھی۔ دشوار گزار اس لئے کہ اس علاقے میں آکر دریائے نیل کئی ایک شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ بعض نہریں تو زیادہ چوڑی نہیں تھیں اور یہ عام نہروں جیسی ہی تھیں لیکن بعض شاخیں دریاؤں جیسی تھیں۔ پانی کی افراط کی وجہ سے علاقے میں دلدل تھی اور درختوں کی بہتات تھی اور کچھ علاقہ پہاڑی اور غیر ہموار بھی تھا۔ نیل کی ان شاخوں کو عبور کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ سب سے بڑا اور خطرناک مسئلہ تو یہ تھا کہ رومی فوج اسی علاقے میں انہیں گھیرے میں لے سکتی تھی۔

تاریخ کے مطابق، راستے میں ایک بڑا ہی قدیم قصبہ آیا جس کا نام مجدل ہوا کرتا تھا۔ اس قصبے میں جا کر دیکھا۔ رومی فوج کا کوئی ایک سپاہی بھی نظر نہ آیا۔ عمرو بن عاص نے اس قصبے کے قریب پڑاؤ کیا اور قصبے کے سرکردہ افراد کو بلا کر پوری تفتیش کی کہ یہاں کبھی رومی فوج کی کچھ نفری رہی ہے یا نہیں اور رومیوں نے شر کے لوگوں کو کوئی فوجی اور جنگی نوعیت کی بات بتائی ہے یا نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس قصبے میں کبھی فوج نہیں آئی اور کبھی انہیں فوج کی طرف سے کوئی ہدایت یا کوئی حکم دیا بھی نہیں گیا۔ ان سرکردہ افراد نے عمرو بن عاص کو یقین دلایا کہ وہ رومی فوج کے ساتھ تعاون سے انکار کی جرات تو نہیں کر سکتے لیکن تعاون سے گریز ضرور کریں گے۔

عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ قصبے کا کوئی آدمی قصبے سے باہر نہ جائے اور کوئی آدمی بلیس کی طرف جاتا نظر آیا تو دور سے اسے تیر کا نشانہ بنالیا جائے گا۔ عمرو بن عاص کا مطلب یہ تھا کہ رومیوں کو قبل از وقت اطلاع نہ پہنچ سکے کہ اسلامی لشکر آ رہا ہے اور اس کا رخ کس طرف ہے۔

عمرو بن عاص نے ان سرکردہ افراد سے یہ بھی کہا کہ لوگوں کو یقین دلادیں کہ اب اس شہر کو اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی عمل داری میں سمجھیں اور انہیں بتائیں کہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور اس لشکر کا کوئی ایک بھی فرد کسی گھہ میں داخل نہیں ہو گا۔

تاریخ میں عمرو بن عاص کے لشکر کی اس پیش قدمی کا پورا راستہ بتایا گیا ہے جو دیکھو تو احساس ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین صحیح معنوں میں اللہ کے سرفروش تھے۔ وہ تو اتنی تھوڑی تعداد میں بڑے ہی طاقتور، دشمن کے گھرمیں داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دشمن کی تلواروں سے کٹتے دیکھا تو ان میں کوئی ایک جی ایسا نہیں تھا جس کے چہرے پر گہرا ہت یا خوف کا زہر اسابھی نہ تھا۔

مجدل سے بہت دور جا کر ایک ایسی بستی بنی جو ان کے سامنے آئی۔ اس کا نام قنبرہ ہے۔ ہراول سے بہت آگے آئے جا کر وہاں پہلے اس بستی تک پہنچ گئے اور ان میں سے ایک واپس آیا اور ہراول دتے بولتا تھا کہ اس شہر جیسی بستی میں رومی فوج کی کچھ تعداد موجود ہے جو اتنی تھوڑی نہیں کہ بھاگ جائے گی۔

ہراول دتے کے سالار نے سپہ سالار کو اطلاع بنوادن اور خود اپنے دتے کو ساتھ لے کر بستی کو گھیرے میں لینے کے لئے چلا گیا۔

عمرو بن عاص کو اطلاع پہنچی تو انہوں نے درمیان والے دستوں میں سے ایک دستہ آگے بھیج دیا۔ یہ کوئی قلعہ بند شہر نہیں تھا۔

رومی فوجی شہر سے باہر آ گئے۔ مجاہدین ان پر حملہ آور ہوئے اور رومی فوجی کچھ تو کٹ مرے اور باقی بستی کے اندر چلے گئے۔ مجاہدین نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور سب کو ختم کر دیا۔ تاریخ میں اسے معمولی سی مزاحمت لکھا گیا ہے لیکن ہم اسے معمولی مزاحمت نہیں کہیں گے کیونکہ عمرو بن عاص نے مکہ کے بغیر وہاں تک جا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ لشکر کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور وہ یوں سمجھیں کہ ایک شیر کے جڑوں میں چلے گئے تھے۔ بزرگ صحابہ کرام اسی لئے امیر المومنین سے کہتے تھے کہ عمرو بن عاص کو مصر پر لشکر کشی کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ یہ یقینی ہلاکت کا خطرہ بھی مول لے لیا کرتے ہیں۔

عمرو بن عاص اُس مقام تک پہنچ گئے تھے بلکہ آگے نکل گئے تھے جہاں سے واپسی ممکن ہی نہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے سپہ سالار تھے جو خطرے تو مول لے لیا کرتے تھے لیکن ہر پہلو پر غور کر لیتے اور ایک خطرے کے اندر چھپے ہوئے خطروں کو بھانپ اور ناپ تول لیا کرتے تھے۔ اب وہ جو بلیس کی طرف جا رہے تھے تو ان کی نظر صرف بلیس پر یا ان کے ذہن میں بلیس کا محاصرہ ہی نہیں تھا بلکہ انہوں نے اور بھی بہت کچھ سوچ لیا تھا جو اپنے ماتحت سالاروں کو کچھ پہلے بتادیا تھا اور باقی اب بتایا۔

”آگے کی بجائے اپنی نظرس پیچھے زیادہ رکھنا“ — عمرو بن عاص نے بلیس کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے اپنے سالاروں سے کہا تھا — ”رومی اتنے بھی کم عقل نہیں کہ ایک شہر میں محصور ہو کر بیٹھ رہیں گے، وہ عقب سے یقیناً حملہ کریں گے۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ بلیس کے اندر کی فوج ہمارا مقابلہ اس طرح نہیں کرے گی جس طرح فرما میں کیا تھا“۔

ایسی ہی کچھ اور ہدایات دے کر عمرو بن عاص نے پیش قدمی کا حکم دے دیا اور اسی شام بلیس تک جا پہنچے اور رات ہی رات شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ عمرو بن عاص جب شہر کے ارد گرد محاصرے کو دیکھ رہے تھے تو وہ ہر سالار، عمدے دار اور ہر کماندار سے یہ کہتے گئے کہ یہ مت بھولنا کہ اب تمہارا مقابلہ روم کے بڑے ہی چالاک اور شاطر جرجنیل اطربوں سے ہے۔

عمرو بن عاص کو جاسوسوں نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ اطربوں بلیس میں موجود نہیں۔

وہاں دو جرنیل تھے جن میں ایک نوشی کا باپ تھا جو فرما سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔ عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں کو بتایا تھا اور کہا تھا کہ اب اور زیادہ چوکنے رہیں۔

اُس وقت مصر کا فرمانروا متوقس اور اطربوں کی اور مقام پر تھے جس کا تاریخ میں نام نہیں آیا۔ یورپی مؤرخ ایلفریڈ بلٹر لکھتا ہے کہ جب متوقس اور اطربوں کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے بلبلین کا محاصرہ کر لیا ہے تو دونوں چونک اٹھے اور ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت اتفاق سے وہ اکٹھے بیٹھے اسی پلان پر باتیں کر رہے تھے جو انہوں نے مسلمانوں کو گھیر کر مارنے کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دونوں کو توقع ہی نہیں تھی کہ مسلمان اتنی تیزی سے ایسا دشوار گزار اور لمبا راستہ طے کر لیں گے۔

”ہم ابھی تیار نہیں“۔ متوقس نے کہا۔ ”ہمیں کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی کہ وقت حاصل کریں اور مسلمانوں کو بلبلین کے باہر ہی الجھائے رکھیں۔“

”ہم بالکل تیار ہیں“۔ اطربوں نے کہا۔ ”ہم اب یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ مسلمان بلبلین پر بھی قابض ہو جائیں۔ میں اب انہیں مزید مہلت دینے کے حق میں نہیں۔“

”عریش اور فرما کے بعد میں انہیں بلبلین کسی قیمت پر نہیں لینے دوں گا۔“

متوقس نے کہا۔ ”لیکن ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ ہمیں کچھ وقت حاصل کرنا پڑے گا۔“

تاریخ کے مطابق ان کے درمیان جتنی بھی گفتگو ہوئی اس میں یہ تاثر بڑا ہی واضح تھا کہ ان میں اختلاف رائے ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی جھکنا نہیں چاہتا۔ متوقس کی حیثیت اطربوں سے اونچی تھی۔ متوقس مصر کا فرمانروا تھا اور اطربوں ایک جرنیل۔ آخر متوقس کی مانی گئی۔ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ پادریوں کا ایک وفد مسلمانوں کے سپہ سالار کی طرف بھیجا جائے جو یہ مذاکرات کریں کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں اور بتائیں کہ وہ کن شرائط پر مصر سے نکلیں گے۔

اطربوں نے کہا کہ وہ اگر یہ شرط پیش کر بیٹھے کہ انہوں نے مصر کا جو علاقہ فتح کر لیا ہے وہ اپنی عمل داری میں رکھیں گے اور اس سے آگے پیش قدمی نہیں کریں گے تو کیا ہم مان لیں گے؟ اطربوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان یہ شرط بھی پیش کر سکتے ہیں کہ بلبلین

انہیں دے دیا جائے۔

”میں انہیں مصر کی ایک بالشت زمین بھی نہیں دوں گا۔“ متوقس نے کہا۔

”میں انہیں ایک چکر میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ مجھے پادریوں کا وفد ان کے پاس بھیج لینے دو۔ تم فوج تیار کرو۔۔۔ اور اطربوں! ان بد بخت قبطی عیسائیوں کو مت بھولو۔ میں ان کے اسقف بنیامین کو بھی اپنے جال میں لانے کی سوچ رہا ہوں۔“

آخر ان دونوں میں طے یہ پایا کہ پادریوں کا وفد مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس بھیجا جائے۔ اُسی وقت چار یا غالباً چھ بزرگ پادریوں کی طرف آدمی دوڑا دیئے گئے کہ وہ فوراً متوقس کے پاس پہنچیں۔

ہرقل کی سرکاری عیسائیت کا اسقف اعظم قیرس تھا۔ اگر پادریوں کا ہی وفد بھیجنا تھا تو اس میں قیرس کی شمولیت لازمی تھی لیکن قیرس کو نہ بلایا گیا۔ تاریخ میں ایسے کچھ اشارے ملتے ہیں کہ ہرقل اور قیرس میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اُس وقت قیرس سکندریہ میں تھا۔ ہرقل ابھی تک برنلیہ میں بیٹھا حکم بھیج رہا تھا جو متوقس اور اطربوں کے لئے محض بے کار اور بے بنیاد تھے۔

متوقس کے متعلق ہم ایک بات دوہرانا چاہیں گے۔ یہ بات پوری تفصیل سے اس داستان کے آٹھویں باب میں پیش کی گئی ہے۔ بات یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے متوقس کو قبول اسلام کے لئے ایک پیغام بھیجا تھا جو حضرت حاطبؓ لے کر گئے تھے۔ متوقس نے اس پیغام کا جواب خلاف توقع نہایت احترام سے دیا تھا۔

اس نے حضرت حاطبؓ کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ آنحضورؐ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ آنحضورؐ کی زندگی کے بعد مسلمان مصر کے میدان پر قابض ہو جائیں گے۔

یہاں یہ واقعہ دوہرانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ متوقس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دو نوخیز لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ ان میں سے ایک (حضرت ماریہؓ) آنحضورؐ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوئی تھیں۔ آنحضورؐ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ قبطیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک روا رکھنا کیونکہ ان کے ساتھ تمہاری رشتہ داری بن گئی ہے۔

محاصرے کا ساتواں آٹھواں روز تھا۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو اطلاع دی گئی کہ

مصری پادریوں کا ایک وفد ان سے ملنے آیا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے وفد کو اسی وقت خیمے میں بلوایا اور احترام سے وفد کا استقبال کیا۔ چونکہ یہ وفد مذہبی پیشواؤں کا تھا اس لئے وفد کے لیڈر نے مذہب کے حوالے سے بات کی اور امن و امان اور بنی نوع انسان سے محبت کرنے کے موضوع پر وعظ دے ڈالا۔

عمروؓ بن عاص نے یہ وعظ سنا اور کہا کہ ان کا اپنا مذہب یہی تعلیم دیتا ہے لیکن وہ بتائیں کہ ان کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ پادری نے وہ بات کہی جو مقوقس نے اسے بتائی تھی۔ یعنی یہ کہ مسلمان ہمیں سے واپس اپنے ملک میں چلے جائیں اور اگر ان کی کوئی شرط ہے تو وہ بتائیں۔

”میری اپنی ذاتی شرط نہیں“۔ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”ہم اپنے مذہب کے اصولوں کے پابند ہیں اس لئے میں وہ شرط پیش کروں گا جو اسلام نے ہمیں بتائی ہے.... اسلامی اصول یہ ہے کہ میں آپ کو اور آپ کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جتنے بھی لوگ اسلام قبول کر لیں گے ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ وہ ہماری قوم کے افراد ہوں گے۔ اسلام نے بنی نوع انسان میں مساوات قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا اور لوگ رعایا نہیں کہلاتے۔ آپ کے جو لوگ اسلام قبول نہیں کریں گے، ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا لیکن ان سے ہم جزیہ وصول کریں گے۔ ان کے ساتھ بھی ہمارا سلوک اور رویہ ویسا ہی ہو گا جیسا مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام قبول نہ کرنے والوں کے بھی مال و اموال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہوں گے اور ان کی تمام ضروریات ہم پوری کریں گے۔“

یہ بات قابل فہم ہے کہ وفد نے یہ شرط قبول نہ کی اور عمروؓ بن عاص کو قائل کرنے لگے کہ وہ خونریزی ہمیں روک دیں اور واپس چلے جائیں۔ مقوقس کے کہنے کے مطابق پادریوں نے کچھ زرو جو اہرات کی پیشکش بھی کی لیکن عمروؓ بن عاص نے کہا کہ اسلام کے جذبہ جہاد میں ہوس ملک گیری نہیں ہوتی نہ شاہی خزانوں کے ہاتھ آنے کے خواب دیکھے جاتے ہیں۔

عمروؓ بن عاص جانتے تھے کہ یہ مذاکرات کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ کسی بھی قیمت پر وہ مقوقس کی یہ شرط نہیں مان سکتے تھے کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں۔ عمروؓ

بن عاص نے از راہ مذاق پادریوں کے وفد سے کہا کہ ان کی مصریوں کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اس لئے مصر پر عربوں کا خلاصہ حق ہے۔

پادری سمجھ گئے کہ اس مسلمان سپہ سالار کا اشارہ کس طرف ہے۔ اشارہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر گئے تھے تو مصر کے بادشاہ نے انہیں ایک لڑکی پیش کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کر لی اور اس کا نام باجرہ رکھا تھا۔ باجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ پھر اس رشتے کا اشارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی تھا۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مقوقس نے آنحضور کو دو لڑکیوں کا تحفہ بھیجا تھا جن میں سے ایک آنحضرتؐ کی زوجہ بنی۔

”ہم یہ رشتہ داری نہیں بھول سکتے“۔ وفد کے بڑے پادری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اس قسم کی رشتہ داری کو صرف کوئی پیغمبر ہی زندہ کر سکتا ہے۔“

”کیا ہم ایک دوسرے کا وقت ضائع نہیں کر رہے؟“۔ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”ہماری بات چیت یہاں پر ختم ہوتی ہے کہ ہم کسی بھی شرط پر مصر سے واپس نہیں جائیں گے۔ مسلمان جانے کے لئے نہیں آئے، ایک پیغام لائے ہیں جو انہیں قبول ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔“

عمروؓ بن عاص نے اس سے آگے کوئی اور بات سننے یا کہنے سے انکار کر دیا۔ مقوقس نے اس وفد سے کہا تھا کہ وہ کچھ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ پوری فوج کو تیار کر کے مسلمانوں کو گھیرا جائے۔

”ہمیں کچھ وقت دیں“۔ وفد کے لیڈر نے کہا۔ ”میں فرمانروائے مصر کے ساتھ بات کر لوں اور پھر آپ کو جواب دینے آؤں گا۔“

”یہ بھی سوچ لینا“۔ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گے۔ میں صرف تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ مجھے اسلام کی شرط کے مطابق جواب نہ ملا تو وہ خونریزی ہوگی جسے آپ روکنا چاہتے ہیں۔“

تاریخ میں آیا ہے کہ اس گفت و شنید کے بعد پادریوں نے مہلت میں اضافے کی درخواست کی۔ وہ زیادہ دنوں کی مہلت چاہتے تھے لیکن عمروؓ بن عاص نے تین کی بجائے مہلت پانچ دن کر دی.... پادری پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

پادریوں کا وفد واپس مقوقس سے جا کر ملا اور اسے بتایا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار

کے ساتھ کیا مذاکرات ہوئے ہیں۔ مقوقس بہت زیادہ دنوں کی مہلت کی توقع رکھتا تھا لیکن پادریوں نے اسے بتایا کہ سپہ سالار پانچ دنوں سے زیادہ مہلت دینے پر راضی نہیں ہوا تو مقوقس گہری سوچ میں کھو گیا۔

”میرے لئے پانچ دن بہت ہیں۔“ اطربوں نے بڑی جوشیلی آواز میں کہا۔
”میں ان پانچ دنوں میں اچھی خاصی فوج تیار کر لوں گا اور مسلمانوں پر حملہ کروں گا۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو پسا کر کے ہی دم لوں گا۔“

بلیس کے محصور لوگوں کے متعلق ایک اطلاع مقوقس کو پہنچی۔ وہ یہ تھی کہ اندر لوگ بہت پریشان ہیں۔ ان کے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کر لیا جائے۔

بلیس میں وہ لوگ بھی تھے جو عریش اور فرما سے بھاگ کر یہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں نے ان کی فوج کو کس طرح کاٹا اور بھگا دیا تھا۔ ایک طرف تو ان لوگوں پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی اور اس کے ساتھ ہی عریش اور فرما سے آئے ہوئے لوگ بلیس کے لوگوں کو بتاتے تھے کہ اپنی فوج کو لڑنے نہ دیں اور اگر فوج لڑتی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہ کریں۔ وہ اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ مسلمان شہریوں کے لئے ذرا سی بھی پریشانی پیدا نہیں کرتے بلکہ ان کے جان و مال اور عزت آبرو کی حفاظت کرتے ہیں لیکن شہری اگر اپنی فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور انہیں جانی نقصان پہنچائیں تو پھر مسلمانوں کی شرائط بڑی سخت ہوتی ہیں۔

مقوقس نے دو پادریوں کو یہ کہہ کر بلیس بھیجا کہ وہ اندر جا کر لوگوں کو بتائیں کہ وہ ڈریں نہیں اور ان کے امن و امان کی ضمانت فرمانروائے مصر اپنے ذمے لیتا ہے اور یہ یقین دلانا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مار بھگائے گا۔۔۔۔۔ پادری گئے اور سپہ سالار عمرو بن عاص سے ملے اور شہر کے اندر جانے کی اجازت چاہی۔

عمرو بن عاص نے ان سے پوچھا کہ اندر جانے سے ان کا مقصد کیا ہے۔ پادریوں نے یہ جھوٹ بولا کہ وہ لوگوں کو قائل کرنے جا رہے ہیں کہ اسلام قبول کر لیں تو وہ عافیت سے رہیں گے۔ عمرو بن عاص نے انہیں اجازت دے دی۔ دونوں پادری شہر کے بڑے دروازے تک گئے اور ان کے لئے دروازہ ذرا سا کھلا، دونوں اندر گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

پادریوں کو توقع تھی کہ وہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کریں گے تو لوگ اپنی فوج کے شانہ بشانہ شہر کے دفاع میں لڑیں گے لیکن انہوں نے لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے یہ بات شروع ہی کی تھی کہ لوگوں نے شور و غل مچا کر دیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ بعض آوازیں ایسی بھی آئیں جن میں رومی فوج کے خلاف طنز اور ناپسندیدگی تھی۔ یہ آوازیں کتنی تھیں کہ اپنی فوج نے مسلمانوں کو روکا ہی کہاں ہے۔ یہ فوج پورا ملک شام مسلمانوں کو دے آئی ہے اور اب مسلمانوں نے اس فوج کو بولہمان کر کے اس سے مصر کے دو قلعے لے لئے ہیں۔

پادریوں نے لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانے کی بہت کوشش کی کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی شہر چھوٹا یا بڑا، بغیر لڑے دشمن کے حوالے کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی فوج کو لڑنے کا موقع، میں اور اس فوج کی پشت پناہی کریں تاکہ مسلمانوں کو مار بھگایا جائے لیکن لوگوں کا شور و غل روکا نہ جاسکا اور یہ بات طے شدہ سمجھ لی گئی کہ شہر کے لوگ اپنی فوج کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں۔

پادریوں نے واپس جا کر جب مقوقس اور اطربوں کو بتایا کہ بلیس شہر کے لوگوں کا رد عمل اور ان کا مطالبہ کیا ہے تو اطربوں بھڑک اٹھا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی فوج کو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ مقوقس نے پھر بھی اطربوں کو روکا اور کہا کہ کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی کہ مسلمانوں کو واپس جانے پر آمادہ کر لیا جائے گا۔ اطربوں خاموش رہا لیکن اس کی خاموشی بتاتی تھی کہ وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔

اطربوں تاریخ کا ایک نامور جرنیل تھا۔ اس نے مقوقس سے حکم لئے بغیر اور اسے بتائے بغیر بارہ ہزار نفری کی فوج تیار کر لی اور ایک روز بلیس کی طرف کوچ کر گیا۔ مقوقس کو پتہ چلا لیکن اس نے اطربوں کو روکنے کی جرات نہ کی۔ بلیس وہاں سے کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔



ایک صبح فجر کی اذان دی جا چکی تھی اور مجاہدین کا لشکر نماز کی تیاری کر رہا تھا کہ ہزاروں دوڑتے گھوڑوں کا طوفان آگیا۔ یہ اطربوں کی بارہ ہزار گھوڑ سواروں کی فوج تھی جو مجاہدین پر عقب سے حملے کے لئے آگئی تھی۔ اطربوں نے وقت بڑا اچھا دیکھا

تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں گے یا نماز کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ اس نے ٹھیک سوچا تھا کہ مسلمان حملہ روکنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور جتنی دیر میں وہ تیار ہوتے ہیں اتنی دیر میں اس کے بارہ ہزار گھوڑ سوار ان پر غالب آجائیں گے اور انہیں ان کے خون میں ڈبو دیں گے۔

اطربون نے مجاہدین کو بے خبری میں آ لینے میں کوئی کسر چھوڑی تو نہیں تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں اور دیگر ذمہ دار افراد کو پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ عقب سے یا پہلوؤں سے ان پر حملہ ضرور ہو گا اور وہ ہر وقت چوکنے اور تیار رہیں۔ اطربون کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مجاہدین کو خاص طور پر حکم دیا گیا تھا کہ نماز کے وقت اپنی تلواریں، برہمچیاں، کمائیں اور ترکش اپنے ساتھ رکھا کریں اور گھوڑے ہر وقت تیار رہیں۔ عمروؓ بن عاص وہ سپہ سالار تھے جو ایسا لگتا تھا جیسے ہوا میں دشمن کی بو پالیتے ہیں اور اس بو سے دشمن کے ارادے بھانپ لیتے ہیں۔

ہڈوؤں کو ملا کر مجاہدین کی تعداد پانچ ہزار سے ذرا ہی زیادہ تھی۔ فرما میں مجاہدین کی شہادت کچھ زیادہ ہی ہوئی تھی اور شدید زخموں کی بھی کمی نہ تھی جو بلبس میں لڑنے کے قابل نہیں تھے اور ہڈو نا تجربہ کاری کی وجہ سے خاصی تعداد میں مارے گئے تھے۔ اتنے جانی نقصان کے بعد ہڈوؤں کا حوصلہ ٹوٹ جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ ان کے حوصلے میں پہلے سے زیادہ تازگی اور غضب پیدا ہو گیا۔ فرما کے مال غنیمت میں سے ہر ہڈو کو اتنا حصہ دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے خلوص اور فیاضی کے متعلق ان کے دلوں میں ذرا سا بھی شک نہیں رہا تھا۔

عمروؓ بن عاص نے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ دشمن کی تعداد کتنی ہے اور اس میں سوار کتنے اور پیادے کتنے ہیں۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ رومیوں کی یہ ساری فوج گھوڑ سوار ہے۔ اس اچانک حملے کے لئے عمروؓ بن عاص نے پہلے ہی ہدایات دے رکھی تھیں اور یہ بھی بتا رکھا تھا کہ حملے کی صورت میں لشکر کی ترتیب کیا ہوگی اور کون سے دستے محفوظہ (ریزرو) میں ہوں گے۔ اب وہ اچانک حملہ آ گیا تھا جو مجاہدین کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ ہر کوئی پلک جھپکتے اپنے اپنے ہتھیار سے مسلح ہو گیا اور سوار دوڑتے ہوئے گئے اور گھوڑوں کی پیٹھوں پر جا چڑھے اور اُس

ترتیب میں ہو گئے جو انہیں پہلے ہی بتادی گئی تھی۔ سالاروں کو اس معاملے میں ذرا سی بھی مشکل پیش نہ آئی۔

عمروؓ بن عاص نے ایک ہندوستان اور بھی کر رکھا تھا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ عقب سے حملہ ہوا تو ہو سکتا ہے شہر کے اندر سے بھی فوج باہر آجائے اور اس صورت میں مجاہدین کا لشکر گھیرے میں آجائے گا اور پھر بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ عمروؓ بن عاص نے ریزرو دستے کو یہ ہدایت پہلے ہی دے دی تھی کہ ایسی صورت پیدا ہو گئی تو آدھی ریزرو فورس فوراً شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ عمروؓ بن عاص کو یہ توقع تھی کہ لشکر کی کچھ ہی تعداد شہر میں چلی گئی تو اندر ایسی بد امنی اور افراتفری پیدا ہو جائے گی کہ رومی لڑنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اطربون کی بارہ ہزار سوار فوج مجاہدین پر جب آن پڑی تو وہ دیکھ نہ سکا کہ مجاہدین کی خاصی تعداد دائیں اور بائیں کی طرف نکل گئی ہے۔ ابھی سحر کی تاریکی تھی۔ معرکہ تو بڑا گھمسان کا تھا اور نظریں آتا تھا کہ اتنی زیادہ فوج مجاہدین کو کاٹ پھینکے گی لیکن اطربون گھوڑ سواروں پر دائیں اور بائیں پہلوؤں سے بیک وقت حملے ہو گئے۔ اس طرح رومیوں کے حملے کی جو شدت تھی وہ وہیں ختم ہو گئی اور سواروں کو جان کے لالے پڑ گئے۔

تعداد کے تناسب کو دیکھا جاتا تو شکست مجاہدین کے حصے میں آتی تھی لیکن جو جذبہ مجاہدین میں تھا وہ رومیوں میں کم ہی دیکھنے میں آتا تھا۔ مجاہدین کو احساس تھا کہ انہیں تعداد کی کمی جذبے اور حوصلے کے استحکام سے پوری کرنی ہے اور پھر یہ اعتقاد کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔

عمروؓ بن عاص دیکھتے رہے کہ ابھی شہر کے دروازے کھلیں گے اور اندر کی فوج باہر آئے گی یا ہو سکتا اطربون کی فوج اندر جانا چاہے لیکن کوئی دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ عمروؓ بن عاص اور دیگر سالاروں نے صورت حال کو اپنے قابو میں کر لیا اور قدم جمائے۔ مجاہدین کے نعروں میں ایسا جوش و خروش تھا جو رومی سواروں پر بُری طرح اثر انداز ہو رہا تھا۔ دن آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ رومی پیچھے ہٹنے لگے۔ عمروؓ بن عاص نے فوراً اپنے ماتحت سالاروں کو پیغام بھیجے کہ پیچھے ہٹتے ہوئے رومیوں کے تعاقب میں نہ جائیں۔ کچھ دیر بعد اطربون کی یہ فوج لاشوں کی اچھی خاصی تعداد اور زخمی چھوڑ کر

پیچھے ہٹ گئی اور مجاہدین کو پھر ترتیب میں کر لیا گیا۔

○

باقی دن لاشیں اٹھانے میں گزر گیا اور جو شدید زخمی تھے انہیں بھی اٹھا کر لے آئے اور لشکر کے ساتھ جو خواتین تھیں انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال شروع کر دی۔ عمرو بن عاص نے اپنے جاسوس یہ دیکھنے کے لئے بھیج دیئے کہ اطربوں کی فوج کہاں ہے۔ میدان جنگ میں صاف نظر آ رہا تھا کہ رومیوں کی اموات خاصی زیادہ ہوئی ہیں۔

شام کے بعد جاسوسوں نے بتایا کہ تین چار میل دور اطربوں کی فوج نے پڑاؤ کر لیا ہے اور خیمے بھی لگائے ہیں۔ عمرو بن عاص نے اُسی رات کے لئے ایک اور بندوبست کر لیا جو یہ تھا کہ شب خون مارنے والے جانبازوں کا ایک دستہ تیار کیا جس کی نفی چالیں اور پچاس کے درمیان تھی۔

آدھی رات کے بعد دن بھر کے تھکے ہوئے رومی سوار خیموں میں بڑی گہری نیند سو رہے تھے کہ ان پر آگ برسنے لگی۔ یہ ایک طرح کی مشعلیں تھیں جو شب خون مارنے والے مجاہدین دوڑتے گھوڑوں سے رومیوں کے خیموں پر پھینک رہے تھے۔ یہ صرف چالیس پچاس جانبازوں کا شب خون تھا۔ رومی اپنے گھوڑوں کو خشک گھاس کھلایا کرتے تھے جو وہ ساتھ لائے تھے۔ کسی جانباز نے ایک مشعل گھاس کے درمیان پھینک دی اور خشک گھاس جل اٹھی۔ یہ آگ بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔

گھوڑوں نے قیامت کا شور و غل پا کر دیا اور وہ ریتیاں تڑا تڑا کر بھاگنے لگے۔ ادھر خیمے تو چند ایک ہی جلے تھے لیکن سارے لشکر میں اودھم مچا ہو گیا۔ مشعلیں کوئی زیادہ نہیں پھینکی گئی تھیں، چند ایک ہی تھیں لیکن رات کو خیموں اور خشک گھاس کے اٹھتے شعلوں نے بڑا ہی دہشت ناک منظر بنادیا تھا۔ جانبازوں نے رومیوں کو نیند سے جاگ کر خیموں سے نکلتے اور بھاگتے دوڑتے دیکھا تو سریٹ گھوڑے دوڑاتے دو دو تین تین رومیوں کو برہمیوں اور تھکاوٹوں سے گھائل کرتے دوڑتے ہی چلے گئے اور اس طرح رومیوں کا خاصا نقصان کر کے واپس آ گئے۔

عمرو بن عاص نے جانبازوں کا ایک پورا دستہ تیار کر رکھا تھا جسے آگ پھیلانے اور شب خون مارنے کی خاص طور پر ٹریننگ دی گئی تھی۔

اگلے روز اطربوں حملہ کرنے کے قابل نہ رہا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس شب خون میں رومیوں کا جانی نقصان کوئی ایسا زیادہ تو نہ تھا کہ وہ اگلے روز حملے کرنے کے قابل نہ رہتے لیکن ہوا یہ کہ اطربوں کی ساری فوج پر مسلمانوں کی ایسی دہشت نظر آتی تھی جسے اطربوں نے خاص طور پر محسوس کیا اور اس روز حملہ ملتوی کر دیا۔

عمرو بن عاص نے بلیں کے محاصرے کو برقرار رکھا اور نظر رکھی کہ کوئی دروازہ کھلے گا اور فوج باہر آئے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ عمرو بن عاص نے شہر پر حملے کی ذرا سی بھی کارروائی نہ کی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ لڑائی اطربوں کی سوار فوج کے ساتھ جاری رہے گی اور اس کے بعد شہر کی فوج باہر آئے گی یا کوئی اور صورت حال پیدا ہو گی۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بلیں کی یہ لڑائی پورا ایک مہینہ جاری رہی۔ اس کا انداز ایسا ہی رہا جیسا پہلے روز تھا۔ اطربوں اپنے سواروں سے حملہ آور ہوتا تھا اور مسلمان نہایت اچھی ترتیب میں آکر اس لشکر کا مقابلہ کرتے اور پہلوؤں سے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا چھانچا جانی نقصان کر دیتے۔

عمرو بن عاص نے دو دو چار چار راتوں کے وقفے سے رومیوں کے کیمپ پر شب خونوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ رومی رات کو پہرہ تو بہت کھڑا کرتے تھے لیکن شب خون مارنے والے جانباز پھر بھی اپنا کام کر آتے تھے۔ اس طرح رومیوں کو خاصا نقصان پہنچتا رہا اور ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ رومی سواروں کے حوصلے مجروح ہو گئے اور ان میں جوش و خروش بہت ہی کم رہ گیا۔

○

مدینہ میں ملک تیار ہو کر بمشکل چلی ہی تھی۔ یہ ملک بلیں کی لڑائی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسے پہنچتے ایک مہینہ بھی لگ سکتا تھا۔ عمرو بن عاص نے اللہ کی آس پر لڑائی جاری رکھی۔ رومیوں کا جانی نقصان تو بہت ہوا تھا لیکن مجاہدین کا اور بدوؤں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ بدوؤں کا حوصلہ قائم تھا اور مجاہدین کے جوش و خروش اور ایمان کی قوت میں ذرا سی بھی کمزوری نہیں آئی تھی۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جسم تو جیسے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے لیکن روحیں تروتازہ تھیں اور وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔

اطربوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ اسے کمک مل سکتی تھی لیکن اس سوال کا جواب کسی مؤرخ نے نہیں دیا کہ اس نے کمک کیوں نہ منگوائی یا مقوقس نے کمک کیوں نہ بھیجی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ بلیس شہر کے اندر فوج موجود تھی جو ابھی تک لڑائی میں شامل نہیں ہوئی تھی اور تازہ دم تھی۔

مورخوں نے بلیس کی اس لڑائی کو بہت ہی خوریز لڑائی لکھا ہے۔ مجاہدین کا لشکر شہیدوں اور زخمیوں کی وجہ سے بڑی تیزی سے خطرناک حد تک کم ہوتا جا رہا تھا لیکن عمروؓ بن عاصؓ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مہینے کے آخر میں رومی سواروں کا جو حملہ آیا اس میں جوش و خروش بھی کم تھا اور تعداد بھی کم تھی اور اطربوں اپنی فوج کے سب سے آگے تھے۔

شب خون مارنے والے مجاہدین نے اطربوں کا پرچم دیکھ لیا۔ اطربوں اکیلا نہیں تھا بلکہ اپنے گھوڑسوار محافظوں کے حصار میں تھا۔ تاریخ میں ان چار جانباز مجاہدین کے نام نہیں ملتے جنہوں نے اللہ کا نام لے کر عزم کر لیا کہ آج اطربوں کو گرا لیں گے، اگر وہ بچ نکلا تو اس کا پرچم تو ضرور ہی گرائیں گے۔ وہ چاروں اطربوں کے گھوڑسوار محافظوں کے حصار تک جا پہنچے اور بڑی ہی بے جگری سے محافظوں سے لڑے اور ان میں سے تین مجاہدین شہید ہو گئے لیکن چوتھے مجاہد نے زخمی ہو کر بھی اطربوں کو جالیا اور ایک ہی وار میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی گھوڑے سے گرا اور شہید ہو گیا۔

ادھر بلیس شہر کے دو تین دروازے کھل گئے اور اندر والی رومی فوج باہر آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی باہر والی رومی فوج میں ایک آواز جو بڑی ہی بلند تھی ساری فوج میں گھوم گئی۔ ”اطربوں مارا گیا ہے.... اطربوں کا پرچم گر پڑا ہے۔“

رومی فوج شاید اسی آواز کے انتظار میں تھی۔ رومیوں کے قدم اکھڑ گئے اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ یہ آواز بلیس سے باہر آنے والی فوج نے بھی سن لی۔ مجاہدین کے حوصلے تو اس طرح اور بلند ہو گئے جیسے آگ مزید بھڑک اٹھی ہو۔ انہوں نے اللہ کے اور فتح کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

عمروؓ بن عاصؓ نے ریزرو دستے کو پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ جو نئی شہر کے دروازے کھلیں یہ دستہ دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور اندر چلا جائے۔ اس دستے نے اس

حکم پر عمل کیا اور مجاہدین کی خاصی نفری لڑتی لڑتی شہر میں داخل ہو گئی۔ ادھر رومی سوار سرٹ بھاگ اٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر بلیس کی جو فوج باہر آئی تھی وہ بھی شہر کے اندر آنے کی بجائے بڑی بڑی تہمت ہو کر گھوڑسواروں کے پیچھے دوڑتی چلی گئی۔

مجاہدین کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر کے اندر (تاریخ کے مطابق) تین ہزار اچھے بھلے رومی فوجیوں نے مجاہدین آگے ہتھیار ڈال دیے اور قید قبول کر لی۔ باہر اطربوں کی لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہ تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اطربوں کوئی عام سی قسم کا جرنیل نہ تھا۔ اس کی جنگی فہم و فراست اور دشمن کو دھوکہ دینے کی صلاحیت، میدان جنگ میں مکاری اور چال بازی کو تاریخ آج بھی یاد کرتی ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ بھی اطربوں کی ان پُرخطر خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

جب فلسطین میں رومی اور مسلمان برسرِ پیکار تھے تو اُس وقت بیت المقدس کو مسلمانوں سے بچائے رکھنے کی ذمہ داری اطربوں کے سپرد تھی۔ ہر قل کہا کرتا تھا کہ اطربوں ہے تو فلسطین بھی اپنا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کرنے کے لئے عمروؓ بن عاصؓ کو بھیجا تھا۔ امیرالمومنین اس سپہ سالار کی خوبیوں اور صلاحیت سے آگاہ تھے اور انہیں توقع تھی کہ اطربوں کا مقابلہ صرف عمروؓ بن عاصؓ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے جب عمروؓ بن عاصؓ کو اطربوں کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا تو یہ تاریخی الفاظ کہے تھے۔ ”میں نے عرب کے اطربوں کو روم کے اطربوں سے ٹکرا دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں اس کا کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔“

اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا تھا کہ عمروؓ بن عاصؓ نے بیت المقدس فتح کر لیا اور اطربوں بھاگ گیا تھا۔

اب روم کا وہی اطربوں عمروؓ بن عاصؓ کے جانبازوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بلیس کی فتح نے عرب کے اطربوں کے قدم چومے۔

نے مصر کے بدوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ تمہاری نااہلی ہے....
 ”میں جانتا ہوں تم قطبی عیسائی ہو اور قیرس کو اسقف اعظم نہیں مانتے۔ میں تمہارے اس اعتقاد کو قبول کر لیتا ہوں لیکن یہ قبول نہیں کروں گا کہ تم سلطنت روم کی عظمت کو بھول جاؤ اور اپنی ہی سلطنت سے بے وفائی کرو۔ اطربون اور تھیوڈور جیسے جرنیل تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے لیکن تمہارا ان سے اختلاف ہے۔ اطربون لڑنا چاہتا ہے اور تم مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کرنے کے خواہشمند ہو۔ مجھے قیرس کی وفاداری پر بھی شک ہے۔ میں نے اسے اسقف اعظم بنایا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا رویہ اور اپنی سوچیں تبدیل کر لو۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے اطمینان نہ ہو تو میں مصر آ جاؤں گا پھر میں تمہیں یہ حق بھی نہیں دوں گا کہ اپنی صفائی میں کچھ کو۔ اطربون کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو اور اسے مسلمانوں کے مقابلے میں جانے دو۔ اب میں کسی اچھی خبر کا انتظار کروں گا۔“

○

تاریخ یہ داستان اس طرح سناتی ہے کہ ہرقل کا یہ پیغام اُس وقت مقوقس کے ہاتھ میں پہنچا جب اس کے سامنے اطربون کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ لاش کچھ ہی دیر پہلے اس کے پاس پہنچی تھی۔ اُس وقت مقوقس بالیون میں تھا جو بلیس سے آگے ایک بڑا ہی مضبوط اور رومیوں کے دعوے کے مطابق ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا.... اُس دور میں یہ رواج تھا کہ کوئی جرنیل لڑائی میں مارا جاتا تو سربراہ سلطنت حکم دیتا تھا کہ اس جرنیل کی لاش لائی جائے۔ جرنیل کی لاش کا میدان جنگ میں پڑا رہنا پوری سلطنت کی توہین سمجھا جاتا تھا۔ مقوقس نے اپنی شکست خوردہ فوج کو ایسا حکم نہیں دیا تھا کہ اطربون کی لاش اٹھا کر لے آئیں۔ شکست کھا کر بھاگنے والے فوجیوں کے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں تھے کہ وہ اپنے جرنیل کی لاش اٹھالائے۔ انہیں تو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ پھر اس رومی جرنیل کی لاش مقوقس کے پاس کس طرح پہنچ گئی؟

یہ مسلمانوں کی طنز کا ایک انداز تھا۔ مسلمانوں نے رومیوں کا مذاق اڑایا تھا.... بلیس سے رومی فوج جس طرح بوکھلا کر اور تتر بتر ہو کر بھاگی تھی، اس حالت میں کسی کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے کہ وہ یہ بھی دیکھتے کہ روم کے اتنے نامور جرنیل کی لاش

روم کا بادشاہ ہرقل جو اپنے دور میں طاقت اور دہشت کا ایک نام تھا بزنطیہ سلطنت میں بیٹھا تھا۔ بزنطیہ (آج کا استنبول) مصر نے بہت دور تھا۔ درمیان میں وسیع و عریض بحیرہ روم حائل تھا اور خاصا فاصلہ خشکی کا بھی تھا۔ اس مخدوش صورت حال میں جو مسلمانوں نے اس کے لئے مصر میں پیدا کر دی تھی، اسے مصر میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ بزنطیہ میں بیٹھا مقوقس کے نام حکم بھیج رہا تھا۔

ابھی اسے یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ عمرو بن عاص کے لشکر نے بلیس کا مضبوط قلعہ بھی فتح کر لیا ہے اور روم کا نامور جرنیل اطربون مارا گیا ہے۔ کچھ دن پہلے اس تک ابھی یہ اطلاع پہنچی تھی کہ مسلمانوں نے فرما کر لیا ہے۔ اس اطلاع نے اسے آگ بگولہ کر دیا تھا۔ اس نے مقوقس اور اطربون کے نام ایک پیغام لکھا اور اُسی وقت قاصد کو روانہ کر دیا تھا۔

”اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ مصر مسلمانوں کو دے ہی دینا ہے تو فوراً دے دو۔“
 ہرقل نے پیغام میں لکھا۔ ”اپنی فوج کو کیوں مرواتے ہو، تم نے شکست قبول ہی کر لی ہے تو یہ خون خرابہ بند کر دو۔ شاید تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے درمیان میرے اپنے جاسوس موجود ہیں جو مجھے ہر خبر اور ہر اطلاع بھیج رہے ہیں۔ تم نے مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس پادریوں کا وفد بھیج کر کوئی اچھا اقدام نہیں کیا۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ تم اپنی کمزوری کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہیں یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ مسلمان تعداد میں کتنے تھوڑے ہیں اور وہ اپنے وطن سے بہت دور ہیں جہاں سے انہیں رسد اور کمک بروقت نہیں پہنچ سکتی۔ دوسری طرف تم یہ سوچے بیٹھے ہو کہ مسلمان اور آگے آجائیں اور تم انہیں گھیر کر ختم کر دو لیکن مسلمان قلعے فتح کرتے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں

کہاں پڑی ہے اور کیا وہ واقعی مارا گیا ہے یا یہ شور و غل مسلمانوں نے دھوکہ دینے کے لئے پکڑ دیا تھا کہ اطربوں کا پرچم گر پڑا ہے اور وہ مارا گیا ہے۔ لڑائی ختم ہونے کے فوراً بعد میدان جنگ کی کیفیت بھگدڑ اور نفسا نفسی کے عالم جیسی ہو جاتی تھی۔ گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں کچھ دور تک نظر کام نہیں کرتی تھی۔ بھاگنے والے لاشوں اور بے ہوش زخمیوں سے ٹھوکریں کھاتے اور گرتے تھے۔ زمین خون سے اس طرح لال ہو جاتی تھی جیسے خون کا مینہ برسا ہو۔ زخمیوں کا کراہنا جگر پاش ہوتا تھا۔ دوست اور دشمن کی تمیز ختم ہو جاتی تھی۔ شہریوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا الگ ہوتی تھی۔ وہ بھاگ بھی رہے ہوتے اور ان عزیزوں کو بھی ڈھونڈتے پھرتے تھے جو لڑائی میں شامل تھے۔

اطربوں کی لاش اس طرح لمبی کی مجاہدین کی بیویاں، بہنیں یا بیٹیاں جو لشکر کے ساتھ تھیں، رومی فوج کی پسپائی کے فوراً بعد میدان جنگ میں دوڑتی ہوئی پھیل گئیں۔ زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر پیچھے لائے، انہیں مرہم پنی کی جگہ تک پہنچانے اور پانی پلانے کی ذمہ داری ان خواتین نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ یہ مسلمانوں کا دستور بھی تھا۔ ان خواتین میں شارینا بھی تھی جو اپنے خاوند حدید کے ساتھ تھی اور اپنی بھی تھی جو فہد بن سامر کی بیوی تھی۔ پہلے تفصیلی ذکر آچکا ہے کہ حدید اور فہد بن سامر تجربہ کار جاسوس تھے اور آج کے کمانڈو آپریشن کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔

شارینا اپنے زخمیوں کو رومیوں کی لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اسے ایک رومی کی لاش کا چہرہ شناسا معلوم ہوا۔ لباس سے وہ کوئی سپاہی نہیں بلکہ اونچے رُتبے والا جرنیل لگتا تھا۔ لاش کا چہرہ خون اور مٹی سے لتھڑا ہوا تھا۔ شارینا کو اس لاش کے ساتھ یہ دلچسپی تھی کہ وہ ہرقل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی، اس لئے رومی فوج کے جرنیلوں سے واقف تھی۔ اس نے لاش کے کپڑوں سے ہی لاش کے چہرے سے خون اور مٹی ہٹائی تو چونک کر پیچھے ہٹ گئی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو کہ یہ رومی بھی مارا جاسکتا ہے.... وہ رومی جرنیل اطربوں کی لاش تھی۔

اطربوں کو تو شارینا ہی اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھی۔ اطربوں ایسا جابر جرنیل تھا کہ ہرقل جیسا جابر اور ظالم بادشاہ بھی اس کے آگے جھکا جھکا رہتا تھا۔ اطربوں عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا اور اپنا حق سمجھتا تھا کہ کوئی خوبصورت اور جوان عورت خواہ وہ شاہی خاندان کی ہی کیوں نہ ہوتی اسے ایک دو راتوں کے لئے اپنے ہاں لے جائے۔

شارینا کی ماں بڑی حسین عورت ہوا کرتی تھی۔ شارینا اُس وقت تیرہ چودہ برس کی کسن لڑکی تھی جب اطربوں اس کی ماں کو بھی اپنے گھر لے جایا کرتا تھا حالانکہ شارینا کی ماں ہرقل کی بیویوں میں سے ایک تھی لیکن یہ عورت اطربوں کی دوستی سے بہت خوش تھی۔ شارینا کو اچھی طرح یاد تھا کہ اطربوں کی نظر اس پر بھی تھی لیکن کم سنی کی وجہ سے اطربوں سے بچی رہی تھی۔ اطربوں نے کئی بار اس کے گھر آکر اسے اپنی گود میں بٹھایا تھا اور شارینا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بچی سمجھ کر پیار نہیں کرتا بلکہ یہ بڑی بُری نیت سے اس پر ڈورے ڈال رہا ہے۔

اب اسی اطربوں کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھی اور کوئی اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے اپنے سپاہی بھاگتے ہوئے اس کی لاش کو روند گئے تھے۔ شارینا اٹھ کھڑی ہوئی اور ادھر ادھر دیکھتے گئی۔ اسے اپنی نظر آئی جو ایک زخمی مجاہد کا سر اپنی گود میں رکھے اسے پانی پلا رہی تھی۔ پانی پلا کر اٹھی تو اس نے شارینا کی طرف دیکھا جو اس سے کوئی زیادہ دور نہیں تھی۔

اپنی دوڑتی ہوئی شارینا سے پاس گئی اور اسے بتایا کہ وہ زخمی اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اپنی نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس زخمی مجاہد کو پانی پلا چکی ہے اور اس نے دیکھ لیا ہے کہ زخم ایسے ہیں کہ وہ زندہ رہے گا لیکن اسے جلدی پیچھے پہنچانا ہے۔ شارینا کو اس کام کا بہت تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ اطربوں کی لاش سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو دو تین مجاہدین لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتے پھرتے نظر آئے۔ شارینا دوڑتی ان تک گئی اور انہیں وہ زخمی مجاہد دکھایا اور کہا کہ اسے اٹھا کر پیچھے لے جائیں۔ مجاہدین زخمی کی طرف گئے اور شارینا واپس اطربوں کی لاش پر چلی گئی۔

”شارینا!“ — اپنی نے اطربوں کی لاش کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ رومی فوج کا بڑا جرنیل لگتا ہے۔ میں نے اسے دوبار دیکھا تھا۔ ہمارے گاؤں کے قریب سے گزرا تھا اور دوسری بار گاؤں میں کچھ دیر کے لئے رکا بھی اور گاؤں والوں کو ڈرا دھمکا بھی رہا تھا۔ یہ چلا گیا تو سب کہتے تھے کہ بڑا زبردست جرنیل ہے اور اس کا نام اطربوں ہے۔“

”یہ وہی ہے۔“ — شارینا نے کہا۔ ”تم دوڑ کر جاؤ، حدید اور فہد کو بلا لاؤ۔ مسعود کہیں نظر آجائے تو اسے بھی ساتھ لے آنا۔“

یہ مسعود بن سہیل کئی تھا جو جاسوسی اور دیگر زمین دوز کارروائیوں میں خصوصی

مہارت رکھتا تھا۔ اپنی تو اس مجاہد کو اپنا پیرو مرشد مانتی تھی۔ وہ دوڑتی گئی اور اسے حدید مل گیا۔ اپنی نے اسے بتایا کہ رومی جرنیل اطربون کی لاش ایک جگہ پڑی ہے اور شارینا اسے 'فد اور مسعود کو بلارہی ہے۔

حدید نے اپنا کام چھوڑا اور فدا اور مسعود کو دوڑدوڑ کر ڈھونڈا اور پھر تینوں شارینا تک پہنچے۔ شارینا نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ یہ دیکھو روم کا وہ جرنیل جسے لوگ ہرقل سے بھی اونچا سمجھتے تھے اور جو یہ عزم لے کر آیا تھا کہ مسلمانوں کو مصر سے مار بھگائے گا۔

ان تینوں جاسوس مجاہدین کے لئے یہ کوئی نئی خبر نہیں تھی کہ اطربون مارا گیا ہے۔ یہ تو وہ پہلے ہی سن چکے تھے اور رومی فوج کی پسپائی کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے جرنیل کا پرچم گر پڑا اور جرنیل بھی گر کر مر گیا تھا۔

"کیا ہمیں یہ لاش دکھانے کو بلایا ہے؟" - حدید نے شارینا سے پوچھا۔

"میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے" - شارینا نے کہا۔ "یہ کیسا رہے گا کہ ہم یہ لاش مقوقس کو تحفے کے طور پر بھیج دیں؟"

حدید نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور تینوں کے ہونٹوں پر تبسم آگیا جیسے انہیں یہ تجویز اچھی لگی ہو۔ سوال یہ تھا کہ لاش مقوقس کے پاس کس طرح بھیجی جائے۔ تینوں نے اس مسئلے پر تبادلہ خیالات کیا اور ایک ترکیب سامنے آگئی۔

اس شکست میں بے شمار رومی فوجی کٹ مرے تھے، بہت سے بھاگ نکلے تھے اور تین ہزار رومی فوجیوں نے قلعے کے اندر ہتھیار ڈال دیئے اور جنگی قیدی بن گئے تھے۔ حدید وغیرہ جب اطربون کی لاش پر کھڑے تھے اُس وقت ہتھیار ڈالنے کا سلسلہ جاری تھا۔ کچھ رومی جو قلعے میں رہ گئے تھے، بھاگ نکلنے کی کوشش میں ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے۔ حدید، فدا اور مسعود ایسے دو رومیوں کو پکڑ لانے کے لئے ادھر ادھر بکھر گئے۔ انہیں کسی سپاہی کی نہیں بلکہ کسی عہدیدار کی تلاش تھی یعنی جو شخص ذمہ دار ہو

.... انہیں زیادہ تک و دو نہ کرنی پڑی۔ وہ جس طرح کے دو فوجی چاہتے تھے ویسے ہی مل گئے۔ ایک اچھے رتبے والا عہدے دار تھا جو زخمی تھا لیکن ایسا زخمی نہیں کہ چلنے پھرنے یا گھوڑسواری سے معذور ہو تا۔ زخم معمولی تھے۔ دوسرا فوجی کم رتبے والا تھا اور جسمانی لحاظ سے بالکل ٹھیک تھا۔ دو مجاہدین اسے پکڑ کر قلعے کی طرف لا رہے تھے۔ وہ بھاگنے کی

کوشش میں کہیں چھپا ہوا تھا۔ حدید اور اس کے ساتھیوں نے ان مجاہدین سے یہ رومی لے لیا اور کہا کہ وہ اسے قلعے میں لے جائیں گے اور چونکہ وہ تینوں جاسوس ہیں اس لئے اس سے کچھ باتیں معلوم کریں گے۔

"تم دونوں ہماری بات غور سے سن لو" - مسعود بن سہیل کئی نے ان رومیوں سے کہا۔ "یہ دیکھو تمہارے سپہ سالار اطربون کی لاش ہے۔ ہم تمہیں تین گھوڑے دیں گے۔ دو تمہارے لئے اور ایک پر یہ لاش ڈال کر لے جانے کے لئے.... ہم تمہیں قید سے آزاد کرتے ہیں۔ تمہیں یہ کام کرنا ہے کہ یہ لاش مصر کے فرمانروا مقوقس کو دینی ہے۔ میں تمہارے زخموں کی مرہم پٹی کروا کے بھیجوں گا۔ مقوقس کو ہمارا یہ پیغام دینا کہ جنہیں تم عرب کے بڑو کہا کرتے ہو، انہوں نے یہ لاش تحفے کے طور پر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ اسے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ مقوقس کو یہ بھی کہنا کہ اپنے فوجی افسروں کو بتائے کہ اس نے اطربون کو روکا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں نہ جائے لیکن اطربون نے اس کی نہ سنی اور بڑے جوش و خروش سے بلیس چلا گیا تھا۔ ہمارے مقابلے میں جو آئے گا وہ اسی انجام کو پہنچے گا۔ مقوقس کو یہ بھی کہنا کہ ہرقل کو ضرور بتائے کہ اطربون کی لاش مسلمانوں نے تحفے اور عبرت کے طور پر بھیجی ہے۔"

"یہ بھی سن لو" - حدید نے کہا۔ "ہم صرف اس کام کے لئے تمہیں قید سے آزاد کر رہے ہیں۔ اگر تمہیں قید میں رکھیں گے تو تم غلام بنائے جاؤ گے اور تمہاری باقی عمر دن رات محنت اور مشقت کرتے گزرے گی اور ذلت میں پڑے رہو گے۔ یہ لاش سیدھی مقوقس تک لے جاؤ اور اسے ہمارے پیغام کا ایک ایک لفظ پہنچاؤ۔ ہم تم دونوں کو اچھی طرح یاد رکھیں گے۔ ہم نے جس طرح یہ قلعہ فتح کر لے ہیں اسی طرح اگلے قلعے بھی فتح کر لیں گے اور ہمیں یہ چل گیا کہ تم نے لاش مقوقس تک نہیں پہنچائی تھی اور ہمارا پیغام نہیں دیا تھا تو تمہیں ایسی موت ماریں گے کہ دیکھنے والے کانپنے لگیں گے۔"

"تم لوگ شاید نہیں سمجھے" - رومی عہدے دار نے کہا۔ "یہ تو ہمارے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے کہ تم ہمیں آزاد کر کے واپس بھیج رہے ہو لیکن یہ ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ ہم اپنے ایک جرنیل کی لاش ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ہم تمہارا پیغام فرمانروا مقوقس تک لفظ بہ لفظ پہنچائیں گے اور لاش اس کے حوالے کر کے اس سے داد

و تحسین حاصل کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی انعام بھی دے دے۔“

ان تینوں مجاہدین نے رومی عمدے دار کی مرہم پٹی کروادی اور دونوں رومیوں کو ایک ایک گھوڑا دیا۔ تیسرا گھوڑا لاش کے لئے دیا جس پر دونوں نے اطربوں کی لاش ڈال لی۔ لاش کا سرائیک طرف اور ٹانگیں دوسری طرف تھیں۔ وہاں گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مرے ہوئے رومیوں کے گھوڑے ادھر ادھر کھڑے تھے اور جو گھوڑے زخمی تھے ابھی تک بھاگ دوڑ رہے تھے.... دونوں رومی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ تینوں جاسوس مجاہدین کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے تاکہ کوئی انہیں پکڑ نہ لے۔

ایک روایت یہ ہے کہ اطربوں کی لاش سپہ سالار عمرو بن عاص کی اجازت لے کر بھیجی گئی تھی۔ ایک عربی مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ لاش ایک یا دو نائب سالاروں کی تجویز کے مطابق بھیجی گئی تھی اور سپہ سالار کو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ لاش ان تین جاسوسوں نے مجبوا دی تھی اور سپہ سالار کو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عمرو بن عاص ایک عظیم سپہ سالار تھے۔ ان کی عظمت کو دیکھتے ہوئے تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے عظیم انسان نے اس طرح کی حرکت کی ہوگی۔ ایسی حرکت کوئی گناہ تو نہیں تھا لیکن اتنی بڑی شخصیت کے لئے یہ بڑی چھوٹی سی حرکت تھی۔ بہر حال اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اطربوں کی لاش مقوقس کو بابلین بھیجی گئی تھی۔

○

مقوقس کی جذباتی حالت کا اندازہ اس کے سوا کون کر سکتا تھا جسے ایک اطلاع تو یہ ملی کہ مسلمانوں نے ببلین کا قلعہ بھی سر کر لیا ہے اور رومی فوج بڑی بڑی حالت میں ہزاروں سپاہی مروا کر اور قید میں دے کر پسا ہو آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اطربوں جسے وہ اپنا دایاں بازو سمجھتا تھا مارا گیا ہے۔ مقوقس کی حکمران شخصیت پر سب سے بڑی ضرب تو اس پیغام نے لگائی جو مسلمانوں نے اسے بھیجا تھا۔ اس پیغام میں بڑی ہی توہین آمیز طنز تھی جسے مقوقس نے ایک چیلنج سمجھ لیا لیکن فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ہرقل کا قاصد بزنطیہ سے آن پہنچا اور اس نے مقوقس کو

ہرقل کا تحریری پیغام دیا۔ ایک تو یہ پیغام ہی ایسا تھا کہ مقوقس برہم ہو گیا، دوسرے یہ کہ اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جس میں ایسی کوئی بھی بات جلتی پر تیل کا کام کر سکتی تھی۔ یہ کام ہرقل کے پیغام نے کر دیا اور مقوقس ہرقل کے خلاف مشتعل ہو گیا۔ اطربوں کی موت مقوقس کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اطربوں کی موت نے رومی فوج کے حوصلے اور زیادہ پست اور مسلمانوں کے لشکر کے حوصلے اور زیادہ مستحکم اور تروتازہ کر دیئے ہوں۔

تاریخ میں یہ تو واضح نہیں کہ اُس وقت قیصر کہاں تھا، یہ پتہ ملتا ہے کہ مقوقس نے اسے اطلاع بججوانی اور وہ فوراً پہنچ گیا۔ مقوقس نے اسے ہرقل کا پیغام پڑھنے کو دیا۔ قیصر جوں جوں پیغام پڑھتا جا رہا تھا اس کی جذباتی کیفیت دیکھی ہی ہوئی جا رہی تھی جیسی مقوقس کی ہو چکی تھی۔ پیغام میں ہرقل نے قیصر کی وفاداری پر شک کا اظہار کیا تھا۔ اس سے تو قیصر جل اٹھا۔

بعض غیر مسلم تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ مصر میں مسلمانوں کی فتح کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہرقل اور قیصر میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور قیصر نے درپردہ مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ ہرقل کا پیغام پڑھ کر مقوقس اور قیصر کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ان تاریخ نویسوں کی تحریر کی تردید کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہرقل اور قیصر میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا کہ قیصر نے ہرقل کو مسلمانوں سے شکست دلوانے کے لئے درپردہ ہتھکنڈے شروع کر دیئے ہوں بلکہ اس نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے اپنا ایک الگ محاذ کھولنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

”ہمارا بادشاہ ہرقل بزنطیہ میں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے۔“ مقوقس نے قیصر سے کہا۔ ”باتیں بھی یوں بنا رہا ہے جیسے اس نے کبھی مسلمانوں کو شکست فاش دی ہو اور مسلمان اس کے نام سے بھی دیکھتے ہوں۔ مسلمانوں کی تعداد اُس وقت بھی تھوڑی تھی جب انہوں نے ہرقل کو ملک شام سے دھکیلنا اور لہولمان کرنا شروع کیا تھا اور آخر اسے شام سے نکال ہی باہر کیا۔ آج مجھے سبق دے رہا ہے کہ ہمت نہ ہارو۔“

”میں جانتا ہوں حقیقت کیا ہے۔“ قیصر نے کہا۔ ”ہرقل صرف اس وجہ سے مصر میں نہیں آتا کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتا ہے۔ اس نے ملک شام میں ہر محاذ پر

مسلمانوں سے شکست کھائی ہے۔ اس کے دل و دماغ پر شکست نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے مصراہات سے جاتا نظر آرہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شکست کی سیاہی کسی اور کے منہ پر ملی جائے۔ اگر آج مسلمان پسائی اختیار کر لیں تو ہر قل دوڑتا ہوا یہاں آپہنچے گا اور فتح کا سہرا اپنے سر باندھ لے گا۔ اس نے عیسائیت کا چہرہ مسخ کیا اور مجھے اختیارات دے دیئے کہ میں اس کی عیسائیت کو لوگوں میں رائج کروں اور جو نہیں مانتا اسے قتل کروا دوں اور اس کا خاندان ہی اجاڑ کر رکھ دوں۔ میں نے یہ حکم مانا اور اپنی رعایا کا خون خرابہ کیا۔ میں نے بارہا اسے کہا تھا کہ اپنی رعایا کو اپنا دشمن نہ بناؤ لیکن ہر قل بادشاہ ہے، وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ جسے چاہے اسے زندگی اور جسے چاہے موت دے دے۔“

”جن لوگوں پر مظالم توڑے گئے اور جنہوں نے ہر قل کی عیسائیت قبول نہیں کی وہ آج اپنی ہی فوج کے ساتھ تعاون کرنے سے انکاری ہیں۔“ مقوقس نے کہا۔ ”مجھے شک ہے کہ قبلی عیسائی درپردہ مسلمانوں کی مدد کر رہے ہوں گے اسقف اعظم! کوئی ایسا طریقہ سوچیں کہ قبلیوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ اپنے دل میں رومی فوج کی عداوت رکھ لینا کوئی بات نہیں لیکن اپنے ملک کے دشمن کی پشت پناہی کرنا بڑا ہی خطرناک اور شرمناک کام ہے.... اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں کہ قبلیوں کو کس طرح اپنے ساتھ ملایا جائے۔ ہمیں مسلمانوں کو مصر سے نکالنا ہے یا ایک ایک مسلمان کو مصر میں ہی قتل کر دینا ہے۔ انہوں نے اطربوں کی لاش کے ساتھ جو پیغام بھیجا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ انہوں نے میری غیرت کو للکارا ہے۔ میں ان سے عبرتناک انتقام لوں گا۔“

”میں خود یہی چاہتا ہوں۔“ قیرس نے کہا۔ ”لیکن بنیامین کو ساتھ لئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قبلی صرف بنیامین کا حکم مانتے ہیں۔ وہ خود تو قوس کے صحرا میں روپوش ہے لیکن اس نے ایسا نظام بنا رکھا ہے کہ اس کا حکم دور دراز علاقوں کے ہر قبلی عیسائی کے گھر میں پہنچ جاتا ہے وہ سامنے آئے تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا اور اسی کو اسقف اعظم بنانا رہنے دوں گا اور خود اس رتبے سے دستبردار ہو جاؤں گا۔“

”میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے۔“ مقوقس نے کہا۔ ”میں کسی بھی روز اسے گرفتار کر دے گا۔ لیکن اس لئے خاموش رہا کہ ذاتی طور پر مجھے اس کے ساتھ دلچسپی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ قبلیوں کے باغی ہو جانے کا خطرہ تھا۔“

مقوقس اور قیرس اس مسئلے پر تبادلہ خیالات کرتے رہے اور انہوں نے اطربوں کے بعد دوسرے بڑے نامور جرنیل تھیوڈور کو بھی بلایا اور یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھا اور اسے کہا کہ وہ اپنی رائے دے۔ وہ بھی ان کا ہم خیال نکلا۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہر قل کو سلطنت کی بادشاہی سے معزول کر دیا جائے۔

”معزول نہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔“ مقوقس نے مشتعل لہجے میں کہا۔ ”معزول کرنے کی صورت میں خدشہ یہ ہے کہ فوج دو حصوں میں بٹ جائے گی اور خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ایسا ہوا تو مسلمان بڑے آرام سے پورے مصر پر قابض ہو جائیں گے۔ سلطنت روم کی بقا اسی میں ہے کہ ہر قل کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔“

مقوقس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہر قل کو قتل کروا دیا جائے اور پھر قبلی عیسائیوں کو ساتھ ملایا جائے اور پھر مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دی جاسکتی ہے۔ بات آخر وہیں پر جا رہی کہ بنیامین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔

مقوقس نے اسی وقت اپنے ایک خاص آدمی کو بلایا اور اسے کچھ ہدایات دیں اور کہا کہ وہ قوس کے صحرا میں چلا جائے جہاں قبلیوں نے اپنا ایک مرکز بنا رکھا ہے۔ یہ آدمی اپنے آپ کو قبلی عیسائی ظاہر کرے اور بنیامین تک پہنچے۔ بنیامین اسے مل جائے تو اپنا آپ اس پر بے نقاب کر دے اور کہے کہ مقوقس اور قیرس اسے ملنا چاہتے ہیں اور دونوں ہر قل کی بنائی ہوئی عیسائیت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔

”ہو سکتا ہے بنیامین کسی شک میں پڑ جائے اور بات نہ مانے۔“ مقوقس نے کہا۔ ”اسے یقین دلانا اور قائل کرنا ہے کہ وہ بے خوف و خطر آجائے اور اگر وہ گرفتاری کا خطرہ محسوس کر رہا ہے تو قیرس اس کے پاس آجائے گا اور قیرس اکیلا ہو گا۔ اس کے ساتھ فوج نہیں ہوگی۔“

اس طرح ضروری ہدایات لے کر یہ آدمی اُس جگہ کو روانہ ہو گیا جہاں بنیامین روپوشی کی حالت میں رہتا تھا۔

مصر کے فرمانروا مصر کے اسقف اعظم اور رومی فوج کے ایک نامور جرنیل کے دلوں میں روم کے بادشاہ ہر قل کی مخالفت پیدا ہو چکی تھی جو اتنی شدید تھی کہ عداوت تک پہنچ رہی تھی۔ ان تینوں کی برہمی کی وجہ بڑی صاف تھی۔ یہ وہی ہر قل تھا جو کم

تعداد مسلمانوں سے شکست پہ شکست کھا کر شام کا پورا ملک انہیں دے آیا تھا اور اب بزنطیہ سے یوں حکم بھیج رہا تھا جیسے یہ تینوں بزدل ہوں اور حوصلہ ہار بیٹھے ہوں۔ اسقف اعظم اور جرنیل تھیوڈور نے مقوقس سے کہا کہ وہ ابھی ہرقل کے نام پیغام لکھے جس میں ایک اطلاع تو بلیں کی شکست اور اطربوں کی موت کی ہوگی اور اس کے بعد اس کے پیغام کا ایسا جواب دے جیسے اینٹ کے جواب میں پتھر پھینکا جاتا ہے۔

مقوقس تو اور ہی زیادہ مشتعل اور برہم تھا۔ اس نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے پیغام لکھنا شروع کر دیا۔ قیرس اور تھیوڈور اسے مشورے دیتے رہے اور اس طرح تینوں نے مل کر جو پیغام لکھا وہ کچھ یوں تھا:

”شہنشاہِ روم ہرقل کے نام جس کی سلامتی اور فتح کے لئے ہم سب دعا گو رہتے ہیں۔ آپ کا پیغام اُس وقت ملا جس وقت میں بالبیون میں اطربوں کی لاش کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو صدمہ پہنچا رہا ہوں لیکن یہ بُری خبر آپ سے چھپائی تو نہیں جاسکتی۔ اطربوں نے مسلمانوں کے لشکر پر اُس وقت حملہ کیا تھا جب مسلمانوں نے بلیں کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ پورا ایک مہینہ لڑائی جاری رہی اور آخر اطربوں مارا گیا اور اپنی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے ہماری فوج کو بہت جانی نقصان پہنچایا ہے اور بہت سے فوجیوں نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اطربوں کی لاش ہماری اپنی فوج کے آدمی اپنے طور پر نہیں لائے بلکہ ہوا یوں ہے کہ لاش مسلمانوں نے بڑے ہی توہین آمیز پیغام کے ساتھ بھیجی ہے۔ میں آپ کے پیغام کا جواب اس حالت میں دے رہا ہوں کہ ساتھ والے کمرے میں اطربوں کی لاش پڑی ہوئی ہے....

”آپ کے پیغام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مجھے بڑا ہی کمزور اور بزدل آدمی سمجھتے ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ جو صلح کرنی چاہی تھی وہ کسی کمزوری کے تحت نہیں چاہی تھی بلکہ اپنے احوال و کوائف دیکھ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں فوج کو نہ مرواؤں اور مصر مسلمانوں کو دے دوں۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اپنی فوج کو خون خرابے سے بچالوں اور مسلمان فرما سے ہی واپس چلے جائیں۔ میں نے اطربوں کو حملے سے روکا تھا۔ بہت کچھ سوچ کر روکا تھا لیکن اطربوں نے میرا حکم نہ مانا اور مجھے بتائے بغیر فوج لے کر بلیں چلا گیا اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ مسلمانوں

نے اطربوں کی فوج کا جم کر مقابلہ کیا اور پھر اطربوں کی فوج کی خیمہ گاہ پر ہر دوسری تیسری رات ایسے شب خون مارے کہ ہماری فوج کا ایک نقصان تو جانی ہوا اور دوسرا نقصان ذہنی تھا۔ وہ یہ کہ ہماری فوج پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی۔ شکست کی وجہ یہی تھی....

”آپ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے اور میں اتنی زیادہ فوج ہوتے ہوئے بھی انہیں شکست نہیں دے سکتا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ وہی تھوڑی تعداد کے مسلمان ہیں جنہوں نے آپ کو اور آپ کی فوج کو شام کے ملک سے نکال باہر پھینکا تھا۔ شام سے ہماری جو بچی کچی فوج مصر آئی تھی اس پر مسلمانوں کی بے خونی بے جگری آسیب کی طرح سوار ہو گئی تھی۔ ان شکست خوردہ فوجیوں نے مصر آکر ساری فوج کو یہ تاثر دیا کہ مسلمان انسان نہیں جانتے ہیں جن کے مقابلے میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ اس طرح ہماری فوج کا جذبہ مجروح ہوا اور ہماری فوج کی شکست کا باعث یہی ہے۔ میں یہ کہنے کی گستاخی کروں گا کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ آپ پر عائد ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بحیرہ روم کے اُس پار جا کر سب کچھ بھول گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کس طرح جانوں کی بازی لگا کر لڑتے ہیں۔ یہ جذبہ ہماری فوج میں پیدا ہو ہی نہیں سکا....

”میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اسقفِ اعظم قیرس کے ہاتھوں آپ کی عیسائیت کو نہ ماننے والوں پر جو ظلم و تشدد کروایا تھا، آج مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ مصر میں قبلی عیسائیوں کی آبادی لاکھوں تک پہنچتی ہے لیکن وہ ہماری فوج میں شامل ہوتے ہی نہیں۔ اسقفِ اعظم قیرس بھی اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں۔ آپ نے ان کی وفاداری پر جس شک کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ وہ اس رعایا سے تعاون کس طرح حاصل کر سکتے ہیں جس رعایا کے لئے وہ جلاؤ بنا دیئے گئے تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مصر کے بڑے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں سے جا ملے ہیں۔ غور کریں کہ وہ ہمارے ساتھ کیوں نہ ملے اور حملہ آوروں کے ساتھ کیوں چلے گئے۔ ان تک ہم نے بھی رسائی حاصل کی تھی لیکن انہوں نے ہمیں دھتکار دیا اور وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ آزاد ہیں اور کسی کے حکم سے ہم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ہمارے مقابلے میں انہوں نے مسلمانوں کو پسند کیا اور ایک لشکر کی صورت میں مسلمانوں کے لشکر میں چلے گئے....

”میں آپ کو یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ قطبی عیسائیوں کو ساتھ ملانے کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ میں نے بنیامین کی طرف اپنا ایک اپنی بھیج دیا ہے اور اسے اپنے ہاں بلوایا ہے۔ اسقف اعظم قیرس نے اپنے رویے میں یکجہاں پیدا کر لی ہے۔ اگر بنیامین آگیا تو میں قیرس اور بنیامین کے اختلافات ختم کروا دوں گا اور پھر بنیامین کو قاتل کروں گا کہ وہ قطبی عیسائیوں کا ایک لشکر تیار کر کے رومی فوج کے ساتھ آجائے تاکہ عرب کے ان مسلمانوں کو مصر سے نکالا جائے۔ اگر آپ کو میرے یہ الفاظ مطمئن نہ کر سکیں تو ہمارے پاس آجائیں اور لڑائی کی نگرانی خود کریں۔ میں آپ کو یہ یقین بھی دلاتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ہمارے حوصلے مضبوط ہیں۔“

مقوقس نے یہ پیغام سربمہر کر کے ایک قاصد کو دیا اور ہدایت یہ دی کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ بزنطیہ پہنچے اور یہ پیغام ہر قل کے ہاتھ میں دے دے۔

○

ہم پھر واپس بلیں چلتے ہیں جہاں شہر کے اندر اور باہر لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور شدید زخمی بے ہوش پڑے تھے اور جو ہوش میں تھے وہ اپنے آپ کو گھسیٹ رہے تھے کہ عافیت کے کسی مقام تک پہنچ جائیں۔ مسلمان خواتین زخمیوں کو پانی پلا پلا کر اٹھا رہی تھیں۔ زمین کا وسیع و عریض خطہ خون سے سیراب ہوا جا رہا تھا۔

یہیں سے اطربون کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ اس کی لاش مقوقس کو بھجوا کر شارینا اور اپنی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔ حدید، فمد اور مسعود وہاں سے چلے گئے تھے۔ بہت سی مسلمان خواتین زخمیوں کو اٹھا رہی تھیں اور انہیں مرہم پٹی کے لئے لے جا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ مجاہدین بھی تھے جو ان زخمیوں کو اٹھا کر پیچھے لے جا رہے تھے جو بے ہوش تھے یا کھڑا ہونے کے قابل نہیں تھے۔

کسی بھی خاتون کے چہرے پر ایسا نقاب نہیں تھا کہ وہ پہچانی نہ جاسکتی لیکن ایک خاتون نے اپنا چہرہ اس طرح نقاب میں چھپا رکھا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ وہ زخمیوں اور لاشوں کو دیکھتی چلی جا رہی تھی اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ وہاں مجاہدین بھی اور ان کی خواتین بھی اتنی مصروف تھیں کہ انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ زخمیوں کو اٹھانے کی جلدی اس لئے تھی کہ کوئی زخمی خون زیادہ بہہ جانے سے شہید نہ ہو جائے۔

شارینا اور اپنی مل کر ایک زخمی کو اٹھا رہی تھیں۔ زخمی مجاہد اٹھا اور دونوں لڑکیاں اسے سہارا دے کر لے جانے لگیں تو زخمی نے انہیں روک دیا اور کہا کہ وہ خود اپنے سارے پیچھے چلا جائے گا۔ شارینا نے دیکھا کہ اس زخمی سے اچھی طرح چلا نہیں جا رہا تھا۔ شارینا نے اسے کہا کہ وہ اپنے آپ پر جبر نہ کرے اور اس کا سہارا لے لے۔ اپنی بھی زخمی کے دوسرے پہلو۔ ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور اپنا ایک بازو زخمی کی کمر میں ڈال دیا۔

”نہ میری بہنو!“ شارینا نے شارینا اور اپنی سے الگ ہو کر اور مسکرا کر کہا۔

”ہمیں سہاروں کا غنا نہ بناؤ۔ ہم سہاروں کے بل پر چلنے بھرنے لگے تو پھر مصر کون فتح کرے گا؟.... تم جاؤ اور بے ہوش پڑے ہوئے زخمیوں کو اٹھاؤ، مجھے اللہ کا سہارا بہت ہے۔“

زخمی چلا گیا۔ شارینا اور اپنی دوسرے زخمیوں کو ڈھونڈنے چل پڑیں۔ زخمیوں کی کرناک آوازوں اور زخمی گھوڑوں کے بھاگنے دوڑنے کے دھماکوں اور میدان جنگ کی دیگر آوازوں اور آہٹوں میں شارینا کو یوں لگا جیسے اسے کسی عورت نے پکارا ہو۔ شارینا نے رک کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے ایک خاتون نظر آئی جس نے چہرہ نقاب میں ڈھانپ رکھا تھا اور صرف آنکھیں نکلی تھیں۔

”شارینا!“ اس لڑکی نے قریب آ کر کہا۔ ”تمہیں پہچاننے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ کیا تم شارینا نہیں ہو؟“

”ہاں“ میں شارینا ہی ہوں۔“ شارینا نے کہا۔ ”چہرے سے نقاب تو ہٹاؤ کہ میں بھی دیکھ سکوں تم کون ہو۔ تم نے میری زبان میں بات کی ہے۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟“

”نہیں!“ اس لڑکی نے کہا۔ ”میں اربیلا ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسری کو بھول نہیں سکتیں۔“

”اوہو اربیلا!“ شارینا نے اربیلا کو اپنے بازوؤں میں لے کر بڑی تیزی سے کہا۔ ”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟ جلدی ہو، تمہارا یہاں اکیلے پھرتے رہنا ٹھیک نہیں۔“

”وہ بدکار اطربون مجھے ساتھ لے آیا تھا۔“ اربیلا نے کہا۔ ”سنا ہے وہ مارا گیا

ہے۔ اس خبر سے میں بہت ہی خوش ہوں۔ یہاں ایک فوجی افسر روباش کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ اطربوں کی کہیں لاش نظر آئے تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ میں آزاد ہو گئی ہوں۔ اس کی لاش کے منہ پر تھوکوں گی۔“

اریلا نے شارینا کو بتایا کہ اسے اطربوں اپنے ساتھ داشتہ بنا کر لایا تھا۔ وہ ایک جوان سال فوجی افسر روباش کو دل و جان سے چاہتی تھی اور روباش اس پر نذا ہوا جاتا تھا۔ ان کی شادی ہو سکتی تھی اور ہو بھی جاتی لیکن اریلا پر اطربوں کی نظر پڑ گئی اور اس نے اپنے ناجائز اختیارات استعمال کرتے ہوئے اریلا کو داشتہ بنا لیا اور اس کے ماں باپ کو کچھ نقد معاوضہ دیا اور ساتھ ہی بہت بڑے نتائج کی دھمکیاں دے کر ان پر دہشت بھی طاری کر دی۔ اریلا کے ماں باپ پہلے ہی دہشت زدہ رہتے تھے کیونکہ وہ ہر قل کی بنائی ہوئی عیسائیت کو نہیں مانتے تھے اور قطعی عیسائی تھے۔ انہوں نے قطعی عیسائیوں کو قتل ہوتے یا زیر عتاب آتے دیکھا تھا۔ دل پر پھر رکھ کر چپ ہو رہے۔

یہ پانچ چھ مہینے پہلے کی بات تھی۔ اریلا اطربوں کی قید میں بہت روئی چینی مگر اطربوں نے اس پر تشدد کر کے اپنے قبضے میں ہی رکھا۔ پھر بھی اریلا دو تین مرتبہ اپنے محبوب روباش سے ملی۔ ایک بار اطربوں کو پتہ چل گیا تو اس نے اریلا کو مارا پیٹا اور روباش کے خلاف بھی کارروائی کی۔ روباش چونکہ فوجی افسر تھا اور اس کا کوئی دُور کا تعلق شاہی خاندان سے بھی نہ تھا اس لئے اطربوں اس کے خلاف کوئی سنگین یا شدید کارروائی نہ کر سکا لیکن اسے معاف کرنے پر بھی راضی نہ ہوا۔ اُس وقت روباش سکندریہ میں تھا۔ اطربوں نے روباش کو سکندریہ سے بلا کر اُن فوجی دستوں میں شامل کر دیا جو فرما اور بلیس کے قلعوں میں تھے۔ یہ اس توقع پر کیا کہ روباش لڑائی میں مارا جائے گا۔

اب اطربوں بارہ ہزار فوج لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے آیا تو اریلا کو بھی ساتھ لے آیا۔ اریلا کے علاوہ ایک اور لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی۔ مسلمان تو اپنی بیویوں، بہنوں یا بیٹیوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن رومی فوج کے افسر دشتاؤں کو محاذ پر لے جاتے تھے۔ اطربوں تو عورت کا دلدادہ تھا۔ اریلا کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ روباش بلیس کے قلعے میں ہے۔ اریلا نے شارینا کو بتایا کہ اطربوں کی دوسری داشتہ اس کا ساتھ دیتی تو شاید دونوں مل کر اطربوں کو زہریلا دیتیں یا کسی طرح اسے قتل کر دیتیں لیکن دوسری

داشتہ بہت خوش تھی کہ وہ اتنے بڑے جرنیل کی داشتہ ہے۔ اریلا یہی کر سکتی تھی کہ اطربوں کے مارے جانے کی دعائیں کرتی جو وہ کرتی ہی رہتی تھی۔ آخر اس کے کانوں میں بلیس کے آخری معرکے کے دوران یہ آواز پڑی کہ اطربوں مارا گیا ہے۔ رومی فوج کی خیمہ گاہ بلیس کے میدان جنگ سے دو تین میل دُور تھی۔ وہاں جو رومی ملازمین وغیرہ تھے وہ سب وہیں سے بھاگ گئے۔ اطربوں کی دوسری داشتہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔ اریلا اطربوں کے خیمے میں ہی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی خوش قسمت ہو گئی ہے کہ اطربوں مارا گیا ہے۔

بہت دیر بعد وہ خیمے سے نکلی تو اس نے دیکھا کہ وہ اتنی بڑی خیمہ گاہ میں اکیلی ہے۔ وہاں کوئی گھوڑا بھی نہیں تھا کہ وہ اس پر سوار ہو کر بھاگ جاتی۔ اس نے بھاگ جانے کا پکا ارادہ کیا بھی نہیں تھا۔ اطربوں کی موت سے بے خبر بلیس کی طرف چل پڑی۔ وہ روباش کی تلاش میں جا رہی تھی۔ وہ لاشوں اور زخموں کو دیکھتی پھر رہی تھی کہ اسے شارینا نظر آ گئی۔ شارینا جب اپنی ماں کے ساتھ ہر قل کے محل میں رہتی تھی اُس وقت اریلا شارینا کے پاس آتی اور کچھ دیر دونوں لڑکیاں ہنستی کھیلتی رہتی تھیں۔

”اندازہ کرو شارینا!“ اریلا نے کہا۔ ”میری محبت دیکھو۔ میں نے روباش کی تلاش میں یہ بھی نہ سوچا کہ مسلمانوں نے مجھے پکڑ لیا تو میرے ساتھ کیسا بُرا سلوک ہو گا۔“

”نہیں اریلا!“ شارینا نے کہا۔ ”خطرہ صرف یہ تھا کہ تم پکڑی جاتیں لیکن مسلمانوں کے ہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں جو تم ذہن میں لئے پھرتی ہو۔ مسلمان دشمن کی جن عورتوں کو قیدی بناتے ہیں انہیں پیچھے بھیج دیا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، کسی عورت کو داشتہ نہیں بنا سکتا۔ اسے باقاعدہ نکاح کے بعد بیوی بنا سکتا ہے اور قیدی عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ تم پکڑی جاتیں تو تمہیں نقصان صرف یہ ہوتا کہ روباش کو نہیں ڈھونڈ سکتی تھیں.... میں سوچتی ہوں تم روباش کو کہاں کہاں ڈھونڈتی پھرو گی۔“

”کیا تم میری کوئی مدد نہیں کر سکو گی شارینا؟“ اریلا نے روتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو میں نے تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تم یہاں کس حیثیت میں ہو اور کیا تم میری کچھ مدد کر بھی سکتی ہو یا نہیں!“

”تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟“ — مجاہد نے ان دونوں سے کہا — ”دوسری عورتوں کے ساتھ جا کر اپنا کام کرو۔ یہاں تماشا دیکھنے کے لئے مت رکو۔“

شارینا نے اربلا کو ساتھ لیا اور فوراً وہاں سے چل پڑی اور بڑی تیزی سے چلتی ہوئی شہر سے نکل گئی۔ معلوم نہیں اس مجاہد نے ان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ رومی فوج کا ایک افسرانہیں دیکھ کر ان کی طرف کیوں چل پڑا تھا۔ شارینا یہ خطرہ محسوس کرتی ہی رہی کہ روباش سے پوچھا جائے گا کہ وہ ان لڑکیوں کی طرف کیوں جا رہا تھا۔ شارینا اربلا کو ساتھ لئے بڑی ہی تیز چلتی اپنے خاندانِ حدید کے پاس پہنچی۔

اس نے اربلا کو حدید سے متعارف کروایا اور وہ ساری بات سنائی جو اربلا نے اسے سنائی تھی۔ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے روباش کو قیدیوں میں دیکھا ہے۔ اگر اسے رہائی مل جائے تو یہ دونوں اسلام قبول کر لیں گے.... حدید نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔

حدید اور اس کے ساتھی جاسوسی کے نظام کے مجاہدین تھے، ان کا سپہ سالار عمرو بن عاص کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا۔ یہ مسئلہ سپہ سالار کا تھا اور وہی اس کا آخری فیصلہ دے سکتے تھے۔ اُس وقت سپہ سالار کو ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ شہر ابھی ابھی فتح ہوا تھا۔ سپہ سالار نہ جانے کہاں کہاں گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں شہر کا نظم و نسق بحال کرنا تھا اور ہر طرف کی رپورٹیں لینی تھیں اور سب سے زیادہ نازک اور اہم کام سرکاری مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا تھا۔ یہ بھی دیکھنا تھا کہ شہریوں کو کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو اور لوٹ مار بھی نہ ہو۔ مجاہدین تو لوٹ مار کو گناہ سمجھتے تھے لیکن ان کے ساتھ مصری بدو تھے جو اس افراطِ نفی اور نفاست میں اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کا موقع نکال سکتے تھے۔

حدید شارینا اور اربلا کو ساتھ لئے سپہ سالار کی تلاش میں چل پڑا۔ تلاشِ بسیار کے بعد سپہ سالار مل گئے لیکن ایسی حالت میں کہ وہ شہر کے چند ایک سرکردہ افراد اور اپنے دو نائب سالاروں کے ساتھ مصروف تھے۔ انتظار میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں کوئی مسجد تو تھی نہیں، ایک مجاہد نے باہر کھڑے ہو کر اذان دی اور وہیں سب بجماعت نماز کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دیں اور امامت کے لئے آ گئے۔

یہ موقع اچھا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حدید سپہ سالار سے ملا اور انہیں اربلا

”میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں“ — شارینا نے کہا — ”میں نے یہاں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور جس کے ساتھ آئی تھی اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ میں تم پر شرط عائد نہیں کر رہی، مشورہ دے رہی ہوں کہ تمہارے ساتھ روباش کو تلاش کروں گی۔ اگر وہ زندہ مل گیا تو تم دونوں اسلام قبول کر لینا اور تمہاری شادی ہو جائے گی۔“

شارینا نے اربلا کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں اور رومیوں میں کیا فرق ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی خاندان شاہی خاندان نہیں ہوتا۔ خلیفہ اور سپہ سالار بھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور اعلیٰ نسل نہیں سمجھتے.... اربلا نے یہ باتیں سنیں تو کہا کہ یہ شرط ہے یا مشورہ، روباش مل جائے تو دونوں اسلام قبول کر لیں گے۔

شارینا اپنی کو وہیں چھوڑ کر اربلا کو ساتھ لئے قلعے کے اندر چلی گئی۔ وہ سب سے پہلے اُن رومی فوجیوں کو دیکھنا چاہتی تھی جو ہتھیار ڈال رہے تھے۔



بڑی مضبوط، چوڑی اور اونچی دیواروں کے حصار میں بلیں کا شہر آباد تھا۔ ان دیواروں کے اندر بھی جگہ جگہ لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں بے ہوش زخمی بھی تھے۔ شارینا کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں ڈالوائے جا رہے ہوں گے۔ اندر ایک بڑا وسیع و عریض میدان تھا۔ شارینا سب سے پہلے قیدیوں کو دیکھنا چاہتی تھی۔

شارینا اور اربلا اس میدان سے ابھی کچھ دور ہی تھیں کہ انہیں رومی فوجیوں کی ایک ٹولی آتی نظر آئی۔ تعداد میں وہ پچیس تیس ہوں گے۔ تین چار مجاہدین انہیں بانک کر میدان کی طرف لا رہے تھے۔ یہ ٹولی ان دونوں کے قریب سے گزری تو اچانک اربلا چلائی — ”روباش!“ — وہ اس ٹولی کی طرف دوڑ پڑی۔ روباش اسی ٹولی میں تھا۔ شارینا بھی اس کے پیچھے دوڑی گئی۔ روباش نے اربلا کو دیکھا تو ٹولی میں سے نکل آیا۔ ”اوئے رومی!“ — ایک مجاہد نے روباش کو ڈانٹ کر کہا — ”کدھر چل پڑے!....“ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہو۔ تم قیدی ہو۔“

اگر یہ مجاہد روباش کو دھکیل کر پھر ٹولی میں شامل نہ کر دیتا تو روباش کو پتہ ہی نہ چلتا کہ مجاہد نے کیا کہا تھا کیونکہ مجاہد عربی بول رہا تھا اور روباش یہ زبان نہیں سمجھتا تھا۔ شارینا نے اربلا کو وہیں روک لیا اور کہا کہ وہ چہرے پر پہلے کی طرح نقاب ڈال لے۔

اور روباش کے متعلق ساری بات سنائی۔ سپہ سالار نے حکم دے دیا کہ روباش نام کے رومی افسر کو قیدیوں میں سے نکال کر ان کے خیمے میں پیش کیا جائے۔

○

عمروؓ بن عاص نماز کے بہت دیر بعد اپنے خیمے میں آئے تو روباش وہاں موجود تھا۔ حدیدؓ شارینا اور اربیلا بھی تھیں۔ عمروؓ بن عاص نے چاروں کو خیمے میں بٹھایا اور پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ سب سے پہلے اربیلانے بات شروع کی اور وہ ایسی روئی کہ اس کے لئے بولنا دشوار ہو گیا۔ اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے وہی بات سنائی جو وہ شارینا کو سنا چکی تھی۔

”اب تم چاہتی کیا ہو!“ — عمروؓ بن عاص نے پوچھا۔

”اس سوال کا جواب مجھ سے سنیں“ — روباش نے کہا۔ ”اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں مظلوم انسان ہوں اور مجھے رہائی چاہئے تو یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ میں اُس ملک میں واپس نہیں جانا چاہتا جس ملک میں کسی کی عزت اور آبرو ہی محفوظ نہ ہو اور ایک جرنیل اپنا قانون چلاتا پھرے۔ ہر قتل وہ بادشاہ ہے جس نے اپنا ہی مذہب رائج کر دیا ہے اور بزدل شمشیر لوگوں کو اپنے مذہب میں لا رہا ہے۔ میں نے مسلمانوں کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ اگر یہ سب صحیح ہے تو میں آپ کا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ اربیلانے بھی یہی خواہش ہے۔ میں تجربہ کار فوجی افسر ہوں۔ میری خدمات آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔ اگر آپ نے مجھے قید میں ہی رکھنا ہے تو سوچ لیں کہ آپ ایک قیمتی انسان کو ضائع کر رہے ہیں۔ میں رومی عیسائی ہوں لیکن رومی حکمرانوں سے انتقام لینے کو بے تاب ہوں۔“

عمروؓ بن عاص اتنی آسانی سے کسی غیر کی باتوں میں آنے والے سپہ سالار نہیں تھے۔ انہوں نے روباش کے ساتھ ایسی گفتگو کی جس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ یہ رومی افسر قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ شارینا نے سپہ سالار کو یہ بتایا کہ وہ اربیلانے کو بچپن سے جانتی ہے اور اخلاقی لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اور اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

خاصی لمبی اور با مقصد گفتگو کے بعد عمروؓ بن عاص نے فیصلہ دے دیا کہ روباش اور اربیلانے کو حلقہ گوش اسلام کر لیا جائے۔ اس طرح روباش اور اربیلانے عمروؓ بن عاص کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی عمروؓ بن عاص نے اسلامی اصول کے

مطابق دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔ سپہ سالار نے یہ حکم بھی دیا کہ ان دونوں کو اسلامی اصولوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے اور انہیں نماز پڑھنی سکھا دی جائے۔۔۔۔۔ ایسا حکم دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ نظام موجود تھا جو نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کرتا تھا۔ مسلمان جس بستی کو فتح کرتے تھے وہاں کئی لوگ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ فوراً ہی ان کی تعلیم و تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق شروع ہو جاتی تھی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص مصر سے تو واقف تھے لیکن وہ اُس وقت مصر کئی بار آئے تھے جب انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور وہ تجارت کے سلسلے میں آیا کرتے تھے۔ وہ سب سے زیادہ سکندریہ سے متاثر تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر ایک باب میں آچکا ہے۔

اب عمروؓ بن عاص جس خطے میں پیش قدمی کر رہے تھے اس سے بھی وہ واقف تھے لیکن اتنا نہیں جتنا اب ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے اُس وقت مصر کو کسی اور نگاہ سے دیکھا تھا۔ اب وہ اس علاقے کو جنگی نگاہ سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے اپنے جاسوس انہیں معلومات تو فراہم کر رہے تھے لیکن انہیں وہ غالباً کافی نہیں سمجھتے تھے۔ اب رومی فوج کا ایک افسران کے ہاتھ آ گیا تھا۔ صحیح اور مکمل معلومات تو اس سے مل سکتی تھیں۔۔۔۔۔ انہوں نے روباش کا نام فاروق اور اربیلانے کا نام فاطمہ رکھا تھا۔

”تم فوج کے افسر ہو فاروق!“ — عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”تم ایک آدھ دستے کی قیادت کرنے والے ہو اور تجربہ بھی رکھتے ہو لیکن ابھی میں تمہیں کسی دستے کی کمان نہیں دوں گا۔ تم تھوڑا ہی عرصہ میرے جاسوسی نظام میں رہو گے۔ تمہیں شب خون مارنے کے لئے بھی بھیجا جائے گا۔ میں تمہیں نہایت اہم فرد سمجھتا ہوں۔ ابھی میری ضرورت یہ ہے کہ مجھے دریائے نیل تک اور اس سے کچھ آگے کی معلومات مل جائیں۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آگے دو تین اور قلعے ہیں لیکن جنگی نقطہ نگاہ سے میں ان قلعوں کے احوال و کوائف معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھ سے بہتر اور کون آپ کو یہ باتیں بتا سکتا ہے!“ — فاروق نے کہا۔ ”یہاں سے آپ پیش قدمی کریں گے تو تھوڑی دور جا کر صحرا آ جائے گا۔ اس سے آگے اس قدر سرسبز و شاداب اور خوشنما علاقہ آ جائے گا جو شاید آپ نے پہلے کہیں نہیں دیکھا ہو

گا۔ نیل کے کنارے پر ایک شہر اُم دین آباد ہے جو بڑا مضبوط قلعہ بند شہر ہے۔ اس کے بالکل قریب دریا کا گھاٹ ہے جہاں کشتیاں بھی کھڑی رہتی ہیں اور درمیانہ درجے کے بادشاہی جہاز بھی ہیں۔ فرعونوں نے اپنے زمانے میں اس شہر کو اپنا دار الحکومت بھی بنایا تھا۔ دراصل مصر کا دفاعی نظام ہمیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی جرات اور آپ کے جذبے کا بڑا ہی سخت امتحان انہی قلعوں پر ہو گا۔ جنگی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ آپ کے ساتھ جو لشکر ہے، اس کی تعداد بہت کم ہے۔ اس قلعے کے اندر جو رومی فوج ہے اس کی تعداد آپ کے لشکر سے بہت زیادہ ہے....

”اس قلعے میں اور آگے آنے والے ہر قلعے میں جو رومی فوج ہے اس میں ایک ایسی کمزوری ہے جو آپ کو فائدہ دے سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اس فوج پر آپ کا ایسا رعب طاری ہے کہ جب آپ کی فوج سے نعرے بلند ہوتے ہیں تو رومی فوج کے ہر سپاہی کے چہرے پر خوف اور بزدلی کا تاثر آ جاتا ہے۔ آپ نے بلیں فتح کیا ہے۔ اس فتح میں آپ کے ہاتھ ایک اتنا بڑا قلعہ بند شہر اور بے شمار مال غنیمت ہی نہیں آیا بلکہ آپ کی فوج ایک دہشت بن کر رومی فوج پر طاری ہو گئی ہے۔ وہ جو رومی فوجی بلیں سے بھاگ گئے ہیں وہ جہاں بھی جائیں گے وہاں آپ کا رعب طاری کرتے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ جو جذبہ آپ کے لشکر میں ہے وہ رومی فوج میں نہیں....

”اُم دین کے جنوب میں چند میل دور بابلیوں کا بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے۔ میں آپ کو پورے خلوص سے مشورہ دیتا ہوں کہ اس قلعے کو سر کرنے کے لئے یہ لشکر نہ لے جائیں کیونکہ یہ بہت ہی کم ہے اور شہر کے اندر اتنی زیادہ فوج ہے کہ اس نے باہر آکر آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا تو آپ کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اس قلعے کی دیواروں پر پتھر پھینکنے والی مشینیں بھی نصب ہیں۔ یہ آپ کے لشکر کو بہت نقصان پہنچائیں گی۔ اس قلعے کی دیواریں بہت ہی چوڑی اور پتھریلی ہیں۔ ان میں آپ شگاف نہیں ڈال سکیں گے۔ یہ فرعونوں کا تعمیر کیا ہوا قلعہ ہے جسے رومیوں نے آکر اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ رومی اسے ناقابلِ تسخیر قرار دیتے ہیں جو غلط نہیں....

”دریا کے پار فیوم ایک اور قلعہ بند شہر ہے۔ یہ بھی مضبوطی کے لحاظ سے کچھ کم نہیں۔ جب تک آپ اُم دین اور بابلیوں کو فتح نہ کر لیں آپ فیوم تک پہنچ ہی نہیں سکیں گے کیونکہ آپ فیوم پر سیدھے چلے جائیں گے تو بابلیوں کے اندر اتنی فوج ہے

جس کا کچھ حصہ فیوم کا محاصرہ توڑنے کے لئے آپ پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ اگر آپ کو کمک مل جائے تو پھر آپ بابلیوں تک کا خطرہ مول لے سکتے ہیں.... اس تمام علاقے کی اہمیت کا اندازہ اس سے کریں کہ فرعونوں کے اہرام اسی علاقے میں ہیں اور ابو الہول کا مجسمہ بھی اسی علاقے میں ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ جس نے یہ وسیع و عریض علاقہ لے لیا اس نے پورا مصر فتح کر لیا۔ ہمیں مقوقس اور اطربون نے اچھی طرح ذہن نشین کر دیا تھا کہ اُم دین، بابلیوں اور فیوم تک اگر مسلمان پہنچ گئے تو یہ رومیوں کے لئے زندگی اور موت کی جنگ ہو گی۔ اگر رومی ہار گئے تو ان کا مصر میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا اور ہر قل نے شام سے نکلنے وقت کہا تھا، اے ملک شام، الوداع، اب ہم کبھی واپس نہیں آ سکیں گے۔ اگر آپ یہ جنگ جیت گئے تو ہر قل مصر کے ساحل پر کھڑا ہو کر یہی الفاظ کہے گا، الوداع اے مصر، اب ہم کبھی یہاں نہیں آ سکیں گے۔“

عمروؓ بن عاص فاروق کی یہ تفصیلات غور سے سنتے رہے اور کچھ سوال بھی کرتے گئے۔ اس طرح اس علاقے کا بڑا ہی واضح اور شفاف نقشہ ان کے سامنے آ گیا۔ پھر انہوں نے فاروق سے پوچھا کہ قبلی عیسائیوں کا رویہ کیا ہے اور کیا ایسا امکان موجود ہے کہ وہ ہر قل کے خلاف بغاوت کر دیں گے؟

”کبھی ان پر بھروسہ نہ کریں۔“ فاروق نے کہا۔ ”یہ صحیح ہے کہ قبلی عیسائی جنگ کے دوران رومی فوج کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے لیکن بنیامین بڑا دانشمند اور دوراندیش آدمی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اس نے ہر قل کو ناراض کر دیا اور فتح اسی کی ہوئی تو مصر میں کسی قبلی عیسائی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے علاوہ ہر قل کا بنایا ہوا اسقف اعظم قیرس بھی بڑا دانشمند اور ہوشیار آدمی ہے۔ وہ ایسی چال چلے گا کہ قبلی عیسائیوں کو اپنا گرویدہ بنا لے گا۔ میں کہتا یہ چاہتا ہوں کہ قیرس اور بنیامین کی سیاست بازی کو سمجھیں اور قبلیوں پر بھروسہ نہ کریں۔ بھروسہ اسی لشکر پر کریں جو اس وقت آپ کے پاس ہے۔ یہ تھوڑا ہے خواہ زیادہ ہے، یہ آپ کی اپنی طاقت ہے، یہی آپ کے کام آئے گی۔“

○

مدینہ سے چلی ہوئی کمک ابھی تک عمروؓ بن عاص تک نہیں پہنچی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے بلیں کی فتح کی پہلی ہی رات امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوا کر کہ

انہوں نے ایک اور قلعہ فتح کر لیا ہے اور اب ملک کے بغیر آگے ایک قدم بھی اٹھانا ایسے خطرے میں کود جانے کے مترادف ہو گا جس میں پورے لشکر کی ہلاکت کا امکان زیادہ ہے، قاصد کو مدینہ کے لئے دوڑا دیا تھا۔ عمروؓ بن عاص کو ابھی یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ ملک مدینہ سے چل پڑی ہے۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد عمروؓ بن عاص نے اپنے نائب سالاروں اور ان سے چھوٹے عہدے داروں کو بلایا۔ یہ ایک اہم اجلاس تھا۔

”میرے رفیقو!“ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”مجھے احساس ہے کہ میں تم سب کو بہت بڑے امتحان میں ڈال رہا ہوں لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ اپنے لشکر کی جسمانی حالت کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس کے باوجود میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہاں سے ہمیں فوراً پیش قدمی کرنی چاہئے اور ہم آگے آنے والے کسی قلعے کو محاصرے میں لیں۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی یہ بھی سوچ رہا ہو کہ مصر پر فوج کشی کے مخالفین نے جن میں بزرگ صحابی عثمانؓ بن عفان خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کہا تھا کہ میں اندھا دھند خطروں میں کود پڑتا ہوں اور میں پورے لشکر کو کسی انجانے خطرے میں ڈال کر مردا دوں گا۔ میرے مخالفین نے غلط نہیں کہا تھا لیکن میں اندھا دھند کوئی خطرہ قبول نہیں کرتا۔ میں سوچ سمجھ کر اور ہر پہلو کو سامنے رکھ کر خطرے میں داخل ہوا کرتا ہوں۔“

”اے سپہ سالار!“ ایک سالار نے کہا۔ ”اس وقت ہمارا سامنا ان مخالفین سے نہیں جو مصر پر حملے کے خلاف تھے۔ ہمارا سامنا رومی فوج سے ہے جو آگے آنے والے قلعوں میں موجود ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ اس دشمن کی بات کریں؟“

”تو نے میرے دل سے بوجھ اتار دیا ہے میرے رفیق!“ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ رومی فوج کو دم لینے اور سنبھلنے کی مہلت نہ دی جائے۔ اگر ہم یہیں بیٹھے ملک کا انتظار کرتے رہے تو رومیوں کو یہ تاثر ملے گا کہ ہم آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہے اور ہم قلیل تعداد ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد رومی فوج سے خائف ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم یہاں بیٹھے رہے تو کسی بھی وقت رومی فوج آکر بلیں کو محاصرے میں لے لے گی اور ہمارے لئے رسد رک جائے گی۔ یہ سوچ لو کہ رومی فوج کے لئے پیچھے ہٹنے کو پورا منصوبہ ہے مگر ہم مات کھا گئے تو ہمارا کوئی ٹھکانہ

نہیں ہو گا نہ کہیں پناہ ملے گی۔ میں رومی فوج پر اپنے لشکر کی دہشت اور اس کا رعب برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اتنا بھی تاثر نہیں دینا چاہتا کہ ہم تھک گئے ہیں اور کچھ دن سنا کر اگلا قدم اٹھائیں گے۔“

”کیا ہمیں ملک کی توقع رکھنی چاہئے یا نہیں؟“ ایک سالار نے پوچھا۔ ”ملک آرہی ہے۔“ عمروؓ بن عاص نے کہا۔ ”ایسا سوچو ہی نہیں کہ ملک نہیں آئے گی۔ کیا تم سب امیر المومنین سے واقف نہیں؟ وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑیں گے.... میرا ارادہ اور فیصلہ یہ ہے کہ ہم آگے بڑھ کر اُم دینین کو محاصرے میں لے لیں گے اور اپنی پوری طاقت صرف کر کے یہ قلعہ سر کریں گے۔ اگر ہم اللہ کی مدد سے کامیاب ہو گئے تو اس گھاٹ پر کھڑے تمام جہاز اور کشتیاں ہماری ہوں گی پھر ہمیں دریائے نیل پار کرنے کی کوئی دشواری نہیں ہو گی۔“

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حالات کا اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ عمروؓ بن عاص پیش قدمی کا خطرہ مول نہ لیتے اور بلیں میں ہی ملک کا انتظار کرتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ذات باری پر بھروسہ رکھنے والے اور خطروں میں کود جانے والے سپہ سالار تھے۔ انہیں اپنے آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے فیصلوں کے خلاف کسی کی کوئی بات نہیں سنتے تھے۔

سالاروں اور عہدیداروں نے کچھ مشورے دیئے۔ عمروؓ بن عاص نے کچھ مشورے قبول کئے اور کچھ رد کئے اور آخر یہ پلان بنا کر فوری طور پر پیش قدمی کی جائے۔



اُدھر مقوقس نے اُم دینین اور بابلون میں مزید فوج بھیج دی تھی۔ اس سے پہلے مقوقس اس خوش فہمی میں مبتلا رہا تھا کہ مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی ہے اور اتنی تھوڑی نفری کسی بھی قلعے کو فتح کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اس خوش فہمی کے زیر اثر اس نے یہ پھندہ تیار کیا تھا کہ مسلمانوں کو اور آگے آنے دیا جائے اور پھر انہیں زرنے میں لے کر بالکل ہی نیست و نابود کر دیا جائے گا لیکن جو ہوا وہ اس کی توقعات کے بالکل الٹ تھا۔ مسلمانوں نے بلیں جیسا ہر لحاظ سے مضبوط قلعہ بھی لے لیا اور اطربون جیسے جرنیل کو مار بھی ڈالا۔

اطربوں کی لاش نے اور ہر قل کے پیغام نے مقوقس کو خوش فہمیوں سے نکل دیا تھا۔ ہر قل کا بنایا ہوا استقب اعظم قیرس بھی اس کے ساتھ مل گیا تھا اور قیرس نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بنیامین کو بھی راضی کر لے گا اور قطبی عیسائیوں کو اپنے محاذ پر لے آئے گا۔ اب مقوقس کی سوچیں بدل گئی تھیں۔ اس نے ان دو قلعہ بند شہروں کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لئے نئی تیار کی ہوئی فوج استعمال کی۔ اُم دین میں بھی اس نے فوج میں اضافہ کر دیا لیکن اس کی زیادہ توجہ بابلون پر تھی۔ اسے احساس تھا کہ بابلون ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مصر کو مسلمانوں سے بچانا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

اس نے بابلون میں فوج میں جو اضافہ کیا تھا وہ صرف اس شہر کے دفاع کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ مقوقس کا پلان یہ تھا کہ مسلمان جدھر بھی حملہ کریں گے، وہ بابلون سے کچھ دے نکل کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص کو نو مسلم فاروق نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آگے دفاعی نظام کیسا ہے۔ اس نے عمرو بن عاص کو بابلون سے خبردار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود عمرو بن عاص اسی علاقے میں جا رہے تھے۔ عمرو بن عاص نے صرف ایک دن انتظار کیا اور وہ بھی اس لئے کہ بلیس شہر کا نظم و نسق اور دیگر امور بحال کرنے کے انتظامات کرنے تھے۔ اگلے ہی روز نماز فجر کے بعد انہوں نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ یہ شدت سے پہلے انہوں نے لشکر سے انتہائی مختصر خطاب کیا۔ اس خطاب کے الفاظ کچھ مختلف ہوں گے، اس کا لب لباب یہ تھا کہ اللہ کا حکم ہے کہ تمہارے دین کا دشمن جب بھاگ اٹھے تو اس کے تعاقب میں جاؤ اور اس کا ٹھکانہ بھی تباہ کر دو۔ مجھے احساس ہے کہ ہماری نفری بہت تھوڑی ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ملک آ رہی ہے۔ مدینہ سے کمک شاید کچھ دیر سے پہنچے لیکن اللہ نے فرشتوں کی کمک تمہارے ساتھ کر دی ہے۔ میں تمہیں جس خطرے میں لے جا رہا ہوں وہاں تم میرے حکم سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے لڑو گے۔ یاد رکھنا اسلام کے مجاہد وہ ہیں کہ ہم یہاں پٹ گئے تو ہمیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ یہاں کی زمین، یہاں کے پیڑ اور پتھر اور یہاں کی ریت کے ذرے بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔

مقوقس بابلون میں آگیا تھا۔ اسے مسلمانوں کی یہ شدت کی اطلاعیں تو اتار سے مل رہی تھیں۔ مجاہدین جب ام دین کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے توجہ نہیں کی تھی

کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک دو ایک مسافر آ جا رہے تھے۔ ظاہری طور پر وہ بے ضرر سے لوگ معلوم ہوتے تھے لیکن وہ مقوقس کے جاسوس تھے جو مجاہدین کے لشکر کو دیکھ رہے تھے کہ اس کا رخ کس طرف ہے اور اس کی نفری کتنی کچھ ہے۔

مجاہدین کی نفری تو اور ہی زیادہ کم ہو چکی تھی۔ بلیس کی لڑائی میں مجاہدین شہید بھی ہوئے اور شدید زخمی بھی ہوئے تھے۔ معمولی طور پر زخمی ہونے والے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کہا گیا تھا کہ وہ ابھی لشکر کے ساتھ نہ جائیں اور اس وقت آگے آئیں جب ان کے زخم ٹھیک ہو جائیں گے لیکن انہوں نے لشکر کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور یہ تاثر دیا کہ وہ لڑنے کے قابل ہیں اور پیچھے نہیں رہیں گے۔

نفری میں مزید کمی اس لئے بھی ہوئی تھی کہ مجاہدین کی کچھ تعداد بلیس میں رکھنی تھی۔ شہروں میں نظم و نسق بحال کرنے کے علاوہ کئی اور سرکاری امور تھے جن کی دیکھ بھال ضروری تھی۔ وہاں مین ہزار رومی قیدی بھی تھے۔ ان پر بھی کچھ نفری مقرر کر دی گئی تھی۔

یہ واضح نہیں کہ مجاہدین کا لشکر کتنے دنوں بعد اُم دین پہنچا۔ یہ شہر کوئی زیادہ دور بھی نہیں تھا کہ کئی دن لگ جاتے۔ بہر حال لشکر اُم دین پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے دو چار جاسوس پہلے ہی اس شہر میں موجود تھے۔ لشکر ابھی شہر کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ یہ جاسوس شہر سے نکل آئے کیونکہ محاصرے کی صورت میں دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے وہ باہر نہیں آ سکتے تھے۔ انہیں سپہ سالار کو ضروری اطلاعات و معلومات دینی تھیں۔ عمرو بن عاص کو بتایا کہ شہر میں رسد اور پانی کی کمی ہے اور یہ دونوں چیزیں باہر سے اندر جاتی ہیں۔ عمرو بن عاص کے لئے یہ اطلاع بڑی ہی اہم تھی۔ انہوں نے رسد کے راستے بند کر دیئے اور پانی بھی روک لیا۔

عمرو بن عاص کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ جب اُم دین کو محاصرے میں لیں گے تو بابلون سے فوج نکل کر محاصرے پر حملہ کرے گی۔ عمرو بن عاص کے ساتھ لشکر پہلے ہی کم تھا جو محاصرے کے لئے بھی کافی نہیں تھا لیکن اسی کم لشکر میں سے انہیں ایسا انتظام بھی کرنا تھا کہ عقب سے حملہ آئے تو اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس طرح انہیں محاصرہ کر کے دونوں طرف نظر رکھنی پڑی۔

تقریباً تمام مستند مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہر وقت توقع تھی کہ مقوقس بابلین سے کچھ دستے نکال کر مسلمانوں پر حملہ کرے گا لیکن وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ اس نے یہ کارروائی کیوں نہ کی۔ بابلین ام دین کے جنوب میں چند میل دور تھا۔ تاریخ میں صحیح فاصلہ نہیں لکھا، غالباً دس اور پندرہ میل کے درمیان تھا۔

مشہور غیر مسلم مؤرخ ایلفیڈ بلرنے لکھا ہے کہ بابلین سے مقوقس نے فوج نہیں نکالی تھی جس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اس کے پیش نظر اطربوں کا انجام تھا۔ اطربوں نے بلیس کے محاصرے کے دوران عقب سے جا کر مسلمانوں پر حملے کئے تھے لیکن مارا گیا۔ مقوقس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو کھلے میدان میں شکست نہیں دی جاسکتی۔ اسے اپنی فوج کے مورال کا بھی اندازہ تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ رومی فوج اسی پر حیران رہ گئی تھی کہ مسلمانوں نے اتنی تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ام دین کو آکر محاصرے میں لے لیا ہے۔

○

ام دین میں جو رومی فوج تھی اس نے وہی مخصوص انداز اختیار کیا جو فرما اور بلیس کے دفاع میں دیکھا گیا تھا۔ وہ یہ کہ دو تین دنوں کے وقفے سے شہر کے دو تین دروازے کھلتے، رومی فوج کے کچھ دستے باہر آتے اور محاصرے پر حملہ کرتے لیکن جم کر لڑنے کی بجائے واپس چلے جاتے اور شہر کے دروازے پھر بند ہو جاتے تھے۔

عمرو بن عاص نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام لشکر سے کہا کہ جب اندر سے فوج نکلے تو آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ نہ کیا جائے یا یہ کہ جم کر مقابلہ نہ کیا جائے اور زیادہ تیراندازی کی جائے۔ دراصل عمرو بن عاص اپنی نفری کو بچانے کی کوشش میں تھے۔ وہ بہت بڑے خطرے میں کود تو آئے تھے لیکن انہوں نے اپنا دماغ حاضر رکھا ہوا تھا اور پوری احتیاط اور جنگی تدبیر سے کام لے رہے تھے۔ ان کا تیراندازی والا طریقہ خاصا کامیاب رہا۔ اندر سے دستے باہر آتے تو تیرانداز مجاہدین پیچھے ہٹتے ہوئے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیتے۔ اس طرح ہر بار رومی اپنے کئی ایک سوار باہر ہی پھینک کر واپس چلے جاتے تھے۔

ایسے تین چار حملے ہی اندر سے آئے ہوں گے کہ ایک عربی گھوڑ سوار آیا اور اس نے عمرو بن عاص کو اطلاع دی کہ کمک کا کچھ حصہ ایک دو دنوں تک پہنچ رہا ہے۔ عمرو

بن عاص نے یہ خبر تمام لشکر کو سنادی کہ کمک آرہی ہے۔ یہ سن کر مجاہدین کے لشکر میں نئے حوصلے اور تروتازگی کی لہر دوڑ گئی۔

معروف مصری تاریخ دان محمد حسین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالوں سے کمک کے متعلق جو تفصیلات لکھی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ پوری کی پوری چار ہزار کی کمک اکٹھی نہیں پہنچی تھی، یہ دو حصوں میں آئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کمک کے دونوں حصوں میں کچھ زیادہ ہی فاصلہ تھا۔ دوسرا حصہ بہت دنوں بعد پہنچا تھا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں حصوں کی الگ الگ نفری کیا تھی۔ ساری کمک کی نفری چار ہزار تھی۔ یہ کمک تقریباً ساری گھوڑ سوار تھی۔

دو تین دنوں بعد کمک کا پہلا حصہ پہنچ گیا۔ شہر کی دیواروں پر کھڑے رومی فوجیوں نے جب کمک کو آتے دیکھا تو ان پر مایوسی اور مردنی چھا گئی۔ ان پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے باہر نکل کر حملوں کا سلسلہ بہت ہی کم کر دیا۔ ان حملوں میں وہ پہلے ہی مسلمان تیراندازوں سے خاصا جانی نقصان اٹھا چکے تھے اور ان کے بہت سے گھوڑے مجاہدین کے ہاتھ لگے تھے۔

محاصرے کو ایک مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ محاصرے کی صورت میں اندر سے کوئی اطلاع نہیں مل سکتی تھی کہ رسد اور پانی کی کیفیت کیا ہے۔ یہ عمرو بن عاص کا اندازہ تھا کہ اب تک شہر میں اور فوج کے لئے رسد اور پانی کی خاصی کمی واقع ہو چکی ہو گی اور یہ رومیوں کے لئے بڑا تلخ اور پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہو گا۔

ایک روز سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں سے کہا کہ بیک وقت قلعے پر بلہ بول دیا جائے اور دروازے توڑنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خطرناک اور دلیرانہ اقدام اندھا دھند نہیں کیا جاتا تھا۔ تیراندازوں کو اتنے فاصلے پر جانے کو کہا گیا جہاں سے وہ دیواروں پر کھڑے رومی فوجیوں کو تیروں کی زد میں لے سکتے تھے۔ بابلین سے فوج کے آنے کا خطرہ بھی تھا۔ اس کی قبل از وقت اطلاع دینے کا یہ اہتمام کیا گیا کہ اپنے جاسوس بابلین کے راستے پر بھیج دیئے گئے کہ جو نئی اُدھر سے دستے آئیں فوراً اطلاع دی جائے۔ اس کے علاوہ عمرو بن عاص نے تین چار چھاپے مار ٹولیاں بھی بھیج دیں۔ ان ٹولیوں کو گھات میں بٹھانا تھا اور اس صورت میں کہ بابلین سے فوج آرہی ہے، اس پر وائیں بائیں سے حملے کر کے نقصان پہنچانا تھا۔ ان چھاپے مار ٹولیوں میں حدید

فد، مسعود اور نو مسلم فاروق خاص طور پر شامل تھے۔ یہ سب چھاپہ مارنے اور شب خون مارنے کا خصوصی تجربہ رکھتے تھے۔

اللہ کے نام لیواؤں کو اللہ کی مدد حاصل تھی۔ ادھر عمرو بن عاص نے قلعے پر بلہ بولنے کا حکم دیا ادھر شکر کے دو تین دروازے کھلے اور رومی فوج روکے ہوئے سیلاب کی طرح حملہ کرنے کو باہر نکلے گئی۔ تمام فوج ایک ہی بار تو باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ دروازوں میں سے دو دو تین تین گھوڑے نکل رہے تھے۔ عمرو بن عاص نے اپنی سکیم کے مطابق پورے لشکر کو بلہ بولنے کا حکم دے دیا۔

تاریخوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اس بلے میں عمرو بن عاص سب سے آگے تھے۔

رومی سوار جو باہر آچکے تھے وہ شہر کی دیوار اور مجاہدین کے تیز و تند سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے ریلے کے درمیان کچلے گئے اور جو رومی ابھی باہر نکل رہے تھے وہ دروازوں میں سے ہی واپس اندر جانے لگے۔ مجاہدین نے انہیں دروازے بند کرنے کی مہلت نہ دی اور ان کے پیچھے شہر میں داخل ہو گئے لیکن وہ یقینی موت کے خطرے میں چلے گئے تھے کیونکہ ان کی تعداد کم تھی۔ تمام مجاہدین اکٹھے اندر نہیں جاسکتے تھے۔

بہتر اندازوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں اور دیواروں کے اوپر کھڑے رومی فوجیوں پر تیروں کی بوچھاڑیں شروع کر دیں۔ سپہ سالار عمرو بن عاص خود صدر دروازے پر جا پہنچے اور کھڑا لے کر پہلی ضرب انہوں نے اپنے ہاتھوں دروازے پر لگائی۔ کسی مجاہد نے ان کے ہاتھوں سے کھڑا لے لیا اور مجاہدین نے دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ توڑ ڈالا۔

اس موقع پر وہ دہشت کام آئی جو رومی فوج پر پہلے ہی طاری تھی۔ اب مجاہدین نے جو دیرانہ بلہ بولا تھا اس سے اس دہشت میں اضافہ ہو گیا اور شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ شہریوں میں افراطی قہری کا پیا ہو جانا قابل فہم تھا۔ فوجیوں میں بھی بھاگ نکلنے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ رومی فوج میں یہ پہلے ہی مشہور ہو چکا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی پراسرار طاقت ہے کہ وہ کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہوں کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کو زیر کر لیتے ہیں۔ اب یہ فوجی مسلمانوں کی بے جگری اور بے خوفی دیکھ رہے تھے۔

اگر رومی فوجی ہمت اور حوصلہ ہارنے کی بجائے دروازوں کے سامنے قدم جما کر

کھڑے ہو جاتے تو وہ اندر آتے ہوئے مجاہدین کو دروازوں میں ہی کاٹ پھینکتے لیکن وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے تھے۔ عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ کسی شہری مرد اور عورت پر ہاتھ نہیں اٹھانا، اور کسی فوجی و زندہ نہیں رہنے دینا۔ سپہ سالار نے ایسے الفاظ کہے تو نہیں تھے لیکن ان کا مطالب صاف تھا کہ وہ کوئی قیدی نہیں لیں گے، سب کو ختم کر دیا جائے۔ خاصا وقت روئیں کا قتل عام جاری رہا۔ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کئی رومی فوجی چھپے ہوئے باہر نکلے یا ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے۔ ان پر عمرو بن عاص کو رحم آ گیا اور حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔

عمرو بن عاص نے دیوار پر جا کر ان مجاہدین کو دیکھا جنہیں باہر اس مقصد کے لئے چھوڑ آئے تھے کہ بائیں کی طرف سے رومی فوج آجائے تو اسے باہر ہی روک لے.... باہر خیر و عافیت تھی۔ کوئی رومی دستہ حملے کے لئے نہیں آیا تھا۔

بلتر نے چند عربی مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ یہ بلہ خود مجاہدین کے لئے اتنا خطرناک تھا کہ اسے خود کش حملہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ خطرناک بھی ایسا کہ بعض مجاہدین آگے بڑھنے سے گھبرانے لگے۔ ان کے انداز اور رویے میں کوتاہی اور گریز صاف نظر آ رہا تھا۔ بلتر لکھتا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کو مجاہدین پر جبر کرنا پڑا اور سارے لشکر میں گھوم پھر کر غصے کی حالت میں حکم دیا کہ آگے بڑھو۔ ایک مجاہد نے کہا کہ ہم لوہے کے بنے ہوئے نہیں۔ عمرو بن عاص نے اس مجاہد کو بڑے ہی سخت الفاظ کہے۔

تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ تاریخ میں ایسی کسی روایت کا اشارہ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کسی اور جنگ میں ایسا ہوا ہو، اُمّ دین کی لڑائی میں ایسا بالکل نہیں ہوا، البتہ یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ کچھ صحابہ کرام بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ عمرو بن عاص کو پوری طرح احساس تھا کہ وہ اپنے لشکر کو یقینی ہلاکت میں جھونک رہے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام سے یہ الفاظ کہے۔ ”آپ میرے ساتھ ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل ہمیں فتح عطا فرمائے گا۔“

صحابہ کرام نے یہ الفاظ بنے تو وہ عمرو بن عاص کے ساتھ سب سے آگے اس بلے کے لئے پورے جوش و خروش سے بڑھے۔ انہیں دیکھ کر پورے لشکر میں نیا ہی جوش پیدا ہو گیا اور یہ اسی جوش کا اثر تھا کہ اُمّ دین جیسا مستحکم قلعہ جس میں فوج کوئی

تھوڑی نہیں تھی، مٹھی بھر مجاہدین نے فوج کر لیا۔ اُس وقت مقوقس بابلیوں میں تھا۔ تاریخ حیران ہے کہ اُم دین میں اس کی فوج کا قتل عام ہو رہا تھا اور وہ بابلیوں میں اتنی زیادہ فوج لے کر بیٹھ رہا حالانکہ اس کی دفاعی سکیم یہی تھی کہ اُم دین پر حملہ ہوا تو وہ بابلیوں سے فوج بھیج کر اس حملے کو ناکام بنا دے گا۔

اُم دین سے بھاگے ہوئے کچھ رومی بابلیوں پہنچے اور انہوں نے مقوقس کو بتایا کہ اُم دین میں کیا ہوا ہے۔ ایک تو اُم دین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور دوسرا صدمہ یہ کہ وہاں جو فوج تھی اس کی اکثریت کٹ مری ہے اور وہی فوجی بچے تھے جو کہیں چھپ گئے تھے اور اب وہ جنگی قیدی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رومی فوج کی اتنی زیادہ نفرتی ختم ہی ہو گئی تھی۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جب مقوقس کو یہ اطلاع پہنچی تو اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ منہ کچھ زیادہ کھل گیا اور آنکھیں ٹھہری گئیں جیسے اسے توقع ہی نہیں تھی کہ مسلمان اُم دین کو فتح کر لیں گے۔ اس کا دماغ تو شاید سوچنے سے ہی معذور ہو گیا۔ اگر وہ حوصلہ قائم رکھتا اور ٹھنڈے دل سے سوچتا تو اس کے پاس اتنی فوج تھی کہ وہ فوراً جا کر اُم دین کو محاصرے میں لے لیتا۔ قلعہ فتح ہوتا یا نہ ہوتا اسے یہ فائدہ تو ضرور ملتا کہ مسلمان اُم دین میں ہی قید ہو کر بیٹھے رہتے۔

اُم دین سے کچھ اور فوجی اور شہری بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بابلیوں پہنچے تو انہوں نے وہاں کی فوج کو مجاہدین اسلام کی بے خوفی کی ایسی باتیں سنائیں جنہوں نے سب کو حیرت زدہ اور دہشت زدہ بھی کر دیا۔ فوجی خوفزدہ تو یہ سن کر ہوئے کہ مسلمانوں نے رومی فوج کا کوئی ایک بھی افسر اور سپاہی زندہ نہیں رہنے دیا تھا۔ وہاں سے بھاگ کر آنے والے بعض فوجیوں نے یہ الفاظ کہے کہ مسلمان چٹوں اور بھوتوں کی طرح قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں انسانوں کے روپ میں دیکھ کر بھی کوئی رومی یقین سے نہیں کہتا تھا کہ یہ انسان ہیں.... آج کے علم نفسیات کی زبان میں یوں کہنا چاہئے کہ مجاہدین اسلام نے رومی فوج پر نفسیاتی فتح پائی تھی اور ایسی فتح ایمان والے اور اپنے اللہ پر یقین رکھنے والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

مقوقس ابھی اُم دین کا صدمہ برداشت کرنے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ اسے ایک جاسوس نے یہ خبر سنائی کہ مسلمان دریائے نیل پار کر کے اہرام کے علاقے میں

سے آگے کو گزر گئے ہیں.... یہ سارا علاقہ لٹ و دق صحرا تھا۔ مقوقس کو پہلی حیرت تو اس پر ہوئی کہ ان مسلمانوں نے دریا کس طرح عبور کر لیا ہے۔ پھر وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ جا کہاں رہے ہیں۔ تاریخی تحریروں کے مطابق اُس وقت مقوقس کے ساتھ اطربوں کے بعد نامور جرنیل تھیوڈور تھا۔ ویسے بھی یہ جرنیل مقوقس کا منظورِ نظر تھا۔ یہ دونوں اس مسئلے پر بات کرنے لگے کہ مسلمانوں کا اگلا ہدف کیا ہے۔

کیا مسلمان سکندریہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں؟.... دونوں نے اس سوال پر بحث مباحثہ کیا اور اس رائے پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کا یہ سپہ سالار ایسی خطرناک حماقت نہیں کرے گا۔ اس وقت تک مقوقس اور تھیوڈور عمرو بن عاص کے لڑنے کا انداز اور ان کی جنگی پالیسیوں اور چالوں کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت جاسوس دوڑا دیئے کہ وہ جا کر دیکھیں کہ مسلمانوں کا رخ کس طرف ہے۔

جلد ہی پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کا رخ فیوم کی طرف ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ عمرو بن عاص کا اگلا ہدف فیوم تھا۔ فیوم ایک بڑی بستی بھی تھی اور اس علاقے کو فیوم ہی کہتے تھے۔ وہ تھا تو صحرا لیکن اناج اور مویشیوں کی وہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ عمرو بن عاص کو اپنے لشکر کے لئے رسد اور گوشت کی ضرورت تھی۔

مسلمانوں کا نیل کو عبور کر جانا مقوقس کے لئے باعثِ حیرت تھا۔ یہ مسلمانوں کی مستعدی اور چابک دستی کی ایک واضح مثال تھی۔ انہوں نے اُم دین فتح کیا تو دو یا تین دن شہر کا نظام بحال کرنے میں گزارے اور لشکر کو ذرا سا بھی سستانے نہ دیا اُم دین ایک دریائی گھاٹ تھی جسے بعض نے پتہ لکھا ہے اور بعض مؤرخوں نے بندرگاہ کہا ہے۔

اس بندرگاہ پر بہت سے چھوٹے اور درمیانہ درجہ بادبانی جہاز کھڑے تھے اور چھوٹی بڑی کشتیوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ اُم دین کی لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی جب عمرو بن عاص نے مجاہدین کا ایک چھوٹا سا دستہ بندرگاہ پر بھیج دیا تھا کہ وہاں سے کوئی جہاز اور کوئی کشتی نکل نہ جائے اور ان کے ملاح وہاں موجود رہیں۔ اس طرح انہوں نے کشتیوں اور جہازوں کے پورے بیڑے پر قبضہ کر لیا تھا۔

دوبی دنوں بعد، لشکر کو آرام کی مہلت دیئے بغیر عمرو بن عاص نے مکمل خاموشی سے رات کے وقت کشتیوں اور جہازوں میں سوار کیا اور نیل پار کر لیا۔ جہاز اور کشتیاں

بھی مویشی پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا۔ بدو ان لوگوں کو یہ یقین بھی دلاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کا لشکر ہے جسے فتح حاصل ہوگی اور مصر کی حکومت ان کے ہاتھ آگئی تو وہ ان دیہاتیوں کی کایا پلٹ دیں گے۔ ہر کسی کو پورے حقوق ملیں گے اور یہ مسلمان رومی بادشاہوں جیسے بادشاہ نہیں، کسی کا حق چھیننے نہیں۔ بدو یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمان ایک ایک دانے اور ایک ایک جانور کی قیمت ادا کریں گے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بدوؤں نے اناج اور دیگر اشیاء خوردنی کے انبار لگا دیئے اور بھیڑ بکریاں اور مویشی اس قدر اکٹھے کر لئے جو بہت دنوں کے لئے کافی تھے۔

ان بدوؤں سے ایک فائدہ تو یہ پہنچا کہ وہ خوراک اکٹھی کرنے کے ماہر ہو گئے تھے اور پھر لڑتے بھی تھے۔ اب انہیں باقاعدہ ترتیب اور تنظیم میں لڑنا آ گیا تھا۔ فوم کے علاقے میں جا کر ان بدوؤں سے ایک فائدہ اور حاصل ہوا۔ وہ یہ تھا کہ جس علاقے سے یہ بدو خوراک اور مویشی لا رہے تھے اس علاقے میں بھی ان ہی جیسے مصری بدو بھی رہتے تھے۔ چونکہ یہ ایک ہی نسل کے تھے اس لئے یہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔

بدوؤں کی ایک چھاپہ مار ٹولی کسی بستی میں گئی تو وہاں کچھ بدو رہتے تھے۔ انہوں نے ان بدوؤں سے پوچھا کہ وہ کیوں یہ ڈاکہ زنی کر رہے ہیں۔ لشکر والے بدوؤں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ وہ ڈاکو نہیں بلکہ عرب کے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور یہ مسلمان مصر کو فتح کر لیں گے۔

”چونکہ تم بھی ہم جیسے بدو ہو اس لئے ہم تمہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں“۔ فوم کے بدوؤں کے ایک آدمی نے انہیں کہا۔ ”اس بستی میں تو تم آگئے ہو اس سے آگے نہ جانا۔ آگے رومی فوج آگئی ہے جس کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔ تمہاری یہ چند آدمیوں کی ٹولی ایک ہی جگہ میں رگڑی جائے گی۔“

عمروؓ بن عاص کے لشکر کے بدوؤں نے ان بدوؤں سے پوری تفصیل معلوم کر لی کہ رومی فوج یہاں سے کتنی دُور ہے اور وہ آگے بڑھ رہی ہے یا اس کا انداز کیا ہے.... یہ معلومات لے کر ان بدوؤں نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو بتایا۔ عمروؓ بن عاص رومی فوج کی آمد سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ اس علاقے میں انہوں نے اپنا کوئی ایک بھی جاسوس نہیں بھیجا تھا کیونکہ انہیں توقع ہی نہیں تھی کہ رومی فوج اس طرف آئے

اسی کنارے پر لشکر انداز رہیں۔ ادھر جاسوسوں نے مقوقس کو صحیح خبر دے دی کہ مسلمان فوم کے علاقے میں جا رہے ہیں۔ مقوقس نے یہ دفاعی انتظام کیا کہ کچھ دستے اس علاقے میں بھیج دیئے۔ وہ صحرا ہموار یا میدانی قسم کا نہیں تھا۔ اس میں گہرے اور وسیع نشیب بھی تھے، ٹیلے اور گھائیاں بھی تھیں اور اس طرح چھپنے کا بہترین قدرتی انتظام تھا کہ چھاپہ مار بڑی آسانی سے گھات لگا سکتے تھے۔

مقوقس نے اپنے دستے بھیج تو دیئے لیکن انہیں سختی سے کہا کہ مسلمانوں کے آنے سے صحرا میں نہ آنا کیونکہ صحرائی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ مقوقس کے الفاظ یہ تھے کہ عرب کے مسلمان ریگستان کی پیداوار ہیں اور جہاں کہیں یہ کسی ریگستان میں چلے جاتے ہیں وہاں ان کی جسمانی اور روحانی قوتیں پوری طرح بیدار ہو جاتی ہیں۔

○

مجاہدین کے لشکر کے ساتھ مصری بدو بھی تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ جب مجاہدین کے لشکر میں آئے تھے تو ان سے یہ کام لیا گیا تھا کہ بستیوں کی طرف چلے جائیں اور چھاپے اور شب خون مار کر اناج اور مویشی اکٹھے کریں اور وہ لشکر کے لئے لائیں۔ ان بدوؤں نے بڑی خوش اسلوبی اور بڑی کامیابی سے یہ کام کیا تھا۔ انہوں نے لشکر کے لئے اور اپنے لئے خوراک کی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے لڑنے کے علاوہ اپنا یہ فرض کئی بار ادا کیا اور لشکر کی ضرورت پوری کرتے رہے۔

عمروؓ بن عاص جب فوم کے علاقے میں گئے اُس وقت بھی لشکر کو رسد کی ضرورت تھی۔ بدو اس کام میں مہارت حاصل کر چکے تھے اس لئے سپہ سالار نے یہ کام انہی کو سونپا.... بدو ٹولیوں میں بٹ کر صحرائی بستیوں کی طرف چلے گئے۔ یہ بستیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور وہاں جا کر صحرا ختم ہو جاتا تھا اور زمین زرخیز تھی۔ وہاں گھروں میں اناج بھی تھا اور بھیڑ بکریاں اور مویشی بھی افراط سے تھے۔

بدو اب بھی بستیوں پر چھاپے یا شب خون ہی مارتے تھے لیکن پہلے کی طرح نہیں بلکہ اب کوشش کرتے تھے کہ ان کے ہاتھوں کوئی قتل یا زخمی نہ ہو۔ وہاں جا کر اعلان کر دیتے کہ لشکر کے لئے اناج اور مویشیوں کی ضرورت ہے۔ اگر لوگ خود ہی یہ چیزیں میا نہیں کریں گے تو گھر گھر کی تلاشی لے کر آخری دانہ بھی اٹھالیا جائے گا اور کوئی ایک

گی۔ اب انہیں فوج کی اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر کو وہیں سے واپسی کا حکم دے دیا۔ وہ اس رومی فوج سے ٹکر لینا ہی نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ بے مقصد لڑائی ہوتی۔ یہی طاقت عمرو بن عاص کسی قلعہ بند شہر استعمال کرنا زیادہ بہتر اور سودمند سمجھتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ مجاہدین کا لشکر ایک جگہ عارضی پڑاؤ کئے ہوئے تھا جو ضروری سمجھا گیا۔ دو تین ہزار اس پڑاؤ کے قریب سے گزرے۔ انہوں نے مجاہدین کے لشکر کے ساتھ ہڈو دیکھے تو وہ بھی رک گئے۔ لشکر والے ہڈو انہیں مہمان کے طور پر پڑاؤ میں لے آئے اور ان کی کچھ خاطر مدارات کی۔

ان ہڈوؤں نے بھی پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے اور وہ یعنی ہڈو اس کے ساتھ کیوں ہیں۔ لشکر والے ہڈوؤں نے انہیں وہی تفصیل سنا دی جو وہ پہلے ایک ہستی میں ہڈوؤں کو سنا چکے تھے۔

”ایک بات غور سے سن لو“۔ ایک ہڈو مہمان نے کہا۔ ”رومی فوج کا ایک زیادہ نفری والا دستہ تمہاری طرف آرہا ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ وہ سیدھا نہیں آرہا بلکہ صحرائی گہرائیوں میں چھپتا چھپاتا اور لمبے چوڑے ٹیلوں کی اوٹ کے پیچھے پیچھے بڑھا آرہا ہے تاکہ تمہارے لشکر پر بے خبری میں حملہ کر سکے۔“

لشکر کے ہڈو ان ہڈو مہمانوں کو ایک سالار کے پاس لے گئے جس نے ان ہڈوؤں سے رومی فوج کے اس دستے کے متعلق تفصیلات معلوم کیں۔ انہوں نے یہاں تک بتا دیا کہ اس دستے کے ساتھ ایک جرنیل ہے جس کا نام حنا ہے اور وہ علاقے کا مشہور جرنیل ہے اور لوگ اس سے بہت ڈرتے ہیں۔

سالار نے یہ اطلاع پوری تفصیل سے سپہ سالار عمرو بن عاص تک پہنچائی۔ عمرو بن عاص نے اُسی وقت لشکر کو واپسی کے لئے کوچ کا حکم دے دیا لیکن لشکر کا ایک دستہ الگ کر لیا۔ اسے ایک سالار کی قیادت میں دے کر کچھ خصوصی ہدایات دیں۔ باقی لشکر واپسی کو روانہ ہو گیا اور یہ الگ کیا ہوا دستہ اُس طرف چلا گیا جس طرف ہڈوؤں نے بتایا تھا کہ رومی دستہ چھپ چھپ کر آرہا ہے۔

اس مسلمان دستے نے ایک خاص چھپاؤ والی جگہ جا گھات لگائی۔ سارا دستہ ایک ہی جگہ اکٹھا نہ رہا بلکہ تین چار حصوں میں بٹ کر ٹیلوں اور گہرے گہرے نشیبوں میں چھپ گیا۔ رومی دستہ جس کی نفری مسلمانوں کے دستے سے دو گنی تھی، اس طرف آرہا

تھا اور اس سے بے خبر کہ وہ ایک پھندے میں آ رہا ہے۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے رومی دستہ عین گھات میں آ گیا اور اس پر ہر طرف سے قیامت ٹوٹ پڑی۔ پیٹھ اس کے کہ رومی جرنیل حنا سمجھ پاتا کہ یہ کیا ہوا ہے، وہ مارا جا چکا تھا۔ اس کے دستے کا کوئی ایک بھی فرد مجاہدین نے زندہ نہ چھوڑا۔ وہ جو مجاہدین پر بے خبری میں شب خون مارنا چاہتے تھے مجاہدین کی گھات میں آ کر مارے گئے اور فیوم کے صحرائی ریت ان کا خون چوسنے لگی۔

○

کسی قریبی ہستی کے مکیوں نے بابلون جا کر مقوقس کو اطلاع دی کہ اس کا بھیجا ہوا دستہ مارا گیا ہے اور جرنیل حنا بھی زندہ نہیں رہا۔ مقوقس کے پاؤں تلے سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی ہو۔ اُسے معلوم تھا کہ ہر قل حنا کی موت کو مشکل سے ہی برداشت کرے گا کیونکہ حنا اطربوں جیسا ہی قابل اور کایاں جرنیل تھا۔ مقوقس کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب ہر قل کو بزنطیہ حنا کی موت کی اطلاع ملی تو وہ پہلا سوال یہ کرے گا کہ اس کے جواب میں کیا کارروائی کی گئی تھی۔

ہر قل کے عتاب سے بچنے کے لئے مقوقس نے مجاہدین کے لشکر پر جوابی حملہ کرنے کے لئے اچھی خاصی فوج بھیج دی۔ یہ فوج جب اس مقام تک پہنچی جہاں حنا اور اس کا دستہ مارا گیا تھا تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر دُور نکل گیا تھا اور نیل کے کنارے پر جا پہنچا تھا۔ تاریخ میں اس رومی جرنیل کا نام نہیں ملتا جو اس رومی فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان دُور نکل گئے ہیں تو وہ اپنی فوج کو وہیں سے واپس لے گیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی مسلمانوں سے صحرائیں لڑنے سے ڈرتے تھے۔ ان کے سامنے شام کا تجربہ تھا۔ یہ جرنیل اسی ڈر سے اپنی فوج واپس لے گیا تھا لیکن مقوقس کو یہ جواز پیش کیا کہ مسلمان اسے دیکھتے ہی بھاگ اٹھے تھے اور نیل تک جا پہنچے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ حقیقت یہ تھی کہ یہ جرنیل اور باقی فوجی بھی بہت خوش تھے کہ صحرائیں مسلمانوں سے ٹکر نہ ہوئی اور وہ زندہ واپس آ گئے ہیں۔

مستند مؤرخ اور بعد کے تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ تھا کہ عمرو بن عاص وہاں لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے اور ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر نیل کے مشرقی کنارے پر اُم دین تک پہنچنے کی فکر میں تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ایک قاصد نے انہیں صحرا

میں آکر اطلاع دی تھی کہ مکہ کا باقی حصہ بھی پہنچ گیا ہے لیکن یہ مکہ اُم دینین نہیں پہنچی بلکہ ایک اور مقام ہیلو بولیس کے مقام پر خیمہ زن ہو گئی ہے۔

عمروؓ بن عاص یہ سوچ کر بڑی تیزی سے مکہ تک پہنچنے کی کوشش میں تھے کہ ایسا نہ ہو کہ مکہ ان کے پیچھے فیوم کے علاقے تک پہنچنے کے لئے دریا عبور کرنے کی کوشش کرے اور متوقس بابلون سے فوج بھیج کر اس پر حملہ کر دے۔ متوقس کی کوشش یہی ہونی چاہئے تھی کہ مکہ لشکر تک نہ پہنچ سکے۔ عمروؓ بن عاص دور اندیش اور باریک بین سپہ سالار تھا۔ بیشتر اس کے کہ مکہ ان کی طرف روانہ ہوتی وہ مکہ تک پہنچنے کی کوشش میں تھے۔ رومی مکہ پر حملہ کر دیتے تو صورت حال بڑی ہی مخدوش ہو جاتی۔

بحری جہاز اور کشتیاں نیل کے مغربی کنارے پر موجود تھیں۔ عمروؓ بن عاص نے لشکر کو ان پر سوار کیا اور پورا لشکر خیر و عافیت سے دریا پار کر گیا۔ عمروؓ بن عاص اُم دینین جانے کی بجائے ہیلو بولیس جا پہنچے اور مکہ سے مل گئے۔ اس مکہ کے سپہ سالار زبیرؓ بن العوام تھے جن کا تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے۔

وہ مؤرخین جو جنگی امور کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اپنی تحریروں میں حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ متوقس نے بابلون میں اتنی زیادہ فوج رکھی ہوئی تھی لیکن نہایت اچھے موقع ملنے کے باوجود اس فوج کو استعمال نہ کیا۔ معروف غیر مسلم تاریخ دان ایلفریڈ ملر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے دو مرتبہ نیل عبور کیا۔ ایک بار اُم دینین سے فیوم کی طرف گئے اور دوسری بار اس طرف سے واپس مشرقی کنارے پر آئے۔ یہ موقع تھا کہ متوقس عین دریا میں اس لشکر پر حملہ کر دیتا۔ اس کی فوج دریا کے دونوں کناروں پر کھڑی ہو کر تیر اور برچھیاں بھیجتی تو مسلمانوں کے لشکر کے لئے بڑی ہی مملک مشکل پیدا ہو جاتی۔

بلتر نے آگے چل کر لکھا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دریا پار کر کے فیوم کے صحرا میں چلا گیا تھا۔ اس وقت اُم دینین میں مسلمانوں کی نفری بہت ہی تھوڑی تھی۔ متوقس اس وقت اُم دینین کو محاصرے میں لے کر بلہ بول دیتا تو وہ اُم دینین پر دوبارہ قبضہ کر سکتا تھا۔ بلتر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی مکہ آئی اور بابلون میں اس کی خبر تک نہ پہنچی۔ خبر ضرور پہنچی ہوگی لیکن متوقس اور جر نیل تھیوڈور نے مکہ پر حملہ نہ کیا اور یہ

موقع ضائع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومی فوج بابلون شہر کی دیواروں کے اندر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی اور وہیں دہکی رہنا چاہتی تھی جبکہ مسلمانوں کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص مکہ تک پہنچے۔ وہاں قدیم عمارات کے کھنڈر تھے۔ عمروؓ بن عاص نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور زبیرؓ بن العوام سے مل کر اگلے اقدام کے متعلق سوچنے لگے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ ہرقل کو جب اطلاع پہنچی کہ اُس کا منظورِ نظر جر نیل تھامارا گیا ہے تو اسے اتنا صدمہ ہوا کہ اس کے آنسو پھوٹ پڑے۔ اس نے حکم بھیجا کہ تھامارا کی لاش اس کے پاس بزنطیہ بھیجی جائے۔ یہ حکم متوقس تک پہنچا تو اس نے تابوت سے لاش نکلا کر اسے حنوط کیا اور بزنطیہ روانہ کر دی۔

ہرقل نے جب تھامارا کی لاش دیکھی تو اُس نے بلند اور غصیلی آواز میں عہد کیا کہ میں مصر کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے اپنی تمام تر جنگی طاقت استعمال کروں گا اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے دم لوں گا۔

نے ہر طرف گھوم پھر کر اندر جانے کا ایک راستہ دیکھ لیا۔ یہ غلام گردش سی تھی جو اوپر سے ڈھکی ہوئی تھی اس لئے اندر تاریکی تھی۔ مجاہد آہستہ آہستہ اندر گیا تو اسے محسوس ہونے لگا جیسے چھت میں کوئی انسان بیٹھے بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ یہ بدرواحیں ہی ہو سکتی تھیں۔ ایک خوف سا تھا جو مجاہد کے دل پر چھا گیا لیکن مجاہدین اسلام کی فتح مندی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ خوف پر چھا جایا کرتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ اس کی رہنمائی بڑی ہی مدہم سی روشنی کر رہی تھی جو اندر سے آرہی تھی۔

کسی ایسی چیز سے مجاہد کو ٹھوکر لگی کہ اچانک تیز و تند آندھی سی آگئی۔ اتنی بلند اور ہیبت ناک پھر پھڑپھڑ سٹائی دی کہ مجاہد دیوار کے ساتھ جا لگا۔ اب وہ خوف پر قابو نہ پاسکا۔ یہ آندھی یا طوفان نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ یقیناً بدرواحیں تھیں جنہوں نے یہ دھماکہ خیز طوفانی آوازیں پیدا کی تھیں۔ مجاہد نے ہوا کے جھونکے بھی محسوس کئے۔ اس نے باہر کی طرف دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ یہ تو بڑے پروں والے چمگادڑ ہیں جو چھت اور دیواروں کے ساتھ چپکے چپکے ہوئے تھے اور یہ ان کا مسکن ہے۔ ان کے پروں نے اتنی ہوا دی تھی کہ مجاہد اسے طوفانی ہوا کے تھپڑے سمجھتا رہا۔

وہ اٹھا اور جھکا جھکا آگے بڑھا۔ اس نے اندر کی روشنی کا بھید معلوم کرنے کو اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔ ایک جگہ سے چھت گری ہوئی تھی اور وہاں سے چاندنی کی کرنیں اندر آرہی تھیں لیکن اور آگے سے جو زرد روشنی آرہی تھی وہ چاندنی کی سپیدی میں گڈمڈ نہیں ہو سکتی تھی۔ مجاہد گری ہوئی چھت کے بلے پر چڑھا اور جب آگے گیا تو ایک دروازہ نظر آیا جس کے کواڑ نہیں تھے۔ مجاہد اس دروازے میں داخل ہوا تو یہ ایک کشادہ کمرہ تھا جس کی دیواریں تارہی تھیں کہ یہ کبھی شاہانہ عمارت ہوا کرتی تھی اور یہاں کسی بادشاہ نے عمر گزاری ہے۔

کمرہ زرد پیلی روشنی میں ٹھیک طرح نظر آ رہا تھا۔ ایک کونے میں کوئی شخص ہاتھ جوڑے بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے سامنے چھوٹی سی مشعل جل رہی تھی۔ اس کے قریب کچھ سامان جو روزمرہ کی زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے پڑا تھا۔ اس شخص کے کپڑے میلے سے رنگ کے تھے اور وہ سر سے ننگا تھا۔ اس کے دودھ جیسے سفید بال کندھوں پر آگئے تھے اور سر کی چوٹی پر کوئی بال نہیں تھا۔ چوٹی ہتھیلی کی طرح صاف

ہیلو بولیس کے جن کھنڈرات میں عمرو بن عاصؓ مدینہ سے آئی ہوئی مکہ سے جا ملے تھے وہ کھنڈرات کا ہی شہر تھا۔ کوئی ایک بھی مکان صحیح و سلامت کھڑا نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں صحرائی لومڑیوں، سانپوں، بچھوؤں، آلوؤں اور چمگادڑوں کا سیرا تھا۔ کھنڈرات بتاتے تھے کہ یہ عالی شان عمارتوں اور پُر شکو مکانوں کا شہر ہوا کرتا تھا۔ اس شہر کا شمار مصر کے چند ایک عظیم شہروں میں ہوتا تھا۔

ہیلو بولیس یونانی لفظ ہے۔ اس شہر کا یہ نام کسی قدیم دور میں یونانیوں نے رکھا تھا۔ اس کے بعد مصر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے بادشاہ کی جھولی میں گرتا چلا آیا۔ اور ان فاتحین میں سے کسی نے ہیلو بولیس کا نام عین الشس رکھ دیا جو آگے چل کر عین شمس بن گیا۔ اب اس شہر میں کوئی آبادی نہیں تھی۔ صدیوں بعد جن انسانوں نے ان ہیبت ناک کھنڈرات میں جا ڈیرے ڈالے، وہ عرب کے یہ مجاہدین تھے اور ان کے ساتھ مصری بدو تھے۔ انہیں بھی وہاں عارضی قیام کرنا تھا۔

پہلی رات جب لشکر گری نیند سویا ہوا تھا تو گشتی پہرے پر پھرنے والے ایک مجاہد نے ایک کھنڈر سے ہلکی ہلکی روشنی آتی دیکھی۔ اسے معلوم تھا کہ اپنا کوئی مجاہد اندر نہیں ہوا۔ ہوتا بھی تو آدھی رات کے وقت روشنی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جنگ کے دوران سب سے زیادہ خطرہ دشمن کے جاسوسوں کا ہوتا تھا۔ جاسوس عام کسانوں کے روپ میں اور کبھی اپانچ فقیروں کے روپ میں بھی لشکر کے کیمپ میں آ جاتے اور جو دیکھنا ہوتا وہ دیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی شک کی بنا پر اس مجاہد نے اندر جا کر دیکھنا ضروری سمجھا۔

صحرا کی شفاف چاندنی میں کھنڈر کچھ زیادہ ہی ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ مجاہد سنتری

تھی۔ مجاہد دبے پاؤں چلتا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس شخص نے آہستہ آہستہ سر مجاہد کی طرف گھمایا اور سر سے اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔

”مجھے معلوم تھا تم آؤ گے“۔ اس بوڑھے نے بڑھاپے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں عرب کے ان مہمانوں کے انتظار میں تھا.... تم آگے.... تمہیں آنا ہی تھا“۔

”پہلے یہ بتا میرے بزرگ محترم!“۔ مجاہد نے پوچھا۔ ”کیا تو زندہ ہے یا جو اس دنیا سے اٹھ گئے ان میں سے کسی کی روح ہے؟ میں تجھے بد روح نہیں روح کہہ رہا ہوں۔ روح پاک ہوتی ہے اور تیرا چہرہ بتا رہا ہے کہ تیرا وجود بدی سے پاک ہے۔“

”ابھی زندہ ہوں“۔ بوڑھے نے کہا۔ ”بڑی مدت بعد میری زبان حرکت میں آئی ہے۔ میں کسی سے نہیں بولتا، کوئی میرے ساتھ بات نہیں کرتا۔“

”کیا یہاں کوئی اور آیا کرتا ہے؟“۔ مجاہد نے پوچھا۔

”ہاں!“۔ بوڑھے نے رعشہ گیر آواز میں جواب دیا۔ ”یہاں سے تھوڑی تھوڑی دور دو گاؤں ہیں وہاں سے تیرے چوتھے روز ایک دو آدمی آتے ہیں اور کچھ کھانے پینے کے لئے دے جاتے ہیں۔“

”اے بزرگ!“۔ مجاہد نے کہا۔ ”تو ان کے پاس ہی کیوں نہیں چلا جاتا؟ یہاں اکیلے پڑا کیا کر رہا ہے؟“

”عبادت!“۔ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”خاک و خون کی دنیا سے تعلق تو ذکر یہاں بیٹھا ہوں۔ بہت آئے سب رخصت ہو گئے۔ اب تیرا لشکر آیا ہے۔“

”کیا میرا لشکر بھی رخصت ہو جائے گا؟“۔ مجاہد نے پوچھا۔

”نہیں!“۔ بوڑھے نے کہا۔ ”تیرا لشکر رخصت ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ انہیں رخصت کرنے کے لئے آیا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو انسانوں کا بادشاہ سمجھ لیا تھا۔ فرعون خدا بن گئے تھے۔ کہاں ہیں وہ؟.... سب رخصت ہو گئے۔“

کمرے میں ہلکی ہلکی چڑچڑ اور دھیمی دھیمی پھڑپھڑا ہٹ سنائی دینے لگی۔ مجاہد نے اوپر اور ہر طرف دیکھا۔ چنگاؤ واپس آکر چھتوں میں بیٹھ رہے تھے۔ کچھ آوازیں غلام گردش سے بھی آرہی تھیں۔ فضا بڑی ہی پراسرار تھی اور بار بار یہی خیال آتا تھا کہ یہاں مرے ہوئے لوگوں کی روہیں رہتی ہیں۔ مجاہد اس سفید ریش ضعیف العمر سے

کوئی اور بات کرنے ہی والا تھا کہ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور خوف کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ اس لئے کہ اسے سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک سیاہ کالا سانپ ریٹکنا نظر آیا جس کا رخ ان کی طرف نہیں بلکہ دوسری طرف تھا۔

”وہ دیکھو سانپ!“۔ مجاہد نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں ہر روز دیکھتا ہوں“۔ بوڑھے نے لا تعلق سے لہجے میں کہا۔ ”ہم اکٹھے رہتے ہیں۔ سانپ صرف اُس انسان کو ڈستا ہے جو انسان خود سانپ بن جاتا ہے۔ یہاں ایک ہی نہیں تین چار سانپ رہتے ہیں۔ میں نے ان پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میں انسان ہوں اور انسان کسی کو ڈسا نہیں کرتے۔ ہر انسان اپنے وجود میں سانپ کا زہر لئے پھرتا ہے.... پیار کر پیارٹ گا.... اب بتا تیرے لشکر کا سردار کہاں ہے!“

”کیا تو اُسے ملنا چاہے گا؟“۔ مجاہد نے پوچھا اور کچھ سوچ کر کہا۔ ”تجھے اس سے ملنا ہی ہو گا۔ ہمارے لشکر کا سردار نہیں سپہ سالار ہوتا ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں تجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے جاؤں۔ ہمارا لشکر یہاں قیام کئے ہوئے ہے۔ ہم کسی پر شک تو نہیں کیا کرتے لیکن شک رفع کر لینا ضروری سمجھتے ہیں میں تجھ جیسے بزرگ پر بھی شک نہیں کروں گا لیکن بظاہر بے ضرر اور بے کار سے آدمی دراصل دشمن کی آنکھ اور کان ہوا کرتے ہیں.... کیا تو میرے سپہ سالار کے پاس جائے گا؟“

”میری ایک بات سمجھنے کی کوشش کر بیٹا!“۔ بوڑھے نے کہا۔ ”اگر تیرا سپہ سالار فرعون جیسا ہے یا فارس کے آتش پرست بادشاہوں جیسا ہے یا رومی ہرقل جیسا بادشاہ ہے تو وہ تجھے حکم دے گا کہ اس بوڑھے کو گھسیٹ کر پیش کرو۔ وہ یہاں ہمارے درمیان بیٹھا کیا کر رہا ہے.... اور اگر وہ اُس جیسا سردار ہے جس کا مجھے ایک صدی سے انتظار ہے تو جا اسے بتا اور وہ خود میرے پاس آئے گا.... جا، اسے بتا کہ وہ تیرے ہی انتظار میں بیٹھا ہے۔“

بوڑھے کی اس بات سے اور یہ بات کہنے کے انداز سے مجاہد کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ اس کے دل میں تقدس سا پیدا ہو گیا۔ اسے شک پھر بھی رہا لیکن اس کا تقدس اس شک پر حاوی ہو گیا۔ وہ اٹھا اور باہر کو چل پڑا۔



مجاہد جب باہر شفاف چاندنی میں نکلا تو اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ روحوں

کے دیس میں چلا گیا تھا۔ اس ہیبت ناک کھنڈر کا اس پر جو خوف طاری ہوا تھا وہ کھنڈر کے اندر ہی نکل گیا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے یہ سفید ریش جھڑیوں بھرے چرے والا بزرگ اس دنیا کا زندہ انسان نہیں۔ چونکہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے اندر گیا تھا اس لئے اس نے اس شک کو فراموش نہ کیا کہ اس بوڑھے کے پاس گاؤں کے جو آدمی آتے ہیں ان میں کوئی جاسوس ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس نے اپنی گشت کا وقت پورا کیا اور اپنے کمندار کو جگا کر بتایا کہ اس کھنڈر میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے اور اس کے پاس گاؤں کے کچھ لوگ آتے ہیں۔ مجاہد نے کمندار کو بوڑھے کی کچھ باتیں بھی سنائیں۔

فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کھنڈرات کے اس شرمیلے اذان کی مقدس آواز اٹھی اور کھنڈروں میں سے صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اللہ کی آواز کھنڈروں میں سے گھوم پھر کر روحوں کو بھی بیدار کر رہی ہو اور مصر کے اس صحرا میں پھیلتی چلی جا رہی ہو۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے امامت کے فرائض ادا کئے۔ نماز کے بعد کمندار نے اپنے دستے کے سالار کو رات کے مجاہد کی رپورٹ سنائی اور سالار نے عمرو بن عاص تک یہ بات پہنچادی۔ اتنی دور پردیس میں ذرا ذرا سا شک بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عمرو بن عاص نے رات کی گشتی ڈیوٹی والے مجاہد کو طلب کیا اور اسے کہا کہ وہ پوری بات سنائے۔

مجاہد نے بوڑھے کا ایک ایک لفظ اپنے سپہ سالار عمرو بن عاص کو سنایا اور اُس وقت اس کے جو اپنے تاثرات تھے وہ بھی بیان کئے۔ عمرو بن عاص نے جب بوڑھے کے یہ الفاظ سنے کہ تیرا سردار فرعون اور ہرقل جیسا بادشاہ نہ ہوا تو وہ خود میرے پاس آئے گا، عمرو بن عاص نے کہا کہ میں ابھی اس کے پاس چلوں گا۔

”مجھے وہاں لے چل“۔ عمرو بن عاص نے رات والے مجاہد سے کہا اور سالار سے کہا۔ ”اس بوڑھے کے لئے کچھ کھانے کا سامان ساتھ لے چلو“۔

کچھ ہی دیر بعد عمرو بن عاص ملک کے سالار زبیر بن العوام کے ساتھ مجاہد کی رہنمائی میں اس کھنڈر میں داخل ہو رہے تھے جس میں وہ بوڑھا بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ ان کے پیچھے دو مجاہد بوڑھے کے لئے دودھ اور کھانے کی کچھ اشیاء اٹھائے چلے جا رہے

تھے۔

جب سپہ سالار بوڑھے کے کمرے میں داخل ہوئے اُس وقت بوڑھا لائچی کے سارے کمرے میں یوں شل رہا تھا کہ بڑی مشکل سے پاؤں گھسیتا اور آگے رکھتا تھا۔ صبح کا اجالا دو بے کواڑ کھڑکیوں میں سے اندر آ رہا تھا لیکن چھوٹی سی مشعل پھر بھی جل رہی تھی.... بوڑھا اس پارٹی کو دیکھ کر رک گیا۔

”تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو“۔ عمرو بن عاص نے بوڑھے سے کہا۔ ”تو نہ کتنا تو بھی میں تیرے پاس آجاتا“۔

”تو بادشاہ معلوم نہیں ہوتا“۔ بوڑھے نے رک کر کہا۔ ”مصر کی مٹی تیرے قدموں کی منتظر تھی.... آجا.... میرے پاس اس زمین پر بیٹھ جا“۔

بوڑھا قدم گھسیتا وہاں تک جا پہنچا جہاں وہ رات بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے پاس زمین پر ہاتھ مارا جو عمرو بن عاص کے لئے اشارہ تھا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔ عمرو بن عاص نے اشارہ کیا تو مجاہدین آگے بڑھے اور دودھ اور کھانے پینے کی چیزیں بوڑھے کے آگے رکھ دیں۔ پھر عمرو بن عاص اور زبیر بن العوام اس کے پاس بیٹھ گئے۔ مجاہدین پیچھے ہٹ کر کچھ دور جا بیٹھے۔

”پہلے اپنے بارے میں کچھ بتا“۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”تو کب سے یہاں پڑا ہے؟ کیا کر رہا ہے اور تیرے پاس کون آتا ہے؟“

”پہلے مجھے اُس کا شکر ادا کرنے دے جس نے مجھے زندہ رکھنے کے لئے یہ نعمتیں تیرے ہاتھ بھیجی ہیں“۔ بوڑھے نے کہا۔ ”پھر تجھے پہلے اس شہر کے عروج و زوال کی بات سناؤں گا کہ تو عبرت حاصل کرے کہ ایک طاقت اور ہے جو نظر نہیں آتی اور وہی طاقت انسان کو بلندیوں تک پہنچا کر پستیوں میں پھینک دیتی ہے لیکن ہر کسی کو نہیں۔ میں نے رات تیرے اس آدمی سے کہا تھا کہ وہ فرعون کہاں ہیں جو خدا بن بیٹھے تھے۔ سن سپہ سالار! تو نے اس زمین کا احترام کیا تو آسمان کی بلندی تک پہنچے گا اور اگر تو نے یہ کہا کہ تو خود ہی آسمان کی بلندی تک پہنچ گیا ہے تو اس زمین کے نیچے جا کر گرم ہو جائے گا۔“

”تو عبادت کس کی کرتا ہے؟“۔ عمرو بن عاص نے بوڑھے کا مذہب اور عقیدہ معلوم کرنے کے لئے پوچھا۔

”اپنی!“ — بوڑھے نے جواب دیا — ”میں اپنی ذات کی عبادت کرتا ہوں.... حیران مت ہو سپہ سالار!.... تو اُسے خدا کہہ لے، کچھ کہہ لے، جو کچھ بھی ہے وہ میری اپنی ذات میں ہے۔ اپنی ذات سے یہ مراد نہیں کہ سب مجھے لائق عبادت سمجھیں۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ کیا تو میرے اس عقیدے کو پسند نہیں کرے گا کہ میں کسی بُت کی عبادت نہیں کرتا؟ میں آگ کی عبادت نہیں کرتا اور میں نے اپنا کوئی خدا نہیں بنا رکھا لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ مذہب ابھی تک میرے سامنے نہیں آیا جو مجھے یہ بتائے کہ عبادت کے لائق کون ہے۔ اتنا جانتا ہوں کہ وہ خدا ہے یا جو کوئی بھی ہے وہ بندوں کو نظر نہیں آتا۔ نظر آنا بھی نہیں چاہئے۔“

”مجھ سے کُن وہ کون ہے؟“ — عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”ہمیں اسی نظر نہ آنے والے خدا نے بھیجا ہے کہ جاؤ میرے بندوں کو گمراہی سے نکالو اور انہیں بتاؤ کہ میں اپنے ہر بندے کی ذات میں موجود رہتا ہوں اور یہ بھی بتاؤ کہ سدا بادشاہی میری ہے کسی بندے کی نہیں اور بندہ بندوں کو غلام نہیں بنا سکتا۔“

”یقین ہو چلا ہے کہ میں تیرے ہی انتظار میں زندہ ہوں۔“ — بوڑھے نے کہا۔ ”میں نہیں، مصر کی مٹی تیرے انتظار میں تھی لیکن مت سوچنا کہ تیری ذات کا انتظار تھا۔ اپنے آپ کو اُس خدا کا قصد سمجھ اور اس نے جو پیغام دے کر تجھے بھیجا ہے اس پر دھیان رکھ اور گمان میں نہ رہنا کہ اب کوئی موسیٰ نہیں آئے گا۔ فرعون کو موسیٰ نے نیل میں ڈبوایا تھا۔ فرعون کو نہیں بلکہ فرعونیت کو۔ اپنے آپ کو موسیٰ سمجھ کہ مصر سے فرعونیت ابھی گئی نہیں۔“

”تیری عمر کتنی ہوگی اے بزرگ!“ — عمروؓ بن عاصؓ نے پوچھا۔

”عمر کی مت پوچھ۔“ — بوڑھے نے جواب دیا۔ ”لگتا ہے کہ یہ دنیا وجود میں آئی تھی تو میں بھی اس کے ساتھ آگیا تھا اور اُس وقت دنیا سے رخصت ہوں گا جب یہ دنیا رخصت ہو جائے گی.... جہاں تک یاد کام کرتی ہے میری عمر ایک سو سال سے بیس پچیس سال اوپر ہوگی۔ بڑی بڑی بستانیں بستے اور اجڑتے دیکھی ہیں۔“

عمروؓ بن عاصؓ اور تمام مسلمان جو تش اور نجوم یا کسی بھی ایسے علم کی پیش گوئیوں کے قائل نہیں تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ غیب کا حال احوال صرف اللہ جانتا ہے پھر بھی کسی خیال سے عمروؓ بن عاصؓ نے اس بوڑھے سے پوچھا کیا وہ پیش گوئی کرنے کا علم رکھتا

ہے؟

”نہیں اے سپہ سالار!“ — بوڑھے نے جواب دیا۔ ”میرے پاس ایسا کوئی علم نہیں۔ دنیا دیکھی ہے اور وہی کتا ہوں جو دیکھا ہے اور دیکھ رہا ہوں۔ گمراہ کو دیکھ کر کون پیش گوئی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا اور جن کے اعمال نیک اور نیک نوع انسان کی محبت کے حامل ہوتے ہیں ان کے متعلق کوئی بھی شخص پیش گوئی کر سکتا ہے کہ یہ شخص بلندیوں کی طرف جا رہا ہے.... میں سمجھتا ہوں تو نے یہ کیوں پوچھا ہے.... میں تجھے پہلے ہی اس سوال کا جواب دے چکا ہوں۔ تیرا یہاں میرے پاس آنا اور اس مٹی پر میرے ساتھ بیٹھنا اس امر کی دلیل ہے کہ فتح تیری ہوگی اور تو نے اسے اپنی ذاتی فتح سمجھ کر خود ہی انعام حاصل کرنے کی کوشش کی تو پھر پیش گوئی الٹ جائے گی۔“



”اس شہر کے بارے میں کچھ بتا۔“ — عمروؓ بن عاصؓ نے پوچھا۔

”آہ، یہ شہر!“ — بوڑھے نے کہا۔ ”یہ شہر عظمت کی یادگار بھی ہے اور عبرت کا نشان بھی!.... لگتا ہے جیسے یہ شہر فرعونوں نے میری آنکھوں کے سامنے آباد کیا تھا اور اس شہر کی عمارتوں اور شاہانہ مکانات میں اپنی پوری شہنشاہیت اور قدرت کا تمام تر حسن سمو دیا تھا۔ انہوں نے اس شہر کا نام مدینۃ الشمس رکھا تھا۔ مجھے اس شہر کے جو بن اور عروج کا قصہ میرے آباؤ اجداد نے اور انہیں ان کے آباؤ اجداد نے سنایا تھا۔ میرے باپ دادا مذہبی پیشوا تھے اور مذہبی پیشوائی مجھے ورثے میں ملی ہے لیکن آگے چل کر میں عقیدوں میں الجھ گیا اور کچھ عرصہ تو یوں گزرا کہ سمجھ نہ سکا کہ عبادت کروں تو کس کی کروں.... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں تجھے اس شہر کی داستان سنارہا ہوں....

”جانے دے اس بات کو کہ یونانی یہاں کب اور کیسے آئے، میں صرف یہ بتاتا ہوں کہ یہ شہر مختلف علوم کا مرکز بن گیا تھا۔ یونان کے مشہور فلسفی افلاطون، ارسطو اور سقراط اسی شہر میں آکر علم و فضل سے فیض یاب ہوئے تھے۔ انہوں نے فلسفے اور ہیئت کی تعلیم ہمیں سے حاصل کی تھی۔ عجیب بات سن، فرعونوں کا زوال شروع ہوا تو اس شہر کا عروج شروع ہو گیا۔ فرعونیت پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس شہر میں مختلف مذہبوں اور مذہبی عقیدوں کی عبادت گاہیں ابھرنے لگیں۔ مینار اور گنبد نظر آنے لگے اور ان

سے شہر کے حسن میں اضافہ ہو گیا۔ مختلف مذہبی شخصیتوں نے یہاں کے مدرسوں سے تعلیم پائی تھی اور سارے مصر میں اور ارد گرد کے ممالک میں پھیلائی....

”فارس کے آتش پرستوں نے یہاں اپنے آتش کدے بنائے لیکن رومیوں نے آکر انہیں مصر سے بے دخل کر دیا اور اپنے ساتھ عیسائیت لائے۔ اہل مصر نے عیسائیت قبول کرنی شروع کر دی اور آتش کدوں اور دیگر عبادت گاہوں کی جگہ گرجے ابھرنے لگے....

”یہاں سے اس شہر کی تقدیر اُلٹے پاؤں چل پڑی۔ وجہ یہ ہو گئی کہ یہاں جو بھی عقیدہ پھیلا وہ لوگوں نے متاثر ہو کر قبول کر لیا تھا لیکن رومیوں نے یہاں بزرگ شمشیر عیسائیت پھیلائی۔ آج بھی دیکھ لے، یہ مت سمجھ کہ میں یہاں اس کھنڈر میں بیٹھا ہوں اور مجھے باہر کی کوئی خبر نہیں۔ پل پل کی خبر مجھ تک پہنچتی ہے.... آج بھی دیکھ لے، رومی بادشاہ ہرقل نے اپنی ہی عیسائیت کا چہرہ مسخ کر ڈالا ہے اور ایسے ظلم و ستم سے اسے پھیلا رہا ہے کہ سنو تو جگر کانپ اٹھتا ہے۔ ہزاروں لوگ ہرقل کی عیسائیت کو قبول نہ کرنے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں....

”رومیوں نے یہاں آتے ہی اس شہر سے عبادت گاہوں کو اجاڑنا شروع کر دیا تھا۔ بڑے خوبصورت بُت اور حسین مورتیاں اٹھا کر لے گئے۔ کیا تو مانے گا کہ انہیں کوئی مینار اچھا لگا تو وہ سالم کا سالم اکھاڑ کر لے گئے۔ بے انداز کتابیں جو علوم کا خزانہ تھیں یہاں سے اٹھائیں، کچھ جلائیں اور کچھ روم بھیج دیں مختصر یہ کہ انہیں یہاں جو کچھ بھی اچھا لگا وہ اٹھایا اور بحیرہ روم سے پار روم بھیج دیا۔ یوں کہہ لے کہ رومیوں نے اس اتنے حسین اور عظیم شہر کا وہی حال کر دیا جو گدھ اور لومڑیاں مردار کا کیا کرتی ہیں....

”انہوں نے علوم کا یہ سرچشمہ بند کر دیا تو اس شہر کی رونقیں ہی ماند پڑ گئیں۔ باہر سے علم کے شیدا ایوں نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ یونانیوں نے اس شہر کا نام پہلو ہیلولیس رکھا تھا لیکن رومیوں نے اس کا نام بدل کر عین الشمس رکھ دیا۔ اب لوگ اسے عین شمس کے کھنڈر کہتے ہیں۔ آج دیکھ اس شہر کی زنگ آلود دیواریں، بھگی ہوئی چھتیں اور دیوک کے کھائے ہوئے کواڑوں والے دروازے اس شہر کی عظمت پر آنسو بہا رہے ہیں۔ میں تجھے اس شہر کی نہیں بلکہ بادشاہوں کے عروج و زوال کی بات سنا رہا ہوں....

”اس داستان سے میں نے عرق نکالا ہے اور اس کے زیر اثر کبھی کا پیش گوئی کر رہا ہوں کہ ایک لشکر آ رہا ہے جو طوفانِ باد و باران کی طرح سب کچھ اڑا اور ہالے جائے گا اور ایک نئی دنیا جو دیں آئے گی۔ عروج اُسی کو حاصل ہو گا جو ایک ایسا عقیدہ لائے گا جو کسی انسان کی تخلیق نہیں ہو گا بلکہ اُس کی تخلیق ہو گا جو انسانوں کا خالق ہے۔ تیرا لشکر طوفانِ باد و باران کی طرح یہاں پہنچا ہے۔ میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں تیرے پاس طاقت ہے ہی نہیں لیکن سوچ، تو نے شاید سوچا بھی ہو گا کہ تیرے ساتھ کوئی ایسی قوت ہے جو رومیوں کی جنگی قوت کو روندتی تجھے یہاں تک لے آئی ہے لیکن ان کامیابیوں سے اس خوش فہمی نہ پڑ جانا کہ اب تو فتح ہی فتح ہے۔ کسی بھی قلعے کو اپنا سمجھ جب تو اپنا جھنڈا اس پر گاڑ دے گا۔ یہ مت سوچ کہ یہ قلعہ تو بس اپنے ہاتھ آیا کہ آیا۔ یہ بھی یاد رکھ کہ تو آیا نہیں بھیجا گیا ہے۔“

”جس نے مجھے بھیجا ہے اسے ہم اللہ کہتے ہیں۔“ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”ہم دنیا کی جاہ و حشمت کے لئے نہیں لڑتے، ہم اللہ کی خوشنودی کے لئے اور اس کا پیغام ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے لڑتے ہیں ہمارا نصب العین ہے بنی نوع انسان کی نجات۔“

”جا، فتح تیری ہے!“

سپہ سالار عمرو بن عاص اور سالار زبیر بن العوام وہاں سے اٹھے۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ جب تک ان کا لشکر ان کھنڈرات میں ہے اس بزرگ کا کھانا ہمارے ذمے ہو گا۔

○

اُدھر بابل میں متوقس کے ہاں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس نے تو یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمان اور آگے آ جائیں تو انہیں گھیرے میں لے کر ختم کر دیا جائے لیکن اس کا یہ پلان بُری طرح ناکام ہوا اور اطربون جیسا جرنیل مارا گیا۔ سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ رومی فوج کو اتنا جانی نقصان اٹھانا پڑا جس کی متوقس کو توقع نہیں تھی، اور اس کے ساتھ نقصان یہ کہ جو فوج زندہ تھی اس کا لڑنے کا جذبہ بُری طرح مجروح ہو گیا تھا۔

اس فوج میں وہ دستے بھی تھے جو شام میں مسلمانوں سے نہیں لڑے تھے۔ شام سے بھاگ کر آنے والے فوجیوں نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان کس بے جگری اور بے

خوفی سے لڑتے ہیں۔ اب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تو انہیں یقین آیا کہ مسلمان تو اس سے زیادہ نڈر اور بے خوف ہیں جتنا انہیں بتایا گیا تھا۔ ذہنی طور پر یہ فوج شکست قبول کر چکی تھی۔

مقوقس پر دوسری چوٹ یہ پڑی تھی کہ ہرقل نے اسے مسلمانوں کی فتوحات کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے بڑا سخت پیغام بھیجا تھا۔ اس پیغام کے جواب میں مقوقس نے ہرقل کو ایسا ہی پیغام بھیجا اور اس پر شام کی شکست کی طرہ بھی کی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ (مؤرخوں کے مطابق) ہرقل اور مقوقس کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت پیدا ہو گئی تھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقوقس نے ہرقل کے بنائے ہوئے اسقف اعظم قیرس کے مشورے سے اپنا ایک خاص آدمی قبطی عیسائیوں کے اسقف اعظم بنیامین کی طرف اس درخواست کے ساتھ بھیجا تھا کہ بنیامین قیرس سے ملے اور مسلمانوں کی پسپائی کا کوئی بندوبست کیا جائے۔

مقوقس کا یہ آدمی بنیامین تک پہنچ گیا تھا اس نے مقوقس اور قیرس کی ہدایات کے مطابق بنیامین کو تفصیل سے سنایا کہ ہرقل نے مقوقس اور قیرس پر کیا الزام عائد کئے ہیں اور یہ دونوں ہرقل کے خلاف ہو گئے ہیں۔ پھر اس آدمی نے بنیامین کو یقین دلایا کہ قیرس نے اسے نیک نیتی سے بلایا ہے اور ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ یہ بھی بتایا کہ ان کی ملاقات کی خبر ہرقل کو نہیں ملے گی کیونکہ اس ملاقات کا واحد مقصد عیسائیت کا تحفظ اور فروغ ہے اور مسلمانوں کا راستہ روکنا بھی مقصود ہے۔

بنیامین اصل عیسائیت پر قریان ہوا جا رہا تھا اور اصل عیسائیت کو ہی بحال کرنا چاہتا تھا۔ اصل عیسائیت پر اس نے اپنا ایک بھائی قریان کر دیا تھا۔ بنیامین مقوقس کے اس آدمی کے ساتھ ہی آگیا اور جب مسلمانوں کا لشکر اُردن کی طرف بڑھ رہا تھا، بنیامین بابلون میں قیرس اور مقوقس کے پاس پہنچ گیا۔

مقوقس اور قیرس نے اس کا استقبال بڑے ہی خلوص سے کیا اور اسے پہلا یقین یہ دلایا کہ یہ ملاقات خفیہ ہوگی اور اگر بنیامین نے اس ملاقات کو ناکام کیا تو بھی اسے بحفاظت واپس بھیج دیا جائے گا۔ بنیامین اور قیرس کی یہ ملاقات تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کا باعث یہ تھا کہ قبطی عیسائی

ان کے ساتھ مل گئے تھے اور ان قبیلوں نے رومی فوج کو زمین دوز طریقوں سے بھی نقصان پہنچایا تھا۔ یہ محض بے بنیاد بات ہے۔ مصر میں مجاہدین اسلام کو اللہ کے سوا کسی کی مدد حاصل نہیں تھی۔

بنیامین جب بابلون پہنچا تو مقوقس نے قیرس سے کہا کہ وہ دونوں الگ بیٹھ کر بات کریں اور اس میں وہ خود دخل انداز نہیں ہو گا۔ مقوقس اور قیرس کا مقصد یہ تھا کہ قبطی عیسائی رومی فوج کے ساتھ ہو جائیں۔ قیرس نے بنیامین کے آگے یہی مقصد رکھا اور کہا کہ عیسائیت کو بچانا اور اسلام کا راستہ روکنا ہے۔

بنیامین زیادہ زور اس بات پر دیتا تھا کہ جب تک ہرقل زندہ ہے وہ اپنی عیسائیت سے دستبردار نہیں ہو گا نہ کسی کو دستبردار ہونے دے گا۔ قیرس نے اسے بتایا کہ ہرقل اب اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔ مقوقس نے یہاں تک کہا کہ ہرقل نے بے جا دخل اندازی کی تو اسے مجبور کر دیا جائے گا کہ وہ مصر سے دستبردار ہو جائے اور اپنی عیسائیت کو سنبھال کر رکھے۔

مقوقس نے ان دونوں مذہبی پیشواؤں کو الگ بیٹھ کر بات کرنے کو کہہ دیا لیکن انہیں یہ نہ بتایا کہ وہ خود کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے ہرقل کو بلیس کے قلعے کی فتح کی خبر سنائی دی تھی اور پھر یہ خبر سنائی کہ مسلمان نیل تک پہنچ گئے ہیں اور اطربوں کے بعد اس کا ایک اور منظور نظر جرنیل ختا بھی مارا گیا ہے۔ مقوقس کو معلوم تھا کہ ہرقل کا رد عمل کیا ہو گا۔ مقوقس کو یہ بھی شکایت تھی کہ ہرقل بزنطیہ سے مصر کے لئے امدادی فوج نہیں بھیج رہا۔ اتنی شکستوں کے بعد مقوقس کو یہ توقع تھی کہ ہرقل اسے مصر کی فرمانروائی سے معزول کر دے گا۔ اس کے علاوہ مقوقس کو ہرقل سے توقع تھی کہ قبیلوں کو اپنا دشمن بنائے رکھے گا اور اپنی عیسائیت کو نہیں چھوڑے گا اور اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت قبطی بنیامین کے اشارے پر بغاوت کر دیں گے۔

بنیامین اور قیرس الگ بیٹھے گفت و شنید کر رہے تھے۔ مقوقس نے اپنے جرنیل تھیوڈور کو بلا لیا اور اپنے خاص کمرے میں جا بیٹھا۔ تھیوڈور کے ساتھ مقوقس کی رازداری تھی۔ اب بازی تھیوڈور کے سر تھی۔ وہ اور مقوقس مزید شکست کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

”تھیوڈور!“ — مقوقس نے کہا — ”بنیامین اور قیرس کو میں نے الگ بٹھا دیا ہے

ضروری ہے۔ یہ جو دو آدمی ساتھ جا رہے ہیں، انہیں کوئی پہچان نہ سکے۔“

مقوقس نے اسے بتایا کہ اس نے یہ احتیاط خاص طور پر پیش نظر رکھی ہے۔ انہیں وہ نہایت معمولی قسم کے لوگوں کے لباس میں بھیج رہا تھا۔ لڑکی کو بھی کسی غریب آدمی کی بیٹی کے لباس میں بھیجنا تھا اور چہرے پر نقاب رکھنا تھا.... مقوقس نہ جانے کب سے ہرقل کے قتل کا پلان بنا رہا تھا اور اب اس نے عمل درآمد کا پکا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے تھیوڈور کو بتایا کہ دونوں آدمیوں اور اس لڑکی کو وہ دوبارہ ریسرسل کروا چکا ہے۔ تھیوڈور نے اس کی تائید ہی نہ کی بلکہ حوصلہ افزائی بھی کی۔

اس کے بعد دونوں نے بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا کہ وہ اس راز کو راز ہی رکھیں گے اور ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیں گے۔

ادھر بنیامین اور قیرس عیسائیت کے نام پر مسلمانوں کے خلاف متفق ہو گئے۔ بنیامین صرف ہرقل کی ضمانت چاہتا تھا۔ مقوقس نے اسے یقین دلایا کہ ہرقل اس اقدام کو پسند کرے گا۔ مقوقس نے یہ بھی کہا کہ ہرقل کو عیسائیت سے زیادہ اپنی سلطنت پیاری ہے۔ اسے مصر چاہئے مذہب نہیں۔ قیرس تو پہلے ہی بنیامین کو یقین دلا چکا تھا۔ تھیوڈور کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ مقوقس کس بنیاد پر ہرقل کی ضمانت دے رہا ہے۔ وہ تو ہرقل کو اس دنیا سے ہی اٹھا رہا تھا۔

بنیامین یہ وعدہ کر کے رخصت ہوا کہ وہ اپنے مشیروں کو اس فیصلے سے آگاہ کر دے گا اور پھر قبیلے فوج میں شامل ہو جائیں گے۔ وہ فوج میں شامل ہوں یا نہ ہوں بغاوت نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے ساتھ ذرا سا بھی تعاون نہیں کریں گے۔



مجاہدین اسلام کا لشکر عین شمس کے کھنڈرات میں قیام کئے ہوئے تھا۔ کمک پہنچ گئی تھی اور اب سپہ سالار عمرو بن عاص کو آگے بڑھنا تھا۔ وہ زیادہ دیر انتظار کرنے والے سپہ سالار نہیں تھے لیکن لشکر میں زخمیوں کی تعداد کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ ان کی مرہم پٹی ہو رہی تھی اور توقع تھی کہ کچھ دنوں تک یہ لڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ غور و خوض کر کے یہ بھی طے کرنا تھا کہ اگلا قدم کدھراٹھایا جائے۔

عین شمس کے کھنڈرات کا شہر ذرا بلندی پر تھا اور دفاعی لحاظ سے یہ موزوں تھا۔ دشمن اچانک حملہ کر دیتا تو اس شہر کی بلندی فائدہ دے سکتی تھی۔ کے علاوہ وہاں پانی

لیکن میں سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب تک ہرقل ہمارے سروں پر موجود ہے، ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے اور ایک روز مسلمان سارے مصر پر چھا جائیں گے اور ہرقل اس کا الزام ہمارے منہ پر تھوپ دے گا۔“

”میں ساری صورت حال سے واقف ہوں۔“ تھیوڈور نے کہا۔ ”یہ بتائیں کہ اس کا حل کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”ہرقل کو معزول کر دیں۔“ مقوقس نے کہا۔ ”لیکن یہاں اس کے حامی فوج میں موجود ہیں۔ وہ ہم دونوں کو یا مجھے قتل کر دیا دیں گے۔ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ ہم ہرقل کو قتل کر دیا دیں۔“

جرنیل تھیوڈور نے سر جھکا لیا جیسے گہری سوچ میں کھو گیا ہو۔ مقوقس اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ آخر تھیوڈور نے سر اٹھایا اور آہستہ آہستہ سراپر نیچے بلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مقوقس سے اتفاق کرتا ہے۔

”کام خطرناک تو ہے لیکن آسان نہیں۔“ تھیوڈور نے کہا۔ ”اس کے سوا کوئی چارہ کار رہ بھی نہیں گیا.... کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ اس کا انتظام کیا ہو گا؟“

”میں انتظام کر چکا ہوں۔“ مقوقس نے کہا۔ ”دو آدمی تیار کر لئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک ایسی خوبصورت اور ہوشیار لڑکی جائے گی کہ اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہرقل نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہو گی۔ یہ لڑکی میں تجھے کے طور پر ہرقل کو بھیج رہا ہوں۔ اسے میرے اپنے دو قابل اعتماد آدمی لے جائیں گے۔ اس کام کے لئے میں نے انہیں ایک خزانہ پیش کیا ہے۔“

”کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟“ تھیوڈور نے پوچھا۔ ”ظاہر ہے لڑکی کم نہ ہو گی۔ وہاں جاکر ذرا ہی نہ جائے۔“

”قتل خنجر یا تلوار سے تو نہیں کرنا۔“ مقوقس نے کہا۔ ”ہرقل کی شراب میں زہر ملانا ہے جو یہ لڑکی آسانی سے ملا دے گی۔ میں نے لڑکی کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ ہرقل کس طرح شراب پیتا ہے اور اس دوران کیا کرتا ہے اور لڑکی کس طرح موقع پیدا کر کے ذرا سا زہر اس کے گلاس میں ڈال دے۔ زہر اتنا تیز ہے کہ اس کے چند ذرے شراب میں پڑ گئے تو کام کر دیں گے۔“

”احتیاط تو آپ کریں گے ہی۔“ تھیوڈور نے کہا۔ ”ایک احتیاط سب سے زیادہ

کثرت سے موجود تھا جس کے ختم ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اشیاء خوردنی کی ایسی افراط کہ خوراک کی قلت کا خطرہ تھا ہی نہیں۔

ایک روز عمروؓ بن عاصؓ نے زبیرؓ بن العوامؓ اور دوسرے تمام سالاروں کو طلب کیا۔

”میرے رفیقو!“ — عمروؓ بن عاصؓ نے سالاروں سے کہا۔ ”اب بابلون کا قلعہ بند شہر ہمارے سامنے ہے لیکن وہاں جو رومی فوج ہے اس کا کوئی شمار ہی نہیں۔ ایک تو مفتوحہ قلعوں سے بھاگے ہوئے فوجی بابلون میں جا بیٹھے ہیں اور دوسرے یہ کہ مقوقسؓ اپنی زیادہ سے زیادہ فوج اس شہر میں لے آیا ہے۔ ظاہر ہے اس شہر کا محاصرہ کرنا ہو گا.... اگر اللہ میری دعا قبول فرما لے تو رومی باہر آکر کھلے صحرا میں لڑیں۔ دعا کرو میرے بھائیو! اللہ کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ رومیوں کو قلعے سے باہر لے آئے۔“

”اللہ نے ہمیں مایوس تو کیس بھی نہیں کیا۔“ — زبیرؓ بن العوامؓ نے کہا۔ ”اگر ہمارے لئے رومیوں کا باہر آکر لڑنا بہتر ہوا تو اللہ یہ صورت بھی پیدا کر دے گا۔“

”یہ بات بھی دل میں بٹھا لو میرے رفیقو!“ — عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”اب ہم مصر کی فتح و شکست کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب ہم کہیں بھی پٹ گئے تو ہماری منزل اگلا جمان ہوگی یا بلک شام.... میں اپنے اسی اصول کا پابند رہوں گا کہ کہیں بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہیں۔ دشمن کے سر پر سوار رہیں۔ اس اصول نے ہمیں ہر معرکے میں کامیاب کیا ہے۔“

ادھر بابلون میں مقوقسؓ اور تھیبوزورؓ دو تین جرنیلوں کو بٹھائے مسلمانوں کو پسپا کرنے کی سکیم بنا رہے تھے۔ مقوقسؓ کہہ رہا تھا کہ ان عربوں نے بابلون بھی لے لیا تو پھر ان کے کہیں بھی پاؤں نہیں جم سکیں گے۔

عمروؓ بن عاصؓ نے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے کسی جگہ کہا تھا کہ ہم کہیں سے پسپا ہوئے تو یاد رکھو دشمن ملک میں ہمیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی اور بھاگنے کی کوئی جگہ بھی نہیں ہوگی لیکن بابلون میں مقوقسؓ یہی الفاظ اپنے جرنیلوں سے کہہ رہا تھا کہ ہم بابلون سے اکھڑ گئے تو پھر سارے مصر میں ہمیں کہیں بھی جم کر لڑنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ خود اپنے لوگ ہمیں اپنے گھروں میں پناہ نہیں دیں گے۔

”میں مسلمانوں کی چال سمجھ گیا ہوں۔“ — جرنیل تھیبوزورؓ نے کہا۔ ”افسوس ہے

اطربون جیسا تجربہ کار جرنیل نہ سمجھ سکا.... عربوں کا سپہ سالار پہلے حملے سے ہی اس اصول پر کاربند چلا آ رہا ہے کہ اپنی تعداد کو نہ دیکھو اور حملہ کرنے میں زیادہ دیر نہ کرو۔ ایک جگہ بیٹھے نہ رہو اور دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑو کہ وہ اس حملے کو غیر متوقع سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ہر معرکے میں کامیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ادھر ہم ہیں کہ قلعہ بند ہو کر دشمن کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ محاصرے میں ہمارا طریقہ جنگ یہ رہا ہے کہ ایک ایک دو دو دستے باہر نکال کر عربوں پر حملہ کرتے ہیں۔ عرب ہماری یہ چال سمجھ گئے ہیں اور انہوں نے جو فائدہ اٹھایا ہے وہ آپ سب کے سامنے ہے۔“

”تم جو چاہتے ہو وہ بیان کرو۔“ مقوقسؓ نے کہا۔

”میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم قلعہ بند ہو کر نہ لڑیں۔“ — تھیبوزورؓ نے کہا۔ ”ہم عربوں کو اتنی مہلت دیں ہی نہیں کہ وہ آکر بابلون کا محاصرہ کر لیں۔ ان کے سپہ سالار کا ایک اصول یہ ہے کہ دشمن کے سرچڑھے رہو تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ دل چھوڑ بیٹھے اور حوصلہ ہار بیٹھے ہیں۔ یہی اصول میں آپ کو بتا چاہتا ہوں۔ آپ نے شاید سنا نہیں کہ مصر کے لوگ ہمیں بزدل اور کمزور کہنے لگے ہیں جو قلعوں کی دیواروں کی پناہ میں بیٹھ کر اپنا دفاع کرتے ہیں.... اب ہمیں باہر جا کر مسلمانوں کو لاکارنا چاہئے۔“

یہی دعا سپہ سالار عمروؓ بن عاصؓ مانگ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دو تین جاسوس بابلون بھیج رکھے تھے جو دوسرے مفتوحہ شہروں سے بھاگے ہوئے شہریوں کے بہروپ میں وہاں گئے تھے۔ اللہ ان کی دعا قبول کر رہا تھا۔ مقوقسؓ نے کہا کہ فوج کو شہر سے باہر کھلی جنگ کے لئے تیار کیا جائے اور کوئی پہلو کمزور نہ رہ جائے۔



دو ہی دن گزرے ہوں گے کہ سپہ سالار عمروؓ بن عاصؓ نے فیصلہ سنا دیا کہ کل صبح بعد از نماز فجر بابلون کی طرف کوچ ہو گا اور اس شہر کو محاصرے میں لیا جائے گا۔ یہ توقع ہی نہیں تھی کہ رومی قلعے سے باہر آکر لڑیں گے.... ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک جاسوس بابلون سے آگیا۔ اس نے عمروؓ بن عاصؓ کو یہ خبر سنائی کہ رومی باہر آکر لڑیں گے۔ جاسوس نے بابلون کی فوج کو کھلی لڑائی کی مشق کرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر وہاں بنائے ہوئے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا کہ اب مقوقسؓ اور تھیبوزورؓ محاصرے میں نہیں آئیں گے بلکہ بابلون سے دور آکر مجاہدین اسلام کو لاکاریں گے۔

عمروؓ بن عاص نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو طلب کیا اور خوشخبری کے انداز سے یہ خبر سنائی۔ تمام سالار یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ انہیں پوری امید تھی کہ رومیوں کو میدان کی کھلی جنگ میں نکلنے نہیں دیں گے۔ عمروؓ بن عاص نے سب سے پہلے تو اُس جگہ کا انتخاب کیا جہاں انہوں نے رومیوں کو لاکر لڑانا تھا پھر انہوں نے سالاروں کو لڑائی کی ترتیب سمجھادی۔ یہ بھی کہا کہ بیشتر اس کے کہ رومی شہر سے نکل کر کسی اور جگہ للکاریں، فوراً کوچ کر کے اپنی پسند کے میدان میں پہنچا جائے۔ رومی مجبور ہو جائیں گے کہ وہاں آئیں۔

عشاء کی نماز کے وقت بالیون سے ایک اور جاسوس آگیا جس نے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو یہ اطلاع دی کہ آج دوپہر رومی فوج شہر سے نکل آئی ہے اور اس کا رخ عین شمس کی طرف ہے۔ اس جاسوس نے رومی فوج کی تعداد بھی بتائی جو مجاہدین کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی۔

عشاء کی نماز کی امامت کروا کے اٹھ گھرے ہوئے اور مجاہدین سے یوں خطاب کیا کہ پہلی بار رومی کھلے میدان میں آرہے ہیں اور ان کی تعداد ہم سے بہت ہی زیادہ ہے۔ تم نے کبھی تعداد کی پرواہ نہیں کی۔ کیا یہ ہمارا ایمان نہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جس نے اتنی کم تعداد کے باوجود ہمیں نیل تک پہنچا دیا ہے؟ اسلام کے مجاہدوں میں ایک بات پہلے کئی بار کہ چکا ہوں وہی بات اب بھی کہوں گا۔ اگر میدان جنگ سے ہمارے قدم اکھڑ گئے تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ ہمارا تو نام و نشان مٹ ہی جائے گا، مصر میں اسلام کے لئے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے۔

اس خطاب کے بعد عمروؓ بن عاص نے کہا کہ صبح نماز فجر کے فوراً بعد کوچ ہو گا۔ یہ تو انہوں نے رات کو ہی لشکر کو بتا دیا تھا کہ رومی فوج باہر نکل آئی ہے اور اب اس کا ارادہ کھلے میدان میں لڑنے کا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عمروؓ بن عاص کی جنگی پالیسی اور چالیں خالدؓ بن ولید کے عین مطابق تھیں۔ انتہائی خوف ناک خطرے مول لینے میں یہ دونوں تاریخ ساز سپہ سالار ایک جیسے تھے۔ عمروؓ بن عاص نے فوجی کی ترتیب سالاروں کو سمجھانے کے علاوہ ایک اقدام یہ کیا کہ پانچ پانچ سو جانبازوں کے دودستے الگ کر دیئے۔ ایک دستے کے قائد

خارجہؓ بن حذفہ اور دوسرے کے مقدادؓ بن اسود تھے۔ یہ صحابی تھے اور مکہ کے ساتھ ایک ایک دستے کے سالار کی حیثیت سے آئے تھے۔

عین شمس اور بالیون کے درمیانی علاقے میں کچھ علاقہ پہاڑی تھا جس میں بڑے بڑے کشادہ غار بھی تھے۔ اس علاقے کو بنو داکل کہتے تھے۔ ایک جانباز دستے کو بنو داکل کے غاروں کی طرف روانہ کر دیا گیا اور دوسرے کو اُمّ و نین کے قریب ایک پہاڑی سلسلے میں جا کر چھپ جانے کو بھیج دیا گیا۔ ان دونوں دستوں کو رات کو ہی روانہ کر دیا گیا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے۔

نماز فجر کے فوراً بعد باقی لشکر نے کوچ کیا۔ آج اس علاقے کو عباسیہ کہتے ہیں جہاں یہ لشکر جا پہنچا۔ اُس دور میں یہ وسیع و عریض میدان ریگستانی ہوا کرتا تھا۔ حسب معمول جاسوس مختلف بہروپوں میں آگے بھیج دیئے گئے تھے۔

ادھر رومیوں نے اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے جنہوں نے تھیوڈور کو جا کر اطلاع دی کہ مسلمانوں کا لشکر عباسیہ کی طرف آرہا ہے۔ تھیوڈور یہ خبر سن کر بہت ہی خوش ہوا۔ اس نے اپنے ساتھی جرنیلوں کو بتایا کہ اسے توقع یہ تھی کہ مسلمان عین شمس کے کھنڈروں سے باہر نہیں آئیں گے اور انہیں مار بھگانے میں مشکل پیش آئے گی۔ تھیوڈور نے اپنی فوج کو وہیں روک لیا۔

”سلطنت روم کے جانبازو!“ — تھیوڈور نے بڑی بلند اور جوشیلی آواز میں اپنی فوج سے خطاب کیا۔ ”تمہارا دشمن آج تک تمہیں بزدل اور کمزور سمجھتا رہا ہے۔ آج وہ تمہارے سامنے آکر لڑنے آرہا ہے۔ اس کی تعداد تمہاری تعداد کے نصف بھی نہیں۔ آج ثابت کر کے دکھاؤ کہ بزدل کون ہے۔ اگر تم اس میدان سے پیچھے ہٹ گئے تو پھر اتنے زرخیز اور خزانوں سے بھرے ہوئے ملک سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ سلطنت روم بحیرہ روم کے پار سکڑ جائے گی۔ پھر تمہاری قسمت میں مسلمانوں کی غلامی یا بحیرہ روم میں ڈوب مرنا لکھ دیا جائے گا۔ آج قسم کھاؤ کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو کاٹ کر اس ریگستان میں پھینک دو گے۔“

تاریخ میں آیا ہے کہ تمام فوج نے بلند آواز میں خدا کے نام پر قسم کھائی کہ وہ فتح حاصل کریں گے ورنہ جائیں دے دیں گے۔

میدان جنگ عین شمس اور بابلیون سے دور نہ تھا۔ سورج جب سر پر آیا اس وقت دونوں طرف کی فوجیں آنے کے ساتھ صف آرا ہو چکی تھیں۔ عمرو بن عاص درمیان والے دستوں کے سامنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اُدھر تھیوڈور بھی اپنی درمیان والی فوج کے سامنے گھوڑے پر سوار تھا۔

عمرو بن عاص کے کہنے پر ان کا ایک محافظ سوار آگے بڑھا اور بلند آواز سے رومیوں سے کہا کہ حملے میں پہل تم کرو تاکہ تمہیں افسوس نہ رہے کہ عرب کے مسلمانوں نے تمہیں موقع نہیں دیا تھا۔

عمرو بن عاص کے اس محافظ نے اپنا اعلان ختم کیا ہی تھا کہ تھیوڈور نے حملے کا حکم دے دیا۔ عمرو بن عاص کی پہلے دی ہوئی ہدایات کے مطابق پہلوؤں والے دستے اور زیادہ دائیں اور بائیں کو چلے گئے۔ سپہ سالار نے دیکھ لیا تھا کہ رومی ایک ہجوم کی مانند بلے بول رہے ہیں۔ یہ انہیں پہلے ہی توقع تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے مجاہدین کو ہدایات دے رکھی تھیں۔

جب مجاہدین کے پہلوؤں والے دستے اور زیادہ باہر کو ہو گئے تو اس کے مطابق رومی سواروں کو بھی پھیلنا پڑا۔ عمرو بن عاص یہی چاہتے تھے۔ عمرو بن عاص نے بڑھتے ہوئے رومیوں کا سامنا کیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے دستوں سے کہا کہ لڑتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا تاکہ دشمن اور آگے آجائے۔

تاریخ میں اس لڑائی کو معرکہ عین شمس کہا گیا ہے اور یہ بھی کہ مصر کی لڑائیوں میں یہ معرکہ سب سے زیادہ خون ریز اور تیز تھا۔ چونکہ وہ ایسا ریگزار تھا جس میں ریت کے ساتھ مٹی بھی تھی اس لئے اس قدر زیادہ گرد اٹھی کہ دونوں طرفوں کے آدمی اس میں چھپ گئے اور دوست اور دشمن کی پہچان محال ہو گئی۔

مجاہدین کے جو دستے دائیں اور بائیں پھیل گئے تھے انہیں ان کے سالار دشمن کے پہلوؤں میں لے گئے اور پہلوؤں سے حملہ کیا۔ اس سے دشمن کے سپاہی کٹنے اور گرنے لگے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ رومی دونوں پہلوؤں کے دباؤ سے اندر کو اکٹھے ہونے لگے جس سے ان کے لئے پینترے بدلنے کی جگہ نہ رہی۔ ان کے گھوڑے آگے پیچھے سے اور دائیں بائیں سے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے تھے۔

کثیر تعداد دشمن کو ایسی ہی چال سے بے بس کیا جاسکتا تھا۔ وہ تو عمرو بن عاص کی

جنگی فہم و فراست نے کر دیا لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ مجاہدین پر حاوی ہوتے نظر آنے لگے۔ تھیوڈور بڑی اچھی چالیں چل رہا تھا اور اس کے احکام بڑی تیزی سے دوسرے جرنیلوں تک پہنچ رہے تھے۔

اپنی فوج کو یوں سکڑاتا اور بے بس ہوتا دیکھ کر تھیوڈور نے فوج کو پیچھے ہٹالیا اور پھر پھیلا دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رومی فوجیوں نے جو قسم کھائی تھی وہ پوری کر کے ہی رہیں گے۔ تھیوڈور نے فوج کو پیچھے ہٹا کر پھر جو حملہ کیا وہ کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجاہدین کے پھیلاؤ کے مطابق اپنے دستوں کو پھیلا دیا تھا۔

گرد و غبار میں چھپا ہوا سورج آگے چلا گیا اور مغرب کی طرف نیچے جانے لگا۔ اس وقت مجاہدین نے اپنے سالاروں کی قیادت میں پھر وہ پوزیشن حاصل کر لی تھی کہ رومی فوج پھر اندر کی طرف سکڑ سٹ گئی۔ اس وقت اس فوج پر عقب سے قیامت ٹوٹ پڑی۔

یہ بنو داکل کے غاروں میں چھپا ہوا منتخب جاننازوں کا پانچ سو کا دستہ تھا جو وہاں اشارے کا منتظر تھا۔ سپہ سالار نے ان کی طرف قاصد دوڑا دیا اور اس دستے کے سالار نے پیغام ملتے ہی عقب سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔

رومی یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کا کوئی اور لشکر ہے جو عقب سے آگیا ہے۔ رومی فوجیوں پر جو دہشت پہلے ہی طاری تھی اور جسے تھیوڈور کے خطاب نے اور قسم نے دیا لیا تھا وہ پھر ابھر آئی اور فوجیوں کے دلوں کو گرفت میں لے لیا۔

رومی فوجی بوکھلا اٹھے اور ہجوم کی صورت میں لڑائی سے نکل کر اُم و نین کی طرف بھاگنے لگے۔ رومی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا اور ان کی ترتیب ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح اُم و نین کی طرف نکلے۔

جو نئی وہ پہاڑی کے قریب سے گزرے تو اس پہاڑی کے غاروں میں سے جانناز مجاہدین کا دوسرا پانچ سو کا دستہ نکلا اور ان رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اب رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا ایک نہیں بلکہ تین لشکر ہیں۔ رومیوں کی کوئی ترتیب رہی نہیں تھی اور وہ جرنیلوں کے قابو سے نکل گئے تھے۔ وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ اپنے دفاع میں بھی نہ لڑے۔ وہ صرف پسپا ہونے اور زندہ نکل جانے کی کوشش میں تھے۔ جانناز مجاہدین نے ان کا ایسا قتل عام کیا کہ شاید ہی کوئی

رومی زندہ نکلا ہو گا۔ یہ خالد بن ولید کی ایک خصوصی چال تھی جس سے وہ اس رومی فوج سے زیادہ تعداد کی فوج کو بھی بے بس کر کے ختم کر دیا کرتے تھے۔

بھاگنے والے بہت سے فوجی قلعہ بابلون میں جا پناہ گزین ہوئے لیکن بابلون کے اندر جو فوج تھی اس نے بھاگ کر آنے والوں کو دیکھا پھر سنا کہ مجاہدین نے کس طرح رومی فوجیوں کو کاٹا ہے تو وہ قلعہ بابلون سے بھاگ اٹھے۔ دبیائے نیل کے کنارے بے شمار کشتیاں فوج کے استعمال کے لئے بندھی رہتی تھیں۔ بھگوڑے فوجی ان کشتیوں پر جا چڑھے اور ملاحوں کو ڈرا کر کشتیاں کھلوالیں اور دریا پار کر گئے۔

مقوقس بابلون میں تھا۔ وہ اپنی فوج کا یہ حشد رکھ رہا تھا لیکن اس کی بے بسی اور کسمپرسی کا یہ عالم کہ اس نفسا نفسی اور کھلبلی پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ اگر وہ فوجیوں کی اس ذہنی کیفیت میں انہیں روکتا تو وہ فوجیوں کے ہاتھوں قتل بھی ہو سکتا تھا۔

عمرو بن عاص بابلون پر حملہ کرتے تو شاید یہ قلعہ بھی لے لیتے لیکن جاسوسوں نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ فوج باہر بھیج کر خاصے دستے بابلون میں ہی تیار رکھے گئے تھے۔ یہ مقوقس اچھی تدبیر تھی۔ انہیں احساس تھا کہ ان کی فوج پسپا بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مسلمانوں کا بابلون پر حملہ متوقع ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے بابلون میں اچھی خاصی فوج دفاع میں رکھی ہوئی تھی۔ عمرو بن عاص نے بہتر بھاگ بابلون پر طاقت صرف کرنے کی بجائے باہر جو رومی فوج خوف زدگی کے عالم میں بھاگتی اور پناہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہے اسے ختم کر لیا جائے۔

کئی ایک مؤرخوں نے لکھا ہے کہ متعدد فوجی افسر سکندریہ کو بھاگ گئے تھے۔ رومی فوج جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ مری تھی اس کی تعداد کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔

مجاہدین اسلام نے ایک دو اور قلعے بغیر لڑے لے لئے لیکن ان کی اصل فتح یہ تھی کہ رومیوں کی تمام تر فوج پر مجاہدین کی دہشت طاری ہو گئی تھی اور اب یہ فوج کچھ عرصے کے لئے لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

عیا تھا۔ مقوقس نے تو ہر قل کو یقین دلار کھا تھا کہ وہ عرب کے ان بدوؤں کو نیل تک پہنچے ہی نہیں دے گا۔ معرکہ عین شمس سے رومی فوج جس طرح بہتر ہو کر بھاگی اس سے فیوم کا تمام علاقہ خالی رہ گیا تھا۔ عمرو بن عاص نے آگے بڑھ کر اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔

فیوم کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے۔ یہ علاقہ اس قدر وسیع و عریض تھا کہ اسے مصر کے ایک صوبے کی حیثیت حاصل تھی۔ عمرو بن عاص کے حکم سے اس صوبے کے بڑے شہروں میں مسلمانوں کے عمال پہنچ گئے اور انہوں نے ان لوگوں سے وہ ٹیکس وصول کرنے شروع کر دیئے جو ان پر عائد تھے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ لوگوں پر بھی مسلمانوں کا ایسا رعب بیٹھ گیا تھا کہ انہوں نے بلا چون و چرا ٹیکس ادا کرنے شروع کر دیئے۔ تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ فاتح مسلمان رومی فوج کے افسروں اور دیگر حاکموں کو پکڑ کر زنجیروں میں باندھ دیتے اور پھر اپنے سپہ سالار کے سامنے لے جاتے ہیں اور سپہ سالار انہیں سزا دیتا ہے۔ اس صوبے میں جو مسلمان عمال حاکم مقرر کئے گئے انہیں عمرو بن عاص نے بڑی سختی سے حکم دیا تھا کہ لوگوں کی حیثیت دیکھ کر اس کے مطابق ٹیکس وصول کریں اور کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے۔

ہر قل تک اس شکست کی خبر پہنچا مقوقس کا فرض تھا اور مقوقس کو معلوم تھا کہ ہر قل کا رد عمل بڑا ہی شدید ہو گا۔ یہ تو مقوقس دیکھ چکا تھا کہ ہر قل اپنی شام کی شکست اور وہاں سے پسپائی پر پردہ ڈالنے کے لئے تمام تر الزام مقوقس کے منہ پر تھوپ رہا ہے۔ مقوقس نے ہر قل کے نام پیغام لکھوایا اور ایک قاصد کو دے کر بزملیہ کو روانہ کر دیا۔

مقوقس کو اب ہر قل کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس نے ہر قل کے قتل کا بڑا پکا انتظام کر دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ اس پیغام سے پہلے ہر قل اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہو گا۔ اس کے تیار کئے ہوئے دو آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے تھے۔



یہ دو آدمی لڑکی کو ساتھ لئے سکندریہ پہنچے۔ انہیں بحری جہاز وہاں سے ہی مل سکتا تھا۔ انہوں نے معمولی سے آدمیوں جیسے کپڑے پہن رکھے تھے اور لڑکی کو غریبانہ اور

میں سالباں پہنایا گیا تھا۔ اس کا سر اور چہرہ اس طرح ڈھکا ہوا تھا کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ سکندر یہ پہنچے تو پتہ چلا کہ بحری جہاز دونوں بعد روانہ ہو رہا ہے۔ وہ ایک سرائے میں رک گئے۔

یہ سرائے بندرگاہ کے بالکل قریب تھی اور یہاں عام طور پر وہی لوگ ٹھہرا کرتے تھے جنہیں بحری جہاز کی روانگی کا انتظار ہوتا تھا۔ جب ایک جہاز تیار ہو جاتا تھا، بحری جہاز کا کپتان خود یا اس کا کوئی آدمی سرائے میں آکر اعلان کرتا تھا کہ جہاز کل فلاں وقت روانہ ہو رہا ہے۔ جہازوں کے کپتان اور عملے کے آدمی اسی سرائے میں آکر کھانا کھایا کرتے تھے۔

بزنلیہ کی طرف والے بحیرہ روم کے ساحل تک جانے والا بحری جہاز تیار ہو رہا تھا۔ ایک دن پہلے اس جہاز کا کپتان سرائے میں آیا۔ وہ دیکھنے آیا تھا کہ یہاں کتنے مسافر ہیں۔ مسافروں کو پتہ چلا کہ جہاز کا کپتان آیا ہے تو سب باہر نکل آئے۔

اتفاق سے کپتان نے اس لڑکی کو دیکھ لیا۔ معلوم نہیں اس نے لڑکی کو کیسے اور کہاں دیکھا، اس وقت لڑکی کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ کپتان لڑکی کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ یہ لڑکی بھی جا رہی ہے۔

اُس زمانے میں جہازوں کے کپتان جہازوں میں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھا کرتے تھے اور عموماً یہ لوگ بڑے ہی بدکار بلکہ مجرمانہ ذہنیت کے ہوتے تھے۔ اس کپتان نے اس لڑکی پر بُری نظر رکھی۔

کپتان چلا گیا تو کچھ دیر بعد اس جہاز ایک آدمی سرائے میں آیا اور جانے والے مسافروں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ ان دو آدمیوں سے ملا جو لڑکی کو لے جا رہے تھے۔ ان کے پاس وہ ویسے ہی رک گیا تھا اور اس طرح باتیں کیں جیسے یہ ملاقات ویسے ہی ہو گئی ہو لیکن وہ کپتان کا بھیجا ہوا آدمی تھا اور یہ اہتمام اس لڑکی کو پھانسنے کے لئے تھا۔

جہاز کے اس آدمی نے ان دونوں سے پوچھا کہ ان کے ساتھ یہ لڑکی کون ہے اور کیوں آئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ان کے ساتھ جہاز میں جائے گی۔ جہاز کے آدمی نے کہا کہ اس عمر کی لڑکی جہاز میں نہیں جاسکتی یا یہ کہ وہ اس جہاز میں نہیں جاسکتی، کسی اور جہاز میں جاسکتی ہے لیکن اگلا جہاز ایک مہینے سے زیادہ دنوں بعد جائے گا۔

یہ سن کر دونوں آدمی پریشان ہو گئے۔ انہیں تو بہت جلدی جانا تھا۔ انہیں اس

سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ فرمانروائے مصر مقوقس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں نہ ہی انہیں ہر قتل کے ساتھ دشمنی تھی کہ اسے قتل کرنا ہی تھا بلکہ ان کی دلچسپی اُس کثیر رقم اور پیش بہانہ انعام میں تھی جو مقوقس نے انہیں پیش کیا تھا۔ وہ اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ کرنا چاہتے ہی نہیں تھے۔ انہیں خدشہ نظر آتا تھا کہ دیر ہو گئی تو مقوقس اپنا یہ ارادہ بدل سکتا ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے جہاز کے اس آدمی کو رشوت پیش کی اور کہا کہ کسی طرح وہ اس لڑکی کو جہاز میں لے چلے۔

”بہت ہی مشکل کام ہے۔“ جہاز کے آدمی نے اپنی رشوت کا بھڑا چڑھانے کے لئے کہا۔ ”اے مردانہ لباس پہنا کر لے جایا تو جاسکتا ہے لیکن اتنے لمبے سفر میں اسے کپتان سے چھپا کر رکھنا بڑا ہی خطرناک ہو گا۔ کپتان اتنا سخت اور ظالم آدمی ہے کہ لڑکی کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گا۔“

ان آدمیوں نے رشوت میں اضافہ کر دیا اور منت سماجت الگ کی اور کہا کہ جہاز میں اسے چھپائے رکھنے کا کام بھی وہی کرے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ یہ لڑکی کیوں نہیں جاسکتی یا یہ کہ یہ کس کا حکم ہے۔ ان کی عقل پر وہ خزانہ سوار تھا جو مقوقس نے انہیں پیش کیا تھا۔

آخر جہاز کے اس آدمی نے منہ مانگی رشوت لے کر ان آدمیوں سے کہہ کر اپنا کوئی لباس نکالو۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے لباس لڑکی کو پہنایا پھر اس کا سر اور چہرے کا کچھ حصہ اس طرح ڈھانپ دیا جس طرح لوگ صحرائی سفر میں یا ویسے ہی ڈھانپا کرتے تھے۔ اچھی طرح جائزہ لے کر جہاز کے آدمی نے فیصلہ سنایا کہ اب یہ نہیں پہچانی جاسکے گی۔

”لیکن میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔“ جہاز کے آدمی نے کہا۔ ”میں لڑکی کو جہاز میں چھپائے رکھنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن کپتان کو پتہ چل گیا یا اس نے لڑکی کو دیکھ لیا تو پھر میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ کپتان کو راضی کرنا اور اس کی سزا سے بچنا تمہارا کام ہو گا۔“



اگلے روز مسافر بندرگاہ پر جا کر جہاز میں سوار ہونے لگے۔ یہ دونوں آدمی لڑکی کو مردانہ لباس میں ساتھ لئے سوار ہو گئے۔ جہاز کے کسی آدمی نے دیکھا تک نہیں۔

کرایہ وصول کرنے والے نے کرایہ وصول کر لیا۔ یہ خاصا بڑا جہاز تھا۔ مسافروں کے لئے دو منزلہ جگہ تھی۔ ایک طرف جہاز کا سامان پڑا تھا اور اضافی بادبان بھی لپٹے رکھے تھے۔

جب مسافر اپنا اپنا ٹھکانہ کر رہے تھے اور اپنا سامان بھی رکھ رہے تھے، اُس وقت جہاز کے اس آدمی نے جس نے رشوت لی تھی، آکر لڑکی کو ساتھ لیا اور جہاں بادبان رکھے تھے وہاں ایک ذرا گہری جگہ بٹھادیا اور ایک بادبان کا کچھ حصہ اس کے اوپر کر دیا۔ وہ کوئی سیدھی سادی دیماتی لڑکی نہیں تھی کہ بھیڑ بکری بنی رہتی کہ جہاں باندھ دیا وہیں بندھی رہی۔ وہ بڑی ہی عیار اور مکار طوائف زادی تھی۔ اس کم عمری میں ہی کایاں اور گھاگ مردوں کو انگلیوں پر نچا سکتی تھی۔ اس کا کارگر ہتھیار حسن تھا اور کم عمری اور پھر وہ تربیت تھی جو ماں نے اسے دی تھی۔ اس نے جہاز کے اس آدمی سے پوچھا کہ جہاز کتنے دنوں بعد منزل پر پہنچے گا۔

”دس بارہ دن لگنے چائیں۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”لیکن اس کا انحصار ہواؤں پر ہے۔ ہوا موافق اور تیز ملی تو جہاز بھی تیز جائے گا۔ اگر ہوا میں زور ہی نہ ہو تو پندرہ سے بیس دن بھی لگ سکتے ہیں، اور اگر طوفان آگیا تو پھر جہاز کو طوفان نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دے۔“

”تو کیا میں اتنے دن بیس چھپی بیٹھی رہوں گی؟“ لڑکی نے پوچھا۔
 ”نہیں!“ جہاز کے آدمی نے کہا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ تم پہچانی ہی نہیں جا سکو گی اس لئے تمہیں ہر وقت چھپے رہنے کی ضرورت نہیں ہوگی یہ تو تمہیں جگہ بتانے کے لئے بٹھایا ہے کہ چھپنے کی صورت میں یہاں چھپنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کپتان ہر وقت باہر تو نہیں پھرتا رہتا، دن کے وقت کچھ دیر سو جاتا ہے۔ اُس وقت میں تمہیں یہاں سے نکال کر عرشے پر بھیج دیا کروں گا۔ بے خطر گھومتی پھرتی رہنا۔“

لڑکی کو وہاں بٹھا کر یہ آدمی سیدھا کپتان کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اس کا شکار آ گیا ہے پھر کپتان کو وہ جگہ بتائی جہاں اس نے لڑکی کو چھپایا تھا۔ کپتان نے خوش ہو کر اس آدمی کو کچھ انعام دیا۔

جہاز کا لنگر اٹھادیا گیا اور عملے نے بادبان کھول دیئے۔ کپتان جہاز کو کنٹرول کرنے والی جگہ جا کھڑا ہوا اور پئے پکڑ لیا۔ جہاز بندرگاہ سے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف

روانہ ہو گیا۔

جب سورج سر اداں گزر رہے کے بعد سمندر میں ڈوب رہا تھا اُس وقت خشکی کا کہیں نام و نشان ہی نظر نہیں آتا تھا۔ جدھر نگاہ جاتی سمندر ہی سمندر نظر آتا تھا۔ لڑکی دن بھر بے دوران تین مرتبہ باہر نکلی اور عرشے پر سمندر کے نظارے سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ یہ اس کا پہلا سمندری سفر تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بھی جا کر بیٹھی رہی تھی۔ جہاز کا وہ آدمی آگیا اور لڑکی سے کہا کہ کھانا کھا کر وہ فوراً اپنے چھپنے کی جگہ چلی جائے اور رات وہیں گزارے۔ اس آدمی نے تسلی دی کہ پکڑے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔

اپنے آدمیوں کے ساتھ کھانا کھا کر لڑکی چھپنے والی جگہ چلی گئی اور کچھ دیر بعد سو گئی۔

○

رات کو جب مسافر گہری نیند سو گئے اور جہاز کے عملے کے وہی آدمی بیدار تھے جنہیں بیدار رہنا تھا، اُس وقت کپتان اپنے کیمین سے نکلا اور سیدھا اُس جگہ پہنچا جہاں لڑکی لپٹے ہوئے بادبانوں میں چھپی سو رہی تھی۔ کپتان نے لڑکی کے پاؤں کو ہلکی سی ٹھوکر مار کر جگایا۔ لڑکی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

”کون ہو تم؟“ کپتان نے بڑے رعب سے پوچھا۔ ”یہاں کیوں سو رہے ہو؟“

”میں جہاز کا مسافر ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”یہاں کھڑا تھا تو میری آنکھ لگ گئی۔“

کپتان نے لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے سر کا کپڑا اتار دیا۔ لڑکی کے لپٹے ہوئے لمبے بال کھل گئے اور شانوں اور پیٹھ پر بکھر گئے۔ اس کا لباس تو مردانہ تھا لیکن وہ اپنی آواز کو مردانہ نہیں بنا سکتی تھی۔

”مجھے دھوکہ دے رہی ہو؟“ کپتان نے غصیلی آواز میں کہا اور اسے باہر گھسیٹ کر کہا۔ ”کیلی ہو یا کوئی آدمی ساتھ ہے؟“

کپتان کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھ دو آدمی ہیں لیکن وہ ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہیں اور وہ ویسے ہی اس طرف آنکلا تھا۔ لڑکی نے بتا دیا کہ اس کے

ساتھ دو آدمی ہیں۔ یہ نہ بتایا کہ جہاز کے ہی ایک آدمی نے اسے کرائے کے علاوہ رشوت لے کر مردانہ لباس میں جہاز میں سوار کرایا تھا۔

”میں تمہیں سمندر میں پھینک دوں گا۔“ — کپتان نے لڑکی کو ایک جھٹکے سے اپنے قریب کر لیا۔

لڑکی اپنے حسن و جوانی سے واقف تھی اور وہ مردوں کی کمزوری سے بھی آگاہ تھی۔ کپتان نے اسے جب جھٹکے سے اپنے قریب کیا تو وہ دانستہ کپتان کے سینے سے جا لگی اور اپنا ایک بازو کپتان کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر اپنا ایک گال کپتان کے گال سے لگا دیا۔

”مجھے روشنی میں لے جا کر دیکھو۔“ لڑکی نے کہا۔ ”اتنی قیمتی چیز کوئی پاگل ہی سمندر میں پھینکتا ہو گا۔“

کپتان تو آیا ہی اسے اپنے کیمین میں لے جانے کے لئے تھا۔ وہ لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے کیمین میں لے گیا۔ اس نے اس لڑکی کو سرائے میں دیکھا تھا لیکن کچھ دور سے صرف چہرہ دیکھا تھا۔ اب اسے دیکھا اور اس کے ریشمی چمک دار بال دیکھے تو کپتان کو پتہ چلا کہ یہ تو ہمت ہی قیمتی چیز ہے اور ایسی لڑکیاں عموماً کسی بادشاہ کے حرم میں ہی دیکھی جاتی ہیں۔ لڑکی ذرا اسی بھی گھبرائی ہوئی نہیں تھی۔

”دیکھ لڑکی!“ — کپتان نے کہا۔ ”یہ عمر مرنے والی نہیں۔ یہ خطرہ میں مول لیتا ہوں۔ اس سفر میں تم میرے اس کمرے میں رہو گی۔ تیرے لئے میں شمنشاہ ہرقل کا قانون توڑ رہا ہوں۔“

کپتان نے شراب نکالی۔ خود بھی پینے لگا اور لڑکی کو بھی دی۔ لڑکی نے بلا تکلف چینی شروع کر دی۔ لڑکی نے وہ رات کپتان کے کمرے میں گزار دی۔

صبح کپتان لڑکی کے دونوں ساتھیوں سے ملا اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا کہ انہوں نے اسے دھوکہ دیا ہے لیکن لڑکی اتنی بھولی بھالی اور معصوم ہے کہ اسے اس پر ترس آ گیا ہے ورنہ اگلی بندرگاہ پر جا کر انہیں گرفتار کر لیا جاتا اور سزا ملتی۔ پھر اس نے کہا کہ لڑکی کو خود چھپا کر رکھے گا۔ دونوں آدمی چپ رہے۔ انہیں کوئی غم نہ تھا کہ لڑکی جہاز میں کہاں رہتی ہے۔

تین چار دن لڑکی کپتان کے ساتھ رہی۔ اس نے مردانہ لباس اتار دیا تھا۔ کپتان

اسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا کھلاتا تھا اور رات شراب بھی پلاتا تھا۔ لڑکی کپتان کے ساتھ پوری طرح بے تکلف ہو گئی۔ وہ تکلف اور حجاب والی لڑکی تھی ہی نہیں۔

تین چار دنوں بعد ایک رات لڑکی کچھ زیادہ ہی شراب پی گئی۔ ادھیڑ عمر کپتان زندہ دل اور خوش گوار طبیعت آدمی تھا۔ اس نے ایسی فضا پیدا کر دی اور اس کے ساتھ شراب نے اپنا رنگ دکھایا کہ لڑکی آپے سے باہر ہو گئی۔ کپتان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے اور کچھ بے ہودہ حرکتیں کرتے ہوئے کہا کہ تم جیسی حسین لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

”تم نے میرا صرف حسن دیکھا ہے۔“ — لڑکی نے مخمور آواز میں کہا۔ ”جب سونگے کہ ہر قل قتل ہو گیا ہے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ میں صرف حسین ہی نہیں بلکہ جس کی چاہوں جان لے سکتی ہوں خواہ وہ کسریٰ روم ہر قل ہی ہو۔“

کپتان قہقہہ لگا کر ہنسنا اس کا خیال تھا کہ لڑکی نے یہ بات مذاق میں کہی ہے۔ لڑکی اس کے قہقہے پر سنجیدہ ہو گئی۔

”کیا سمجھتے ہو میں مذاق کر رہی ہوں؟“ — لڑکی نے کہا۔ ”میں ہر قل کو زہر پلانے جا رہی ہوں۔ یہ جو دو آدمی میرے ساتھ ہیں یہ میرے محافظ ہیں۔ میں واپس مصر پہنچوں گی تو پھر میرے پاس آکر وہ خزانہ دیکھ لینا جو مصر کا حکمران مجھے دے گا۔“

یہ بات سن کر کپتان کچھ سنجیدہ ہوا۔ تھا تو وہ بھی شراب کے نشے میں لیکن اس ادھیڑ عمری میں آکر شراب اس کی عقل پر حاوی نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکی عیار اور مکار ہی سہی لیکن نوجوانی کی عمر میں وہ پختہ کار نہیں ہو سکتی تھی اور شراب کا اس کی عقل پر حاوی ہو جانا قدرتی تھا۔ نوجوانی کی وجہ سے وہ راز فاش کرنے پر اتر آئی تھی اور فخر محسوس کر رہی تھی۔ کپتان نے محسوس کیا کہ لڑکی یہ بات شراب کے نشے میں نہیں کہہ رہی بلکہ کوئی بات ضرور ہے۔ اس نے ذرا بہتر طریقے سے یہ راز لینا چاہا۔

”ہر قل کو کوئی نہیں قتل کر سکتا۔“ کپتان نے کہا۔ ”میں خود چاہتا ہوں کہ ہر قل کو قتل کر دیا جائے لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں نہ میں ہر قل تک پہنچ سکتا ہوں۔“

”میں ہر قل تک پہنچنے کے لئے جا رہی ہوں۔“ — لڑکی نے کہا۔ ”اور دیکھنا میں کس طرح پہنچتی ہوں۔“

”کس طرح؟“ — کپتان نے پوچھا۔

”تم نے سرائے میں مجھے غریبوں جیسے کپڑوں میں دیکھا تھا“۔ لڑکی نے کہا۔
 ”میرا اصل لباس میرے سامان میں ہے۔ وہ لباس دیکھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ میں کس حیثیت اور معیار کی لڑکی ہوں۔ میرے ساتھ جو دو آدمی ہیں ان کو بھی پہنے ہوئے کپڑوں سے نہ دیکھنا۔ یہ کوئی معمولی سے آدمی نہیں، یہ مقوقس کے خاص اعتماد کے آدمی ہیں۔ ہم غریبانہ کپڑے پہن کر اس لئے جا رہے ہیں کہ کسی کی نظر ہماری طرف نہ اٹھے۔“

”لیکن میں سوچتا ہوں“۔ کپتان نے کہا۔ ”تم ہر قل تک پہنچو گی کس طرح؟“
 ”نہایت آسانی سے پہنچ جاؤں گی“۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ”یہ دو آدمی مجھے مقوقس کی طرف سے تحفے کے طور پر ہر قل کو پیش کریں گے۔ مقوقس نے مجھے ہر قل کی عادات بتادی ہیں۔ میں اس کی شراب میں تھوڑا سا زہر ملا دوں گی۔“
 ”زہر کہاں سے لاؤ گی؟“۔ کپتان نے پوچھا۔

”ساتھ لے جا رہی ہوں“۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ”زہر ہمارے سامان میں ہے۔“

اس طرح لڑکی نے نوعمری کی نادانی اور شراب کی زیادتی کے زیر اثر اس قدر خطرناک راز فاش کر دیا۔ کپتان نے مزید باتیں کرید کر یقین کر لیا کہ لڑکی زیادہ پی جانے کی وجہ سے بے معنی باتیں نہیں کر رہی بلکہ اس کے اندر سے صحیح بات نکل رہی ہے۔
 اس لڑکی اور اس کے ساتھ کے دونوں آدمیوں کی بد قسمتی اور ہر قل کی خوش بختی کہ یہ کپتان رومی تھا اور ہر قل کے مداحوں میں سے تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو بھی کپتان نے انعام و اکرام کے لالچ میں فیصلہ کر لیا جو یہ تھا کہ وہ ہر قل تک پہنچے گا اور اسے بتائے گا کہ اس لڑکی کو مقوقس نے تمہیں زہر دینے کے لئے بھیجا ہے۔ اس نے اگلی صبح باہر نکلے ہی ان دونوں آدمیوں کو بلایا اور پھر اپنے عملے کے دو چار آدمی بلائے، انہیں کہا کہ ان دونوں آدمیوں کو لے جاؤ اور ان کے ہاتھ ہتھکڑیوں میں باندھ دو اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ جہاز میں ایسے ایک دو کمرے بنے ہوئے تھے جن میں عملے کے اُن آدمیوں کو بند کیا جاتا تھا جو جہاز میں کوئی جرم کرتے تھے۔ دونوں آدمیوں کو وہاں لے جا کر بند کر دیا گیا۔

کپتان نے پہلے تو یہ سوچا تھا کہ لڑکی کو بھی قید میں ڈال دے لیکن پھر سوچ آگئی کہ

ہر قل کے سامنے جا کر یہ تینوں کہہ دیں گے کہ کپتان جھوٹ بول رہا ہے اور یہ زہر اس نے خود ان کے سامان میں رکھا ہے۔ وجہ یہ بتائیں گے کہ کپتان اس لڑکی کو اپنے کمرے میں رکھنا چاہتا تھا اور یہ آدمی اپنی ”ہمن“ کو اس ذلت سے بچانے کی فکر میں تھے.... مختصر یہ کہ کپتان نے سوچ لیا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی بھی کمائی گھر سکتے ہیں۔

اس نے بہتر یہ سمجھا کہ لڑکی کو ہاتھ میں لے لے اور لڑکی اپنی زبان سے بتائے کہ اسے مقوقس نے بھیجا ہے اور کام یہ سوچا ہے۔ اس سوچ کے مطابق کپتان نے لڑکی کے ساتھ اور زیادہ محبت اور مروت شروع کر دی۔ وہ بڑا کایاں اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اس کے سامنے لڑکی کی چالاکیاں اور فریب کاریاں دم توڑ گئیں۔ کپتان نے لڑکی کا دل جیت لیا اور اسے ہم خیال بنا لیا۔ اس میں چھ سات دن تو لگ گئے لیکن اسے کامیابی پوری طرح حاصل ہو گئی۔ کپتان نے لڑکی کو خاص طور پر یقین دلایا تھا کہ وہ اسے ہر قل سے اتنا انعام دلا دے گا کہ مقوقس کے انعام کو بھول جائے گی۔ اگر لڑکی چاہے تو ہر قل اس کے ساتھ شادی کر کے اپنی چیت ملکہ بھی بنا لے گا۔ یہ ایسا خوبصورت خواب تھا جو کپتان نے اسے دکھایا تو لڑکی اس کے آگے ڈھیر ہو گئی۔ اس نے لڑکی کو تیار کر لیا کہ وہ ہر قل کے آگے یہ سارا بیان دے دے گی۔

پھر جہاز بحیرہ روم کی بندرگاہ سے جا لگا۔ اتنے بڑے بحری جہازوں کے کپتانوں کو کسی حد تک قانونی اختیارات حاصل ہوتے تھے جو آج بھی ہیں۔ اس کپتان نے دونوں آدمیوں کو قید سے نکالا اور اپنے چار آدمی ساتھ لئے پھر سواری کا انتظام کیا اور اپنی دیگر جہاز کی مصروفیت سے فارغ ہو کر بزنطیہ کی طرف سفر کا قصد کیا۔

وہاں سے بزنطیہ بہت ہی دور تھا۔ راستے میں دو پڑاؤ تو کرنے ہی پڑتے تھے۔ کپتان نے ان کا سامان اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ لڑکی نے اسے زہر کی پڑیا سامان میں سے نکال کر دکھائی تھی جو کپتان نے دیکھ کر پھر سامان میں رکھ دی تھی۔ دونوں آدمیوں کو جب قید سے نکالا گیا تو انہیں بدستور زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا رہنے دیا گیا۔ وہ کپتان کی منتیں کرتے تھے کہ انہیں چھوڑ دے اور وہ لڑکی کو بھی یہیں چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے لیکن کپتان بڑا ہی سخت طبیعت آدمی تھا اور پھر ہر قل سے انعام ملنے کی توقع تھی۔ کچھ اور انعام ملتا یا نہ ملتا یہی کافی تھا کہ وہ کسریٰ روم شاہ ہر قل کا منظورِ نظر بن جاتا۔

کپتان نے دو گھوڑا گاڑیوں کا انتظام کر لیا۔ ایک میں وہ لڑکی کو لے کر بیٹھا دوسری میں دونوں آدمیوں کو اور اپنے چار مسلح محافظوں کو بٹھایا۔ اس طرح ہزلیہ کی طرف سفر شروع ہوا۔

○

وہ چوتھے روز ہزلیہ پہنچے اور کپتان سیدھا ہرقل کے محل میں گیا اور اندر اطلاع بھجوائی کہ فلاں نام کے بحری جہاز کا کپتان بڑے ہی ضروری کام سے آیا ہے۔ ہرقل کو اطلاع بھجوائی گئی تو جواب آیا کہ ابھی ابھی مصر سے قاصد کوئی ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔ کپتان کو یہ بھی بتایا گیا کہ جب وہ اندر جائے تو ذرا سنبھل کر بات کرے کیونکہ شاہ ہرقل یہ پیغام پڑھ کر غصے میں آیا ہوا ہے۔

ہرقل کو غصے میں آنا ہی تھا کیونکہ یہ مقوقس کا پیغام تھا جس میں اس نے ہرقل کو اطلاع دی تھی کہ عین شمس کے میدان میں لڑائی ہوئی ہے اور اپنی کتنی فوج ماری گئی اور مسلمانوں کو کیا کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں جن میں قابل ذکر یہ ہے کہ مسلمان نیل کے دونوں کناروں پر قابض ہو گئے ہیں اور کشتیوں کا پورا بیڑا ان کے قبضے میں چلا گیا ہے۔

بست دیر بعد کپتان کو اندر بلایا گیا۔ ہرقل نے اسے دیکھتے ہی گرج کر پوچھا، تم کیا لینے آئے ہو!.... کیا تمہارا جہاز ڈوب گیا ہے اور تمہیں نیا جہاز بنوا دوں؟

”نہیں کسریٰ روم!“ کپتان نے کہا۔ ”میں کچھ لینے نہیں بلکہ دینے آیا ہوں۔ میرا جہاز سلامت ہے، میں سلطنت روم کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے آیا ہوں۔“

”تو پھر جلدی بولو“۔ ہرقل نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

”فرمانروائے مصر مقوقس نے آپ کے لئے ایک بڑی ہی حسین اور نوجیز لڑکی تھے کے طور پر بھیجی ہے۔“ کپتان نے کہا۔ ”لیکن یہ لڑکی آپ کی موت کا بڑا ہی دل کش فرشتہ بن کر آئی ہے۔ اپنے حسن اور دل کش جسم کے ساتھ آپ کے لئے ذہر کی پڑیا بھی لائی ہے۔ حکم ہو تو اس لڑکی اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دو آدمیوں کو پیش کروں!“

”فوراً حاضر کرو“۔ ہرقل نے حکم دیا۔

کپتان باہر نکلا اور لڑکی کو اندر لے گیا۔ اب لڑکی اپنے اس لباس میں تھی جو وہ پہنا

کرتی تھی۔ ہرقل نے اسے دیکھا تو کچھ دیر دیکھتا ہی رہ گیا۔ ہر بادشاہ کی طرح وہ ایسی ہی لڑکیوں کا دلدادہ تھا۔

”کسریٰ روم کو سناؤ تمہیں کس نے اور کیوں بھیجا ہے۔“ کپتان نے لڑکی سے کہا۔

لڑکی نے ذرا ذرا سی تفصیلات کے ساتھ ہرقل کو پوری بات سنا دی کہ اسے مقوقس نے کس کے ذریعے طلب کیا اور اسے کیا کام سونپا تھا اور کیا انعام پیش کیا تھا۔

”ان دونوں کو حاضر کرو“۔ ہرقل نے عتاب سے کہا۔

دو آدمی پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، اندر آئے۔

”کیا تم اس لڑکی کے محافظ بن کر آئے ہو؟“۔ ہرقل نے پوچھا اور ساتھ ہی کہا۔

”جھوٹ بولو گے اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے تو میں سر قلم کر دوں گا....“

اب جواب دو۔“

دونوں آدمیوں نے اپنے سروں کو اوپر نیچے جنبش دے کر اقرار کیا کہ وہ اس لڑکی کے محافظ بن کر آئے تھے۔ مقصد یہ بیان کیا کہ اس لڑکی نے ہرقل کو زہر دینا تھا۔

ہرقل پہلے ہی غصے میں تھا۔ مقوقس نے شکست کا پیغام دے کر اسے آگ بگولہ بنا ڈالا تھا۔ ویسے بھی وہ فرعون ذہن کا بادشاہ تھا۔ کسی پر رحم کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

”شہنشاہ روم!“۔ ان دونوں میں ایک آدمی نے رندھی ہوئی آواز میں عرض کی۔

”ہم مقوقس کا حکم ٹال نہیں سکتے تھے۔ ٹالتے تو وہ ہمیں جلاؤ کے حوالے کر دیتا۔“

ادھر آپ ہمارے سر قلم کرنا چاہتے ہیں ہم جان بخشی کی عرض کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ واپس مصر نہیں جائیں گے۔“

”تم میری جان لینے آئے تھے۔“ ہرقل نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا۔

”اور میں تمہاری جان بخشی کر دوں۔ میں جانتا ہوں تم انعام کے لالچ میں مجھے ذہر دلوانے آئے تھے۔“

ہرقل نے تالی بجائی اور باہر سے ایک محافظ دوڑتا اندر آیا۔ ہرقل نے اسے کہا کہ ان دونوں آدمیوں کو اور اس لڑکی کو بھی بے جاؤ اور جلاؤ کے حوالے کر دو۔ ان کی لاشیں کہیں دور پھینک دینا۔

یہ حکم سن کر لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ کپتان اٹھ کھڑا ہوا اور ہرقل سے استدعا کی کہ

اس لڑکی نے توبہ راز مجھے دے دیا تھا اسے بخش دیا جائے۔

”یہ ایک خوبصورت ناگن ہے۔“ ہرقل نے کہا۔ ”اس نے مقوقس سے انعام لے کر مجھے زہر دینے کا وعدہ کیا اور اُسے دھوکا دیا۔ یہ اس قابل ہے کہ میں اسے اپنے حرم میں رکھ لوں لیکن یہ کسی بھی وقت مجھے دھوکہ دے سکتی ہے.... لے جاؤ انہیں۔“ پلک جھپکتے تین محافظ اندر آئے اور تینوں کو پکڑ کر اور گھنٹے ہوئے باہر لے گئے۔ لڑکی کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی جو دھیمی ہوتے ہوتے دور نکل گئی۔ ان کے سر قلم کرنے کے لئے جلاؤ تیار تھا۔

”تم نے میری جان بچائی ہے۔“ ہرقل نے کہا اور پوچھا۔ ”کیوں؟“
”اس لئے کہ میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔“ کپتان نے کہا۔ ”میں نے بڑی استادی سے اس لڑکی سے یہ راز لیا تھا۔“

”میں تمہیں اپنی جان کی قیمت دوں گا۔“ ہرقل نے کہا اور پھر تالی بجاتی۔
ایک آدمی اندر آیا تو ہرقل نے کسی کا نام لے کر کہا اسے فوراً بلاؤ.... وہ شخص فوراً آگیا جو شاید اس کا وزیر یا کوئی ایسا ہی بڑا حاکم تھا۔ ہرقل نے اسے کہا کہ اس کپتان کو اتنا انعام دے دو۔ وہ حاکم کپتان کو اپنے ساتھ لے گیا۔

ہرقل کی اس ذہنی اور جذباتی کیفیت میں یہی توقع رکھی جاسکتی تھی کہ وہ اسی وقت مصر حکم بھیجے گا کہ مقوقس کو معزول کر کے قید میں ڈال دیا جائے یا یہ کہ مقوقس کو فوراً بزدلیہ بھیجا جائے۔ ہرقل جیسے فرعون بادشاہ سے یہ توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ مقوقس کی یہ حرکت معاف کر دے گا لیکن ایک رومی وقائع نگار کے حوالے سے تاریخ دان ابن الکھم نے لکھا ہے کہ ہرقل گہری سوچ میں کھو گیا اور پھر اس نے اپنے دو غنیمت مشیروں اور ایک دو جرنیلوں کو طلب کیا۔ سب آگئے تو ہرقل نے انہیں یہ ساری بات سنائی۔ سب پر سناٹا طاری ہو گیا۔

”مجھے مشورہ دو۔“ ہرقل نے کہا۔ ”مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”اس جرم کی سزا موت ہے کم کیا ہوگی؟“ ایک مشیر نے کہا۔

باقی سب نے اس کی تائید کی۔ پھر انہوں نے باری باری مقوقس کے خلاف زہرا گلا اور یہ مشورہ متفقہ طور پر پیش کیا کہ مقوقس کو یہاں پابجولاں لاکر سرعام قتل کیا جائے۔
”نہیں!“ ہرقل نے خلاف توقع کہا۔ ”موت کوئی سزا نہیں۔ میں اس شخص کو

زندہ رکھوں گا اور اسے ذلیل و خوار کر کے ملک بدر کروں گا۔ یہ سزا موت سے زیادہ بڑی ہے کہ آدمی ذلت و خواری میں زندہ رہے۔ اسے فرمانروائی سے ہٹا کر بھکاری بنا دوں گا تاکہ جو لوگ اس کے دربار میں سجدے کرتے تھے وہ اسے دیکھیں اور منہ پھیر لیں.... وہ ایسے حالات خود ہی پیدا کرنا چلا جا رہا ہے کہ عربوں کے ہاتھوں مارا جائے گا یا اسے جنگی قیدی بنا کر قتل کر دیں گے یا وہ خود ہی مجھے موقع دے گا کہ میں اسے ملک بدر کر دوں....

”تم دیکھ رہے ہو کہ وہ شکست پر شکست کھائے جا رہا ہے۔ آدمی فوج مردا چکا ہے۔ مسلمان دریائے نیل کے دونوں کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ میں اسے بخشوں گا نہیں اور اسے پتہ بھی نہیں چلے دوں گا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے میرے قتل کا انتقام کیا تھا۔“

مقوقس بالیون میں بیٹھا ہرقل کی موت کی خبر کا انتظار کر رہا تھا اور مسلمانوں کے سپہ سالار عمرو بن عاص اپنے لشکر کے ساتھ مصر پر چھاتے چلے جا رہے تھے۔ مقوقس کو صرف یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ بنیامین کے کئے پر قبطی عیسائی رومی فوج میں شامل ہونے لگے تھے۔

”یہ شک مجھے بھی ہوتا ہے۔“ مقوقس نے کہا۔ ”لیکن یہ خیال بھی آتا ہے کہ لڑکی کو موقع ہی نہیں ملا ہوگا۔“

دونوں نے اس مسئلے پر غور کرنا شروع کیا تو اس فیصلے پر پہنچے کہ اپنا کوئی جاسوس سکندر یہ بھیجا جائے جو یہ معلوم کرے کہ ایک لڑکی دو آدمیوں کے ساتھ کس جہاز پر اور کب بحیرہ روم کے پار جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ تھیوڈور نے اس یقین کا اظہار کیا کہ لڑکی نے ان کا راز فاش نہیں کیا.... اگر ایسا ہوتا تو اب تک مقوقس اور تھیوڈور ہرقل کے قیدی ہوتے یا اب تک انہیں جلاوٹ کے حوالے کیا جا چکا ہوتا۔

جب یہ طے کر لیا کہ کوئی جاسوس استعمال کیا جائے تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ ایسا کون سا جاسوس ہے جسے اعتماد میں لیا جاسکتا ہے۔ جاسوس بھی ایسا درکار تھا جو بزنطیہ میں ہرقل کے محل کے اندر کے حالات بھی معلوم کرنے کی اہلیت اور اثر و رسوخ رکھتا ہو۔ ایک تو عام قسم کے جاسوس تھے اور دوسرا اگر وہ ان جاسوسوں کے افسروں کا تھا۔ بادشاہ اور جرنیل وغیرہ جاسوس افسروں کے ساتھ دوستی کا ماحول پیدا کئے رکھتے تھے۔ مقوقس اور تھیوڈور نے سوچ سوچ کر ایک افسر کو منتخب کر لیا۔ وہ بھی درپردہ قبطی عیسائی تھا۔ ان دونوں نے اس جاسوس افسر کو بلایا۔ دونوں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ اس جاسوس کو کیا بتانا ہے۔

انہوں نے اس جاسوس کو یہ بتایا کہ ایک لڑکی کو بزنطیہ جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ ہرقل مصر کی مخدوش صورت حال جانتے ہوئے بھی کمک کیوں نہیں بھیج رہا اور کیا وہ کمک بھیجے گا بھی یا نہیں۔ جاسوس کو یہ بھی بتایا گیا کہ لڑکی کے ساتھ دو آدمی بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکی کو ہرقل کے پیش کرنا تھا اور یہ کہنا تھا کہ یہ مقوقس نے بطور تحفہ بھیجی ہے۔

جاسوس افسر کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ مقوقس ہرقل کی جاسوسی کر رہا تھا۔ جاسوس جانتا تھا کہ ہرقل نے اپنے جاسوس مصر میں بھیج رکھے ہیں جو یہ دیکھتے رہتے اور ہرقل کو پیغام اور اطلاعاتیں بھیجتے ہیں کہ مقوقس اور جرنیل یہاں کیا کر رہے ہیں اور ان کی نیت اور ان کے ارادے کیا ہیں۔ اگر مقوقس اور تھیوڈور ہرقل کی نیت اور ارادے معلوم کرنا چاہتے تھے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ جاسوس نے کہا کہ یہ کام اگر اسے بتایا جاتا تو وہ بہتر طریقے سے کبھی تجربہ کار جاسوس سے کروا لیتا۔

مقوقس اور اس کا جرنیل تھیوڈور قلعہ بابلیون میں بیٹھے ہرقل کی موت کی اطلاع کا انتظار بڑی ہی بے تابی سے کر رہے تھے۔ ان کے اندازے کے مطابق اتنے دن گزر گئے تھے کہ اب تک اطلاع آجانی چاہئے تھی۔ دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے اور ان دونوں کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔

ان دونوں نے یہاں تک سوچ رکھا تھا کہ حالات سازگار ہوئے تو ہرقل کی موت کی اطلاع کے فوراً بعد مصر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔ یہ دونوں دراصل قبطی عیسائی تھے، انہوں نے ہرقل کی عیسائیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا یہ عقیدہ ہرقل نے صرف اس لئے برداشت کر لیا تھا کہ مقوقس مصر کا فرمانروا تھا اور جرنیل تھیوڈور اطربون کے بعد دوسرا بڑا ہی قابل اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس حیثیت کے علاوہ ہرقل کو معلوم تھا کہ تھیوڈور کو مصر کے قبطی عیسائیوں میں خصوصی مقبولیت حاصل ہے۔ ہرقل مقوقس اور تھیوڈور کی دوستی سے بھی آگاہ تھا۔ ان دونوں کی ناراضگی سے ہرقل ڈرتا تھا۔

اب تو بہت ہی زیادہ دن گزر گئے تھے۔ ان دونوں کو شک ہونے لگا کہ ان کی سازش ناکام ہو گئی ہے۔

”یہ مت بھولیں۔“ تھیوڈور نے کہا۔ ”جس لڑکی کو ہم نے اتنی خطرناک مہم پر بھیجا ہے وہ اصل میں ایک طوائف زادی ہے۔ مجھے شک ہے کہ اسے ہرقل کا حرم پسند آگیا ہے اور چونکہ وہ نوعمر اور بہت ہی خوبصورت ہے اس لئے ہرقل اس پر فریفتہ ہوا جا رہا ہو گا اور لڑکی اس دھوکے میں آگئی ہو گی کہ روم اور مصر کا بادشاہ ہمیشہ کے لئے اس کے ہاتھ میں آگیا ہے اور اب وہ ملکہ بنے گی۔“

”اگر ہمارا یہ کام نہیں ہوا تو کوئی افسوس نہیں“۔ متوقس نے کہا۔ ”خطرہ یہ نظر آتا ہے کہ لڑکی نے ہر قل کے ہاں جا کر اور محل کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر رازی فاش نہ کر دیا ہو.... ہمارے دونوں کو تو واپس آ جانا چاہئے تھا“۔

جاسوس کو ہر ایک بات اچھی طرح سمجھا دی گئی اور اسے کہا گیا کہ وہ سکندریہ جا کر معلوم کرے اور اگر اسے پتہ چل جائے کہ لڑکی اوریہ دو آدمی فلاں دن اور فلاں جہاز سے گئے تھے تو جاسوس بزنلیہ چلا جائے اور وہاں سے ان کا سراغ لگائے۔ جاسوس کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ دونوں آدمی اور لڑکی کس لباس میں اور کس محلے میں گئی تھی۔ جاسوس اُسی شام بالبلون نے سکندریہ روانہ ہو گیا۔



یہ جاسوس جو اچھی خاصی حیثیت کا افسر تھا، بادبانی کشتی کے ذریعے سکندریہ پہنچا۔ کشتی ہی اسے پہنچانے کا تیز ذریعہ تھا۔ دریائے نیل کا بہاؤ اُسی طرف تھا اور کشتی بادبانی تھی۔ سکندریہ میں ایک ہی ایسی بڑی سرائے تھی جہاں بحیرہ روم کے پار جانے والے مسافر جہاز کی روانگی تک رکا کرتے تھے۔ جاسوس مسافر کے بھیس میں اسی سرائے میں ٹھہرا۔

جاسوس کو بتا دیا گیا تھا کہ لڑکی اور وہ دو آدمی کن دنوں سکندریہ پہنچے تھے۔ جاسوس نے سکندریہ کی سرائے میں سرائے کے مالک اور نوکروں وغیرہ سے پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ بڑا ہی قابل اور تجربہ کار جاسوس تھا۔ اسے ہر کسی سے یہی ایک جواب ملا کہ اس سرائے میں تو مسافر آتے جاتے ہی رہتے ہیں اور کئی ایک کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ کسی کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں تھا کہ کوئی خاص قسم کی لڑکی خاص قسم کے آدمیوں کے ساتھ یہاں ٹھہری تھی۔

آخر ایک ذہین سے نوکر کو کچھ یاد آگیا۔ جاسوس نے اس کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور اسے ان تینوں کا لباس اور حلیہ بتایا تو نوکر نے کہا کہ اگر یہی لڑکی تھی تو اسے اس نے دیکھا تھا۔

نوکر نے کہا کہ وہ حیران اس لئے ہوا تھا کہ وہ لباس سے تو بالکل معمولی سے لوگ لگتے تھے لیکن انہوں نے سرائے میں الگ کمرہ لیا تھا۔ وہاں تو اچھے اچھے لوگ آتے اور دو چار دن گزارنے کے لئے بڑے کمرے میں رہتے تھے تاکہ خرچ زیادہ نہ ہو۔ یہ تینوں

یعنی دو آدمی اور ایک لڑکی ایسے کمرے میں ٹھہرے تھے جو امیر کبیر لوگوں کے لئے ہی بنائے گئے تھے۔ نوکر ان کے ساتھ کمرے تک گیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ چند مرتبہ کمرے میں کھانے لے کر گیا اور ایک بار لڑکی جو ہر وقت چہرے پر نقاب رکھتی تھی، بے خیالی میں نقاب ہٹا بیٹھی اور نوکر کی نظر اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ تو بہت ہی حسین لڑکی تھی۔

مختصر یہ کہ جاسوس کو بہت حد تک یقین ہو گیا کہ نوکر نے اسی لڑکی کو دیکھا تھا اور اس کے ساتھ وہی دو آدمی تھے جنہیں متوقس اور تھیوڈور نے لڑکی کے ساتھ بھیجا تھا۔ جاسوس کو پتہ چل گیا کہ وہ دو تین دن رک کر فلاں جہاز سے گئے تھے۔ اسے جہاز کا نام بھی معلوم ہو گیا اور جہاز کے کپتان کا نام بھی۔

جاسوس نے بزنلیہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسرے مسافروں کو تو اگلے جہاز کا انتظار کرنا پڑتا تھا لیکن اس جاسوس کے لئے سرکاری انتظام کر دیا گیا تھا۔ بڑی بادبانی کشتیاں تیار رہتی تھیں۔ جاسوس نے بندرگاہ پر جا کر اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر جا رہا ہے اور اسے فوراً بحیرہ روم عبور کرایا جائے۔ اسے اُسی وقت ایک کشتی دے دی گئی جس میں تربیت یافتہ ملاح موجود تھے۔



جاسوس بزنلیہ پہنچا اور وہاں جاسوسی کے محکمے کے جو افسر تھے انہیں ملا۔ وہ اسے بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اسے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کے دو تین جاسوس یہاں آگئے ہیں۔ وہ انہیں پکڑنے کے لئے آیا ہے۔

ان افسروں کے ساتھ وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ قدرتی بات تھی کہ وہاں کے افسروں نے اس سے مصر کی جنگی صورت حال کے متعلق پوچھا۔ جاسوس نے کہا کہ شاہ ہر قل نے قطعی عیسائیوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے تھے اس کا نتیجہ اب یہ سامنے آ رہا ہے کہ قطعی نہ فوج کو تعاون دیتے ہیں نہ اپنے ملک کے دفاع کے لئے کچھ کرتے ہیں حالانکہ ان کے اسقف اعظم بنیامین نے انہیں کہہ دیا ہے کہ وہ اسلام کے اس طوفان کو روکنے میں اپنی فوج کی مدد کریں۔

جاسوسی کے محکمے کے یہ سارے افسر رومی تھے۔ انہیں بجا طور پر افسوس ہو رہا تھا کہ مصر سلطنت روم سے لکھتا نظر آ رہا ہے۔ انہوں نے ہر قل کے ظلم و ستم اور قتل و

غارت گری کی باتیں شروع کر دیں۔ باتوں باتوں میں ایک نے کہا کہ ڈیڑھ دو مہینے گزرے ہرقل نے ایک نوخیز اور خوبصورت لڑکی کو اور اس کے ساتھ دو آدمیوں کو جلا کے حوالے کر کے ان کے سر قلم کروا دیئے ہیں۔ کسی کو بھی معلوم نہیں وجہ کیا تھی۔

مقوقس کے جاسوس نے یہ سنا تو وہ چونکا اور کرید کرید کر پوچھنے لگا کہ وہ آدمی کون تھے اور لڑکی کو کہاں سے لائے تھے۔ اسے جواب ملا کہ مصر سے ایک بحری جہاز آیا تھا۔ سنا ہے اس جہاز کا کپتان ان تینوں کو لایا تھا اور اس حالت میں لایا کہ دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ ہرقل نے جہاز کے اس کپتان کو بہت سزا انعام و اکرام دیا تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ مسلمان جاسوس ہوں۔“ ہرقل کے ایک جاسوس افسر نے کہا۔
”اور ہو سکتا ہے وہ یہی مسلمان جاسوس ہوں جن کے پیچھے تم آئے ہو۔“

”میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔“ ایک اور بولا۔ ”اگر وہ جاسوس ہوتے تو شاہ ہرقل انہیں ہمارے حوالے کرتا تاکہ ہم ان سے معلوم کر سکتے کہ انہوں نے یہاں سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔“

مقوقس کے جاسوس نے اور بھی کئی ایک باتیں معلوم کر لیں اور اسے یقین ہو گیا کہ یہی تھی وہ لڑکی اور یہی تھے وہ دو آدمی جنہیں مقوقس نے بھیجا تھا۔ وہ وہاں سے واپس مصر کو روانہ ہو گیا۔

کئی دنوں کی خشکی کا اور پھر سمندر کا سفر کر کے یہ جاسوس واپس مقوقس کے پاس پہنچا اور اسے ساری رپورٹ دی۔ مقوقس اور جرنیل تھیوڈور پھر بھی حیرت زدہ رہے کہ ہرقل نے ان تینوں کو قتل کیوں کروایا تھا؟.... ان دونوں کو یہ افسوس تو ہوا کہ ان کی قتل کی سازش ناکام رہی ہے لیکن اطمینان یہ جان کر ہوا کہ ان کا راز فاش نہیں ہوا۔ اگر ہو جاتا تو اب تک ہرقل ان دونوں کو قتل کروا چکا ہوتا۔

مقوقس کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں تھا کہ ہرقل کو قتل کروانا ہے۔ اس کے دماغ پر تو عرب کے مسلمان غالب آئے ہوئے تھے جو مصر میں ہر قلعے پر قابض ہوتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے دریائے نیل بھی پار کر لیا تھا اور پھر فیوم کے پورے کا پورا صوبہ اپنی تحویل میں لے کر محصولات اور دیگر ٹیکس وصول کرنے شروع کر دیئے

تھے۔ وہ حیران ہوتا رہا تھا کہ ہرقل ملک کیوں نہیں بھیج رہا؟.... شام کی جنگ میں جب ہرقل کی فوج کٹ رہی تھی اور پیچھے ہی پیچھے ہٹتی چلی جا رہی تھی تو ہرقل نے مصر سے اچھی خاصی ملک منگوا لی تھی جس کا کمانڈر اس کا اپنا بیٹا قسطنطین تھا مگر اب ہرقل نے اپنے اس بیٹے کو بزنطیہ میں بٹھا رکھا تھا۔ آخر کیوں؟۔ مقوقس کو اس سوال کا جواب اس جاسوس افسر سے مل گیا۔

جاسوس نے مقوقس کو بتایا کہ وہ ہرقل کے شاہی محلات کے اندر کے احوال و کوائف بھی معلوم کر لایا ہے۔ ہرقل بوڑھا ہو گیا تھا اور اب اس کی جانشینی کا تنازعہ سر اٹھا رہا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو اس جاسوس نے بیان کی تھی۔ ہرقل کو اپنے بیٹے قسطنطین کے ساتھ بہت پیار تھا اور اسی کو اہمیت دیتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ قسطنطین جرنیل تھا اور فوج کی قیادت میں خصوصی مہارت اور اہلیت رکھتا تھا۔ ہر کسی کے ذہن میں یہی ایک یقین تھا کہ ہرقل کا جانشین قسطنطین ہی ہو گا لیکن ایک دعویدار اور بھی تھا۔

یہ دعویدار ہرقل کی ایک اور بیوی کا بیٹا تھا۔ یہ بیوی صرف بیوی نہیں بلکہ ملکہ تھی اور ملکہ بھی ایسی کہ سلطنت روم پر اس کا حکم چلتا تھا بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ وہ ہرقل پر بھی اپنا حکم چلا لیا کرتی تھی۔ بہت ہی چالاک اور عیار عورت تھی۔ اس کا نام ملکہ مرتینا تھا۔ اس کا ایک بیٹا جوان تھا جس کا نام ہرقلیوناس تھا۔ ملکہ مرتینا اپنے اس بیٹے کو ہرقل کا جانشین اور سلطنت روم کا وارث بنانا چاہتی تھی لیکن ہرقلیوناس قسطنطین جیسا جنگجو طبع نہیں تھا۔ وہ محض شہزادہ تھا اور اس میں خوبی بھی تھی کہ وہ ملکہ کا بیٹا تھا۔ ملکہ اسے میدان جنگ سے بچائے رکھتی تھی۔ اس کا میدان جنگ میں جانے کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ وہ لڑنے والا آدمی تھا ہی نہیں۔

تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہرقل ملکہ مرتینا سے کچھ ڈرتا بھی تھا۔ شاید اس کی وجہ ہرقل کا بوڑھا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرتینا نے رومی فوج کے بڑے بڑے جرنیلوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا اور انہیں اس قدر عیش و عشرت کرواتی تھی کہ وہ اس کی مٹھی میں ہی رہنے کو بے تاب رہتے تھے۔ بظاہر ان جرنیلوں کی وفاداری ہرقل کے ساتھ تھی لیکن وہ ملکہ مرتینا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ ہرقل بڑا ہی ظالم بادشاہ تھا۔ وہ چاہتا تو مرتینا کو قتل کروا سکتا تھا یا اسے غائب ہی

کام بڑی ہی خوش اسلوبی - اور نی جاکر پورا کر آیا تھا۔

ہرقل کو اب یہ یقین بھی ہو گیا کہ مقوقس اور اس کا بیٹا ہوا اسقف اعظم قیصر بھی اس کے دشمن ہو گئے ہیں۔ مقوقس کو جب یہ یقین ہو گیا کہ ہرقل اس کی مدد کے لئے کچھ بھی نہیں کرے گا تو اس نے اپنے جرنیل تھیوڈور سے گفتگو کی۔ تھیوڈور نے اسے حتمی طور پر بتا دیا کہ مصر کا نواح اب ان ہی کی ذمہ داری ہے اور ہرقل کی طرف دیکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔ آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہرقل کو بدلتی ہوئی صورت حال کی اطلاع دیتے رہیں گے لیکن مصر میں اپنی پالیسی اور اپنی سہولت کے مطابق لڑیں گے اور ہرقل کا کوئی حکم نہیں مانیں گے لیکن اسے یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ اس کی حکم عدولی دانستہ کی جا رہی ہے۔ اس نے کبھی باز پرس کی تو یہ جواز پیش کریں گے کہ اس کا حکم جب مصر میں پہنچا تو یہاں کی صورت حال بہت ہی بدل چکی تھی۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مقوقس کا اسلام کے بارے میں روایتی دوسرے غیر مسلم بادشاہوں کی طرح جارحانہ اور حقارت آمیز نہیں تھا۔ دین اسلام کے متعلق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے متعلق مقوقس کا اپنا ہی ایک نظریہ تھا جس کا ذکر پہلے اس داستان میں آچکا ہے۔ یہاں مختصر آ ایک بار پھر پیش کیا جا رہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک بار کسریٰ ایران، قیصر روم، حیرہ اور غسان کے بادشاہوں، عرب کے جنوبی علاقے کے حکمران اور فرمانروائے مصر مقوقس کے نام پیغام بھیجے تھے جن میں ان سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ کسریٰ ایران نے بڑی رعوت سے یہ پیغام پھاڑ کر اس کے پڑے اڑا دیئے تھے اور پیغام لے جانے والے ایلچی کی بے عزتی کر کے دوبارے نکال دیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے اسی طرح بکھر جائیں گے اور یہ سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

دوسروں کا روایتی حقارت آمیز تھا لیکن مقوقس نے آنحضورؐ کے پیغام کا باقاعدہ جواب دیا اور ایسے نظریے کا اظہار کیا تھا جس سے سب حیران رہ گئے تھے۔ اس کے پاس حضرت حاطبؓ پیغام لے کر گئے تھے۔ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کا استقبال پورے

کردار دیتا لیکن اسے معلوم تھا کہ کسی نہ کسی طرف سے اس پر انتقامی وار پڑے گا جس سے وہ سنبھل نہیں سکے گا۔ انتقام کا خطرہ اس کے اپنے بیٹے ہرقلیوناس سے بھی تھا۔ اس صورت حال کو وہ خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور اس نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔

معروف مصری تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے یورپی اور عرب تاریخ نویسوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ ملکہ مرتینا نے پوری کوشش کر ڈالی تھی کہ ہرقل کو بڑھاپے کے ہمارے تخت و تاج سے لائق کر دے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ تاریخ میں تفصیلات نہیں ملتیں کہ یہ کوشش کس نوعیت کی تھی لیکن یہ واضح ہے کہ جب مصر پر مجاہدین اسلام نے حملہ کیا تھا، اُس وقت ملکہ مرتینا نے ہرقل پر زور دیا تھا کہ قسطنطین کو فوج دے کر فوراً مصر بھیج دے ورنہ مصر کا ہاتھ سے نکل جانا کوئی حیرت والا واقعہ نہیں ہو گا۔ مرتینا نے قسطنطین کی بہت ہی تعریفیں کی تھیں اور کہا تھا کہ مصر کو عربوں سے صرف قسطنطین بچا سکتا ہے۔

مرتینا تو چالاک اور ہوشیار تھی ہی، ہرقل بھی کچھ کم عیار نہیں تھا۔ وہ جان گیا کہ اس کی ملکہ قسطنطین کی شجاعت کے جو قصیدے سن رہی ہے، اس میں اصل نیت یہ کار فرما ہے کہ قسطنطین مصر جائے اور مارا جائے۔ ہرقل نے کوئی جواز پیش کر کے مرتینا کی یہ بات نہ مانی۔

اس کے بعد مصر سے جنگ کی صورت حال کی جو بھی اطلاع گئی وہ حوصلہ شکن اور انتہائی مایوس کن تھی۔ مرتینا نے ہرقل پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ خود فوج ساتھ لے کر مصر چلا جائے ورنہ مقوقس مصر عربوں کو دے بیٹھے گا۔ یہاں بھی مرتینا کی نیت یہی تھی کہ قسطنطین نہ مرے، ہرقل ہی مارا جائے یا ہرقل مصر میں ایسا الجھ کر رہ جائے کہ مرتینا تخت پر بیٹھ کر روم کی شہنشاہیت کا دعویٰ کر دے.... ہرقل نے اس کی یہ بات بھی نہ مانی۔

مقوقس کے جاسوس نے بتایا کہ ہرقل اپنی ملکہ سے تخت اور تاج کو بچانے کے لئے اور پھر قسطنطین کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے نہ خود مصر آ رہا ہے نہ قسطنطین کو بھیج رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہرقل نے مصر کی تمام تر ذمہ داری مقوقس پر ڈال دی تھی.... مقوقس نے اس جاسوس افسر کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔ وہ اپنا جاسوسی کا

احترام سے کیا اور آنحضورؐ کا پیغام پوری توجہ سے پڑھا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو الگ بٹھا کر آنحضورؐ کے متعلق کچھ باتیں پوچھیں اور پھر پیغام کا جواب لکھا تھا۔

مقوقس نے پیغام میں لکھا تھا کہ میں جانتا تھا کہ ابھی ایک نبی کا آنا باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ نبی شام میں ظہور پذیر ہو گا لیکن یہ عرب کی انتہائی کٹھن اور صبر آزمایں زمین پر ظاہر ہوا ہے.... مقوقس نے اپنے پیغام میں ایسا اشارہ تک نہیں دیا کہ اسے رسالت پر اعتراض ہے بلکہ اس نے یہ لکھا کہ وہ قطعی عیسائیوں سے اس بارے میں کچھ نہیں کے گا، البتہ یہ صاف طور پر کہا کہ عرب کے مسلمان مصر کے میدانوں میں اتریں گے اور مصر پر ان کا غلبہ ہو جائے گا۔

مقوقس نے پیغام کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دو نوخیز اور خوبصورت لڑکیاں بطور تحفہ بھیجی تھیں اور ایک نہایت اعلیٰ نسل کا خنجر بھیجا تھا۔ آنحضورؐ نے ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل کر لیا تھا۔ یہ تھیں حضرت ماریہؓ قبیلہ۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے۔

اسلام کے بارے میں ایسا قابل احترام رویہ رکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ مقوقس پورا مصر یا اس کا کچھ حصہ مجاہدین اسلام کے حوالے کر دیتا۔ اس کے باوجود کہ اس نے خود پیش گوئی کی تھی کہ عرب کے مسلمان مصر پر غالب آجائیں گے، وہ عرب کے مجاہدین کا مقابلہ اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ کرنے کو تیار تھا اور کر بھی رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو یہی ایک پیغام دیا تھا کہ اسلام کے اس سیلاب کو روکنا ہے۔ البتہ اس نے اپنے رویے میں یہ ایک نرم گوشہ رکھا ہوا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلہ صفائی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا لیکن ساتھ یہ کہتا تھا کہ مسلمان مصر سے نکل جائیں۔

اب اس نے مسلمانوں کی اس قدر برق رفتار اور قیامت خیز پیش قدمی اور فتوحات کا سلسلہ دیکھا اور پھر ہر قل کی نیت کا اسے پتہ چلا تو اس نے تھوڑا اور دیگر جرنیلوں سے کہہ دیا کہ اب وہ اپنی پالیسی کے مطابق لڑے گا اور جو کارروائی بہتر سمجھے گا وہی کرے گا۔

مجاہدین اسلام کی کامیابی صرف یہ نہیں تھی کہ وہ فتوحات حاصل کرتے بڑھے ہی چلے جا رہے تھے بلکہ ان کی فتح یہ تھی کہ ان کی قیامت خیزی نے ہر قل کے شاہی نظام میں ایسا زلزلہ پکڑ دیا تھا کہ اس کا اپنا فرمانروا مقوقس اور اس کے جرنیل اور اس کا مقرر کیا ہوا اسقف اعظم اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ ہر قل جو فرعون ثانی تھا، اپنے گھر میں اپنی ملکہ سے ڈرنے لگا تھا۔ اس کے گھر میں ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی کہ وہ نہ خود مصر جانے کا خطرہ مول لیتا تھا نہ اپنے بیٹے قسطنطین کو ملک دے کر بھیجتا تھا۔

تاریخ آج تک حیران ہے کہ صحیح معنوں میں مٹھی بھر مجاہدین کو ایسی کامیابیاں اور وہ بھی اتنی بڑی جنگی طاقت کے مقابلے میں کس طرح حاصل ہوئیں۔ تاریخ لکھنے والے صرف یہ لکھ گئے ہیں کہ یہ ایک معجزہ تھا لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ معجزہ بیٹھے بٹھائے تو رونما نہیں ہو جایا کرتا۔

اللہ اپنے کرم و فضل سے صرف انہیں نوازا کرتا ہے جو اپنی جان اور اپنا مال اور اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کر دیا کرتے ہیں۔ یہ ایمان کی مضبوطی کی ایک دلیل تھی اور یہ فتح دراصل اسلام کی صداقت کی فتح تھی۔

ہر قل جس انجام کو پہنچ رہا تھا اسے اللہ کی لعنت کہا جائے تو صحیح ہو گا۔ قرآن میں کئی آیات میں آیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں پر کفار جو ظلم و ستم کرتے ہیں، ان کفار کا انجام بہت ہی بُرا اور قابل نفرت ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ جو اہل ایمان کفار کے ان مظالم کا مقابلہ ثابت قدم رہ کر کریں گے، اللہ انہیں بہترین اور ہمیشہ رہنے والا اجر عطا کرے گا اور ظالموں سے انتقام لے گا۔

ہر قل اگر اسلام قبول نہ کرتا اور حضرت عیسیٰؑ کی عیسائیت کے ساتھ ہی وفادار رہتا اور اپنے دل میں بنی نوع انسان کی وہی محبت رکھتا جو حضرت عیسیٰؑ کے دل میں تھی اور جس کی تعلیم آپؐ نے عام کی تھی تو شاید ہر قل کا انجام اتنا بُرا نہ ہوتا لیکن اس نے عیسائیت کو بھی مسخ کر کے اپنا ہی ایک مذہب بنا ڈالا تھا۔ اس پر تو لعنت برسی ہی تھی۔



مقوقس کے لئے بابلیوں کے ارد گرد اور دور دور تک جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی، اس سے اس کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ اسے ہر قل کی طرف سے بھی خطرہ تھا کہ ہر قل کو پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ لڑکی اسے قتل کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔ مقوقس

نے اپنے جاسوس کی پوری رپورٹ سن کر جرنیل تھیوڈور سے کہا کہ اس جہاز کے کپتان کو اغوا کروا کر بابلین بلایا جائے کیونکہ صحیح بات اسی سے معلوم ہو سکتی تھی چنانچہ تھیوڈور نے وہ ایسے فوجی منتخب کئے جو کپتان کو اغوا کرنے کی ہمت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان آدمیوں کو بحری جہاز کا نام اور کپتان کا نام بھی بتادیا گیا اور بڑی سختی سے کہا گیا کہ اسے سکندریہ سے اس طرح لانا ہے کہ کسی کو شک تک نہ ہو کہ اسے کسی بُری نیت سے اغوا کیا جا رہا ہے.... دونوں آدمی اُسی روز سکندریہ کو روانہ ہو گئے۔ مقوقس مصر کا بادشاہ تھا۔ کسی بھی بادشاہ کے لئے رعایا میں سے کسی شخص کو اغوا کروانا کوئی کام ہی نہیں تھا۔

اس بادشاہ کا اصل کام تو ایک بہت بڑا خطرہ بن کر اسے زرخے میں لئے ہوئے تھا۔ وہ قلعہ بابلین میں تھا اور اس قلعے میں فوج کی کمی نہیں تھی لیکن اس کے لئے یہ مشکل پیدا ہو گئی تھی کہ بابلین کے قریب سے ہی شروع ہونے والا علاقہ جو اُس دور میں فوم کے نام سے مشہور تھا مجاہدین اسلام کے قبضے میں آ گیا تھا اور وہاں جو رومی فوج تھی کچھ تو بابلین میں جا پناہ گزین ہوئی تھی اور باقی قلعہ نقیوس میں جا بیٹھی تھی۔ مقوقس اس آس پر تکیہ کئے ہوئے تھا کہ صوبہ فوم کے قبلی عیسائی مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور بغاوت کر دیں گے۔ مجاہدین اسلام نے صرف اس صوبے پر ہی نہیں بلکہ اس سے ملحقہ دوسرے صوبے کے بھی دو بڑے شہر اپنی عمل داری میں شامل کر لئے تھے۔

یہ علاقے قبلی عیسائیوں کی اکثریت کے علاقے تھے۔ مجاہدین اسلام کی تعداد اس قدر کم تھی کہ عمرو بن عاص نے بہت ہی تھوڑے مجاہدین کو ان مفتوحہ اور اتنے وسیع علاقوں میں چھوڑا تھا۔ ان مجاہدین کے ذمے ایک کام تو نظم و نسق صحیح رکھنا تھا اور امن و امان بھی قائم کرنا تھا اگر قبلی بغاوت کر دیتے یعنی محصولات وغیرہ کی ادائیگی سے انکار کر دیتے تو مجاہدین ان پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ ان لوگوں نے بغاوت نہ کی؟.... ان کے استغفارِ اعظم بنیامین نے تو انہیں کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ہے اور رومی فوج کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

یہاں پر وہی عظیم نام سامنے آتا ہے.... اللہ.... یہ اللہ کا کرم تھا لیکن اللہ ایسا معجزہ نما کرم صرف اُن پر کیا کرتا ہے جو اپنے دین اپنے ایمان اور اللہ کی راہ میں اپنے عز

کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں بنی نوع انسان کی محبت ہوتی ہے۔ یہ علاقے فتح ہوئے تھے اور رومی فوج آخری سپاہی تک بھاگ گئی تھی تو شہریوں میں بھگدڑ اور آفراتفری کا پکا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ فاتحین مفتوحہ لوگوں پر رحم نہیں کیا کرتے۔ لوٹ مار ہوتی ہے۔ قتل و غارت ہوتی ہے اور جواں سال عورتوں کو فاتحین اپنی ملکیت سمجھ لیتے ہیں لیکن مسلمان فاتحین نے وہاں کے لوگوں کو حیران کر دیا۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ مجاہدین کے ساتھ ان کی مستورات بھی تھیں۔ ان مستورات نے وہ مہم سر کی جو بڑے بڑے لشکر بھی ذرا مشکل سے سر کیا کرتے ہیں۔

ان مستورات نے مفتوحہ بستیوں میں جا جا کر وہاں کی عورتوں اور ان کے آدمیوں کو یقین دلایا کہ وہ بھاگیں نہیں اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ مجاہدین نے کسی گھر کی طرف دیکھا تک نہیں سوائے اس کے کہ اعلان کرتے پھرے کہ کسی شخص کو بلاوجہ پریشان نہیں کیا جائے گا اور عورتیں اپنے معمول کے مطابق باہر جائیں آئیں اور فاتحین کو اپنے بھائی اور محافظ سمجھیں۔

تاریخ دان ابن الحکم اور تفری نے ”النجوم الزاہرہ“ میں لکھا ہے کہ مقوقس کی توقعات کے خلاف صوبہ فوم کے لوگوں نے مسلمانوں کے احکام کی خلاف ورزی کی بجائے انہیں دل و جان سے قبول کر لیا اور ان میں ان کے اپنے ہی بزرگوں کی یہ آواز پھیلی چلی گئی کہ آخر فتح اہل اسلام کی ہی ہوئی تھی اس فتح کو قبول کر لو، قبیلوں کی طرف سے یہ آواز بھی سنائی دی کہ ہر قل کی درندگی آج سے ختم ہے اور اب امن و امان کا دور شروع ہو گیا ہے۔

تو پھر یہ سب کیا تھا؟.... وہ یہ تھا کہ مجاہدین کو لوگوں کے مال و اموال اور سونے چاندی اور ان کی حسین لڑکیوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی مستورات کو ساتھ لے کر لوگوں کے دل فتح کر لئے تھے۔ انہوں نے حقوق العباد کو سامنے رکھا کیونکہ یہ حکم الہی تھا۔

خطرہ اُن مصری بدوؤں کی طرف سے تھا جو مجاہدین اسلام کے لشکر میں شامل ہوئے تھے لیکن انہوں نے بھی کسی شہری کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کی۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں مال غنیمت کا پورا پورا حصہ مل جاتا تھا اور انہیں ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ مال وہی اچھا جو حلال کا ہو۔ یہ بدو ہمسامندہ ذہن کے لوگ تھے اور توہم پرست بھی۔ انہیں بات

سمجھانے کے لئے بتایا گیا کہ جو شخص لوٹ مار کرتا ہے اور کسی کی لڑکی پر ہاتھ اٹھاتا ہے، وہ میدان جنگ میں مارا جاتا ہے اور اس کی لاش گدھ اور گیدڑ کھاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ہر قتل جیسا فرعون بادشاہ مصر میں آتے سے کیوں ڈرتا ہے اور اسے کیوں شکست ہو رہی ہے، صرف اس لئے کہ وہ نیتے اور کمزور لوگوں پر ظلم و ستم توڑتا تھا.... یہ ایسی دلیل تھی جو بدوؤں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

اب وہاں صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ رومی فوج کے دلوں میں مجاہدین اسلام کی دہشت اتر گئی تھی اور وہاں کے لوگوں کے دلوں میں مجاہدین کی محبت اور ان کا خلوص ایمان گھر گیا تھا۔ وہ تو جیسے مسلمانوں کے پیار اور ان کی شفقت کے اسیر ہو گئے تھے۔

اب سپہ سالار عمروؓ بن عاص کا ہدف قلعہ بابلون تھا جسے انہوں نے محاصرے میں لے لیا تھا لیکن اس قلعے کو سر کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، اس لئے انہیں کہ مجاہدین کی تعداد بہت تھوڑی تھی بلکہ قلعہ بلا شک و شبہ ناقابلِ تسخیر تھا۔

عمروؓ بن عاص اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ قلعہ سر کرنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا پھر بھی انہوں نے محاصرہ کر لیا جس کی وجہ انہوں نے اپنے سالاروں کو یہ بتائی کہ محاصرہ اس لئے ضروری ہے کہ قلعے کے اندر جو فوج ہے اسے پریشانی میں مبتلا رکھا جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ رومی یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ عمروؓ بن عاص دشمن کے سر پر سوار رہنا چاہتے تھے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعے کی مضبوطی کو تھوڑا سا یمن کر دیا جائے۔ آج بھی قدیم مصر میں گھوم پھر کر دیکھیں تو قلعہ بابلون کی چند دیواریں اور دو برجیاں کھڑی نظر آتی ہیں۔ ان کھنڈرات کے اندر چلے جائیں اور وہی ان اللہ کی طرف کر لیں اور پھر اُن مجاہدین کو تصور میں لائیں جن کے دور میں یہ قلعہ ایک بہت بڑا چیلنج بن کر شان و شوکت سے کھڑا تھا اور ان مجاہدین نے کفر کے اس چیلنج کو اللہ کا نام لے کر قبول کر لیا تھا۔ اس تصور سے آپ کو سرگوشیاں سی سنائی دیں گی۔ یوں جیسے ان مجاہدین اسلام اور رسالتؐ کے شیدائیوں کی روحیں سرگوشیوں میں داستانِ جہاد سنارہی ہوں۔

روحوں کی سرگوشیاں وہی سن سکتا ہے جس کی اپنی روح بیدار ہو اور اس روح میں اللہ کا وجود رچا بسا ہوا ہو۔ آج تو وہاں یہ عالم ہے کہ فرعون تو نہیں ہیں لیکن آج کے حکمرانوں میں فرعونیت زندہ و بیدار ہے۔ اللہ کا نام لینے والوں اور جہاد کی باتیں کرنے

والوں کو عسکریت پسند مسلمان یا بنیاد پرست کہہ کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور بعض کو قتل ہی کر دیتے ہیں۔ ویسے نام کو یہ اسلامی ملک ہے اور اس پر جو حکمران ہیں وہ بھی مسلمان ہیں مگر ان کے دلوں میں اللہ کی نہیں اسرائیل کی خوشنودی غالب ہے۔

بابلون کا قلعہ جب چودہ صدیاں پہلے اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا تو اس کی دیواریں اتنی بلند اور برجیاں اتنی مضبوط تھیں کہ ان تک پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کی دیواریں ساتھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں۔ یہ دیواریں ایسی ٹھوس تھیں کہ ان میں شمشیر بھی نہیں جاسکتا تھا۔ ان دیواروں کے اوپر جو برجیاں تھیں وہ مضبوطی کے علاوہ بلند بھی تھیں۔ ان کے ساتھ زینے لگے ہوئے تھے اور ان کے اوپر چڑھ کر دیکھو تو دور دور تک علاقہ نظر آتا تھا۔ دریائے نیل کا نظارہ تو دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتا تھا۔

قلعے کے ایک پہلو سے نیل یوں لڑتا تھا جیسے اس طرف کی دیوار دریا میں کھڑی ہو۔ صدر دروازہ دریا کی طرف کھلتا تھا اور یہ دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا یا اس پر لوہے کی چادریں جڑی گئی تھیں۔ اس طرف کشتیوں کا ایک بیڑہ ہر وقت تیار رہتا تھا۔ وہاں سے بالکل سامنے نیل بہت چوڑا ہو کر دور دور تک پھیل جاتا تھا۔ پھیلاؤ کی وجہ سے دریا کے مین وسط میں ایک وسیع خطہ خشکی کا رہ گیا تھا جہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعے کا نام قلعہ روضہ تھا۔ اس قلعے میں فوج ہر وقت موجود اور تیار رہتی تھی۔ بوقتِ ضرورت یہ فوج کشتیوں میں بیٹھ کر فوراً بابلون میں پہنچ جاتی تھی اور محاصرہ کرنے والے اس ملک کو روک ہی نہیں سکتے تھے اور آخر ناکام رہتے تھے۔

قلعہ بابلون میں اتنے زیادہ کنوئیں موجود تھیں کہ پانی کی قلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دیوار کے باہر سے کھیت اور پھلوں کے باغات شروع ہو جاتے تھے جو قلعے کے ارد گرد تھے۔ ان کی وجہ سے قلعے میں خوراک کی بھی قلت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ قلعے کو اور زیادہ مستحکم اور ناقابلِ تسخیر بنانے کے لئے کھیتوں اور باغات کے ارد گرد ایک بڑی چوڑی اور گہری خندق کھدی ہوئی تھی جس میں دریا کا پانی آتا رہتا تھا۔ دریا کی طرف والے دروازے کے علاوہ ایک اور بڑا دروازہ تھا۔ وہاں رسوں اور زنجیروں کی مدد سے ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ اپنی فوجوں کو خندق سے گزرنے کے لئے ایک پُل تھا جسے بوقتِ ضرورت خندق پر ڈال دیا جاتا تھا۔ گزرنے کے بعد یہ پُل پھراٹھا دیا جاتا اور دشمن کے

لئے خندق عبور کرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

بالیون کے اندر اپنے جو جاسوس گئے ہوئے تھے، وہ محاصرے سے پہلے نکل آئے تھے۔ انہوں نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو بتایا تھا کہ قلعے کے اندر بہت ہی زیادہ فوج موجود ہے اور دریا کے جزیرے والے قلعے میں بھی فوج کی کمی نہیں۔ یہ ساری فوج میدان جنگ سے اس حالت میں بھاگی تھی کہ اس پر خوف زدگی طاری تھی لیکن فوج اتنی زیادہ تھی کہ ہجوم کی صورت میں اور قلعے کی دیواروں کی پناہ میں دفاعی جنگ لڑ سکتی تھی۔

○

مجاہدین اسلام نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چند دنوں بعد متوقس کو اطلاع دی گئی کہ جہاز کے کپتان کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔ متوقس نے اُسی وقت کپتان کو حاضر کر کے کا حکم دیا۔

”زندہ رہنے کا ارادہ ہے تو بچ بول دو۔“ متوقس نے کپتان سے کہا۔ ”تم ایک لڑکی اور دو آدمیوں کو سکندریہ سے بزنطیہ لے گئے تھے اور انہیں ہرقل کے پیش کیا تھا۔ ان آدمیوں کو تم نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کیوں ڈالی تھیں؟“

کپتان گھبراہٹ کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور یوں پتہ چلتا تھا جیسے اس کی زبان گنگ ہو گئی ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا جو اس کے جرم کا ثبوت تھا۔ ”میں تمہیں قتل نہیں کراؤں گا۔“ متوقس نے کہا۔ ”تمہارے اتنے بڑے جہاز کو آگ لگوا دوں گا اور تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کھلا چھوڑ دوں گا اور پھر بھیک مانگتے پھرنا۔“

کپتان جان گیا کہ ساری بات کھل گئی ہے۔ اس نے یہ احساس بھی تھا کہ وہ کسی معمولی سے حاکم کے سامنے نہیں بلکہ اس ملک کے فرمانروا کے سامنے کھڑا ہے جو اسے کھڑے کھڑے قتل کروا سکتا ہے۔ وہ متوقس کے پاؤں پر گر پڑا اور ماتھا گرڑنے لگا۔ اس نے ساری بات سنا ڈالی اور کہا کہ یہ اس نے ایک تو انعام کے لالچ سے کیا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ وہ ہرقل کے مداحوں میں سے تھا۔

متوقس صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ ہرقل کو پتہ چل چکا ہے یا نہیں کہ اس نے ہرقل کے قتل کا انتظام کیا تھا۔ یہ اسے اس کپتان سے پتہ چل گیا لیکن متوقس اور تھیوڈور جو

اُس وقت اس کے پاس بیٹھے تھے، حیران ہونے لگے کہ ہرقل نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی۔ کپتان کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہرقل نے اس کی غیر حاضری میں کیا سوچا اور کیا کہا تھا۔

کپتان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے متوقس نے اسے باہر بھیج دیا اور تھیوڈور کے ساتھ صلح مشورہ کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ اس شخص نے سچ بولا ہے اس لئے اس کی جان بخشی کر دی جائے۔

”نہیں!“ تھیوڈور نے کہا۔ ”اسے آزاد کر دیا تو یہ سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ بزنطیہ جا کر ہرقل کو بتائے گا کہ ہم نے اس سے اندر کی بات معلوم کر لی ہے۔ اس کے بعد ہرقل ہمارے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔۔۔۔ اس کپتان کا زندہ رہنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں۔“

متوقس نے حکم دے دیا کہ اس کپتان کو جلاؤ کے حوالے کر دیا جائے۔ باہر سے کپتان کی آہ و بیکانائی دینے لگی جو دُور ہی دُور ہنٹی گئی اور جلاؤ کے ہاں جا کر بالکل خاموش ہو گئی۔

○

محاصرے کے دوران ایک جاسوس مجاہد جو ابھی قلعہ بالیون کے اندر ہی تھا، باہر نکل آیا۔ یہ اس کا ایک کارنامہ تھا جو اس نے کر دکھایا تھا۔ وہ بالیون میں کسی مخصوص بھیس میں تھا۔ وہاں سے وہ کشتی میں دریا کے پار قلعہ روضہ تک چلا گیا۔ وہ شہر کے چند آدمیوں کے ساتھ گیا تھا۔ غالباً سرکاری طور پر قلعہ روضہ کے جزیرے میں کوئی کام تھا جس کے لئے اس مجاہد نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔

رات کے وقت یہ مجاہد چوری چھپے وہاں سے نکلا اور دریا میں اتر گیا۔ اُن دنوں دریا میں طفیلی کے آثار پائے جاتے تھے۔ ویسے بھی وہاں سے دریا خاصا چوڑا تھا جسے تیر کر پار کرنا کسی کسی کا ہی کام ہو سکتا تھا۔ اس جاسوس مجاہد نے دریا پار کر لیا اور پھر کنارے کنارے تیرتا وہاں تک چلا گیا جہاں لشکرِ مجاہدین کا محاصرہ تھا۔ اپنے لشکر میں پہنچ کر وہ گر پڑا تھا اور کچھ دیر بعد اس کے ہوش و حواس ٹھکانے آئے تھے۔

اس نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو یہ خبر دی کہ قلعے کے اندر کتنی زیادہ فوج ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ متوقس نے اس ساری فوج کو اکٹھا کر کے خطاب کیا ہے۔

موقوفس نے اپنے اس خطاب میں اپنی فوج سے کہا تھا کہ دریا میں طغیانی شروع ہو چکی ہے اور ایک یا ڈیڑھ مہینے تک دریا میں اتنی طغیانی آجائے گی کہ اس میں کوئی اترنے کی جرات نہیں کرے گا۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ دریا کی طرف سے قلعہ بالکل محفوظ ہو جائے گا۔ باقی اطراف خندق پانی سے اتنی بھری رہے گی کہ عرب کے یہ مسلمان اسے پار نہیں کر سکیں گے۔

موقوفس نے یہ بھی کہا کہ طغیانی مہینہ ذیہ مہینہ رہے گی اور پھر اترنے لگے گی۔ ایک مہینے تک دریا کا بہاؤ معمول پر آجائے گا اور پھر سکندریہ سے کمک آجائے گی۔ نیل سکندریہ کی طرف بہتا تھا۔ وہاں سے کمک دریائی راستے سے ہی آسانی سے اور کم وقت میں آسکتی تھی لیکن طغیانی کی صورت میں کشتیاں اٹلے رخ چلانا بہت ہی مشکل اور دقت طلب تھا۔ موقوفس نے کہا کہ تباعد نہ گزر جائے تک مسلمانوں کا حوصلہ پست ہو چکا ہو گا اور انہیں آسانی سے پسپا ہونے پڑے گا۔

جاسوس مجاہد نے یہ بھی بتایا کہ موقوفس نے اپنی فوج کو انعام کا لالچ بھی دیا ہے۔ یہ تنخواہ دار فوج تھی۔ موقوفس نے فوجیوں سے وعدہ کیا کہ مسلمانوں کو پسپا کر دیا گیا تو ہر فوجی کو تین مہینوں کی دوگنی تنخواہ دی جائے گی اور جو فوجی زیادہ بہادری کر دکھائیں گے انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

جاسوس نے اپنی رائے یہ دی کہ فوج کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن اس فوج کا حوصلہ اتنا مضبوط نظر نہیں آتا جتنا ہونا چاہئے۔ اس نے مزید یہ بتایا کہ جو فوجی مسلمانوں کے مقابلے میں آئے اور بھاگے تھے وہ تو مسلمانوں کا نام سنتے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔ رومی فوجیوں کی یہ کیفیت تاریخ میں بھی صاف الفاظ میں آئی ہے۔ وہ اپنی بزدلی اور کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے مجاہدین اسلام کے متعلق بڑی دہشت ناک باتیں سناتے تھے۔ ان میں سے بعض کی باتوں سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے عرب کے یہ مسلمان جنات یا جھوٹ پریت ہوں۔

جاسوس مجاہد کی اس خبر کا جہاں تک تعلق تھا کہ نیل میں طغیانی آرہی ہے، سپہ سالار عمرو بن عاص کے لئے کوئی نئی خبر نہیں تھی۔ پھر بھی کچھ باتیں نئی معلوم ہو گئیں۔ عمرو بن عاص جانتے تھے کہ طغیانی کا موسم شروع ہو گیا ہے اور دریا چڑھنے لگا ہے۔ موقوفس نے کہا تھا کہ اتنے مہینوں کے انتظار سے مسلمان مایوس ہو جائیں گے

لیکن عمرو بن عاص نے اپنے زاویہ نگاہ سے بات کی۔ انہوں نے محاصرے میں گھوم پھر کر جگہ جگہ مجاہدین سے خطاب کیا۔

انہوں نے مجاہدین کو دریائے نیل اور اس کی طغیانی کے متعلق وہی بات بتائی جو جاسوس نے موقوفس کی زبانی سنائی تھی۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ اتنا عرصہ قلعہ والوں کو کہیں سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ اس دوران اس قلعے کی اندر کی فوج کو پریشان کئے رکھیں گے۔ اس کے بعد قلعے پر باقاعدہ یلغار کی جائے گی۔

”وہ اسلام کے علمبردارو!“ عمرو بن عاص نے اس موقع پر یہ تاریخی الفاظ کہے۔ ”یہ خندق اس سے زیادہ چوڑی اور زیادہ گہری ہوتی تو بھی تمہارا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔ رومی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا یہ قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اسے کوئی سر نہیں کر سکتا.... اسلام کے شیداؤ! دنیا کا کوئی قلعہ تمہارے ایمان اور جذبہ جہاد سے زیادہ مضبوط نہیں۔ اللہ کے اس فرمان کو یاد رکھو کہ کوشش تم کرو میں اس کا ثمر دوں گا“ میری راہ میں حرکت تم کرو برکت میں دوں گا۔“

قلعہ پالیوں میں تھوڑور کے علاوہ ایک مشہور جرنیل اور بھی تھا جس کا نام عربی مؤرخین نے امیرج لکھا ہے لیکن بلترنے کہا ہے کہ یہ نام دراصل جارج ہے اور بگڑ کر امیرج بنا ہے.... نیل چڑھتا جا رہا تھا۔ قلعے کے ارد گرد والی خندق پانی سے لبریز کر دی گئی تھی۔ قلعے کی دیواروں سے مجاہدین پر منبھیتوں سے پھینکے ہوئے پتھر آنے لگے۔

اس سنگ باری کے جواب میں مجاہدین نے بھی منبھیتوں سے قلعے پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ مجاہدین نے تیردور تک پہنچانے کے لئے بڑی کمائیں بھی تیار کر لی تھیں۔ ان کمائوں کے تیر انداز خندق کے کنارے تک چلے گئے اور وہاں سے دیواروں کے اوپر رومیوں پر تیر پھینکنے لگے۔ نیل میں طغیانی بڑھتی گئی اور ادھر ایک دوسرے پر تیر اور پتھر پھینکے جاتے رہے۔ شب و روز گزرتے چلے جا رہے تھے۔

قلعے کی دیواروں سے آنے والے پتھر تو مجاہدین کا کچھ بھی نہ لگاؤ سکے لیکن مجاہدین کی منبھیتوں سے نکلے ہوئے پتھر شہر کے اندر گر تے تھے، انہوں نے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ ہر گھر پر یہ خوف طاری تھا کہ ابھی پتھر ان کی چھت پر گرے گا اور چھت گر پڑے گی۔ رومی فوج کا حوصلہ پہلے ہی متزلزل تھا، پتھراؤ سے حوصلہ اور زیادہ کمزور ہونے لگا۔

ڈیڑھ پونے دو مہینے گزر گئے اور نیل میں طغیانی کے آثار ختم ہو گئے۔

○

ماہ اکتوبر 640ء کے پہلے ہفتے کی بات ہے کہ مقوقس نے اپنی فوج اور بابلیوں کے شہریوں کے حوصلے اور جذبے کا جائزہ لیا تو اسے کچھ ایسا شک ہونے لگا کہ مسلمانوں نے اگر اپنے مخصوص انداز سے قلعے پر ہلہ بول دیا تو عین ممکن ہے کہ یہ فوج مقابلے میں ٹھہر نہ سکے اور شہر کے لوگوں میں ایسی افرا تفری اور نفسا نفسی پیدا ہو جائے جو اپنی فوج کے لئے رکاوٹ بن جائے۔ اس کے علاوہ مقوقس کی شروع ہی سے یہ خواہش اور کوشش تھی کہ عرب کے ان مسلمانوں کو کسی طرح قائل کیا جائے کہ وہ کچھ لے لیں اور مصر سے واپس چلے جائیں۔ اب ایک بار پھر اس کے دماغ میں یہی بات آگئی۔

اس نے ایک خفیہ اجلاس بلایا جس میں جرنیل تھیوڈور اور جرنیل جارج شامل تھے اور اس کے علاوہ مقوقس کے صرف دو مشیر شامل کئے گئے۔

”میری بات تحمل سے سنو اور مجھے مشورہ دو“۔ مقوقس نے کہا۔ ”اپنی فوج کو بھی تم نے دیکھ لیا ہے اور شہر کے لوگوں کی حالت بھی تم دیکھ رہے ہو۔ ہم ملک کی امید لگائے بیٹھے ہیں لیکن یہ سوچو کہ ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ ملک صرف اُس صورت میں ہمارے کام آسکتی ہے کہ یہ ملک مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرے جو ممکن نہیں۔ نیل کے دونوں کناروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔۔۔

”عرب کے یہ مسلمان جب خندق عبور کرنے پر آگئے تو عبور کر ہی لیں گے۔ کیا تم ابھی ان کے جذبے اور ہمت و استقلال سے واقف نہیں ہوئے؟ یہ بھی دیکھ لو کہ یہ مسلمان کتنی جلدی مصر کے اندر کتنی دور تک پہنچ گئے ہیں۔ میں بغیر لڑے محاصرہ اٹھوانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ایک بار پھر ان عربوں سے صلح سمجھوتے کی بات کریں اور کہیں کہ جو کچھ مانگتے ہو لے لو اور مصر سے نکل جاؤ؟“

مؤرخوں نے لکھا ہے مقوقس نے اپنے دلائل ایسے بڑے اثر انداز سے دیئے کہ اجلاس کے چاروں شرکاء نے اس کی تائید کی اور کہا کہ اس تجویز پر عمل در آمد فوراً ہو جائے تو اچھا ہے۔

”میں صرف ایک مشورہ دوں گا“۔ تھیوڈور نے کہا۔ ”یہ اجلاس اور یہ ساری کارروائی سختی سے خفیہ رکھی جائے۔ فوج کو تو اس کا علم ہی نہیں ہونا چاہئے ورنہ فوج صلح

سمجھوتے کی آس لگا رہا تھا پاؤں چھوڑ بیٹھے گی۔“

جرنیل جارج نے یہ مشورہ دیا کہ مقوقس خود اس کارروائی کی قیادت کرے اور ذاتی طور پر اس کوشش میں شامل ہو۔۔۔۔۔ مقوقس نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔

اس اجلاس کو خفیہ تو رکھا گیا لیکن تاریخ سے خفیہ نہ رکھا جاسکا۔ بہت سے مسلم اور غیر مسلم اور ان کے حوالے سے بعد کے تاریخ دانوں نے یہ واقعہ پوری تفصیل سے لکھا ہے۔۔۔۔۔ اسی اجلاس میں ایک مراسلہ بنام سپہ سالار عمرو بن عاص لکھا گیا جو مقوقس کی طرف سے تھا۔

اگلی رات کی تاریکی میں مقوقس ان دونوں جرنیلوں اور دونوں مشیروں کو ساتھ لے کر قلعے سے نکلا، کشتی میں بیٹھا اور نیل کے وسط میں جزیرے تک پہنچ گیا جہاں قلعہ روضہ تھا۔ اس قلعے میں ایک بڑا گر جاتھا جس کا پادری بھی موجود تھا۔

آدھی رات کے وقت پادری کو جگایا گیا۔ ظاہر ہے پادری بہت گھبرایا ہو گا کہ اس وقت فرمانروائے مصر اپنے جرنیلوں کے ساتھ کیوں آیا ہے۔

مقوقس نے پادری کو یہ مراسلہ دیا اور کہا کہ وہ صبح کشتی میں بیٹھے اور مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس چلا جائے اور اپنے ساتھ اپنے اعتقاد کے تین چار آدمی لے جائے لیکن یہ ساری کارروائی خفیہ رکھنی ہے یعنی کسی کو پتہ نہ چلے کہ مقوقس نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو کوئی پیغام بھیجا ہے۔

تاریخ میں مقوقس کے اس مراسلے کے الفاظ آتے ہیں لیکن اس میں درخواست نہیں بلکہ دھمکی کا تاثر ہے۔ مراسلہ یوں تھا:

”تم ہمارے ملک میں یوں آگھے ہو جیسے یہ تمہارا ملک ہو یا جیسے اس ملک کا کوئی حکمران ہی نہ ہو اور یہاں کے لوگ بھیڑ بکریاں ہوں۔ تم نے ہم پر جنگ ٹھونسی ہے اور دونوں طرف جو خون خرابہ ہوا ہے اس کے ذمے دار تم ہو اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ ہمارے ملک میں تمہارا قیام طویل ہو گیا ہے جو ہماری برداشت سے باہر ہے۔ ہماری فوج کے مقابلے میں تم مٹھی بھر بھی نہیں ہو۔ میں خود چاہتا تھا کہ تم نیل تک پہنچ جاؤ۔ اب میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ ورنہ تمہارا کوئی ایک بھی آدمی زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔۔۔۔۔

”تم سمجھتے ہو کہ فتح پر فتح حاصل کرتے آرہے ہو لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان

فتوحات نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے اور تم یہ سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہے کہ اس وقت تم کہاں اور کس صورت حال میں بیٹھے ہو۔ دریائے نیل نے تمہیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ سمجھ جاؤ کہ نیل بھی تمہارا دشمن ہے۔ پیشتر اس کے کہ تمہارا یہ چھوٹا لشکر میری اتنی بڑی فوج کے قدموں تلے روندنا جائے میں تمہیں ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اپنا کوئی اپنی یا وفد میرے پاس بھیجو جو میرے ساتھ صلح سمجھوتے کی بات کر سکے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ یہ خون خرابہ ختم ہو جائے اور تم تباہ سے بچ جاؤ۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور جتنا معاوضہ مانگو گے میں دوں گا۔ تمہارے اپنی یا وفد کا انتظار کروں گا۔“

①

مقوقس کو توقع تھی کہ اس کا بھیجا ہوا پادریوں کا وفد شام سے پہلے پہلے جواب لے کر واپس آجائے گا۔ وہ کسی لمبے سفر پر نہیں گئے تھے، دریا کی چوڑائی جتنا فاصلہ تھا۔ وفد کو دوسرے کنارے تک جانا تھا لیکن وفد اُس رات واپس نہ آیا۔ اگلا دن، اگلی رات اور اس سے اگلا دن بھی گزر گیا تب مقوقس نے کہا کہ مسلمانوں نے وفد کو قید کر لیا ہے یا قتل کر دیا ہے۔

دو دنوں بعد وفد واپس آگیا۔ مقوقس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ دو دن وہاں کیا کرتے رہے ہیں۔

”انہوں نے ہمیں پورے احترام سے روکے رکھا تھا۔“

”میں یہ سمجھا ہوں کہ مسلمانوں نے ہمیں صرف اس لئے روکے۔“

مسلمانوں کا حوصلہ اور عزم کی جنگی دیکھ لیں۔ ہم اپنی دلچسپی کی خاطر کہ ان کا رہن سہن اور دیگر عادات و حرکات کسی ہیں۔ ہم سب۔“

مقوقس نے مزید بات نہ سے پہلے کہا کہ اسے بتایا جائے۔“

”اب دیا۔“ بڑے پادری نے۔ سالار عمرو بن عاص کا تحریریں میں اس نے دیا۔“

”لکھا تھا۔“ میں پہلے بھی ایک بار فرمانروائے مصر کو بتا چکا ہوں کہ ہم ان میں شمول قبول کر سکتے ہیں۔ چونکہ یہ شرائط میری نہیں

دین اسلام کی ہیں اس لئے میں ان میں ذرا سی بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ صرف تین صورتیں ہیں، کوئی سی بھی قبول کر لو، صلح سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ اسلام قبول کر لو پھر تم ہمارے بھائی ہو گے۔ تمہارے اور ہمارے حقوق یکساں ہو جائیں گے اگر یہ قبول نہیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ ہم جنگ بندی نہیں کریں گے بلکہ لڑیں کیا ہوا جزیرہ ادا کرو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہم جنگ بندی نہیں کریں گے بلکہ لڑیں گے اور ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ اللہ کرے گا۔ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہی ہے جس کا پیغام ہم تمہارے لئے لائے ہیں۔“

مقوقس نے عمرو بن عاص کا یہ جواب سب کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور حیرت کا ملا جلا تاثر آگیا۔

”کیا تم سب سمجھے نہیں؟“ مقوقس نے کہا۔ ”یہ اُس شخص کا جواب ہے جو صلح پر بات چیت کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ذرا دیکھو اس شخص نے کس لمبے میں خط لکھا ہے۔ یہ ایک ایسے فاتح کا خط ہے جو ہم پر اپنا حکم چلا رہا ہے۔ عربوں کی اس قوم کا غرور دیکھو۔ دولت اور زرد جو اہرات کی پیش کش کو یہ لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔“

مقوقس نے وفد کی طرف دیکھا اور کچھ دیر بعد پوچھا کہ وہ دو دن مسلمانوں میں رہے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو کیا پایا ہے۔ کیا وہ ایسی ہی رعوت سے باتیں کرتے ہیں؟

”نہیں فرمانروائے مصر!“ وفد کے سربراہ بڑے پادری نے کہا۔ ”میں نے مسلمانوں کو ایک اجتماع کی صورت میں پہلی بار دیکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو زندگی سے زیادہ موت کو اور غرور سے زیادہ عجز و انکساری کو عزیز رکھتی ہے۔ ان کی حرکات، عادات، کردار اور گفتار میں رعوت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ان میں شاید کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو جسے اس دنیا سے اور اس زمین سے دلچسپی ہو۔ وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور بیٹھے زمین پر ہیں۔ ان میں حاکم اور ماتحت، سالار اور سپاہی میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ ایک جیسا کھاتے ہیں اور پھر مل کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔۔۔۔“

”میں نے پہلی بار مسلمانوں کو اجتماعی طور پر عبادت کرتے دیکھا ہے۔ اسے وہ نماز کہتے ہیں۔ سپہ سالار امامت کرتا ہے اور باقی سب اس کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو

جاتے ہیں۔ اس سے پہلے سب وضو کرتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک کر کے نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح امام کرتا ہے باقی سب اسی طرح کرتے ہیں۔ رکوع میں اکٹھے جاتے ہیں، سجدے میں اکٹھے جاتے ہیں اور اکٹھے اٹھتے ہیں۔ میں ان کے اس نظم و نسق سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ سالار سپاہیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ سالار سب سے آگے والی صف میں کھڑے ہوں۔“

یہ وہ الفاظ ہیں جو آج تک تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔

مقوقس تو پہلے ہی مسلمانوں سے کسی حد تک متاثر تھا۔ اس نے جب بڑے پادری کی زبان سے مسلمانوں کے یہ اوصاف سنے تو وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سراغایا اور سب کی طرف باری باری دیکھا۔ وہ آخر مصر کا بادشاہ تھا۔ سب پر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مقوقس کیا حکم صادر کرے گا۔ اس نے جب بات کی تو سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

”قسم ہے اُس خدا کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔“ مقوقس نے بے اختیار کہا۔

”یہ مسلمان کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلانے کا عزم کر لیں تو ہلا سکتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان کا مقابلہ جنگ میں کوئی نہیں کر سکتا۔ ان میں وہ اوصاف ہیں جو ہم میں نہیں۔ اس حقیقت پر غور کرو میرے بھائیو! ان سے صلح سمجھو۔ کرنے کا یہی وقت ہے جب وہ نیل کے گہرے میں آئے ہوئے ہیں۔ چند دنوں تک وہ اس خطرے سے نکل جائیں گے پھر ان سے صلح ناممکن ہو جائے گی۔ وہ صلح پر آمادہ ہی نہیں ہوں گے۔“

سب نے دیکھ لیا کہ مقوقس صلح پر ہی بات کرتا ہے۔ وہ آخر فرمانروائے مصر تھا اگر وہ کوئی ارادہ ظاہر کر رہا تھا تو حاضرین میں کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے خلاف بولے۔ مقوقس نے ان سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اب تو اس نے بات ہی صاف کر دی کہ وہ صلح کی ایک آخری کوشش کرنا چاہتا ہے۔

”ابھی منجائش ہے۔“ حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ ”آپ نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو لکھا تھا کہ اپنے کچھ آدمی بات چیت کے لئے بھیجیں لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ سپہ سالار کو ایک اور پیغام بھیجا جائے کہ وہ اپنے نمائندے بات چیت کے لئے بھیجے؟“

سب نے اس مشورے کی تائید کی اور مقوقس نے اُسی وقت سپہ سالار عمرو بن

عاص کے نام پیغام لکھوایا کہ آپ نے اپنے نمائندوں کا وفد نہیں بھیجا نہ کوئی جواب دیا ہے۔ آخری فیصلے پر پہنچنے کے لئے آپ اپنا وفد فوراً بھیجیں۔ میں بے تابی سے منتظر رہوں گا۔

○

مقوقس کا یہ پیغام ایک عام سی قسم کے اپیلچی کے ہاتھ عمرو بن عاص تک پہنچا۔ انہوں نے اپیلچی کو جواب کے انتظار میں باہر بٹھا دیا اور اپنے سالاروں کو بلایا۔ انہیں مقوقس کا پیغام پڑھ کر سنایا۔

”پہلے اس پر غور کرو کہ یہ شخص صلح ہی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔“ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”میرا ایک خیال تو یہ ہے کہ مقوقس نے دیکھ لیا ہے کہ اس کی فوج حوصلے اور جذبے کے لحاظ سے لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ دوسرا خیال یہ آتا ہے کہ مقوقس صلح کی گفتگو کا دھوکہ دے کر وقت حاصل کر رہا ہے اور وقت حاصل کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس دوران اسے ملک پہنچ جائے گی۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اپنا وفد اس کے پاس بھیجوں یا صاف انکار کر دوں۔ میں کوئی ایک بھی شرط نرم نہیں کر سکتا۔ یہ میرے بس سے باہر ہے۔“

”وقت اور مہلت ہمیں بھی درکار ہے۔“ ایک سالار نے کہا۔ ”نیل کی طغیانی تو اُتر گئی ہے لیکن پانی جو دریا سے باہر آگیا تھا یہ ابھی واپس نہیں گیا اور ہم پانی کے گہرے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس پانی کے واپس جانے یا خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا ورنہ لڑائی کی صورت میں ہم اس زمین پر نہیں لڑ سکیں گے۔“

”اس پر غور کریں سپہ سالار۔“ ایک اور سالار نے کہا۔ ”یہ بھی تو اللہ کا حکم ہے کہ دشمن صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اسے پورا موقع دو اور صلح قبول کرو بشرطیکہ تمہارا دشمن تمہاری شرائط قبول کرتا ہے۔“

باہمی صلح و مشورے کے بعد عمرو بن عاص نے دس افراد کا ایک وفد مقوقس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ اس کی قیادت ایک صحابی عبادہ بن صامت کے پردی جو زبیر ابن العوام کی قیادت میں آئی ہوئی ملک کے ایک حصے کے سالار تھے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا، جسم گٹھا ہوا لیکن اوپر بڑھنے کی بجائے چوڑائی میں تھا اور قد دراز نہیں تھا۔

اللہ ہے۔ کوئی لالچ اور خزانوں کے پہاڑ بھی ہمیں اس راستے سے نہیں ہٹا سکتے.... آپ نے ہمیں بلایا ہے۔ ہم آپ کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ پہلے اپنا مدعا بیان کریں۔“

”میں اپنا مدعا تمہارے سپہ سالار کو لکھ چکا ہوں۔“ مقوقس نے کہا۔ ”تمہیں بھی بتا رہا ہوں اور تمہارا یہ فرض ہے کہ اپنے سپہ سالار کے ذہن میں میری یہ باتیں بٹھا دینا.... تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ روم کی یہی فوج ہے جسے تم ہر میدان میں شکست دیتے چلے آ رہے ہو۔ ہمارے پاس اس قلعے میں روم کی اتنی زیادہ اور اتنی طاقت و ر فوج موجود ہے اور اتنی زیادہ فوج آ رہی ہے جسے تم تصور میں بھی نہیں لاسکتے....

”تم تعداد میں بہت ہی تھوڑے ہو۔ اس کے علاوہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کس قسم کی پریشانیوں کا سامنا ہے۔ کچھ دن اور گزرے تو تم اپنے لشکر کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔ میں جو بار بار تمہیں تمہاری کمزوریوں کا احساس دلایا ہوں یہ صرف اس لئے دلا رہا ہوں کہ مجھے تمہارے اس ذرا سے لشکر پر رحم آ رہا ہے۔ تمہارا یہ لشکر میری فوج کے ہاتھوں کٹ مرے گا تو مجھے بہت افسوس ہو گا کیونکہ میں اسے نگاہ سمجھتا ہوں۔ میں اُس وقت خوش ہوں گا جب تم میرے ساتھ صلح کر لو گے۔ میں تمہارے لشکر کے ہر سپاہی کو دو دینار، ہر سالار کو ایک سو دینار اور تمہارے خلیفہ کو ایک ہزار دینار پیش کرتا ہوں۔ یہ مجھ سے وصول کرو اور واپس چلے جاؤ۔ رومی فوج کے قراور غضب سے ڈرو۔“

تاریخ نویسوں نے مختلف واقعات اور شخصیات پر تبصرے بھی لکھے ہیں اور تجزیے بھی کئے ہیں، وہ کچھ حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک طرف تو مقوقس مسلمانوں کو اچھا سمجھتا تھا اور صلح کے لئے بے تاب نظر آتا تھا لیکن جب کسی مسلمان سے سامنا ہو جاتا تو رعب اور دھمکی کی زبان میں بات کرتا تھا۔ اسے غالباً یہ توقع تھی کہ مسلمان اگر کسی لالچ میں نہیں آتے تو شاید ڈر کر واپس چلے جائیں۔

تاریخ میں آیا ہے کہ عبادہ بن صامت نے حساب کیا تو یہ تیس ہزار دینار بنتے تھے جو مسلمانوں کو مصر سے چلے جانے کے عوض پیش کئے جا رہے تھے۔

”میں کچھ بھی قبول نہیں کر سکتا۔“ عبادہ بن صامت نے کہا۔ ”میں اپنے سپہ سالار کے بڑے واضح احکام کے کر آیا ہوں۔ آپ کی دھمکیوں کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تعلق براہ راست اپنے اللہ کے ساتھ ہے۔ ہم یہ نہیں دیکھا کرتے کہ ہماری

عمر بن عاص نے مقوقس کے پیغام کا جواب دے کر اس کے ایلچی کو رخصت کر دیا۔ جواب یہ تھا کہ اس کا ایک وفد آ رہا ہے۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے اس وفد کے تمام ارکان کو بلایا اور عبادہ بن صامت کو ہدایات دیں کہ وہ کیا گفتگو کریں اور پھر انہیں وہی تین شرطیں بتائیں جو وہ پہلے مقوقس کو پیش کر چکے تھے۔ سپہ سالار نے عبادہ بن صامت کو بڑا سخت حکم دیا کہ ان شرائط میں ذرا سی بھی نرمی نہیں کرنی۔

اگلے روز یہ وفد مقوقس کے پاس پہنچ گیا۔ مقوقس کے اپنے مشیر اور جرنیل اس کے ساتھ تھے۔ بات عبادہ بن صامت نے شروع کی لیکن مقوقس نے انہیں حقارت سے دیکھا اور یہ تاثر دیا جیسے وہ خفا ہو۔

”اس سیاہ کالے آدمی کو میرے سامنے کیوں لایا گیا ہے۔“ مقوقس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ”ہاؤ اسے میرے آگے سے اور کوئی اور آدمی بات کرے۔“

عبادہ بن صامت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وفد کے ایک آدمی نے کہا کہ انہیں سپہ سالار نے وفد کا قائد بنا کر بھیجا ہے، لہذا یہی بات کریں گے اور ہم سب کو ان پر پورا پورا اعتماد ہے۔

مقوقس نے ابھی اس بات پر اپنے رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وفد کے تمام ارکان بیک وقت بولنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ عبادہ بن صامت ان کے قائد ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی اور نہیں بولے گا۔ مقوقس نے جب پورے کے پورے وفد کا یہ رد عمل دیکھا تو اس نے ہونٹ سی لئے۔ مقوقس کا اپنا مذہب تاریخ دان بلکر لکھتا ہے کہ مقوقس اس قسم کی اوجھی بات کرنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اس نے بڑی ہی اوجھی بات کہہ دی جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اس نمائندہ وفد میں اختلاف پیدا کرنا چاہتا تھا۔ شاید یہ بھی دیکھنا چاہتا ہو کہ مسلمانوں میں نظم و نسق کس حد تک ہے اور یہ لوگ اپنے سپہ سالار کے حکم کے سونی صد پابند رہتے ہیں یا نہیں۔ آخر اس نے عبادہ بن صامت کو سر سے اشارہ کیا کہ وہ بات کرے۔

”فرمانروائے مصر!“ عبادہ بن صامت نے بات شروع کی۔ ”ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے احکام کے پابند۔ اسلام کسی کے چہرے کا رنگ اور لباس دیکھ کر اسے برتر یا کمتر قرار دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس دنیا کے لو و لعب کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہماری روحانی دلچسپی آخرت کے ساتھ ہے اور دنیا میں ہمارا فریضہ جہاد فی سبیل

تعداد کتنی تھوڑی اور دشمن کی فوج کتنی زیادہ ہے۔ اللہ نے قرآن میں ہمیں بشارت دی ہے کہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی فوجوں پر غالب آئی ہیں، اللہ مبروہ استقلال والوں کے ساتھ ہے.... آپ نے لشکر کی ضروریات کی جو بات کی ہے یہ ہمارے لئے بے معنی ہے۔ ہم دنیا کی تنگ دستی یا خوشحالی کی پرواہ نہیں کیا کرتے کیونکہ ہمارا تعلق براہ راست اللہ کے ساتھ ہے....

”ہمارے سپہ سالار نے جو ہمارا امیر بھی ہے، آپ کو صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ ہماری تین شرطیں ہیں۔ ان میں سے جو چاہو قبول کر لو۔ باقی سب گفت و شنید فضول باتیں ہیں۔ ان سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ مجھے میرے امیر نے اور میرے امیر کو امیر المؤمنین نے اور امیر المؤمنین کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بتایا تھا، میں وہ آپ کے آگے رکھ رہا ہوں۔ اسلام قبول کر لو اور یہاں اسلامی حکومت قائم کر دو تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ یہ نہیں تو جزیہ ادا کرو اور ہم آپ کو اور آپ کے ہر فرد و بشر کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیں گے اور اگر اسلام بھی قبول نہیں اور جزیہ بھی قبول نہیں تو ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی۔“

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مقوقس نے اس گفت و شنید کے بعد عباد بن صامت کے آگے کچھ تجویزیں رکھیں لیکن عبادہ بن صامت نے کوئی ایک بھی تجویز نہ مانی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اتنا اختیار حاصل ہی نہیں نہ سپہ سالار کو نہ ہی امیر المؤمنین کو اختیار حاصل ہے کہ اسلام کی شرائط میں ذرا سی بھی چلک پیدا کرے۔ مقوقس اپنے مشیروں اور جرنیلوں سے مخاطب ہوا اور ان سے پوچھا کہ ان کی ان تین شرطوں میں سے کون سی شرط قبول کرتے ہو۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ نہ انہیں اسلام قبول ہے نہ وہ جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ عبادہ بن صامت اٹھے اور اپنے وفد کو ساتھ لے کر واپس چل پڑے۔

○

اس کے بعد تاریخ مقوقس اور اس کے مشیروں کی گفتگو کچھ مختصر سی سناتی ہے۔ وفد کے جانے کے بعد مقوقس نے اپنے مشیروں اور جرنیلوں کے ساتھ باتیں کیں۔

”میں اب بھی کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ ہماری صلح ہو جانی چاہئے۔“

مقوقس نے کہا۔ ”تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ کسی لالچ میں بھی نہیں آتے اور کسی دھمکی

سے بھی نہیں ڈرتے۔“

”آپ کو ان کی کون سی شرط قبول ہے؟“۔ مقوقس کے جرنیل جارج نے پوچھا۔

”میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔“۔ مقوقس نے کہا۔ ”میں اپنی رائے دوں گا اور تم سب اس پر غور کرو۔ آج میں تمہیں صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ ان مسلمانوں سے لڑنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تم نے خود دیکھ لیا ہے۔ لہذا جنگ جاری رکھنے کو ذہن سے نکال دو۔ اسلام قبول نہ کرو لیکن تیسری شرط مانتی پڑے گی۔“

”فرمانروائے مصر!۔ ایک مشیر نے حیرت سے کہا۔“ آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جزیہ دینا قبول کر لیں اور پھر مسلمانوں کے غلام ہو کر زندگی بسر کریں؟“

”یہ غلامی اتنی سی ہی ہو گی کہ تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو گے۔“۔ مقوقس نے کہا۔ ”تمہیں مسلمان غلام نہیں سمجھیں گے بلکہ تمہیں پورے حقوق اور عزت نصیب دیں گے۔ اگر تم لڑو گے اور مسلمان تم پر فتح پالیں گے تو پھر تمہارے ساتھ مسلمانوں کا رویہ بالکل ہی مختلف ہو گا۔ نہ تمہاری جانیں محفوظ ہوں گی نہ تمہارے مال و اموال محفوظ ہوں گے۔ اس صورت میں تم مسلمانوں کے صحیح معنوں میں غلام ہو جاؤ گے۔“

”اس سے موت بہتر ہے۔“۔ جرنیل تھیوڈور نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

تھیوڈور اٹھا تو باقی سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر سب مقوقس کو اکیلا چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ مقوقس نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ سمجھ گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتے کی کوشش میں وہ تباہ کیا ہے۔ جرنیلوں نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ مقوقس کو ان کا ساتھ دینا پڑا ورنہ بغاوت بھی ہو سکتی تھی۔ قبلی عیسائی پہلے ہی بغاوت پر آمادہ تھے۔

جرنیلوں نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ جنگ ہو گی اور محاصرے پر حملہ کیا جائے گا۔ جرنیلوں نے یہ بات یہیں تک نہ رہنے دی بلکہ اپنے ماتحت کمانڈروں سے یہ بھی کہا کہ اب وہ اس جنگ کو پہلے والی جنگ نہ سمجھیں کہ جہاں مسلمانوں نے ذرا دباؤ ڈالا تو ہماری فوج بھاگ اٹھی۔ اب یہ ذہن میں رکھ لو کہ ہمارا اپنا بادشاہ مقوقس ہمیں مسلمانوں کا غلام بنانے کا ارادہ کر چکا ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ

صلح کرنے کے لئے سودے بازی کر رہا ہے۔

جرنیلوں نے اپنے جو نیر کمانڈروں کو کچھ ادرا باتیں سنا کر بھڑکا دیا اور کہا کہ اپنے اپنے دستوں کو بتادو کہ تم جنگی قیدی ہو گئے تو بھیڑ بکریوں کی طرح مسلمانوں کے غلام ہو جاؤ گے۔ تمہیں انسانیت کے درجے سے گرا کر تمام حقوق سے محروم کر دیا جائے گا اور پھر تم ان کے مویشی ہو گے۔ مسلمان یہی سلوک تمہاری بیٹیوں اور بہنوں سے کریں گے۔

جو نیر کمانڈروں نے اپنی فوج کو یہ باتیں اور اپنے فرمانروائے مقوقس کے ارادے سنا کر بھڑکادیا۔ فوجیوں سے یہ باتیں شہریوں کے کان تک پہنچیں۔ انہیں باتیں اس قدر اشتعال انگیز سنائی گئیں کہ وہی لوگ جو مسلمانوں کے نام سے بھی ڈرتے اور اطاعت قبول کر لینے تک کی بات کرتے تھے یک لخت مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے اپنی فوج سے کہا کہ وہ فوج کے دوش بدوش لڑیں گے۔

بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کا وفد چلا گیا تھا تو مقوقس نے عمرو بن عاص کو ایک اور پیغام بھیجا تھا کہ اسے کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے ایک مہینے کی مہلت دی جائے لیکن عمرو بن عاص نے جواب دیا تھا کہ تین دنوں سے زیادہ مہلت نہیں دی جاسکتی۔ عمرو بن عاص کا یہ شک صحیح ثابت ہو رہا تھا کہ مقوقس وقت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے اور وہ ملک کا انتظار کر رہا ہے۔

اگر رومی فوج کی اس تعداد کو دیکھا جاتا جو قلعہ بابلین میں موجود تھی تو مقوقس کو ملک کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن وہ ملک کے لئے اس لئے بے تاب تھا کہ سکندریہ سے آنے والی ملک تازہ دم ہوگی۔ سکندریہ میں رومی فوج کے ایسے دستے موجود تھے جو ابھی تک مجاہدین اسلام کے مقابلے میں نہیں آئے تھے۔ بزنطیہ سے کسی ملک کے آنے کا تو امکان ہی نہیں تھا۔

یہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہرقل کا بنایا ہوا اسقف اعظم قیروس بابلین میں موجود تھا۔ وہ بھی اب ہرقل کے مخالفین میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے بنیامین سے صلح کر لی تھی۔ مسلمانوں کے معاملے میں وہ بڑا سخت متعصب تھا اور کلمہ اسلام دشمن۔ اس نے قلعے کے اندر قبیلوں کو اس قدر بھڑکایا کہ وہ آگ بگولہ ہو گئے۔

اب شہر کی یہ کیفیت تھی جیسے لوہا چاکاں بڑی گرمی نیند سے جاگ اٹھے ہوں۔

فوج کو تو جنگ کی تیاری کرنی ہی تھی، شہری بھی تیر و کمان، تلواریں، برہمچیاں لے کر لڑنے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اس قدر بڑا ہجوم سیلاب کی طرح اپنے سامنے آئے ہوئے پہاڑوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ مقوقس اپنے محل میں خاموش بیٹھا تھا۔ کبھی وہ باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا اور کبھی محل کے اوپر جا کر بالکونی میں کھڑا ہو جاتا اور اپنی فوج اور لوگوں کی تیاریوں میں ادھر ادھر بھاگتے دوڑتے دیکھتا۔

”فرمانروائے مصر!“۔ قیروس نے ایک روز مقوقس کے پاس آکر کہا۔ ”اب ہم مسلمانوں کا نام و نشان مٹادیں گے۔“

”کیا تم محسوس نہیں کر رہے قیروس!“۔ مقوقس نے کہا۔ ”کیا یہ فوج اور یہ لوگ میرے خلاف بغاوت نہیں کر رہے؟“

”نہیں!“۔ قیروس نے جواب دیا۔ ”میں جانتا ہوں آپ صلح چاہتے ہیں اور یہ لوگ ایسے بیدار ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جان کی بازی لگا کر لڑنا چاہتے ہیں۔ ان کی تیاریاں آپ کے خلاف نہیں۔ انہیں شک کی نظروں سے نہ دیکھیں۔ گرجوں میں وعائیں ناگنی جا رہی ہیں۔ مایوس نہ ہوں فرمانروائے مصر!“

تاریخ میں آیا ہے کہ مقوقس نے کچھ بھی نہ کہا۔ نہ کوئی حوصلہ افزا بات کسی نہ کوئی حوصلہ شکن اشارہ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر لطیف سی مسکراہٹ آگئی لیکن اس مسکراہٹ میں مسرت کی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی البتہ طنزی ضرور نظر آتی تھی۔

قلعے کے اندر رومی فوجی اپنی کثیر تعداد کے بھروسے اور لوگوں کے تعاون کے بھروسے پر جوش و خروش سے جنگی تیاریاں کر رہے تھے اور ان کا ایک بھروسہ یہ بھی تھا کہ نیل کے جزیرے روضہ سے فوراً فوج پہنچ جائے گی اور ان کی تعداد اور زیادہ ہو جائے گی۔

قلعے کے باہر خندق سے ذرا ہٹ کر قلیل تعداد مجاہدین اسلام صرف اللہ کی ذات باری پر بھروسہ کئے بیٹھے تھے۔ فن حرب و ضرب کے ماہرین کہتے ہیں کہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ یہ اتنے قلیل تعداد مسلمان چند منٹ بھی کثیر تعداد رومی فوج کو سامنے ٹھہر سکیں گے جبکہ رومی فوج کو شہریوں کی مدد بھی حاصل ہو گئی تھی اور ان کی عورتیں بھی لڑنے کے لئے تیار تھیں۔

مجاہدین اسلام کو اللہ کی اس بشارت کا بھروسہ تھا کہ تم اگر ایمان کے پکے ہو تو تم

میں سے دس ایک سو کفار پر اور تم میں سے ایک سو ایمان والے ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے۔

ایک رات جب قلعے کے باہر کی دنیا محو خواب تھی، رومی فوج دریا کی طرف نہایت خاموشی سے قلعے سے نکلی، کشتیوں میں بیٹھی اور اُس جگہ جا پہنچی جہاں سے مجاہدین اسلام پر حملہ کر سکتی تھی۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ رومی فوج دریا والے دروازے سے ہی نکلی تھی یا دوسرے دروازوں میں سے بھی۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ رومی فوج نے رات ہی رات خندق پر پُل ڈال دیئے تھے جو اس مقصد کے لئے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے۔

رومیوں کی یہ کارروائی اس قدر خفیہ اور خاموش تھی کہ مسلمانوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ سنتی بھی بے خبر رہے جو پہرے پر تھے۔

مجاہدین اسلام پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑی۔ رومی فوج کا یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا اور بڑا ہی تیز اور شدید.... نظریں آتا تھا کہ مجاہدین اسلام کو جانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی اور رومی انہیں ابدی نیند سلا دیں گے لیکن مجاہدین نے زمین و آسمان اور اس تاریک رات کو اور پھر تاریخ کو حیرت میں ڈال دیا کہ حملہ ہوتے ہی وہ اس طرح سنبھل گئے جیسے پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشعلیں جل اٹھیں اور مجاہدین نے رات کو دن بنا دیا۔

یہ سپہ سالار عمرو بن عاص کا کمال تھا جنہوں نے اپنے سالاروں کو اور تمام لشکر کو کہہ رکھا تھا کہ دشمن کے ملک میں آکر چند لمحوں کے لئے بھی غافل نہیں ہونا اور سونا بھی اس طرح جیسے ایک آنکھ کھلی ہو۔ گھوڑے اور ہتھیار تیار رہیں جیسے کسی بھی حملہ ہو جائے گا۔

مجاہدین اسلام کا تو یہ ایمان تھا کہ انہیں اپنے سالاروں سے جو احکام ملتے ہیں اور اصل اللہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح مبارک کے احکام ہوتے ہیں اور ان احکام کی خلاف ورزی اللہ کے عذاب میں پھینک دیتی ہے۔

حملہ آور رومی فوج کو سب سے پہلا جھکا تو یہ پڑا کہ مسلمان اس طرح بیدار ہو کر مقابلے میں آگئے تھے جیسے انہیں پہلے پتہ چل گیا ہو کہ حملہ آ رہا ہے۔ پھر رومی فوج کے جرنیلوں نے غلطی یہ کی تھی کہ بہت سے شہری رضا کارانہ طور پر حملے میں شامل ہوا

چاہتے تھے، انہیں بھی فوج کے ساتھ حملے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ تیر اور تلوار اور برہمی چلا سکتے تھے لیکن جنگ کی صورت میں وہ کسی ترتیب میں ہو کر لڑنے کے قابل نہیں تھے بلکہ اپنی فوج کے لئے ایک رکاوٹ بن گئے۔ مسلمانوں نے جب بیدار ہو کر قمر اور غضب سے اس یلغار کو روکا تو سب سے پہلے رضا کار شہریوں میں بھگدڑ مچا دی۔

عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں کو پہلے ہی ذہن نشین کر رکھا تھا کہ اچانک حملہ ہو جانے کی صورت میں لشکر کو کس ترتیب میں کر کے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مسلمان ایک ترتیب اور تنظیم میں تھے اور ان کے مقابلے میں رومی فوج اور شہری ایک ہجوم کی صورت میں آئے اور جب مسلمانوں نے قدم بجا کر مقابلہ کیا تو رومی بکھرنے لگے۔

رومی سپاہیوں کو پہلا دھچکا تو یہ لگا کہ مسلمان تو جیسے پہلے سے ہی بیدار تھے اور پھر انہوں نے مشعلیں جلائی تھیں۔ رومی سپاہیوں کے لئے یہ خلاف توقع صورت حال ایک مصیبت بن گئی۔ مجاہدین نے ان کی بوکھاہٹ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تھوڑی سی دیر میں مجاہدین اسلام نے رومی فوج کو دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا۔

عمرو بن عاص نے اپنے لشکر کو خاص طور پر یہ ٹریننگ دے رکھی تھی کہ دشمن قلعے سے باہر آکر حملہ کرے تو کس طرح لڑنا ہے اور کیا کیا چال چلنی ہے۔ مختصر یہ کہ دشمن باہر آئے تو ایک دستہ اس کے عقب میں جانے کی کوشش کرے تاکہ قلعے میں داخل ہو جائے اور اگر قلعے کے دروازے پہلے ہی بند ہو جائیں تو دشمن کی باہر آئی ہوئی فوج کو گھیرے میں لے کر آخری سپاہی تک ختم کر دیا جائے۔

مجاہدین کو اس قسم کی لڑائی اور عقب میں جانے کی چال کا خاص طور پر تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ چند قلعے ایسی ہی چال چل کر لے چکے تھے۔ اب قلعہ بابلین کے باہر مجاہدین اسلام نے دیکھ لیا کہ رومی فوج خندق پر پُل پھینک کر آگے نکل آئی ہے تو مجاہدین نے رومیوں کے پیچھے جا کر پُلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ سپہ سالار نے پہلے ہی ایک سالار اور اس کے دستے کو اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ کچھ وقت بعد رومیوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کے عقب میں آ رہے ہیں۔ اس سے ان کی بوکھاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ انہوں نے خندق پار کر کے قلعے میں واپس جانے کی کوشش شروع کر دی لیکن مجاہدین نے انہیں جانے نہ دیا۔ خندق کا ایک آدھ پل ہی

رہ گیا تھا جو ابھی مسلمانوں کے قبضے میں نہیں آیا تھا۔ وہاں سے کچھ رومی زندہ پیچھے کو نکل گئے۔ خندق سے باہر رہنے والے رومیوں میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ بعض رومیوں نے خندق میں چھلانگیں لگا دیں لیکن تیر انداز مجاہدین نے مشطوں کی روشنی میں انہیں تیروں کا نشانہ بنالیا اور اس طرح بہت سی لاشیں خندق میں بھرے پانی میں ڈوبنے اور تیرنے لگیں۔

بہت تھوڑے رومی فوجی اور شہری قلعے میں واپس جاسکے۔ قلعے والوں نے جب دیکھا کہ ان کے فوجی تو پیچھے کو بھاگ رہے ہیں تو مقوقس کے حکم سے قلعے کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے تاکہ مجاہدین قلعے میں داخل نہ ہو سکیں۔ مسلمانوں کو روکے رکھنے کے لئے مقوقس نے اپنی بہت سی فوج قربان کر دی۔

مؤرخوں نے اس لڑائی کو گھسان کی لڑائی اور بڑی ہی خون ریز لڑائی لکھا ہے اور بعض غیر مسلم مؤرخوں نے اسلام کے خلاف تعصب کو الگ رکھ کر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف صرف جذبہ اور عزم تھا اور دوسری طرف تعداد اور ہجوم پر بھروسہ تھا۔ جہاں ایک کے پاؤں اکھڑے، پورا ہجوم اکھڑ گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے جذبے کو اور ان کے سالاروں نے اپنی عقل کو بہت تحمل سے استعمال کیا۔

اتنی زیادہ گھسان کی خون ریز لڑائی رات ہی رات ختم ہو گئی۔ صبح طلوع ہوئی اور سورج کی کرنیں زمین پر اپنا نور پھیلانے لگیں تو چدر نظر جاتی تھی لاشیں نظر آتی تھیں۔ کوئی زخمی ان لاشوں سے اٹھتا اور ایک دو قدم چل کر پھر گر پڑتا تھا۔ نیل کا پانی جو کناروں سے باہر آگیا تھا بھیلوں اور تالابوں کی صورت میں دور دور تک بکھرا ہوا تھا اور یہ پانی مرنے والوں کے خون سے لال ہو گیا تھا۔ پانی میں بھی لاشیں گری تھیں۔ خندق کا پانی بھی سرخی مائل ہو گیا تھا اور اس ہیئت ناک منظر سے مسلمانوں کے نعرے اُٹھ اُٹھ کر گونج رہے تھے۔

بالیوں کے قلعہ بند شہر کے لوگ اور رومی فوج کے بھاگے ہوئے فوجی قلعے کی دیواروں پر کھڑے رات کی لڑائی کا انجام دیکھ رہے تھے۔ اوپر سے تو یہ بھیانک منظر اور ہی زیادہ خوف ناک اور ہیبت ناک لگتا تھا۔ کہاں ان لوگوں کا یہ عزم کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے عورتیں بھی لڑیں گی مگر ہوا یوں کہ مرد بھی جم کر نہ لڑ سکے اور کٹ مرے یا جو بچے وہ بھاگ کر شہر میں پناہ گزین ہوئے۔ اگر شہر کے دروازے بروقت بند نہ

کئے جاتے تو دیواروں کے اندر بھی یہی منظر ہوتا کہ رومیوں کی لاشیں بکھری ہوئی ہوتیں۔

مقوقس کو اس کے مخبروں نے بتایا کہ شہر کے لوگ اور فوجی دیواروں پر جا کر باہر کا منظر دیکھ رہے ہیں اور ان کے حوصلے جو پہلے ہی کمزور تھے بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ مقوقس نے یہ سنا تو غصے سے باہر نکلا اور حکم دیا کہ کوئی شہری یا فوجی دیوار پر نہ جائے سوائے اُن فوجیوں کے جو قلعے کے دفاع کے لئے اوپر موجود رہتے ہیں۔ یہ حکم ملتے ہی مقوقس کے محافظ دستے کے بہت سے آدمی دوڑے گئے اور دیوار پر جا کر لوگوں کو ہانک کر اور دھکیل دھکیل کر دیوار سے اتارا اور سارے شہر میں مقوقس کا یہ حکم پہنچایا کہ کوئی آدمی بغیر ڈیوٹی کے دیوار پر نہیں جاسکتا۔

سب دیواروں سے اتر گئے تو مقوقس نے اپنے جرنیلوں اور ایک دو مشیروں کو بلایا۔ قیرس بھی آگیا۔ ان سب کو ساتھ لے کر مقوقس دیوار پر چلا گیا اور باہر کا منظر دیکھا۔

”دیکھ رہے ہو اپنی جنگ کا انجام؟“ مقوقس نے کہا۔ ”تم نے ان پر سوتے میں حملہ کیا تھا لیکن یہ خون آلود انجام بتاتا ہے جیسے تم سوئے ہوئے تھے اور مسلمانوں نے تم پر حملہ کیا تھا۔ میں جانتا تھا ایسے ہی ہو گا۔ تم اپنے آپ کو فریب دیتے رہے ہو۔ حقیقت کو دیکھو۔ ہماری فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ ہاں، اگر سکندریہ سے کمک آجائے تو پھر شاید ہم مسلمانوں کو لاکارنے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں۔“

مقوقس کے ساتھ جو جرنیل اور مشیر تھے وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ تھا۔

”میں اب بھی کہتا ہوں ان سے صلح کر لو۔“ مقوقس نے کہا۔ ”لیکن اب ہمیں جزیہ قبول کر کے صلح خریدنی پڑے گی..... میں جانتا ہوں تم سب نے لوگوں کو اور فوج کو گرمایا تھا کہ میں انہیں مسلمانوں کا غلام بنانا چاہتا ہوں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اب جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ جزیہ قبول کریں اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لیں۔“

مقوقس کا یہ فیصلہ بلا جواز نہیں تھا، اور اس کے جرنیلوں کی خاموشی اور مشیروں کا سر جھکا لینا بھی بے معنی نہیں تھا۔ سب دیوار سے دیکھ رہے تھے کہ باہر ان کی فوج اور شہریوں کی لاشیں ہی نہیں بکھری ہوئیں بلکہ مجاہدین اسلام کا لشکر خندق سے آگے آگیا

تھا۔ خندق ہی ایک رکاوٹ تھی جو گزشتہ رات مسلمانوں نے رومیوں کے بچائے ہوئے پلوں سے عبور کر لی تھی۔ خندق قلعے کی دیوار سے بہت دور تھی۔ دیوار اور خندق کے درمیان ہرے بھرے کھیت اور پھلوں کے باغات تھے۔ ان پر اب مجاہدین اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مقوقس بھی جانتا تھا اور اس کے جرنیل بھی جانتے تھے کہ مسلمان جب کسی قلعے پر یلغار کر دیتے ہیں تو قلعہ لے کر ہی دم لیتے ہیں۔

ان سب نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے لوگوں کو اور فوج کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی شرط پر صلح کر لینے میں ہی اپنی عافیت ہے۔ ”لوگوں کو ہم قائل کر لیں گے“۔ قیرس نے مقوقس سے کہا۔ ”آپ صلح کے سلسلے میں جو کارروائی کرنا چاہتے ہیں وہ کریں۔“

لوگوں اور فوجیوں کو قائل کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ اُس وقت اپنے حملے کا انجام دیکھ کر ان کے حوصلے بڑی طرح ٹوٹ گئے تھے اور سارے شہر پر خوف و ہراس طاری تھا۔ پہلے جو لوگ نہیں مانتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی پُر اسرار قوت موجود ہے اب وہ بھی مان گئے۔ گزشتہ رات سے پہلے وہ اپنے آپ کو قلعے کی دیواروں کے اندر محفوظ سمجھتے تھے لیکن اب ان دیواروں سے بھی انہیں خوف آنے لگا تھا۔

مقوقس اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو اپنے محل میں لے گیا اور سپہ سالار عمرو بن عاص کے نام ایک پیغام لکھوایا۔ ”میں امان اور خیر سگالی چاہتا ہوں۔ مجھے ملاقات کا ایک موقع دیں۔ میرے دو چار رفیق ساتھ ہوں گے اور آپ اپنے دو چار رفیقوں کو ساتھ رکھیں اور ہم دونوں مل بیٹھ کر صلح سمجھوتے کا کوئی راستہ نکالیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم کسی بہتر فیصلے پر پہنچ جائیں۔“

پیغام ایک قاصد کو دے کر اُسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ عمرو بن عاص اُس وقت قلعے کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے جب مقوقس کا پیغام ان تک پہنچا۔ انہوں نے اپنے تمام سالاروں کو بلا لیا اور الگ لے جا کر انہیں مقوقس کا پیغام پڑھ کر سنایا پھر ان سے پوچھا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

”صاف انکار کرویں“۔ سالار زبیر بن العوام نے کہا۔ ”آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ یہ شخص وقت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔“

عمرو بن عاص نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا۔ سب نے زبیر بن العوام

کی پُر زور تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ ملاقات نہ کی جائے۔

”کیا تم لوگ میری مجبوری نہیں سمجھتے؟“۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ امیر المومنین نے مجھے کیا احکام بھیج رکھے ہیں؟.... امیر المومنین کا بڑا ہی واضح حکم ہے کہ مصر کا حاکم ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک مان لے تو اس کے ساتھ صلح کر لو لیکن اپنی شرط پر سوئی صد عمل در آمد کراؤ۔ اب مقوقس نے ہماری ایک شرط مان لی ہے۔ میں امیر المومنین کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا....

”اس کے علاوہ یہاں اپنی حالت بھی دیکھ لو کہ ہم کس کیفیت میں مبتلا ہیں۔ ہمارے ارد گرد پانی ہے۔ بے شک ہم نے خندق عبور کر لی ہے لیکن اس قلعے کو سر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہو گا۔ کھیتوں اور باغات میں بھی پانی ہی پانی ہے۔ ہم ابھی کسی دوسرے شہر کی طرف پیش قدمی بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں پانی خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا....

”اب دشمن کی کیفیت کا اندازہ کرو۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کا ذہن پڑھنے کی کوشش کرو۔ اس وقت رومی فوج کے حوصلے ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔ ہم نے ان کے جو قیدی پکڑے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ فوج کے ساتھ شہر کے لوگ بھی حملے میں شامل تھے۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ملا ہے کہ شہر کے لوگوں پر بھی ہمارے مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی ہے لیکن یہ لوگ قلعے کی پناہ میں بیٹھے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ان کے حوصلے بحال ہو جائیں ہمیں ان کی یہ شرط قبول کر لینی چاہئے کہ یہ جزیہ ادا کریں گے۔ اگر یہ لوگ سنبھل گئے تو پھر یہ اس شرط سے بھی پھر جائیں گے۔“

تمام سالار اپنے سپہ سالار سے متفق ہو گئے اور مقوقس کے پیغام کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ باہر آ کر جہاں چاہے ملاقات کرے۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ان کی ملاقات کہاں ہوئی سوائے اس کے کہ مقوقس اور مجاہدین کے سپہ سالار عمرو بن عاص کی ملاقات ہوئی۔ مقوقس کے ساتھ دو جرنیل اور دو مشیر تھے اور عمرو بن عاص کے ساتھ تین یا چار سالار تھے۔ عمرو بن عاص نے مقوقس کو کوئی اور بات کرنے کا موقع نہ دیا سوائے اس کے کہ وہ اطاعت قبول کر لے اور جزیہ ادا کرے۔

مقوقس تو یہی سوچ کر آیا تھا اور یہ اس کا فیصلہ تھا کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کی جانی ہے اور جزیہ ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ جو جزیہ طے پایا وہ دو دیناریں کس تھا۔ یہ صرف

بالغ مردوں کو ادا کرنا تھا۔ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں، عورتوں اور بوڑھے مردوں کو جزیہ سے مستثنیٰ رکھا گیا۔

مقوقس حیران رہ گیا کہ اتنا تھوڑا جزیہ مقرر کیا گیا ہے۔ عمرو بن عاص نے مقوقس سے یہ بھی منوالیا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت جہاں کہیں بھی چاہے گی کچھ دن قیام کر سکے گی اور اگر دو تین مسلمان کسی مجبوری کے تحت کبھی کسی مصری کے گھر ٹھہریں گے تو گھر والے تین دن ان کی میزبانی کریں گے۔

اس معاہدے میں عمرو بن عاص نے مقوقس کے مطالبے کے بغیر ہی یہ بھی شامل کیا کہ مصریوں کی زمین، مال و اموال، ان کے گرجے اور دیگر عبادت گاہیں اور خشکی یا دریا میں کوئی بھی ملکیت ہوگی، یہ انہی کی رہے گی اور مسلمان ان کی حفاظت کریں گے۔ مصریوں کی تجارت پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوگی۔ مصری تاجر جہاں سے چاہیں مال لا سکیں گے اور کسی بھی ملک کو اپنا مال بھیج سکیں گے۔

مقوقس نے اس معاہدے پر اپنی مرثیت کر دی لیکن اس نے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس معاہدے کی منظوری شاہ ہرقل سے لینی ضروری ہے۔ اُس وقت تک دونوں طرف کی فوجیں جہاں ہیں وہیں رہیں اور منظوری جلدی آجائے گی۔ یہ ملاقات اور معاہدہ مجاہدین اسلام کی بہت بڑی فتح تھی۔

○

مقوقس واپس اپنے قلعہ بابلیون میں گیا تو اپنے ساتھ گئے ہوئے جرنیلوں اور مشیروں سے صلح مشورہ کیا کہ ہرقل کو کس طرح اطلاع دی جائے۔ عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہرقل کے نام پیغام ایک ایٹلی لے جایا کرتا تھا لیکن مقوقس نے کہا کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ہرقل نہ جانے کیسے کیسے سوال کرے اور ایٹلی جواب نہ دے سکے۔ سب نے بیک زبان اسے مشورہ دیا کہ وہ خود بزنطیہ چلا جائے اور ہرقل کو مطمئن کر دے۔ ہرقل کو مقوقس ہی مطمئن کر سکتا تھا۔

مقوقس نیل کے راستے سکندریہ کو روانہ ہو گیا۔ سکندریہ سے اسے بزنطیہ جانا تھا لیکن مؤرخ لکھتے ہیں کہ نہ جانے کیا وجہ ہوئی اور اس نے کیا سوچا کہ مقوقس سکندریہ رک گیا اور وہاں صلح کے معاہدے کی پوری تفصیلات لکھ کر ایک ایٹلی کو دیں کہ وہ بزنطیہ جائے اور ہرقل کے حوالے کر دے۔ معاہدے کی وہ اصل تحریریں بھی ساتھ بھیج

دیں جس پر عمرو بن عاص اور مقوقس نے دستخط کر کے اپنی اپنی مہر لگا لی تھیں۔ کچھ دنوں بعد ایٹلی بزنطیہ پہنچا۔ ہرقل مصری صورت حال معلوم کرنے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ مصر سے ایٹلی پیغام لایا ہے تو ہرقل خود باہر کودوڑ پڑا اور پیغام ایٹلی کے ہاتھ سے چھین کر اندر لے گیا اور پڑھنے لگا۔ اس نے جب معاہدہ دیکھا تو اس کے تن بدن کو آگ لگ گئی اور جب اس نے معاہدے کی تفصیلات پڑھیں تو وہ غصے سے باؤلا ہونے لگا۔ ایٹلی کو اندر بلایا۔

”کیا تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو؟“ — ہرقل نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔ ”کیا یہ معاہدہ صرف بابلیون کے لئے ہے یا اس بد بخت مقوقس نے پورے کا پورا مصر مسلمانوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے؟ اور کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ جزیہ وصول کر کے مسلمان واپس چلے جائیں گے یا مصر کے بادشاہ بن بیٹھیں گے؟“

”نہیں قیصرِ روم!“ — ایٹلی نے جواب دیا۔ ”مجھے فرمانروائے مصر نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی سوائے اس کے کہ یہ پیغام آپ کے حضور پیش کر دوں۔“

”کہاں ہے وہ؟“ — ہرقل نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا۔ ”بابلیون میں ہو گا۔“ ”نہیں قیصرِ روم!“ — ایٹلی نے جواب دیا۔ ”سکندریہ میں! آپ کے جواب کا وہیں انتظار کریں گے۔“

”ابھی روانہ ہو جاؤ“ — ہرقل نے حکم دیا۔ ”تمہیں بادبانی جہاز تیار ملے گا۔ فوراً سکندریہ پہنچو اور مقوقس سے کہو کہ اسی جہاز پر آئے اور میرے پاس پہنچے۔“

○

نہ جانے کتنے دنوں بعد مقوقس بزنطیہ پہنچا اور ہرقل سے ملا۔ ہرقل نے رسمی طور پر بھی مقوقس کو شاہی احترام نہ دیا۔ مقوقس آخر اتنے بڑے ملک کا فرمانروا تھا لیکن ہرقل کا رویہ ایسا تھا جیسے مقوقس اس کا غلام ہو۔ ہرقل نے اس سے پہلی بات یہ پوچھی کہ اس معاہدے کے بعد مسلمان مصر سے چلے جائیں گے یا نہیں۔

”ہاں!“ — مقوقس نے بھی قدرے بے رخی سے جواب دیا۔ ”وہ مصر سے چلے جائیں گے۔“

”تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو“ — ہرقل نے کہا۔ ”معاہدے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بھی جماعت جہاں چاہے گی جا سکے گی اور جہاں چاہے گی قیام کرے گی

اور دو چار مسلمان کسی مجبوری کے تحت کسی مصری کے گھر رکیں گے تو اس مصری پر ان کی میزبانی فرض ہوگی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان نہیں جائیں گے۔ اس کے بعد ہر قل نے مقوقس سے اتنے زیادہ سوال پوچھے اور اتنی وضاحتیں مانگیں کہ مقوقس پریشان ہو گیا اور (مؤرخین کے مطابق) اس نے سوچا کہ ہر قل کو حقیقت سے آگاہ کر ہی دیا جائے۔

”قیصر روم!“۔ مقوقس نے کہا۔ ”آپ ان عربوں کی جو انمردی، شجاعت اور کٹ مرنے کے عزم سے ناواقف نہیں۔ آپ کا ان کے ساتھ مقابلہ ہو چکا ہے اور آپ نے اس کا انجام بھی دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھ سے اتفاق نہیں کریں گے کہ ان مسلمانوں کو شکست دینا کم از کم ہماری اس فوج کے لئے ممکن نہیں۔ میرے سامنے سوائے صلح کے اس معاہدے کے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں نے قلعہ بالبیون کو ان سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اگر مسلمانوں نے بزورِ شمشیر بالبیون لے لیا تو پھر سارا مصر ان کے قدموں میں پڑا ہو گا۔“

”دیکھو مقوقس!“۔ ہر قل نے کہا۔ ”تم پہلے بھی مجھے شام کی شکست اور وہاں سے پسپائی کا طعنہ دے چکے ہو۔ اب تم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر چکے ہو، انہیں جزیہ ادا کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو اور مصر میں ان کی موجودگی اور حکومت کو بھی برداشت کر رہے ہو پھر بھی تم مجھے شام کی شکست کا طعنہ دے رہے ہو۔“

مقوقس نے اس کا یہ وہم رفع کرنے کے لئے بہت کچھ کہا کہ وہ اس پر طنز نہیں کر رہا بلکہ ایک حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن ہر قل اس کی کوئی دلیل قبول نہیں کر رہا تھا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے رہے کہ میں مصر سے اتنی دور ہوں اور مجھے وہاں کے حالات کی کچھ خبر ہی نہیں؟“۔ ہر قل نے کہا۔ ”مجھے بل بل کی خبر ملتی رہی ہے۔ شام کے حالات کچھ اور تھے اور مصر کے حالات کچھ اور ہیں۔ مصر میں ہماری ایک لاکھ فوج موجود ہے اور اس ایک لاکھ میں سے صرف ساڑھے بارہ ہزار فوج لڑی ہے۔ اگر اس فوج کی قیادت عقل مند ہی سے کی جائے تو ان مٹی بھر مسلمانوں کو مصر کے ریگستان میں روندنا اور مسلماً جاسکا ہے یا انہیں نیل میں ڈبو دیا جائے اور نیل بہتا رہے گا.... مصر میں ہماری فوج بڑے مضبوط قلعوں میں محفوظ ہے۔ یہ ذرا جتنے مسلمان اس فوج کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھے یقین ہے مقوقس! کوئی ایسا راز ہے جو تم مجھے نہیں بتا رہے۔“

مقوقس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے ایک دو جلی کٹی سی کہہ دیں۔ ”تم اپنا سب سے بڑا اور شرمناک جرم سن لو۔“۔ ہر قل نے کہا۔ ”جنہیں تم نے میرے قتل کے لئے بھیجا تھا وہ میرے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اب تم غدا آری کے مرتکب ہو رہے ہو۔ تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور مصر عربوں کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے۔“

ہر قل نے جب اس لڑکی کو اور اس کے ساتھ جانے والے دونوں آدمیوں کو جو اسے قتل کرنے گئے تھے، جلاد سے قتل کروا دیا تھا تو اس نے اپنے مشیروں اور ایک دو جرنیلوں کو بلا کر یہ واقعہ سنایا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس سازش کے جواب میں مقوقس کو قتل کروا سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرے گا اور انتقام اس طرح لے گا کہ مقوقس کو رعایا کے سامنے ذلیل و خوار ہونے کے لئے چھوڑ دے گا۔

اب ہر قل کو وہ موقع مل گیا۔ اس نے تو جیسے طے کر لیا تھا کہ مقوقس کی بات اور کوئی دلیل نہیں سنے گا۔ وہ جانتا تھا کہ روم کی فوج جو مصر میں ہے وہ نفسیاتی لحاظ سے اور حوصلے کے لحاظ سے لڑنے کے قابل نہیں لیکن اس نے مقوقس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہر قل نے اسی وقت حاکم شہر اور کو تو ال کو بلایا۔ وہ دوڑتے ہوئے پہنچے۔ ہر قل نے حکم دیا کہ مقوقس کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دی جائیں اور اسے بزلفیہ شہر میں گھما پھرا کر اور پھر ایک جگہ رک کر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے اور اعلان کیا جائے کہ یہ شخص غدار ہے اور اس نے مصر مسلمانوں کے مٹی بھر لشکر کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسے سلطنتِ روم سے نکال دیا جائے۔ اس کی ہتھکڑیاں کھول دی جائیں لیکن بیڑیاں پاؤں میں رہیں اور اسے اور زیادہ ذلیل و خوار کر کے سلطنت بدر کر دیا جائے۔

ہر قل کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ مقوقس کو ہر قل کے حکم کے مطابق ذلیل و خوار کر کے سلطنت بدر کر دیا گیا.... ہر قل نے انتقام لے لیا۔

ہر قل نے صلح کا معاہدہ منسوخ کر دیا اور اس کی اطلاع پہ سالار عمروؓ بن عاص کو بھیج دی گئی جو دسمبر 640ء میں بھیجی گئی تھی۔ عمروؓ بن عاص نے قلعہ بالبیون پر یلغار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا جو بظاہر ناممکن تھا۔

”وہ وہاں جا کر کیا کرے گا؟“۔ ہرقل نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ”وہاں میرے آزمائے ہوئے جرنیل بھی گھٹنے ٹیک رہے ہیں۔“

”میں جانتی ہوں آپ کا مطلب کیا ہے۔“ مرتینا نے کہا۔ ”وہ لڑ نہیں سکے گا، لڑا بھی تو نہیں سکے گا لیکن جرنیلوں پر نظر رکھے گا کہ کوئی کھلم کھلایا درپردہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح صلح سمجھوتہ نہ کرے جس طرح مقوقس نے کیا تھا۔ میرا بیٹا ہرقلیوناس یہ کام خوش اسلوبی سے کرے گا۔“

”مجھے جانا چاہئے۔“ ہرقل نے کہا۔ ”یا قسطنطین وہاں جائے۔ تم جانتی ہو قسطنطین تجربہ کار جرنیل ہے لیکن میری صحت اتنی بگڑ گئی ہے کہ نہ میں جاسکتا ہوں نہ میں قسطنطین کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہاں کے معاملات اور امور قسطنطین ہی چلا رہا ہے اور میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ میرا یہی بیٹا سلطنت روم کی باگ دوڑ سنبھالے۔“

ملکہ مرتینا کے چہرے پر ناگواری اور بیزاری کا تاثر آ گیا لیکن وہ کوشش کر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئی۔

”یہ آپ نے ٹھیک کہا۔“ مرتینا نے بظاہر خوش گوار لہجے میں کہا۔ ”آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہوتی ہے۔ میں طیب کو بلواتی ہوں۔ مصر کا غم دل سے اتار دیں۔ وہاں تھوڑا دور ہے اور وہاں جارج بھی ہے۔“

پچھلے باب میں ملکہ مرتینا کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔ مرتینا غیر معمولی طور پر حسین و جمیل عورت تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اس سے کہیں زیادہ مکار اور عیار تھی۔ ہرقل کے حرم میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین عورت موجود تھی لیکن حُسن کے استعمال کی جو صلاحیت خدا نے مرتینا کو عطا کی تھی وہ کسی اور عورت میں نہیں تھی۔ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ حرم کی عورتوں کے علاوہ ہرقل کی باقاعدہ بیویاں کتنی تھیں۔ ان میں ایک مرتینا تھی جس کی حیثیت سورج جیسی تھی۔ باقی سب چاند اور ستاروں جیسی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تھا تو چاند اور ستارے آسمان کی وسعتوں سے ہی ناپید ہو جاتے تھے۔

اور حاکم شہر جب ہرقل کے حکم کی تعمیل کے لئے مقوقس کو ہتھکڑیاں اور کوتوال بیڑیاں لگانے کے لئے باہر لے گئے تو ہرقل کی ملکہ مرتینا تقریباً دوڑتی ہوئی اُس کمرے میں گئی جہاں ہرقل اپنی عدالت یا دربار لگایا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہرقل نڈھال بیٹھا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا۔ چوہدار اور دو محافظ بُت بنے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ ملکہ کے سر کے اشارے سے وہ بڑی تیزی سے باہر نکل گئے۔

”آفرین شہنشاہ ہرقل!“۔ ملکہ مرتینا نے اپنا ایک بازو ہرقل کے گلے میں ڈال کر اور پھر اس کا ایک رخسار چوم کر کہا۔ ”زندہ باد!.... خدا کو یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ موت تو کوئی سزا ہی نہیں ہوتی۔ انسان دنیا کے جھنجھٹ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ شخص مقوقس مصر کا بادشاہ بنا ہوا تھا اب ذلیل و خوار ہوتا پھرے گا۔ اس کے چہرے پر لکھا نظر آئے گا کہ یہ خدا ہے۔“

”مرتینا!“۔ ہرقل نے آہ لے کر کہا۔ ”اسے اتنی کڑی سزا دے کر مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ روم کی سرزمین نے کبھی خدا پیدا نہیں کیا تھا۔“

”لعنت بھیجو اس پر!“۔ ملکہ مرتینا نے کہا۔ ”اس نے آپ کو نہیں سلطنت روم کو دھوکہ دیا ہے۔ دل پر غم اور افسوس کا اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔ آپ کا تو رنگ ہی پیلا پڑ گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ہرقلیوناس کو مصر بھیج دیتی ہوں۔“

ہرقل کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مرتینا اس پر غالب آگئی ہے اور اسے یونانی ہرقل کو اس غلبے سے ٹکنا ہے لیکن اس کی ہرکوشش ناکام رہتی تھی۔ یہاں تک کہ ہرقل کے دل میں مرتینا کا خوف سا بیٹھ گیا تھا۔ ایک ہسپانوی تاریخ نویس فرڈینینڈ نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرتینا نے ہرقل پر کوئی آسپی اثر پیدا کروا رکھا تھا۔

ہرقلیناس مرتینا کا بیٹا تھا۔ وہ اسے ہرقل کا جانشین بنانے کی کوششوں میں لگی رہتی تھی لیکن ہرقل کی ایک اور بیوی سے قسطنطین اس کا بیٹا تھا جو ہرقلیناس سے عمر میں خاصا بڑا تھا۔ ہرقل قسطنطین کو جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اب ہرقل نے دیکھا کہ ملکہ مرتینا اس کے اس فیصلے پر اسے خراج تحسین پیش کر رہی ہے کہ اس نے مقوقس کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں باندھ کر سلطنت بدر کر دیا ہے۔ مرتینا ہرقل کی صحت کے متعلق بھی پریشان نظر آتی تھی لیکن ہرقل اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ محض دکھاوے کی ہمدردی ہے۔ مرتینا نے کہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے ہرقلیناس کو مصر بھیج دے گی۔۔۔۔ ہرقل نے کہا کہ وہ قسطنطین کو بھیجنا چاہتا ہے لیکن اپنی صحت کے پیش نظر نہیں بھیج سکتا۔ ہرقل سمجھ گیا تھا کہ مرتینا اس صورت حال سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی ہے جو مقوقس کی جلاوطنی سے پیدا ہو گئی ہے لیکن ہرقل نے قسطنطین کا نام لے کر مرتینا کی خواہش رد کر دی۔

مرتینا طبیب کو بلوانے کے لئے باہر نکل گئی تھی۔

○

ہرقل کی صحت مسلسل اور تیزی سے گرتی جا رہی تھی۔ وہ بوڑھا تو ہو ہی گیا تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ بڑھاپا اسے اس قدر معذور کر دیتا۔ بڑھاپا جسم کو لاغر کر دیتا ہے لیکن ذہن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دماغی صلاحیتیں اچھے بڑے تجربات کی بدولت اور زیادہ تیز اور کارآمد ہو جاتی ہیں۔ انسان دانشمند بن جاتا ہے لیکن ہرقل ذہنی طور پر بھی کمزور ہو گیا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ وہ اپنی ملکہ مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقلیناس سے ڈرتا تھا۔

تمام مؤرخین نے ہرقل کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان مؤرخین میں مسلمان بھی شامل ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ہرقل سورج بن کر سلطنت روم کے افق سے ابھرا تھا اور اس نے رومی سلطنت کو بڑی دور دور تک پھیلا دیا تھا، یہاں تک کہ پورے کا پورا ملک شام بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس کی نظریں عرب پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ ہرقل ہی تھا جس نے کسریٰ ایران کی ہیبت ناک جنگی قوت کو شکستیں دے کر پہلے مصر سے بے دخل کیا اور پھر شام سے بھی ایرانیوں کو بھگایا اور ان کی سلطنت عراق تک محدود کر دی تھی۔

وہی ہرقل جو عزت و عظمت اور شہنشاہیت کا آفتاب بن کر چمک رہا تھا، اب اس کی عزت و عظمت ننگ و ہزیمت میں بدل گئی تھی۔ کسریٰ ایران کی ڈیڑھ پونے دو لاکھ نفری کی فوج کو گھنٹوں بٹھادینے والا ہرقل چند ہزار مسلمانوں کے لشکر کے آگے بے بس اور مجبور ہو گیا تھا۔ ان قلیل تعداد مجاہدین نے اسے شام سے بھگایا اور اب مصر بھی اس سے چھین رہے تھے۔ ہرقل بزنطیہ میں حسرت و یاس کا بُت بنا بیٹھا تھا۔

عام خیال یہی تھا کہ ہرقل کو سلطنت روم کے سکرٹے کا غم کھا گیا ہے۔ مصر کے قبلی عیسائی کہتے تھے کہ ہرقل نے جس بے دردی اور ہیمانہ انداز سے قبطیوں کا قتل عام کیا ہے اس کی سزا اسے دنیا میں ہی مل رہی ہے۔ غیر جانبدار دانشمند کہتے تھے کہ کمال اور زوال کا چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے ہر چمکتا سورج افق سے ابھرتا افق میں غروب ہو جاتا ہے اور پیچھے رات کی تاریکی چھوڑ جاتا ہے لیکن پس پردہ جھانکتے تو مؤرخین کوئی اور ہی کہانی سناتے ہیں۔

ملکہ مرتینا نے طبیب کو بلوایا تھا۔ طبیب تو ہر لمحہ شاہی حکم کا منتظر رہتا تھا۔ ملکہ کا حکم پہنچتے ہی وہ دوڑا آیا لیکن مرتینا اسے سیدھا ہرقل کے پاس لے جانے کی بجائے اپنے کمرے میں لے گئی۔ یہ طبیب اور اس طرح کے اور سب آدمی جو محل میں مختلف کاموں پر مامور تھے، شاہی خاندان کے غلام بنے رہتے تھے۔ وہ اشارے کے منتظر رہتے تھے اور بادشاہ، ملکہ، کسی شہزادے یا شہزادی کے بلاوے پر

دوم ہلاتے دوڑتے پہنچتے اور ان لوگوں کے حکم بجالا کر فخر محسوس کرتے تھے۔ بات بات پر جھجک جاتے اور پھر کام میں جُست جاتے تھے۔ اس طبیب کا انداز بھی ایسا ہی تھا لیکن جو نبی وہ مرتینا کے کمرے میں داخل ہوا اس کا انداز بالکل بدل گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ شخص ملکہ مرتینا کا کوئی قریبی عزیز ہو یا بے تکلف دوست۔

”کیا حال ہے؟“ — طبیب نے مرتینا کے کمرے بغیر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”دماغ ٹھکانے آیا یا نہیں؟“

”نہیں!“ — مرتینا نے جواب دیا۔ ”وہیں کا وہیں ہے.... میں نے ابھی ابھی ایک موقع دیکھ کر کہا کہ ہر قلیوٹاس کو مصری بھیج دیتے ہیں کہ جرنیلوں کی نگرانی کرے اور اس طرح غداری کا خطرہ ٹل جائے گا لیکن ہر قل نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ خود جائے یا قسطنطین کو بھیجا جائے، ہر قلیوٹاس اس کام کے قابل نہیں۔“

”پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟“ — طبیب نے پوچھا۔

”تم اپنا کام جاری رکھو“ — مرتینا نے کہا۔ ”اب یہی ایک علاج رہ گیا ہے۔ مجھے کچھ ایسا نظر آ رہا ہے جیسے یہ شخص اپنی زندگی میں ہی قسطنطین کو تخت پر بٹھا دے گا۔ آج اسے دیکھ کر بتاؤ کہ یہ کتنے دن اور زندہ رہے گا۔ اب میں جلدی میں ہوں۔“

”ملکہ محترمہ!“ — طبیب نے کہا۔ ”ایک بات جو شروع سے ہی کتا چلا آ رہا ہوں آج پھر وہی بات کہوں گا۔ آپ کا مقصد دو چار لمحوں میں پورا کر سکتا ہوں لیکن میں تو پکڑا جاؤں گا ہی، میرے ساتھ آپ بھی پکڑی جاسکتی ہیں۔ یہ کام آہستہ آہستہ ہونے دیں۔ کیا آپ اس کے اثرات دیکھ نہیں رہیں؟ کسی کو شک تک نہیں ہو رہا۔ میں نے اچھے اچھے دانشمندیوں کی زبان سے سنا ہے کہ ہر قل کو پے در پے شکستوں کا غم کھا رہا ہے۔ کہیں سے کوئی بہت ہی قابل طبیب لے آئیں، اسے بھی پتہ نہیں چلے گا کہ شاہ ہر قل کو غم نہیں بلکہ کچھ اور کھا رہا ہے۔ ہر طبیب یہی کہے گا کہ شاہ ہر قل کی جو ذلت و خواری ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اس کا اثر اس کی صحت پر بہت بُرا پڑا ہے۔“

”اٹھو، زیادہ وقت نہ لگے۔“ — مرتینا نے کہا۔ ”وہ یہ نہ کہہ بیٹھے کہ طبیب اتنی دیر سے کیوں پہنچا ہے۔“

یہ طبیب ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ چہرے مہرے، ذلیل ڈول اور انداز سے دانشمند طبیب لگتا تھا۔ مرتینا اس سے تین چار سال ہی بڑی ہوگی لیکن وہ طبیب سے چھوٹی لگتی تھی۔ طبیب اٹھا اور مرتینا کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ مرتینا نے ذرا سی بھی مزاحمت نہ کی بلکہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا اور اتنا کہا کہ پہلے اپنا کام کر لو۔

پہلے مرتینا ہر قل کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے پیچھے طبیب اندر گیا۔ رک کر پہلے جھکا، سیدھا ہوا اور دایاں بازو آگے کر کے رومی انداز سے ہر قل کو سلام کیا پھر تیزی سے آگے بڑھا اور ہر قل کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ نبض چھوڑ کر اس کے پوٹے دونوں انگوٹھوں سے اوپر کئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس طرح ہر قل کا معائنہ کر کے اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”قیصر روم!“ — طبیب نے کہا۔ ”سلطنت روم آپ کے دم سے قائم ہے۔ فتح و شکست انسان کے ساتھ ساتھ لگی آ رہی ہیں۔ آپ مجھ سے زیادہ عقل اور دانش رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے تو شکست آپ کے مقدّم میں لکھ دی جائے گی۔ حوصلہ کریں، اس تخت پر بیٹھے بیٹھے ہی آپ اس عارضی شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں۔ میں قیافہ شناس بھی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو علاقے سلطنت روم سے نکل گئے ہیں، ان سے کچھ زیادہ ہی علاقے واپس سلطنت روم میں آئیں گے۔ ملکہ معظمہ آپ کو دیکھ دیکھ کر اکیلی بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ میں انہیں بھی یہی یقین دلاتا ہوں کہ سلطنت روم مزید سکڑے گی نہیں بلکہ اب اس کی وسعت شروع ہو جائے گی۔“

”باتیں کم کرو۔“ — مرتینا نے ذرا غصے سے طبیب کو کہا۔ ”اگر تم ان کا علاج نہیں کر سکتے تو صاف بتادو۔ ہم تمہیں اس کی سزا نہیں دیں گے۔ دیکھو، ان کی حالت کیا ہو گئی ہے۔ یہ نہ رہے تو میں بھی نہیں رہوں گی۔ آج میں تم سے

صاف جواب چاہتی ہوں۔“

”میں غم کھانے والا آدمی نہیں تھا۔“ ہرقل نے کہا۔ ”میں اتنی کمزور فطرت کا آدمی ہوتا تو روم کے بادشاہ کا تختہ الٹ کر سلطنت روم کو اتنی وسعت دے سکتا۔ اب ایک دکھ نے میرے دل پر اثر کیا ہے۔ دکھ یہ ہے کہ رومیوں میں بھی غدار موجود ہیں۔ پھر بھی تم اور اچھی طرح دیکھو مجھے کوئی اور ہی روگ لگ رہا ہے۔“

”میں دیکھ چکا ہوں قیصر روم!“ طبیب نے کہا۔ ”میں آج دوائیاں بدلا رہا ہوں۔“

”میں تمہیں پورا موقع دے رہا ہوں۔“ ہرقل نے کہا۔ ”جاؤ اور فوراً دوائیاں بھیجو۔“

طبیب فوراً اٹھا اور رومی طریقہ آداب سے ہرقل کو سلام کر کے اُلٹے قدم دروازے تک گیا اور پھر ہارنکل گیا۔ مرتینا ہرقل کو یہ کہہ کر کمرے سے نکلی کہ وہ طبیب کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجے گی جو فوراً دوائیاں لے آئے گا۔

مرتینا ایک بار پھر طبیب کو اپنے کمرے میں لے گئی اور پوچھا کہ اب اس کی کیا خیال ہے۔

”کام جلدی ہو جائے گا۔“ طبیب نے کہا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ ڈیڑھ زیادہ سے زیادہ دو مہینے اور لگیں گے پھر اس تخت پر آپ کا بیٹا ہرقلیوناس بیٹھا گا۔“

”میں اُس وقت تمہیں وہ انعام دوں گی کہ تمہاری نسلیں بھی مجھے یاد کریں گی۔“ مرتینا نے کہا۔ ”میں تمہیں زیادہ دیر روکوں گی نہیں۔ دوائیاں جلدی بھیجو اور تباؤ کیا چاہئے۔“

”آپ کا کام ہو رہا ہے۔“ طبیب نے کہا۔ ”مجھ سے نہ پوچھا کریں کہ مجھے کیا چاہئے۔“

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ مرتینا دوسرے کمرے میں آئی۔

گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک ٹکڑا تھا جسے سونے کی اینٹ کہا جاتا ہے۔ آج کے حساب کے مطابق اس ٹکڑے کا وزن کم و بیش تیس تولے تھا۔ یہ پہلا ہی انعام نہیں تھا، مرتینا اسے ایسے ہی انعامات سے نوازتی رہتی تھی۔ طبیب جانے کی بجائے رکا رہا اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لا کر ملکہ کو ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا جن نگاہوں کو مرتینا سمجھتی تھی۔

”منہ سے بولو کیا چاہئے!“ مرتینا نے پوچھا۔

”آج کی رات کو ذرا رنگین بنانے کو جی چاہتا ہے۔“ طبیب نے کہا۔

”کوئی ادھ کھلی کلی شام کے بعد بھیج دو تو تمہیں دعائیں دوں گا۔“

”آجائے گی۔“ مرتینا نے کہا۔ ”اس کلی کو دیکھ کر کہو گے کہ یہ تو ہمیشہ

تمہارے پاس ہی رہے لیکن صبح کا اجالا نکھرنے سے پہلے اسے بھیج دینا۔“

مرتینا نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ طبیب کے ساتھ جائے اور دوائیاں لے آئے۔

ہسپانوی مؤرخ فرڈیننڈ نے لکھا ہے کہ یہ ایسا راز تھا جو ملکہ مرتینا اور طبیب کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کسی کو شک تک نہ ہوا کہ ہرقل کو دوائیوں میں کوئی ایسی زہریلی دوائی دی جا رہی ہے جو اسے اندر ہی اندر کھا رہی ہے۔ وہ بڑی ہی تیزی سے مرجھاتا اور معذور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مرتینا نے ہرقل کو مارنے کا فیصلہ کچھ عرصہ پہلے کیا تھا جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ہرقل اپنے دوسرے بیٹے قسطنطین کو ہی اپنا جانشین بنائے گا۔ مرتینا کے بیٹے ہرقلیوناس کے ساتھ تو ہرقل نے کبھی بات بھی نہیں کی تھی۔

○

اسی رات طبیب کے اُس خاص کمرے میں ایک نوخیز لڑکی داخل ہوئی جس کمرے میں طبیب کے گھر کا کوئی اپنا فرد بھی نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی چلا بھی جاتا، طبیب کو کسی غیر عورت کے ساتھ شراب پیتے یا رنگ لیاں مناتے دیکھ نہیں لیتا تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ عیش و عشرت اور یہ رنگین بدکاریاں رومی معاشرے کا

ایک لازمی حصہ تھیں۔ اس طبیب کو تو اس کے گھر کا کوئی فرد اس لئے بھی روک ٹوک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ملکہ مرتینا کا منظور نظر تھا اور اس سے بیش قیمت انعام و اکرام لا کر گھر والوں کو دیتا تھا۔ یہ لڑکی بھی انعام کے طور پر طبیب کے پاس آئی تھی اور یہ طبیب کا ذاتی انعام تھا۔

مرتینا نے طبیب کو ایسے ہی حسین اور دلکش انعام پہلے بھی بھیجے تھے لیکن اُس روز اس نے مرتینا سے کہا تھا کہ آج رات کوئی ادھ کھلی کلی بھیجے۔ طبیب نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو کچھ دیر دیکھتا ہی رہا۔ وہ صحیح معنوں میں ادھ کھلی کلی تھی۔ وہ حرم کی لڑکی تھی۔ ایسی لڑکیاں عموماً ساقی کے طور پر کام کرتی تھیں۔ شاہی محفلوں میں یہ لڑکیاں نیم برہنہ لباس میں شراب پیش کیا کرتی تھیں اور انہیں خصوصی ٹریننگ دی ہوئی ہوتی تھی۔ اُس رات مرتینا نے طبیب کو خوش کرنے کے لئے ایسی ہی ایک لڑکی بھیج دی حالانکہ ان لڑکیوں کو اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔

مرتینا طبیب سے یہ بات سن کر بہت خوش ہوئی تھی کہ ڈیڑھ دو مہینے بعد اس کا بیٹا ہرقلیوئاس ہرقل کے تخت پر بیٹھا ہو گا۔ بات بڑی صاف تھی۔ ہرقل کی زندگی یہی ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینے رہ گئی تھی ملکہ مرتینا بڑی ہی خوبصورت ڈائن تھی!

”تمہارا نام؟“۔ طبیب نے پوچھا۔

”میرا قس!“۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ”مجھے میری بھی کہتے ہیں اور میرا بھی!“

شاہی حرم میں بڑی ہی خوبصورت اور نوخیز لڑکیاں موجود تھیں اور ان میں سے دو چار طبیب کے پاس آئی بھی تھیں لیکن اس لڑکی سے زیادہ حسین لڑکی اس نے نہیں دیکھی تھی۔ طبیب پر تو نشے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کی تو جیسے عقل ہی مغلوب ہو گئی ہو۔ اس نے مخمور سی آواز میں کہا تمہارا سراپا ہی اتنا نشہ آور ہے کہ اس کی موجودگی میں روم کی بہترین شراب بھی بیکار لگتی ہے۔

”شراب تو میں آپ کو اپنے ہاتھوں پلاؤں گی“۔ میرا نے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ ”میرے ہاتھ سے جو پیتا ہے وہ بادلوں کے سفید سفید ٹکڑوں پر اڑنے لگتا ہے۔“

ملکہ مرتینا نے اس لڑکی کو اپنے کمرے میں بلا کر خاص طور پر کہا تھا کہ وہ اسے نہیں بھیجنا چاہتی تھی لیکن طبیب کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اس لئے وہ جائے اور طبیب کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ مرتینا نے وجہ یہ بتائی تھی کہ فیصلہ روم ہرقل بیمار ہیں اور یہ طبیب ان کا علاج کر رہا ہے۔ لڑکی سمجھ گئی تھی کہ اس طبیب کو آسمان تک پہنچانا ہے۔

طبیب کے ہاں جا کر میرا نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ طبیب ذہنی طور پر کمزور اور ڈھیلا آدمی ہے۔ میرا نے اپنی تربیت کے مطابق طبیب کے ساتھ ایسی حرکتیں اور باتیں شروع کر دیں کہ طبیب احمقوں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔ میرا نے اسے شراب پلائی شروع کی اور پلائی ہی چلی گئی۔ پھر یوں لگتا تھا جیسے طبیب نہیں بلکہ میرا اس ادھیڑ عمر کے ساتھ کھیل رہی ہو۔

طبیب نے ہنسی ہنسی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے ملکہ مرتینا کی بات چھیڑ دی اور یہاں تک کہہ گیا کہ وہ چاہے تو ملکہ کو یہاں بلا کر پوری رات اپنے کمرے میں رکھ سکتا ہے۔

”ملکہ مرتینا جب میرے پاس ہوتی ہے تو وہ ملکہ نہیں بلکہ صرف مرتینا ہوتی ہے۔“۔ طبیب نے میرا پر اپنا رعب گانٹنے کے لئے اور شراب کے زیر اثر کہا۔ ”آج اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے یہ حرم ہے تو شاہ ہرقل کا لیکن اصل میں یہ میرا حرم ہے۔“

میرا پر طبیب کا رعب بیٹھا تھا یا نہیں، یہ الگ بات ہے لیکن میرا کے لئے یہ بات عجیب تھی کہ ملکہ مرتینا طبیب کے پاس آتی ہے۔ میرا کو یہ شک بھی ہوا کہ طبیب اپنا رعب جمانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا میں تجسس سا بیدار ہو گیا اور وہ اصلیت معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگی۔

اب میرا کارویہ ایسا جذباتی اور اشتعال انگیز ہو گیا کہ طبیب کی اگر کچھ عقل صحیح رہ گئی تھی، وہ بھی میرا کے قبضے میں آگئی۔

تخت کے جانشین کے سلسلے میں شاہی محل میں جو کشمکش چل رہی تھی، باہر کے کچھ لوگ اس سے واقف ہو گئے تھے اور شاہی محل کے اندر تو ادنیٰ درجے کے ملازموں کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ ملکہ مرتینا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کو ہرقل کا جانشین بنانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے اور ہرقل اس لڑکے کو قبول نہیں کر رہا اور اس کی جگہ بڑے بیٹے قسطنطین کو تخت پر بٹھانا چاہتا ہے.... میرا کو تو یہ سب چکر پوری طرح معلوم تھا۔ اس نے دیکھا کہ طبیب مرتینا کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی کی باتیں کر رہا ہے تو میرا نے سوچا کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ ہرقلیوناس جانشین ہو گیا قسطنطین۔ میرا نے یہ بات چھیڑ دی۔

”آپ کو تو بالکل صحیح معلوم ہو گا۔“ میرا نے کہا۔ ”آپ کی عظمت کا اندازہ تو اس سے ہی ہو جاتا ہے کہ ملکہ مرتینا کے ساتھ آپ کی اتنی گہری دوستی ہے.... آپ کا کیا خیال شاہ ہرقل کا جانشین کون ہو گا؟“

”جسے میں چاہوں گا۔“ طبیب نے لڑکھاتی زبان سے کہا۔ ”مرتینا کے بیٹے کے سوا اس تخت پر اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔“

”اگر شاہ ہرقل کا حکم کچھ اور ہو تو؟“

”شاہ ہرقل!“۔ طبیب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”اس شہنشاہ کی جان میری منہ می میں ہے۔ چاہوں تو کل اس کے جسم سے نکال لوں لیکن جو کام آہستہ آہستہ ہو جائے وہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔“

میرا نے اپنی تربیت اور پھر اپنے تجسس کی تسکین کے مطابق طبیب پر اپنے حُسن اور اپنے ریشم جیسے ملائم بالوں اور گالوں کا سحر طاری کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شراب کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ پھر جانشین کا مسئلہ چھیڑ دیا۔

طیب نے بات صاف تو نہ کی لیکن میرا کو شک ہو گیا کہ شاہ ہرقل کو جو روگ کھا رہا ہے اس میں ملکہ مرتینا اور اس طبیب کا بھی ہاتھ ہے۔ طبیب پر ایک

شراب کا اور پھر اس نوخیز لڑکی کے حسن کا سحر طاری تھا اس لئے وہ غیر محتاط ہو کر اتنی نازک بات کر رہا تھا لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حرم کی ایک لڑکی میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ یہ بات کسی اور کے کانوں میں ڈال دے۔ بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ موجود تھی کہ میرا اس طبیب کے ذہن اور اعصاب پر ایک بڑا ہی حسین آسیب بن کر طاری ہو گئی تھی۔

رات گزر گئی۔ میرا کی آنکھ اُس وقت کھلی جب صبح ابھی تاریک تھی۔ طبیب سانس لیتی ہوئی لاش کی طرح بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ میرا آہستہ آہستہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اس کی ڈیوٹی پوری ہو چکی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے حرم میں جا پہنچی۔



اگلی رات میرا حرم سے پھر غیر حاضر تھی۔ گزشتہ رات تو ملکہ مرتینا کے حکم سے غیر حاضر ہوئی اور طبیب کے پاس گئی تھی لیکن اگلی رات وہ چوری چھپے غیر حاضر ہوئی تھی۔ وہ شاہی محل کے ساتھ ہی ایک بڑے ہی خوش نما اور روح افزا باغ میں ایسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی جہاں اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک شہزادہ بیٹھا تھا جس کا نام کونستانس تھا۔

کونستانس ہرقل کے بیٹے قسطنطین کا بیٹا تھا یعنی ہرقل کا پوتا۔ چونکہ ہرقل قسطنطین کو زیادہ عزیز رکھتا تھا اس لئے کونستانس سے بھی ہرقل بہت پیار کرتا تھا۔ قسطنطین ادھیڑ عمری میں پہنچ گیا تھا اور کونستانس کی عمر تیس چوبیس سال تھی۔

یہ نوجوان اُنہی شہزادوں میں سے تھا جو اپنے آپ کو شرم و حجاب اور اخلاقیات کی پابندیوں سے آزاد سمجھا کرتے تھے۔ اپنے باپ کے حرم کو وہ اپنے اوپر حلال سمجھتے تھے اور باپ کی پسند کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے تھے۔ کونستانس بھی کچھ اسی قماش کا شہزادہ تھا۔ عیش و عشرت کے دوران اس کی نظر میرا پر پڑی تو اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔

بادشاہ کے حرم میں اس کے بیٹوں بھتیجیوں وغیرہ کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی

لیکن شہزادے حرم کی نوکریوں اور بیچڑوں کو اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ انہیں چوری چھپے اس خدمت کا بڑا اچھا معاوضہ مل جاتا تھا۔ کوئی شہزادہ کسی نوکرائی کو انعام و اکرام دے کر کہتا کہ رات فلاں لڑکی کو باہر لے آتا تو نوکرائی خطرہ مول لے کر اس لڑکی کو لے آتی تھی۔ کونستانس نے بھی ایسی ایک دو عورتوں کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا اور وہ اس کی فرمائش پوری کرتی رہتی تھیں۔

اب کونستانس نے میرا کو ایک محفل میں دیکھا تو ایک عورت سے کہا کہ اس لڑکی کو کسی طرح مجھ سے ملو۔ اس نے اس عورت کو اچھا خاصا انعام دیا اور عورت نے ایک رات میرا کو باہر نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میرا اس طرح کسی شہزادے کی فرمائش پر چوری چھپے نکلی تھی۔ وہ بڑی قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی اس لئے کوئی ملازمہ اسے باہر لانے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ میرا کو معلوم تھا کہ درپردہ یہ کاروبار بھی چلتا ہے لیکن اس نے کبھی ایسی خواہش کی ہی نہیں تھی۔ اب ایک پرانی اور بہت ہی چالاک ملازمہ نے اسے کہا کہ قسطنطین کا بیٹا کونستانس اس کی ملاقات کا خواہشمند ہے تو اس نے کچھ پس و پیش کی۔ ملازمہ نے اسے بتایا کہ وہ انکار کا خطرہ مول نہ لے کیونکہ یہ شہزادے کی بھی طرح انتہائی ذلیل انتقام لے سکتے ہیں اور اگر وہ چلی جائے گی تو اس شہزادے سے منہ مانگا انعام لے سکتی ہے۔ وہ رضامند ہو گئی اور رات ملازمہ اسے کسی طرف سے باہر لے گئی اور کونستانس کے حوالے کر دیا۔

یہ کوئی چھ سات مہینے پہلے کا واقعہ ہے کہ ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ میرا نے کونستانس کو بتایا کہ وہ باہر آنے سے ڈرتی تھی اور وہ اس زمین دوز کاروبار کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شہنشاہ ہرقل نے صرف دو راتیں اسے اپنے پاس رکھا تھا اور پھر اسے شاہی محفلوں میں مہمانوں کو شراب پیش کرنے کا کام سونپ دیا اور اس کی تربیت بھی کی۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے آپ کو مردوں سے بچا کر رکھنا چاہتی تھی۔

”تمہاری یہ بات سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے میرا!“ کونستانس نے کہا۔ ”میں

نے تمہیں اس مقصد کے لئے نہیں بلایا جو تم سمجھ رہی ہو۔ میرے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا کہ تم اپنے دل میں میری محبت پیدا کرو۔ محبت جبر سے پیدا نہیں ہوا کرتی نہ ہی محبت کا معاوضہ دیا جاسکتا ہے۔“

”میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے۔“ میرا نے کہا۔ ”اور یہ صرف اس لئے کہی ہے کہ میں تمہیں انہی شہزادوں جیسا شہزادہ سمجھتی ہوں جو حرم میں اسی طرح ایک طرح کی ڈاکہ زنی کرتے رہتے ہیں۔ تم محبت کی بات کرتے ہو۔ محبت کے عزیز نہیں!.... مجھے میرے ماں باپ سے نوج کر یا جبراً خرید کر یہاں قید میں ڈالا گیا ہے۔ میں تو محبت اور پیار کو ترس گئی ہوں۔ اگر تم نے مجھے اپنی ہوس کی تسکین کے لئے بلایا ہے تو میں تمہارے لئے گوشت اور ہڈیوں کا بنا ہوا ایک بُت ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہے اور اگر بات اُس محبت کی کرتے ہو جس کا تعلق جسمانی ہوس کے ساتھ ہوتا ہی نہیں تو مجھے آزما کر دیکھ لو۔ تمہاری محبت پر جان بھی قربان کر دوں گی۔“

یہاں سے ان کی محبت کا آغاز ہوا۔ دونوں بہت دیر شاہی باغ کے ایک کونے میں بیٹھے رہے تھے۔ جب میرا جانے لگی تو کونستانس نے اسے کچھ نقد معاوضہ پیش کیا۔ میرا نے یہ نقدی دیکھی پھر کونستانس کے چہرے پر نظریں جمائیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کونستانس نے اسے بازوؤں میں لے کر ساتھ لگا لیا۔

”اس محبت کی یوں تو ہیں نہ کرو۔“ میرا نے کہا۔ ”جب تمہارا اشارہ ملے گا میں آجیلا کروں گی۔“

”اور میں ایک خاص انتظام کر دوں گا۔“ کونستانس نے کہا۔ ”میں حرم کی تمام عورتوں اور بیچڑوں کو کہہ دوں گا کہ کوئی شہزادہ تمہاری فرمائش کرے تو صاف انکار کر دیں۔ البتہ تمہیں شاہ ہرقل اور ملکہ مریتنا کے حکم سے کسی کے حوالے کیا گیا تو یہ میرے بس سے باہر ہو گا۔“

اسکے ہی روز کونستانس نے یہ انتظام کر دیا۔ حرم کی تمام عورتوں اور بیچڑوں

کو شدید نتائج کی دھمکی دے کر کہا کہ میرا کو اس درپردہ کاروبار میں استعمال کیا گیا تو اسے باہر لے جانے والی کو زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔

اس کے اس حکم پر عمل ہوتا رہا۔ میرا اور کونٹانس اسی باغ میں ملتے رہے اور وہ ایک دوسرے میں اتنے جذب اور تحلیل ہو گئے تھے کہ انہیں بعض ملاقاتوں میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات گزر گئی ہے اور پرندوں کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔ اس محبت کا ایک اثر تو یہ دیکھا کہ میرا کو کوئی اور اپنی فرمائش پر نہیں بلاتا تھا اور دوسرا اثر یہ کہ کونٹانس کا دھیان کبھی کسی اور لڑکی کی طرف نہ گیا۔

کونٹانس قسطنطین کا بیٹا تھا اور قسطنطین کو ہرقل نے تجربہ کار جرنیل بنادیا تھا۔ اس نے لڑائیاں لڑی تھیں اور میدان جنگ میں قیادت میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس نے ایسی ہی تربیت اپنے بیٹے کونٹانس کی بھی کی۔ یہ نوجوان فن حرب و ضرب میں بھی طاق ہو گیا تھا اور شاہی معاملات اور امور کو بھی بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا اور انتظامی امور میں تو اچھی خاصی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اس تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ کونٹانس کا شمار آوارہ شہزادوں میں نہیں ہوتا تھا۔

پہلی ملاقات کے چھ سات مہینے بعد کونٹانس اور میرا ایک بار پھر باغ کے اسی ڈھکے چھپے کونے میں بیٹھے ایک دوسرے میں گم تھے۔

”آج تمہیں ایک بات بتاتی ہوں۔“ میرا نے کہا۔ ”لیکن ابھی یہ دل میں ہی رکھنا.... میری گزشتہ رات اُس طبیب کے ہاں گزری ہے جو شہنشاہ ہرقل کا علاج کر رہا ہے۔ وہ ہے تو طبیب لیکن اس سے زیادہ احمق آدمی اور شاید کوئی نہ ہو۔ مجھے ملکہ مرتینا نے اس کے ہاں جانے کا حکم دیا تھا۔ طبیب تو مجھے دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے اسے شراب پلائی اور وہ پیتا ہی گیا اور جو اس نے باتیں کیں، ان سے پتہ چلا کہ اس شخص کے اندر سے میں کوئی بھی راز نکال سکتی ہوں اور اس کی ہوس پوری کئے بغیر رات بھی گزار سکتی ہوں....

”یہ سن کر تم کیا کرو گے کہ میری یہ رات کس طرح گزری؟“ یہ سن لو کہ وہ

مجھ سے اتنا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اس کے دل سے ایک دو ایسی باتیں نکل گئیں جن سے میں ایک شک میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ ہرقل و ناس شاہ ہرقل کا جانشین بنے۔ ملکہ کے متعلق اس نے ایسی باتیں کیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ملکہ کے ساتھ اس کی کوئی اور ہی بے تکلفی ہے۔“

”میں میں شک والی کوئی بات نہیں۔“ کونٹانس نے کہا۔ ”ملکہ چاہتی ہے کہ شاہ ہرقل صحت یاب ہو جائیں۔ اسی لئے اسے خوش کر رہی ہے۔ وہ دراصل شاہ ہرقل کو خوش رکھنے کی کوشش میں ہے کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو ان کا جانشین بنانا چاہتی ہے۔“

”میرا شک پھر بھی وہیں قائم ہے۔“ میرا نے کہا۔ ”شک یہ ہے کہ ملکہ کی رضامندی سے طبیب شاہ ہرقل کو غلط یا زہریلی دوائیاں دے رہا ہے جن سے ان کی صحت بڑی تیزی سے گرتی جا رہی ہے۔“

”میرا خیال ہے طبیب ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔“ کونٹانس نے کہا۔ ”ہمیں یہ بات ابھی کسی سے کرنی نہیں چاہئے۔ اگر کی تو بتانا پڑے گا کہ یہ بات تمہاری زبان سے نکلی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت سلطنت روم پر حکومت ملکہ مرتینا کی ہے اس تک تمہارا نام پہنچا تو وہ تمہیں قتل کروادے گی۔ اگر ملکہ پھر کبھی تمہیں طبیب کے ہاں بھیجے تو پھر یہ راز نکلوانے کی کوشش کرنا۔ وہ اگر تمہارے حُسن اور تمہاری نوجوانی سے مرعوب ہے تو وہ راز اگل دے گا۔“

”میں راز اگلوں چاہتی ہوں۔“ میرا نے کہا۔

دونوں نوجوان تھے، ان پر رومانی جذبات کا غلبہ تھا اور ایسی کیفیت طاری تھی کہ میرا کی بتائی ہوئی یہ بات جیسے اوپر سے گزر گئی ہو لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ملکہ مرتینا اور طبیب کے درمیان جو راز تھا، اس سے پردہ اٹھ گیا تھا۔

○

ہرقل کی صحت پہلے ہی گر گئی تھی۔ اب اسے احساس ہوا کہ مقوقس

غداري کر گیا ہے تو اسے بہت دکھ ہوا اور گرتی ہوئی صحت پر اس کا اثر بہت بُرا پڑا۔ اس نے اس مسئلے پر غور کیا ہی نہیں کہ مقوقس نے غداري کی تھی یا دأشمندي کا ثبوت دیا تھا۔ مقوقس کا موقف یہ تھا کہ اب رومی فوج اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس نے سوچا تھا کہ بجائے اس کے کہ مسلمان پورے کا پورا مصر لے لیں، ان کے ساتھ معاہدہ کر کے انہیں وہیں تک رکھا جائے جہاں تک وہ آگئے تھے۔ وہ قلعہ بابلیون کو مسلمانوں سے بچانے کی فکر میں تھا۔ بابلیون اور قلعہ روضہ جو نیل کے وسط میں ایک جزیرے میں تھا، بہت ہی اہم اور مستحکم مقام تھا۔ مقوقس یہ دونوں قلعے اور گرد و نواح کا علاقہ مسلمانوں سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا اور اسی کے پیش نظر اس نے عمرو بن عاص کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا لیکن ہر قل نے اس کا یہ استدلال سنا ہی نہیں یا مانا ہی نہیں۔ وہ تو مقوقس سے اُس سازش کا انتقام لے رہا تھا جس کے تحت مقوقس نے ہر قل کو قتل کروانے کی کوشش کی تھی۔

مقوقس کی قسمت کا فیصلہ کر کے ہر قل کی جسمانی اور ذہنی حالت بہت ہی بُز گئی۔ یہ اس کا ذہنی ردِ عمل تھا۔ طیب اسے دیکھ گیا اور پھر طیب کی بھیجی ہوئی دوا کی کھالی تو اس نے پیغام لکھنے والے آدمی کو بلایا اور سپہ سالار عمرو بن عاص کے نام پیغام لکھوایا جس کا ذکر پچھلے باب میں آیا ہے۔ اس نے مقوقس کا کیا ہوا معاہدہ منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کو بڑے ہی بڑے نتائج کی دھمکیاں لکھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان کسی معاہدے کے بغیر مصر سے نکل جائیں۔

پیغام لکھا جا چکا تو ہر قل نے قاصد کی بجائے ایک ایلیچی کو بلوایا اور پیغام اسے دے کر کہا کہ بہت تیزی سے بابلیون پہنچے اور یہ پیغام مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچائے۔

کاتب جب پیغام لکھ کر ہر قل کے حکم سے باہر نکلا تو ایک ملازمہ نے اس کے کان میں کہا کہ اسے ملکہ مرتینا بلارہی ہے۔ کاتب اُس کمرے میں چلا گیا جہاں ملازمہ نے اسے بتایا تھا کہ ملکہ اندر بیٹھی انتظار کر رہی ہے۔

”بیٹھو اور ایک پیغام اور لکھو“۔ مرتینا نے قاصد سے کہا۔ ”اس پیغام کا ذکر کسی کے ساتھ نہ ہو۔ ذرا سا بھی شک ہو کہ تم نے کسی کو بتایا ہے تو اس کے فوراً بعد تم اس دنیا میں نہیں ہو گے۔ میں تمہیں اس رازداری کا انعام دوں گی.... لکھو!“

وہ آدمی بیٹھ گیا اور مرتینا جنرل تھیوڈور کے نام پیغام لکھوانے لگی۔ اس وقت تھیوڈور مصر کے قلعہ بند شہر بابلیون میں تھا۔

کاتب پیغام لکھ چکا تو طیب کی طرح اس کاتب کو بھی ملکہ مرتینا نے سونے کا ایک ٹکڑا دیا۔ کاتب نے سونے کا ٹکڑا ہاتھ میں لیا تو اس کے چہرے پر حیرت زدگی کا تاثر آگیا۔ اسے اتنے زیادہ معاوضے کی توقع نہیں تھی۔ مرتینا نے دیکھا کہ یہ شخص سونے کے ٹکڑے کو دیکھے ہی جا رہا ہے تو اس نے اسے کچھ خوش گوار سے لمبے میں ڈانٹ کر کہا کہ اسے جیب میں ڈال لو اور کسی کو یہ نہ بتانا کہ یہ میں نے تمہیں دیا ہے.... یہ سن کر کاتب نے بڑی تیزی سے ٹکڑا جیب میں ڈال لیا۔

روم کے اس شاہی خاندان کے پاس اس قدر کثیر خزانہ تھا جس کا حساب کتاب ان کے پاس بھی نہیں تھا۔ ایک کاتب کے لئے صرف ایک ٹکڑا ایک خزانہ تھا لیکن ملکہ مرتینا کے لئے اتنا سونا ایسے ہی تھا جیسے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دیا ہو۔

کاتب باہر نکلا تو ملازمہ نے اندر آ کر مرتینا کو بتایا کہ ایلیچی آگیا ہے۔ مرتینا نے ایلیچی کو اندر بلا لیا۔

”ایک پیغام میرا بھی لیتے جاؤ“۔ مرتینا نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میرے پیغام کی اور کو نہیں دکھائے جاتے۔ مصر پہنچو گے تو جنرل تھیوڈور کو تمہاری میں میرا یہ پیغام دے۔ کسی اور کو پتہ چل گیا تو جانتے ہو اس کی سزا کیا ہے۔“

مرتینا نے ایلیچی کو بھی سونے کا ایک ٹکڑا دیا جو ایلیچی نے لے کر فوراً جیب میں ڈال لیا۔ اُسی وقت ایلیچی ہر قل کا الگ اور مرتینا کا الگ پیغام لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ اس کا سفر خشکی کا بھی تھا اور پھر اسے بحیرہ روم بادبانی جہاز میں پار کرنا

تھا۔

○

سپہ سالار عمرو بن عاص کے نام ہرقل کا یہ پیغام دسمبر 640ء کے ابتدائی دنوں میں بزنطیہ سے چلا ہو گا۔ یہ دسمبر کے آخری ہفتے کے وسط میں منزل پر پہنچا۔ مجاہدین کا لشکر بابلین کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس لئے سپہ سالار عمرو بن عاص اسے باہر ملے۔ انہیں پیغام دے کر اپنی دریا کی طرف چلا گیا۔ اسے اُس دروازے سے اندر جانا تھا جو دروازہ دریا میں کھلتا تھا۔

عمرو بن عاص نے ہرقل کا پیغام پڑھا اور اپنے سپہ سالاروں کو اس طرح بلایا جیسے انہیں کوئی خوشخبری ملی ہو۔ سالار دوڑے آئے۔ عمرو بن عاص نے انہیں ہرقل کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا کہ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب مسلمانوں کا مقابلہ مقوقس کی بجائے دوسرے جرنیلوں سے ہو گا۔ ہرقل نے کچھ ایسے الفاظ بھی لکھے تھے کہ کوئی حکمران اپنی قوم کے کسی غدار کا طے کیا ہو معاہدہ تسلیم نہیں کیا کرتا۔ ہرقل نے یہ بھی لکھا تھا کہ پیشتر اس کے کہ تمہاری ہڈیاں مصر کی مٹی میں مل جائیں، تم زندہ و سلامت مصر سے نکل جاؤ۔ بابلین کو فتح کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔

”اللہ کے شہر!“ عمرو بن عاص نے سالاروں سے کہا۔ ”ہرقل کی یہ دھمکی ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ مقوقس ہمیں یہی دھمکیاں دیتے دیتے معاہدے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کیا تم سمجھے نہیں کہ رومیوں کے پاس سوائے دھمکیوں کے اور کچھ بھی نہیں رہا؟ بابلین کا معاملہ صرف اس لئے کچھ مختلف ہے کہ یہ بہت ہی مضبوط قلعہ ہے۔ اسے ایک طرف سے نیل کا تحفظ حاصل ہے اور یہ خندق بڑا ہی کار آمد دفاعی انتظام ہے۔ ہمارے مجاہدین کو نیل بھی نہیں روک سکا اور صحرا بھی روکنے میں ناکام رہے ہیں۔ انشاء اللہ تم بابلین کو بھی سر کر لو گے۔ خدا کی قسم، میں ہرقل کو اس کی دھمکی کا جواب دینا چاہتا ہوں۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص نے بابلین کو سر کرنے کا پلان سالاروں سے مل

مشورے کر کے بنا رکھا تھا۔ وہ منتظر تھے کہ ہرقل معاہدہ منظور کرتا ہے یا نہیں۔ یہ فیصلہ ہو گیا تو سپہ سالار نے بابلین پر حملے کا حکم دے دیا اور کہا کہ چند ثنائے وقت بھی ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

سالار دوڑے گئے اور اپنے اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے سپہ سالار کا حکم سنایا اور جوش بھی دلایا۔ ہر مجاہد کے کانوں میں ہرقل کی دھمکی ڈالی گئی اور کہا گیا کہ اس دھمکی کا جواب زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر دیں گے۔

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ مجاہدین کس طرح خندق پھاند کر قلعے کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے لیکن مقوقس نے صلح کا پیغام بھیج دیا اس لئے لڑائی روکنی پڑی۔ پھر معاہدہ ہو گیا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے دیکھا کہ ان کا لشکر خندق اور قلعے کے درمیان آ گیا تھا۔ قلعے اور خندق کا درمیانی فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔ معاہدہ تو ہو گیا تھا لیکن عمرو بن عاص دوراندریش سپہ سالار تھے۔ انہوں نے پہلے ہی اپنے سالاروں سے کہہ دیا تھا کہ مقوقس نے وقت حاصل کرنے کے لئے یہ معاہدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس معاہدے کی منظوری ہرقل سے لینا ضروری ہے۔ دراصل مقوقس کمک کا منتظر تھا۔ عمرو بن عاص کو خیال آیا کہ پہلے ہی وقت زیادہ گزر گیا ہے اور ابھی تک معاہدے کی منظوری نہیں آئی، ہو سکتا ہے معاہدے کی منظوری کی بجائے اسکندریہ سے یا بزنطیہ سے زیادہ نفری کی کمک آ جائے پھر مجاہدین کے لئے بڑی ہی مشکل پیدا ہو جائے گی۔

اس خدشے کے پیش نظر سپہ سالار نے اپنے لشکر کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ لشکر قلعے اور خندق کے درمیان تھا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ کمک دریا کے راستے آئے گی اور اس طرف کے دروازے سے اندر چلی جائے گی۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ رومی خندق میں پانی چھوڑ دیں اور اندر سے فوج باہر نکال کر حملہ کر دیں۔ اس صورت میں مجاہدین کے لئے پیچھے ہٹنا خطرناک ہو جائے گا۔ وہ خندق اور زیادہ نفری کی رومی فوج کے درمیان ایسی صورت حال میں پھنس جائیں گے کہ سالار کوئی چال، کوئی پینترا نہیں بدل سکیں گے۔

مجاہدین نے یہ خندق اس صورت میں پار کی تھی کہ نیل کے اتر جانے سے خندق کا پانی بھی دریا میں واپس چلا گیا تھا۔ سپہ سالار کو معلوم نہیں تھا کہ خندق میں پانی چھوڑنے کا کوئی اور انتظام ہے یا نہیں۔ خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ کوئی اور انتظام ضرور ہو گا۔ ان خطروں اور خدشوں کے پیش نظر سپہ سالار نے یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی کہ معاہدے کی منظوری یا نامنظوری آنے سے پہلے ہی تمام لشکر کو کے حصار خندق سے باہر نکال لائے۔ محاصرہ برقرار رکھا گیا۔ سپہ سالار نے سالاروں سے کہہ دیا تھا کہ خندق کسی اور طریقے سے عبور کر لیں گے۔

○

قلعہ بند رومیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان پھر خندق میں سے گزر کر پیچھے چلے گئے ہیں تو ان کے جرنیلوں نے ایک اور چال چلی۔ وہ فوج کو تو باہر نہ لائے، یوں کیا کہ منجیتیں باہر لے آئے اور شہر کے چاروں طرف نصب کر لیں۔ ان کے ساتھ تیر اندازوں کی ایک فوج باہر آگئی جسے آگے بڑھ کر حملہ نہیں کرنا تھا بلکہ ایک مقام پر رک کر مجاہدین کے لشکر پر تیر پھینکنے تھے۔

رومیوں کو ایک سہولت یہ حاصل تھی کہ خندق اور قلعے کے درمیان پھلوں کے باغات تھے اور پھلوں کے درخت جھنڈ درختوں کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ یہ درخت خاصے گھنے تھے۔ رومی تیر انداز ان درختوں پر چڑھ گئے اور مجاہدین کے لشکر پر تیر پھینکنے لگے۔ ساتھ ہی منجیتوں سے پتھر آنے لگے۔

مسلمانوں کے پاس بھی منجیتیں تھیں اور تیر دور پھینکنے والی کمائیں بھی۔ انہوں نے منجیتوں کی سنگ باری کا جواب سنگ باری سے دینا شروع کر دیا اور تیروں کے جواب میں بے تحاشا تیر اندازی کی لیکن رومی تیر انداز چونکہ درختوں پر چڑھ گئے تھے اس لئے نظر نہیں آتے تھے۔ درختوں کی آڑ اور سہولت ملنے کی وجہ سے رومی زیادہ فائدہ حاصل کر رہے تھے۔ سپہ سالار نے اپنے لشکر کو تیروں سے بچانے کے لئے اور پیچھے ہٹا لیا۔

شام کے بعد جب رات تاریک ہو جاتی تھی تو صاف پتہ چلتا تھا کہ رومی

خندق میں کچھ کر رہے ہیں۔ رات کو تیر اندازی رک جاتی تھی پھر بھی کوئی مجاہد آگے نہیں جاتا تھا کہ ذرا سے شک پر رومی تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنے لگیں گے۔ رومی اپنے آپ کو اس قدر آزاد اور محفوظ سمجھنے لگے تھے کہ انہوں نے دروازے کھول رکھے تھے۔ تیر انداز آزادی سے اندر باہر آتے جاتے تھے۔ ایک تیر انداز دستہ دن بھر تیر اندازی کرتا اور شام کو اندر چلا جاتا اور اس کی جگہ تازہ دم دستہ آ جاتا تھا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص ہر طرف گھوڑا دوڑاتے پھرتے اور لڑائی کی صورت حال دیکھ کر ہدایات جاری کرتے تھے۔

سنگ باری اور تیر اندازی کے جواب میں سنگ باری اور تیر اندازی میں ہی جنوری 641ء کا مہینہ گزر گیا اور ماہ فروری کا آغاز ہوا۔ مجاہدین کا لشکر ابھی تک خندق سے باہر کچھ دور تھا اور رومی خندق اور قلعے کے مستحکم دفاعی انتظام میں بالکل محفوظ اور خوش و خرم تھے۔ عمرو بن عاص نے لڑائی جاری رکھی۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ مجاہدین کی نفری رومیوں کے مقابلے میں اور بالیون کے دفاعی انتظامات کو توڑنے کے لئے بہت ہی تھوڑی تھی۔ سپہ سالار کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن انہیں کوئی راستہ یا غار کے لئے نظر نہیں آ رہا تھا۔

سپہ سالار نے ایک انتظام یہ بھی کر رکھا تھا کہ کئی ایک مجاہدین کو نیل کے کنارے اسکندریہ کی طرف خاصی دور تک بھیج دیا تھا۔ ان کے ذمے کام یہ تھا کہ ادھر سے کمک آئے تو فوراً اطلاع دیں۔ ان مجاہدین میں تیر انداز زیادہ تھے۔ ان کے لئے حکم یہ تھا کہ وہ بحری جہازوں اور کشتیوں پر جن میں کمک آ رہی ہوگی، تیر پھینکیں اور ان کی رفتار سست کریں۔ سپہ سالار کا ایک حکم یہ بھی تھا کہ کمک سے لدی کشتیاں کنارے کنارے آ رہی ہوں تو مشعلیں جلا کر ان کے بادبانوں پر پھینکیں تاکہ بادبان جل انھیں لیکن کمک کے آنے کی اطلاع سپہ سالار تک فوراً پہنچائیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو افضل ترین قرار فرمایا اور اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے ساتھ کچھ وعدے کئے ہیں۔ مثلاً سورہ العنکبوت میں اللہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے جہاد کرتے ہیں انہیں اللہ ضرور اپنے راستے (فتح کے)

دکھاتا ہے اور اللہ نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہے۔

اللہ نے بابلینوں کے محاصرے میں مجاہدین سے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ایک روز ان مجاہدین میں سے ایک جنہیں نیل کے کنارے دور تک بھیجا گیا تھا، گھوڑا دوڑاتا آیا اور سیدھا سپہ سالار عمرو بن عاص کے پاس جا رکھا۔ اسے دیکھ کر یہی توقع کی جاسکتی تھی کہ مکہ آگئی ہے اور یہ اس کی خبر لایا ہے۔

”کیا رومیوں کی مکہ آ رہی ہے؟“ — سپہ سالار نے اس مجاہد سے پوچھا۔
 ”نہیں سپہ سالار!“ — مجاہد نے جواب دیا۔ ”اچھی خبریں لایا ہوں۔ ایک خبر یہ ہے کہ شہر میں کوئی ایسی بیماری پھیل گئی ہے جس سے آبادی کا خاصا حصہ بیمار پڑا ہے اور لوگ مر رہے ہیں۔ یہ بیماری اُس فوج میں بھی پھیل رہی ہے جو شہر میں موجود ہے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ہرقل مر گیا ہے۔ تیسری خبر یہ کہ مکہ کا دور دور تک نام و نشان نہیں اور فوج کے لوگ بڑیوں پر چڑھ چڑھ کر اُس طرف دیکھتے رہتے ہیں جس طرف سے انہیں مکہ کے آنے کی توقع ہے۔“

سپہ سالار کو یہ خبریں سن کر بڑی ہی خوش گوار حیرت ہوئی۔ یہ خبریں باہر اس طرح نکلیں اور سپہ سالار تک پہنچیں کہ ایک کشتی قلعے کے اُس دروازے کی طرف سے آئی جو دریا میں کھلتا تھا۔ یہ ماہی گیروں کی کشتی تھی جو اتفاق سے نیل کے مغربی کنارے کے قریب آگئی۔ وہاں جو مجاہدین موجود تھے، انہوں نے کشتی کو روک لیا اور پوچھا کہ شہر کے اندر کیا حال ہے۔ ماہی گیروں نے انہیں یہ خبریں سنائیں اور مجاہدین نے انہیں چھوڑ دیا۔

سپہ سالار نے اُسی وقت تمام سالاروں کو بلایا اور انہیں یہ خبریں سنا کر کہا کہ اب توقع رکھی جاسکتی ہے کہ رومی فوج کا حوصلہ مزید کمزور ہو جائے گا۔ رومی فوج کے جرنیل اپنے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر ہی لڑا کرتے تھے اور ان کا بادشاہ مر گیا تھا۔ اس کے بڑے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

”لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے“ — عمرو بن عاص نے سالاروں سے کہا۔ ”کہ مکہ آئے گی ہی نہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہرقل کو مصر کی یہ خبر

پہنچی کہ مسلمان بابلینوں تک پہنچ گئے ہیں اور وہ مکہ نہ بھیجے۔ مرنے سے پہلے اس نے مکہ بھیجنے کا حکم دے دیا ہو گا لہذا ہمیں بابلینوں سر کرنے میں مزید جوش و خروش پیدا کرنا ہو گا۔“

ہرقل کی موت کے متعلق بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مارچ 641ء میں مرا تھا لیکن مستند تاریخ گیارہ فروری 641ء ہے۔

ہرقل سلطنت روم کا آخری جنگجو اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ زندہ و سلامت تھا تو روم کی طاقت بھی سلامت تھی۔ یہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا جوش ایمان تھا کہ ہرقل کو پے درپے شکستیں دی گئیں لیکن سپہ سالار عمرو بن عاص اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ رومی کسی بھی وقت قدم جما کر جوابی یلغار کر سکتے ہیں۔ یہ تو وہ سانپ تھا جو مرتے مرتے بھی ڈس جاتا تھا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کی کامیابی کے راستے کھول دیئے۔ تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ نیکو کار بندوں کے ساتھ ہے۔

عمرو بن عاص کو تو یہ اطلاع ملی تھی کہ ہرقل مر گیا ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی موت کے بعد بزنطیہ میں کیا صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ملکہ مرتینا نے جزل تھیوڈور کو الگ اور خفیہ پیغام بھیجا ہے اور یہ پیغام اپنا اثر دکھائے گا۔

پہلے اس پیغام کی بات ہو جائے تو بابلینوں کے اندر کی کیفیت کا پتہ چل جائے گا۔ کسی بھی مؤرخ نے ملکہ مرتینا کے پیغام کا پورا متن نہیں لکھا، اس کا لب و لباب یا اختصار لکھا ہے۔ اس پیغام سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ملکہ مرتینا نے جزل تھیوڈور کو اپنے حسن کا اور انعام و اکرام کا اسیر بنا رکھا تھا۔ تھیوڈور اس کا مدح سرا ہی نہیں اس کا غلام بنا ہوا تھا۔

مرتینا نے اسے لکھا تھا کہ شاہ ہرقل کی زندگی کا اب کچھ پتہ نہیں کیونکہ اس کی صحت تیزی سے گر رہی ہے اور وہ روز بروز نڈھال ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے لکھا کہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے بیٹے ہرقلیوئاس کو سلطنت کے تخت پر بٹھا کر تاج

اس کے سر پر رکھوں گی۔ ضروری ہے کہ عرب کے ان مسلمانوں کو مصر سے نکالو پھر میں یہ کہنے کے قابل ہو جاؤں گی کہ شاہ ہرقل نے تو شکست تسلیم کر لی تھی لیکن میرے بیٹے نے شکست کو فتح میں بدل دیا ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ کسی قیمت پر بابلین مسلمانوں کے ہاتھ نہ چڑھے۔ تم جانتے ہو کہ میں اس کے عوض تمہیں کیا دوں گی۔ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اتنا بتا دیتی ہوں کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ میری یہ بات اور یہ خواہش پوری کر دو تو تمہیں سلطنت روم کی ساری فوج کا کمانڈر بنا دوں گی اور مصر میں تمہیں وہی حیثیت حاصل ہو گی جو متوقس کی تھی۔ تم مصر کے حکمران ہو گے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مرتینا نے اس پیغام میں کچھ رومانی باتیں بھی لکھی تھیں اور یہ بھی کہ مرتینا تھیوڈور کے لئے بزنطیہ سے حسین ترین اور نوجیز دو تین لڑکیاں بھیجے گی۔ مختصر یہ کہ مرتینا نے جنرل تھیوڈور کو یہ کہا تھا کہ وہ مصر سے مسلمانوں کو نکالے اور اس کے عوض مرتینا نے تھیوڈور کے لئے ایسی کشش اور دلکشی پیدا کر دی تھی جو انسان کو دنیا میں ہی جنت دکھا دیا کرتی ہے۔

یہ پیغام ملتے ہی تھیوڈور میں بے پناہ جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ماتحت جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو بلا کر ایک توجذباتی انداز سے بھڑکایا پھر فوجی نقطہ نگاہ سے انہیں بڑے سخت احکام دیئے اور کہا کہ یہ روم کی عزت و آبرو کا سوال نہیں بلکہ ہر رومی کے ذاتی وقار کا مسئلہ ہے تصور میں لایا جاسکتا ہے کہ تھیوڈور نے بابلین کو مجاہدین اسلام سے پہچانے کے لئے کیا کیا جتن کئے ہوں گے۔ جب ہرقل کی موت کی اطلاع بابلین پہنچی تو اس کے رد عمل کے طور پر یہ توقع تھی کہ سب کے حوصلے پست ہو جائیں گے لیکن تھیوڈور نے ساری فوج کو اکٹھا کر کے ایسے پرجوش طریقے سے خطاب کیا کہ ہر فوجی کو بھڑکادیا۔ اس نے کہا کہ شکست کا ذمہ دار سب سے پہلے متوقس تھا۔ اس کے بعد ہرقل۔ اب دونوں نہیں ہیں تو یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے کہ جن شکستوں کے ذمہ دار وہ دونوں تھے انہیں ہم فتح میں بدل دیں۔ سلطنت روم ہرقل کی نہیں بلکہ تمہاری ہے۔

تھیوڈور کے اس خطاب کے صحیح الفاظ تاریخ میں نہیں ملتے، یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے فوجیوں اور شہریوں میں بے پناہ ولولہ اور جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اب وہ اس جنگ کو ذاتی جنگ سمجھنے لگا تھا۔

مستند مؤرخوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بزنطیہ میں ہرقل کی موت کے بعد کیا صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ ہرقل کو مرتینا نے طیب کے ہاتھوں زہریلی دوا بیاں دلوادلو کر مروایا تھا۔ طیب نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ ہرقل ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینوں بعد مر جائے گا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔

بزنطیہ میں صورت حال کچھ اس طرح بن گئی کہ جو نبی ہرقل مرا، ملکہ مرتینا نے اعلان کر دیا کہ اس کا بیٹا ہرقلیوناس ہرقل کا جانشین ہے اور یہ فیصلہ ہرقل نے مرنے سے پہلے کر دیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہرقل نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ مرنے سے پہلے مسلسل تین یا چار دن وہ بے ہوشی میں پڑا رہا تھا اور ایک صبح ملکہ نے دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے۔ وہ رات بے ہوشی یا نیند میں مر گیا تھا۔

ملکہ مرتینا کے اس اعلان کو سنتے ہی ہرقل کے بڑے بیٹے قسطنطین نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ ہرقل نے اسے کہہ دیا تھا کہ اس کی موت کے بعد وہ یعنی قسطنطین جانشین ہو گا۔ وہ کہتا تھا کہ ہرقلیوناس نو عمر نا تجربہ کار اور سلطنت روم کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے لئے بالکل ہی نااہل ہے۔ اس صورت حال میں جب مسلمانوں نے رومیوں کو شام سے دھکیل باہر نکالا ہے اور مصر کے اتنے بڑے حصے پر قابض ہو گئے ہیں، کوئی ایسا حکمران ہونا چاہئے جو فوجی امور کی سوجھ بوجھ ہی نہیں بلکہ تجربہ رکھتا ہو اور انتظامی امور کو بھی سنبھال سکے۔

فوج کے جرنیل اور شہری انتظامیہ کے حاکم جانتے تھے کہ ہرقلیوناس کو اس صورت حال میں تخت پر بٹھانا بہت بڑی اور بڑی ہی خطرناک غلطی ہے۔ اس کے لئے قسطنطین ہی موزوں تھا لیکن یہ جرنیل اور انتظامیہ کے چھوٹے بڑے حاکم دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کچھ ملکہ مرتینا کے حامی تھے اور باقی قسطنطین کی حمایت

کرتے تھے۔ اس طرح فوج اور شاہی محل میں دھڑے پیدا ہو گئے جو جانشینی کے مسئلے پر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ قسطنطین تو کسی قیمت پر تخت و تاج نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ چونکہ بڑا بیٹا تھا اس لئے بھی تخت کا وارث وہی تھا۔ ملکہ مرتینا اسے قبول نہیں کر رہی تھی۔

تاریخ میں یہ بھی واضح ہے کہ ہر قل نے زیادہ نفری کی تازہ دم کمک تیار کرنے اور فوراً مصر بھیجنے کا حکم دے دیا تھا۔ کمک بالکل تیار ہو گئی تھی لیکن ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ ہر قل مر گیا۔ قسطنطین نے فوراً حکم دیا کہ کمک کو مصر بھیجنے کے لئے جہاز تیار کئے جائیں۔ ملکہ مرتینا نے اس حکم پر یہ اعتراض کیا کہ قسطنطین خود اس کمک کے ساتھ جائے۔ وہ جواز یہ پیش کرتی تھی کہ قسطنطین چونکہ میدان میں قیادت کا تجربہ رکھتا ہے اس لئے وہ کمک کا صحیح استعمال کرے گا ورنہ پہلے والے جرنیل اس کمک کو بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مروا دیں گے۔

قسطنطین جانتا تھا کہ اس وقت ملکہ مرتینا کو مصر کا کوئی خیال نہیں، اس کی تمام تر دلچسپیاں اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے پر مرکوز ہیں۔ وہ برنلیہ سے غیر حاضر نہیں ہونا چاہتا تھا۔

”حکم میرا چلے گا“۔ ملکہ مرتینا نے اعلان کر دیا۔ ”یا حکم میرے بیٹے کا چلے گا۔ قسطنطین فوج کا کمانڈر ہے۔ وہ مجھ سے یا میرے بیٹے سے حکم لے۔ اس کے لئے شاہی حکم یہ ہے کہ کمک لے کر مصر کو روانہ ہو جائے۔ جانشینی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“

قسطنطین جانتا تھا کہ اس کی پشت پناہی میں جو لوگ ہیں وہ ایک محاذ پر متحد ہو چکے ہیں اور اسے یہ پشت پناہی ملتی رہے گی۔ ہوا بھی یہی۔ اس کے حامی جرنیل اور ان سے نیچے کے عہدوں کے فوجی افسر اور شہری انتظامیہ کے بڑے حاکم اور شاہی خاندان کے کچھ افراد اس کی حمایت میں سامنے آ گئے اور صحیح معنوں میں انہوں نے متحدہ محاذ بنالیا یہاں تک کہ مصر کی شکست کو اور مجاہدین اسلام کی پیش قدمیوں کو نظر انداز کر دیا اور اولیت و اہمیت صرف اس مسئلے کو دینے لگے کہ تخت

کا وارث قسطنطین کو ہی بنانا ہے۔

یہ تو وہ فوجی اور شہری حاکم تھے جو حقیقت پسند تھے اور سلطنت روم کا وقار بحال کرنا چاہتے تھے اور سلطنت کی توسیع بھی ان کے پیش نظر تھی۔ بجا طور پر وہ قسطنطین کو ہی اس قابل سمجھتے تھے کہ اس صورت حال کو وہ سنبھالنے کی اہلیت اور تجربہ رکھتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے قسطنطین ادھیڑ عمری کی آخری سیڑج تک پہنچ چکا تھا جہاں انسان کی عقل و دانش مزید تیز ہو جاتی ہے اور وہ گزشتہ زندگی کے اچھے برے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

دوسری طرف ملکہ مرتینا نے اپنے بیٹے کے حامی خرید رکھے تھے۔ خزانہ اس کے ہاتھ میں تھا اور شاہی حرم پر اس کا حکم چلتا تھا اس لئے اس نے یہ دونوں چیزیں یعنی زر و جوہرات اور حسین و جمیل لڑکیاں بے دریغ استعمال کر کے چند ایک جرنیلوں اور شہری حاکموں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ یہ فوجی اور شہری حاکم انعام و اکرام کا حق ادا کریں جو انہوں نے کیا اور محاذ بنا کر قسطنطین کے حامیوں کے خلاف مورچہ بند ہو گئے۔

شاہی حکم تو معطل ہی ہو گئے۔ کمک روانگی کے حکم کے انتظار میں ہی بارکوں میں بیٹھی رہی۔ دونوں دھڑوں کے جرنیلوں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ کر لیا اور صورت حال خانہ جنگی والی پیدا ہو گئی۔

اس صورت حال میں کمک کو بھی جرنیلوں نے تقسیم کر لیا اور یہ بات ہی ختم ہو گئی کہ مصر کو کمک بھیجی ہے۔ کون نہیں سمجھ سکتا کہ جہاں اس طرح دھڑے بندی شروع ہو جائے اور یہ کشمکش اور چپقلش دونوں دھڑوں کو مرنے مارنے تک پہنچا دے تو وہاں کیسی تباہی آتی ہے۔ سارا سرکاری نظام ہی جام ہو کر رہ گیا۔ ملکہ مرتینا کی عیاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔

قسطنطین سلطنت روم کے معاملے میں مخلص تھا۔ وہ دل و جان سے چاہتا تھا کہ یہ کشمکش ختم ہو جائے۔ ملکہ مرتینا نے یہ چال بھی چلی کہ تین چار بڑے پادریوں کو قسطنطین کے پاس بھیجا کہ اسے قائل کریں کہ وہ تمام تر فوج کا کمانڈر

انجیف بن جائے اور تخت پر ہر قلیوناس بیٹھے، بے شک تمام امور قسطنطین اس ہاتھ میں رکھے۔

پادری قسطنطین کے پاس گئے اور مذہب کے نام پر اسے قائل کرنے لگے۔ قسطنطین نے کہا کہ اسے اگر یقین ہوتا کہ ہر قلیوناس کو تخت کا وارث قرار دینے سے سلطنت روم کے استحکام کو فائدہ پہنچے گا تو وہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے گا۔ پادریوں نے مزید دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور غالباً کسی پادری نے اسے کوئی توہیر آمیز بات کہہ دی۔

”میں آپ لوگوں کا احترام کر رہا ہوں“۔ قسطنطین نے کہا۔ ”لیکن آپ مجھے ڈرا رہے ہیں اور دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کیا آپ میں اتنی سی بھی عقل دانش نہیں کہ ہر قلیوناس کے اخلاق اور عقل کو جانتے ہوئے اسے تخت کا وارث بنارہے ہیں؟ لیکن آپ مجبور ہیں کیونکہ آپ کے اندر مرتینا کا دیا ہوا خزانہ بول رہا ہے اور آپ سب پر اُن حسین و جمیل لڑکیوں کا سحر طاری ہے جو مرتینا آپ کو پیش کرتی رہی ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں آپ کو کلیسا سے بے دخل کر دوں، یہاں سے چلے جائیں۔“

ان پادریوں کے ضمیر مجرم تھے اس لئے وہ خاموشی سے چلے گئے۔

قسطنطین نے اب ایک بادشاہ کی حیثیت سے حکم دیا کہ کمک فوراً تیار کر کے مصر بھیجی جائے لیکن اس کے حکم کا وہی حشر ہوا جو وہاں چلائے ہوئے تیر کا ہوتا ہے۔ اس کے حامی جرنیلوں نے اسے بتایا کہ کمک تقسیم ہو چکی ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو فوج قسطنطین کے حق میں ہے اس میں سے کمک بھیجی جائے ورنہ حامی فوج کی نفری ہمت کم رہ جائے گی اور مرتینا کی حامی فوج اپنی طاقت سے تخت پر قابض ہو کر ہر قلیوناس کو روم کا بادشاہ بنا دے گی۔

یہ ایک بہت بڑا کرم تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اسلام کو نوازا تھا اور یہ بہت بڑی لعنت تھی جو اللہ تعالیٰ نے رومیوں پر نازل کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا یہ وعدہ بھی پورا کر رہا تھا کہ تم میں سے صرف ایک سو ثابت قدم رہنے والے

اور ایمان والے ہوئے تو ایک سو پر غالب آئیں گے اور سو ہوئے تو ایک ہزار پر غلبہ حاصل کریں گے.... مطلب یہ کہ اللہ ثابت قدم رہنے والے مومنین کی اتنی مدد کرتا ہے کہ معجزے رونما ہوتے ہیں۔ رومی شہنشاہیت کے ایوانوں میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی یہ مجاہدین کے لئے ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ وہاں تو مجاہدین کو مصر سے نکالنے والے رومی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔



سپہ سالار عمرو بن عاص کو بالکل ہی معلوم نہ تھا کہ بزنطیہ میں یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور کمک کا خطرہ بالکل ہی ختم ہو گیا ہے۔ سپہ سالار تو یہ پلان بنا رہے تھے کہ کس طرح خندق عبور کر کے قلعے پر یلغار کی جائے لیکن ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ رومیوں نے منجمنیقہس باہر لگا رکھی تھیں اور تیز انداز درختوں میں چھپے ہوئے تیروں کی بوچھاڑیں پھینک رہے تھے۔

ملکہ مرتینا نے (تاریخ کے مطابق) جنرل تھیوڈور کو ایک پیغام اور بھیجا۔ اس میں مرتینا نے شاہی محل کی تمام صورت حال لکھی اور اسے بتایا کہ کسی بھی وقت یہاں خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔ خانہ جنگی ہو یا نہ ہو یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ ہر قلیوناس کو تخت کی وراثت نہیں مل سکے گی۔ مرتینا نے لکھا کہ اپنے تمام ذرائع اور وسائل ہوش مندی سے استعمال کرو اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالو۔ مرتینا کا مطلب یہ تھا کہ ہو سکتا ہے ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ لوگ اس کے اور اس کے بیٹے کے خلاف ہو جائیں تو اسے اپنے بیٹے کے ساتھ پناہ لینے کے لئے مصر آنا پڑے۔ اس صورت میں وہ مصر سے خود مختاری کا اعلان کر دے گی۔ اس نے تھیوڈور کو پُر زور الفاظ میں لکھا تھا کہ مصر محفوظ رہنا چاہئے اور وہاں سے ہماری بادشاہی کی ابتدا ہوگی اور جو فوج وہاں موجود ہے وہ ہماری اپنی ہوگی۔

ہرقل نے بزنطیہ میں مقوقس پر غداری کا الزام لگا کر بالکل ٹھیک کہا تھا کہ مصر میں ایک لاکھ رومی فوج موجود ہے جس میں سے صرف باہ ہزار کو لڑایا گیا ہے۔

اگر عقل مندی اور دیانت داری سے اس فوج کو استعمال کیا جاتا تو آٹھ دس ہزار نفری کے لشکر کو مصر میں ہی پکڑا اور مسلما جاسکتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ مصر میں ایک لاکھ رومی فوج موجود تھی لیکن یہ فوج مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تھی اور ان میں جو مجاہدین اسلام کے مقابلے میں آئی تھی، اس میں سے ہزاروں کی تعداد میں کٹ گئی تھی۔ تھیوڈور نے مرتینا کے اس دوسرے پیغام کے مطابق اپنے دفاعی پلان میں رد و بدل کیا۔ ایک تو اسے یہ پتہ چل گیا کہ بزنطیہ سے کمک نہیں آئے گی۔ وہ کسی دوسرے مقام سے کمک نہیں منگوا سکتا تھا کیونکہ بالیون مجاہدین کے محاصرے میں تھا۔ دریائی راستہ بھی مجاہدین کی موجودگی میں محفوظ نہیں تھا۔

ایک روز مجاہدین نے دیکھا کہ رومی منجیقین قلعے کے اندر لے جا رہے ہیں اور تیر انداز دستے بھی قلعے کے اندر چلے گئے ہیں۔ دروازے بند ہو گئے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص دیکھتے رہے اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے منجیقین قلعے کی دیواروں پر پہنچادی گئیں اور وہاں سے پھر سنگ باری شروع ہو گئی۔

ایک بات جو پہلے بتا دینے والی تھی، وہ اب بتائی جا رہی ہے۔ چونکہ قسطنطین سلطنت روم کے حق میں مخلص تھا اور اپنے شاہی خاندان اور سلطنت کا وقار بحال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا اس لئے وہ دیکھ رہا تھا کہ اس صورت حال پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کا بنایا ہوا استقب اعظم قیصر قسطنطین کو یاد آیا لیکن ہرقل نے اس پر بھی بے وفائی اور مقوقس کا ساتھ دینے کا الزام لگا کر جلاوطن کر دیا تھا۔ اس کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اسے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں لگا کر جلاوطن کیا جائے بلکہ اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ سلطنت روم سے نکل جائے۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ قسطنطین کو معلوم تھا یا نہیں کہ جلاوطنی کے بعد قیصر کہاں چلا گیا ہے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ قسطنطین نے اپنا ایک دانشمند اپنی قیصر کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ شاہ ہرقل مرچکا ہے اور وہ یعنی قسطنطین

اس کی جلاوطنی منسوخ کرتا ہے اور وہ فوراً بزنطیہ پہنچے۔ قسطنطین نے اپنی کواچی طرح سمجھا دیا تھا کہ قیصر کو قاتل کر کے واپس لانا ہے۔ پھر آگے مؤرخ لکھتے ہیں کہ قیصر کا سراغ مل گیا تھا اور وہ بزنطیہ آگیا تھا لیکن یہ بعد کی بات ہے، پہلے ہم اس سے پہلے کے واقعات سناتے ہیں۔

بالیون کے باہر اب جو کیفیت تھی وہ اس طرح تھی کہ جب رومی منجیقین اور تیر انداز قلعے کے اندر چلے گئے تو مجاہدین آگے بڑھ کر خندق کو دیکھنے لگے۔ تیر اندازوں کی موجودگی میں وہ خندق کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ تیر موسلا دھار مینہ کی طرح آتے تھے۔ مجاہدین یہ دیکھنے کو آگے بڑھے کہ خندق عبور کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ رومیوں نے خندق کو ناقابل عبور بنا دیا تھا۔ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا لیکن تمام تر خندق خاردار تاروں کے کچھوں سے بھری پڑی تھی۔ ان کچھوں کے علاوہ خندق میں لوہے کی نوکیلی سلاخیں گاڑھی ہوئی تھیں۔ اگر خندق میں پانی ہوتا، خواہ پانی سے خندق لبریز ہوتی تو تیر کر اسے عبور کیا جاسکتا تھا لیکن رومیوں نے خندق کو خاردار تاروں اور نوکیلی سلاخوں سے بھر دیا تھا اور کوئی انسان خندق میں قدم رکھنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

محاصرے کو تقریباً آٹھ مہینے گزر گئے تھے۔ مجاہدین کے لشکر میں مایوسی اور بددلی کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن سپہ سالار اور دیگر سالار بے تاب و بے قرار ہوتے جا رہے تھے۔ خندق اتنی چوڑی تھی کہ اسے اندرونی رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے عبور کرنے کی سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی پھر بھی سب اپنا اپنا دماغ لڑا رہے تھے کہ خندق عبور کرنی ہی کرنی ہے۔



اب دیکھئے گوشت پوست کا ایک انسان کیا معجزہ کر کے دکھاتا ہے۔ یہ تھے زبیرؓ بن العوام۔ اس مرد مجاہد کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ زبیرؓ بن العوام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی تھے۔ ان کا شمار

عرب کے بہادر ترین افراد میں ہوتا تھا۔ آنحضورؐ نے ایک بار فرمایا تھا۔ ”ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، میرے حواری زبیرؓ بن العوام ہیں۔“

زبیرؓ بن العوام نے بابلین کے محاصرے میں جب دیکھا کہ خندق عبور کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تو ایک رات انہوں نے چند مجاہدین کو ساتھ لیا اور چار پانچ درختوں کے بڑے بڑے ٹن کنوائے پھریہ ٹن شاخوں اور پتوں سمیت گھسیٹ کر خندق تک لے گئے اور خندق میں پڑی ہوئی خاردار تاروں کے گچھوں اور نوکلی سلاخوں پر اس طرح پھینکنے شروع کئے کہ اگلے کنارے تک ٹن چلے گئے۔ اس طرح انہوں نے خندق پر پڑے ہوئے ٹنہوں پر چلتے چلتے اور ٹن پھینکے اور خندق کے اوپر سے گزرنے کا اچھا خاصا راستہ بنالیا۔

اسی رات انہوں نے مجاہدین کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان سے یوں خطاب کیا۔ ”یاد کرو خالدؓ بن ولید کے وہ کارنامے جو انہوں نے دمشق میں کر دکھائے تھے۔ یاد کرو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی وہ شجاعت جو انہوں نے مدائن میں دکھائی تھی اور نہادند میں نعیم بن کمرن کی بہادری یاد کرو۔ تم میں کون ہے جو شجاعت اور جانبازی میں ان مجاہدین سے پیچھے رہنا چاہتا ہے؟.... کیا تم میں کوئی بھی نہیں جو اللہ کی راہ میں سرفروشی کے جذبے سے سرشار نہ ہو؟“

”ہم ہیں۔“ تمام مجاہدین کی آواز اٹھی۔ ”ہم اللہ کی راہ کے جانباز اور سرفروش ہیں۔ بتا اے سالار! ہم سے تو کونسا کارنامہ کروانا چاہتا ہے۔“

”میں اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرتا ہوں۔“ زبیرؓ بن العوام نے کہا۔

”اللہ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا سبب بنائے۔“

زبیرؓ بن العوام نے اتنی سی بات کہہ کر مجاہدین کو جوش اور جذبے کے شعلے بنادیا۔ وہ اب پوچھ رہے تھے کہ کرنا کیا ہے۔ لشکر میں ڈسپلن ایسا تھا کہ کوئی سالار ایسی کارروائی جو زبیرؓ کرنے لگے تھے، اپنے طور پر نہیں کرتا تھا۔ سپہ سالار کو پہلے اپنا پورا پلان بتاتے تھے پھر وہ کارروائی کی جاتی تھی۔

زبیرؓ سپہ سالار عمروؓ بن عاص کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ انہوں نے

نلے پر بلخار کے لئے مجاہدین کا ایک پورا دستہ تیار کر لیا ہے اور پھر اپنا پلان بتایا۔ عمروؓ بن عاص تو خطرے مول لینے میں ہی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے کچھ لیا تھا کہ بابلین کا قلعہ سر کرنا ہے تو کوئی بہت ہی بڑا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ وہ زبیرؓ بن العوام لے رہے تھے۔ سپہ سالار نے سالار زبیرؓ کو اجازت دے دی۔

زبیرؓ بن العوام جب واپس اُس جگہ گئے جہاں انہوں نے خندق پر درختوں کے ٹن پھینکے تھے، وہاں پہلے سے زیادہ مجاہدین اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ سب اپنی بانیں پیش کرنے آئے تھے اور بے تاب تھے کہ انہیں بتایا جائے کرنا کیا ہے۔

سالار زبیرؓ نے ایک دستے کی نفی الگ کر لی اور بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیسی قربانی دینی ہوگی۔ ان کا پلان ایسا تھا جس میں شہادت یقینی نظر آتی تھی۔

سالار زبیرؓ کی ہدایات کے مطابق مجاہدین نے سیڑھیاں اکٹھی کر لیں اور دو دو بیڑھیاں باندھ لیں۔

”فوراً خاموشی سے واپس چلی جاؤ“ - عمروؓ بن عاص نے کہا - ”تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں بلا لیں گے۔“

”سیرھیاں اور سامان ہمیں اٹھا کر آگے لے جانے دیں“ - خاتون نے کہا - ”ہم پیچھے خیموں میں بیٹھا رہیں گے۔“

عمروؓ بن عاص نے انہیں ذرا سختی سے کہا کہ وہ واپس چلی جائیں۔ خندق عبور کرنا مجاہدین کے لئے کوئی نیا کام نہیں جو عورتوں کی مدد کے بغیر ہو ہی نہ سکے۔

”سات آٹھ ہزار نفری سے آپ کیا کچھ کر لیں گے؟“ - ایک اور خاتون نے کہا - ”ہمارے جسموں میں بھی اللہ نے طاقت ڈال رکھی ہے۔ یہ کسی کام تو آئے۔ ہم صرف لاشیں اٹھاتی ہیں اور زخموں کو ڈھونڈتی پھرتی اور انہیں پیچھے لے جاتی ہیں۔ ہم اس خندق سے واقف ہیں۔ ہمارے مردوں کو آگے جا کر لڑنا بھی ہے۔ جو کام ہم کر سکتی ہیں وہ ہمیں کرنے دیں۔“

”تمہارے کرنے کا صرف ایک کام ہے۔“ - عمروؓ بن عاص نے کہا - ”فوراً واپس جاؤ اور یہ کام شروع کر دو.... وضو کرو، نفل پڑھو اور ہماری کامیابی کی دعا کرو۔ ہمیں اس مدد کی ضرورت ہے۔“

خواتین واپس چلی تو گئیں لیکن سب پر مایوسی طاری تھی۔ خیموں میں واپس جا کر سب نے وضو کیا اور فرداً فرداً نفل پڑھنے لگی ہو گئیں۔

○

ادھر مجاہدین کے سپہ سالار کا یہ جذبہ کہ وہ سپاہی بنا ہوا مجاہدین کے ساتھ کام کر رہا تھا اور ادھر قلعے کے اندر رومیوں کا سپہ سالار اپنے آپ کو ہر قتل جیسا بادشاہ سمجھے ہوئے تھے۔ مقوقس کے بعد مصر میں وہ مختار کل تھا۔ وہ تھا جرنیل تھیوڈور۔ آدھی رات ہونے کو آئی تھی۔ اس کے سونے کے کمرے میں کچی عمر کی ایک نوجوان لڑکی بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

تھیوڈور ایک اور کمرے میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو ماتحت جرنیل تھے اور چار پانچ اور فوجی افسر بھی تھے جو جرنیلی کے درجے سے ایک درجہ ہی کم تھے۔ ان میں ایک جرنیل جارج تھا جو تجربے اور قابلیت میں تھیوڈور کا ہم پلہ تھا۔

جنرل تھیوڈور کے دماغ پر ملکہ مرتنا سوار تھی اور وہ انعام جس کا مرتبہ تھا اس

کام رات کی تاریکی میں ہو رہا تھا۔ تاریکی مجاہدین کو فائدہ تو دے رہی تھی کہ وہ ذرا ہی دور سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے لیکن اس تاریکی میں کچھ خطرے بھی تھے۔ فتح انہی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے جو آتش نمود میں بے خطر کود پڑتے ہیں۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص وہاں موجود تھے اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ بہت ہی خوش تھے کہ انہیں زبیرؓ بن العوام جیسا سالار مل گیا تھا۔ اس جانباز اور سرفروش سالار نے قلعہ بابلیون سر کرنے کی مہم میں نئی روح پھونک دی تھی۔

کئی ایک مجاہدین کی خواتین لشکر کے ساتھ تھیں جو لشکر کے پیچھے رہتی تھیں۔ ان خواتین میں زیادہ تر بیویاں تھیں، ایک دو مجاہدین کی مائیں بھی تھیں اور دو چار کی بہنیں ان کے ساتھ تھیں۔ کسی طرح ان خواتین کو پتہ چل گیا کہ مجاہدین خندق عبور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور یہ بڑا ہی خطرناک کام ہے۔ مجاہدین خندقیں تو عبور کیا ہی کرتے تھے لیکن خواتین جانتی تھیں کہ بابلیون کے ارد گرد جو خندق ہے، یہ سب سے نرالی اور دشوار ہے۔ انہیں بتانے والے نے بتایا کہ خندق کس طرح عبور کی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ سیرھیاں اور کچھ سامان بھی ساتھ لے جایا جا رہا ہے۔ ہیں پچیس جوان سال خواتین اس طرف اٹھ دوڑیں جہاں سے خندق عبور کی جا رہی تھی۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے ان خواتین کے دوڑتے قدموں اور ان کی باتوں کی آوازیں سنیں تو خود دوڑے گئے اور عورتوں کے راستے میں جا کھڑے ہوئے۔ انہیں روک کر پوچھا کہ وہ کیا لینے آئی ہیں، یہ بھی کہا کہ وہ اونچی آواز نہ نکالیں، مکمل خاموش اختیار کئے رکھیں۔ ایک خاتون نے آگے بڑھ کر سپہ سالار کو بتایا کہ وہ کیوں آئی ہیں۔

جانے دو۔ ابھی یہ فتح کے نشے سے سرشار ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس خوش فہمی سے نکل آئیں گے۔“

یہ رومی فوج کے افسران اعلیٰ کا اجلاس تھا یا محفل نے نوشی تھی، اس میں یہ طے سمجھا گیا کہ مجاہدین اسلام خندق عبور نہیں کر سکیں گے اور مصر سے ہی ملک آئے گی اور مجاہدین کی رسد کے راستے بند کر دیئے جائیں گے اور ان پر عقب سے حملہ کیا جائے گا۔ یہ رومی افسر اپنے دفاعی انتظامات سے بجا طور پر مطمئن تھے اور ان کا دفاعی پلان بھی بالکل صحیح تھا۔ ہر قل نے مقوقس پر یہ جو الزام عائد کیا تھا کہ مصر میں روم کی ایک لاکھ فوج موجود ہے، غلط نہیں تھا۔ مقوقس نے اس فوج کا تھوڑا سا حصہ ہی جنگ میں استعمال کیا تھا۔ تھیوڈور نے اب پوری فوج کو استعمال کرنے کا پلان بنا لیا تھا۔ تصور میں لایا جاسکتا ہے کہ ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں مسلمانوں کے سات آٹھ ہزار نفری کے لشکر کی کیا حیثیت تھی۔

آدھی رات کے وقت یہ محفل درخواست ہوئی اور تمام فوجی افسر رخصت ہو گئے۔ تھیوڈور کے سونے کے کمرے میں جو نوخیز لڑکی اس کے انتظار میں بیٹھی تھی وہ نیند پر قابو نہ پاسکی اور پلنگ پر سو گئی تھی۔ وہ فرمانروائے مصر کے حرم کی لڑکی نہیں تھی نہ ہی مقوقس نے کوئی حرم بنا رکھا تھا۔ یہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ اس کا گھرانہ کوئی ایسا غریب بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ کسی کے محتاج ہوتے، دو وقت کی روٹی باعزت طور پر میسر آ جاتی تھی لیکن اس لڑکی نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو گا کہ وہ کسی رات شاہی محل کے سونے کے کمرے کی زینت بنے گی۔ وہ چلی بڑھی تو غربت میں تھی لیکن خدا نے اسے بے مثال حسن سے نوازا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کا جو تاثر تھا وہ اس کے حسن کو طلسماتی بنا رہا تھا۔

تھیوڈور نے اس نوخیز لڑکی کو کہیں دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر اسے دیکھتا ہی رہا تھا۔ تھیوڈور کے ساتھ اس کا ایک خاص معتد بھی تھا۔ اس معتد نے اسے کان میں کہا کہ یہ لڑکی اسے اتنی ہی اچھی لگی ہے کہ وہ دیکھے ہی جا رہا ہے تو آج رات یہ اس کے سونے کے کمرے میں پہنچائی جاسکتی ہے۔ تھیوڈور کے ہونٹوں پر ایلیمی مسکراہٹ آگئی اور اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔

یہ معصوم سی لڑکی رات کے پہلے پہر ہی تھیوڈور کے ہاں پہنچادی گئی تھی۔ لڑکی کو

کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ وہ تو ابھی سے اپنے آپکو مقوقس کا جانشین سمجھنے لگا تھا یعنی فرمانروائے مصر!.... وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے فوجی افسروں کو یقین دلا رہا تھا کہ یہ عربی لشکر بابلون کی دیوار کے قریب بھی نہیں آسکے گا۔ اس دعویٰ میں وہ حق بجانب تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خندق کو ناقابلِ تغیر بنانے کے لئے کیا اہتمام کیا گیا تھا۔ تھیوڈور ہی نہیں بلکہ اس کے تمام تر چھوٹے بڑے افسر اور پوری کی پوری فوج کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان اس خندق سے باہر ہی رہیں گے اور ان کے پاس کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ خندق کو عبور کر سکیں۔ یہ یقین انہیں بڑا ہی پُر لطف اطمینان دے رہا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے اپنے اعلیٰ فوجی افسروں کا اجلاس بلا رکھا تھا لیکن دو نیم برہنہ جوان اور خوبصورت لڑکیاں انہیں شراب پیش کر رہی تھیں۔ شراب اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔

”اگر بزنطیہ سے تم نے کوئی امید وابستہ کر رکھی ہے تو وہ دل سے نکال دو۔“

تھیوڈور نے کہا۔ ”یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شاہ ہرقل ملک نہیں بھیج رہا تھا۔ اب اس کا بیٹا قسطنطین یہ ذمہ داری پوری کر سکتا ہے لیکن مجھے اس سے بھی ملک کی توقع نہیں۔ بزنطیہ سے مجھے جو خبریں ملی ہیں وہ ہمارے لئے اور مصر کے لئے اچھی نہیں۔ قسطنطین شاہ ہرقل کا جانشین بننے کی کوشش میں ہے۔ ملکہ مرتینا کا بیٹا میرے پاس آچکا ہے۔ شاہ ہرقل کی جانشین صرف ملکہ مرتینا ہو سکتی ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے۔ بہر حال ہمیں ایسی امید رکھنی ہی نہیں چاہئے کہ قسطنطین ملک بھیجے گا۔ البتہ ملکہ مرتینا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ زیادہ نفری کی کمک بھیجے گی لیکن اس میں کچھ عرصہ لگے گا۔ شاہ ہرقل کو بھی مصر کا کچھ خیال نہ تھا اور قسطنطین کو بھی نہیں۔ اس کی دلچسپیاں صرف تخت و تاج پر مرکوز ہیں۔ یہ عزم ذہن میں رکھ لو اور عہد کرو کہ ہمیں ان مٹھی بھر مسلمانوں کو یقین خندق کے باہر ہی نیست و نابود کر دینا ہے۔ میں مصر کے اندر سے ہی ملک منگوا رہا ہوں۔“

”عرب کے یہ بڈو آخر کب تک محاصرے میں بیٹھے رہیں گے۔“ جنرل جارج نے کہا۔ ”انہیں کچھ عرصہ بیٹھا رہنے دو۔ ہم ان کی رسد کے راستے مسدود کر رہے ہیں اور جب یہ بھوکے مرنے لگیں گے تو ان کے عقب سے ان پر حملہ کریں گے۔“

”مصر میں اپنی فوج کی کمی نہیں۔“ تھیوڈور بولا۔ ”ان عربوں کو ذرا نڈھال ہو

اغوا نہیں کیا گیا تھا نہ اس پر جبر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے باپ کو اتنی رقم دی گئی ہوگی جو اس نے تصور میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ اس غریب باپ کو یہ خواب بھی دکھایا گیا ہو گا کہ جزل تھیوڈور اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لے گا اور اب تھیوڈور ہی مصر کا فرمانروا ہو گا۔

تھیوڈور کی عمر بڑھاپے میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ سونے والے کمرے میں داخل ہوا تو لڑکی کو پلنگ پر سوتا ہوا دیکھا۔ اس کی بیوی اور بیٹے بیٹیاں اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔ تھیوڈور کو ایسا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ اس کی بیوی کو پتہ چلا کہ اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے تو وہ ہنگامہ برپا کر دے گا۔ بیوی اپنے طور پر آزاد تھی۔ یہ اس معاشرے کا سب سے زیادہ اونچا طبقہ تھا جس میں شرم و حجاب کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس وقت کے مرد کسی بھی عورت کو اپنے ساتھ گھر لے آنا اپنا حق سمجھتے تھے۔

لڑکی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ تھیوڈور کو وہ کچھ اور ہی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ شراب کے نشے نے تھیوڈور کو اپنے آپ میں رہنے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا جھومتا رہا اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ وہ تو اس کے لئے ایک کھلونا تھی۔ جس طرح چاہتا اس کے ساتھ کھیل سکتا تھا۔ اس نے لڑکی کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیر کر اسے جگایا۔

لڑکی گھبرا کر جاگی اور اٹھ بیٹھی۔ اس کے معصوم چہرے پر خوف کا تاثر آگیا لیکن تھیوڈور کے ہونٹوں پر کھلی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر خوف میں کمی آگئی۔ تھیوڈور اس کے پاس بیٹھ گیا اور ایسے پیارے انداز سے ایک دو باتیں اور کچھ حرکتیں کیں کہ لڑکی کو اس انداز میں اپنائیت سی محسوس ہونے لگی۔

”مجھے سے یوں نہ ڈر لڑکی!“ تھیوڈور نے کہا۔ ”میرے دل نے تمہیں پسند کیا ہے۔ میں تمہیں مصر کی ملکہ بناؤں گا.... کو“ مصر کی ملکہ بنو گی نا!“

لڑکی جواب دینے کی بجائے بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ وہ شاید محسوس نہ کر سکی کہ یہ شخص نشے میں ہے اور صبح تک بھول چکا ہو گا کہ اس نے رات کیا کہا تھا۔ تھیوڈور اس پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑنے کی بجائے بڑے پیار سے اس کے ساتھ اٹھیلیاں کرتا رہا۔

چند ہی باتوں اور کچھ پیاری سی حرکتوں سے لڑکی تھیوڈور کے ساتھ بے تکلف ہو گئی۔ ان ہی باتوں میں عرب کے مسلمانوں کا ذکر آگیا۔ تھیوڈور نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ لڑکی کے ماں باپ قبیلہ عیسائی تھے اور مذہب کے معاملے میں بڑے ہی جذباتی اور کٹر تھے۔ لڑکی کے خیالات پر بھی ان کا اثر تھا۔

”میں ایک مسلمان جاسوس کو پکڑوا سکتی ہوں“ لڑکی نے کہا۔ ”وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ مجھے بھی وہ اچھا لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ عرب کے اس لشکر کا جاسوس ہے جس نے ہمارے شہر کو محاصرے میں لے رکھا ہے لیکن میں اس کے خلاف زبان نہیں کھولنا چاہتی تھی کیونکہ اس نے میری جان بچائی تھی۔“

”پھر اب کیوں زبان کھولی ہے؟“ تھیوڈور نے پوچھا۔

”مجھے احساس ہے کہ میں اس کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہوں“ لڑکی نے کہا۔

”لیکن آپ کی باتیں سن کر میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کے ساتھ وفا کرتی ہوں تو یہ اپنے مذہب اور اپنے ملک کے ساتھ بے وفائی ہوگی جسے غداری بھی کہا جاسکتا ہے۔“

لڑکی نے تھیوڈور کو بتایا کہ یہ مسلمان کب سے یہاں ہے اور کہاں رہتا ہے۔

”شاباش!“ تھیوڈور نے کہا۔ ”محبت اور جذبات کی قربانی جان کی قربانی سے زیادہ بڑی ہے۔ میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور تمہیں اس کا پورا صلہ ملے گا۔ صبح یہ مسلمان جاسوس ہتھکڑیوں میں بندھا ہوا یہاں ہو گا اور تمہارے سامنے اس کا سر اس کے جسم سے الگ پھینک دیا جائے گا۔“

لڑکی خواب و خیال میں مصر کی ملکہ بن گئی اور اپنے آپ کو تھیوڈور کے حوالے کر دیا۔



یہ مسلمان جاسوس کون تھا؟

اس کا نام اوسامہ بن اظہری تھا۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال تھی۔ اس کا باپ عراق میں شعی بن حارث کے لشکر میں تھا جو کسریٰ ایران کی فوجوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ یہ مجاہد ایک معرکے میں شہید ہو گیا تھا۔ اوسامہ بن اظہری کا ایک ہی بڑا بھائی تھا۔ وہ شام کی جنگ میں ہرقل کی فوجوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوا تھا۔ پیچھے اوسامہ رہ گیا تھا۔

ماں نے اسے اس لئے محاذ پر نہیں بھیجا تھا کہ وہ اکیلی رہ جاتی تھی لیکن باپ کے بعد بڑا بھائی بھی شہید ہو گیا تو ماں نے اوسامہ سے کہا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی جگہ چلا جائے۔ اس طرح اوسامہ رومیوں کے خلاف لڑنے والے لشکر میں جاشامل ہوا اور اس کی ماں بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔

اوسامہ بن انظری کو سالاروں نے دیکھا کہ یہ تو ایک خاص قسم کی ذہانت کا مالک ہے تو انہوں نے اسے جاسوسی کی تربیت دی۔ اوسامہ بڑا خوبصورت جوان تھا۔ نہایت پُر اثر انداز میں بات کرتا تھا اور اس میں روپ بہروپ کا فن قدرتی طور پر موجود تھا۔ اسے پہلی بار جاسوسی کے لئے بھیجا گیا تو وہ ایسے بہروپ میں گیا کہ ایک رومی فوج کے افسر کا خدمت گار بن گیا۔ ڈیڑھ ایک مہینے بعد واپس آیا تو نہایت قیمتی باتیں اپنے ساتھ لایا۔ آخر اسے اس لشکر میں بھیج دیا گیا جس کے سپہ سالار عمرو بن عاص تھے اور مصر پر فوج کشی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

مصر میں بھی اس نے جاسوسی کے میدان میں کچھ نمایاں کامیابیاں حاصل کیں جو سپہ سالار کے کام آئیں۔ اب وہ بالیون کے اندر چلا گیا تھا۔ ایک بار واپس آیا تو سپہ سالار کو بتایا کہ شہر کے اندر رومی فوج کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کیا ہے اور شہری کیا سوچ رہے ہیں۔ اس ضمن میں اس نے سپہ سالار کو بڑی ہی کار آمد باتیں بتائیں۔

وہ پھر کسی بہروپ میں بالیون کے اندر چلا گیا اور ایک عیسائی تاجر کا قابل اعتماد نوکر بن گیا۔ وہ عیسائیوں کے بہروپ میں گیا تھا۔ اسے واپس آنا تھا لیکن مجاہدین کے لشکر نے بالیون کو محاصرے میں لے لیا۔ اس صورت حال میں اس کا واپس آنا بہت ہی مشکل تھا۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ واپس نہ ہی جائے تو اچھا ہے، شہر کے اندر رہے اور اپنے لشکر کی مدد کا سامان پیدا کر لے۔ اس نے تو یہاں تک سوچ لیا تھا کہ جب مجاہدین کا لشکر قلعے پر یلغار کرے گا تو وہ اپنی جان کی بازی لگا کر شہر کا کوئی نہ کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا۔

یہ تھا وہ مسلمان جاسوس جس کی نشاندہی یہ لڑکی تھیوڈور کے آگے کر رہی تھی۔ لڑکی نے کہا تھا کہ اس مسلمان کو اس کے ساتھ محبت ہے اور وہ خود بھی اسے چاہتی ہے۔ یہ محبت ایک واقعہ سے شروع ہوتی تھی جو اس لڑکی کے لئے اور اس کے ماں باپ کے لئے ایک حادثہ بن چلا تھا۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ ایک بڑی بادبانی کشتی بالیون سے

سامنے والے جزیرے تک جا رہی تھی جہاں قلعہ روضہ تھا۔ اوسامہ کو اس تاجر نے جزیرے میں جانے کو کہا تھا جس کا وہ ملازم تھا۔ اس تاجر کو وہاں کوئی کام تھا۔

چونکہ اس طرف دریائے نیل تھا اس لئے شہر کا وہ پہلو محاصرے سے محفوظ تھا۔ جزیرے اور بالیون کے درمیان دریائی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ کشتی بہت بڑی تھی جس میں بہت سے مسافر جا رہے تھے۔ سامان بھی تھا اور چند ایک گھوڑے بھی تھے۔

یہ تین ساڑھے تین مہینے پہلے کا واقعہ تھا جب نیل میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ طغیانی کا زیادہ جوش و خروش دریا کے وسط میں تھا۔ کشتی وسط میں پہنچی تو ملاح دیکھ نہ سکے کہ طغیانی بڑھ گئی ہے اور لہریں کچھ زیادہ ہی اوپر پہنچے ہو رہی ہیں۔ کشتی جب اس مقام تک پہنچی تو لہروں نے اسے اٹھا اٹھا کر گرانا شروع کر دیا اور ایک بار کشتی کا رخ بدل گیا اور تیز ہوائے بادبانوں کو ملاحوں کے قابو سے نکال دیا۔

کشتی ایک پہلو سے اس قدر جھک گئی کہ یوں لگتا تھا جیسے دریا کشتی کے اندر آ جائے گا۔ ایک نوخیز لڑکی جو اس طرف کھڑی تھی، اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور دریا میں جا پڑی۔ اسے اب ڈوبنا ہی تھا، بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

لڑکی کا باپ بھی اس کے ساتھ تھا لیکن وہ روئے چلائے اور لوگوں کی ہمت ساجت کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اوسامہ کی فطرت میں خطرے مول لینے والا عنصر موجود تھا اور اس کے ساتھ انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی تھا۔ اس نے اور کچھ بھی نہ سوچا اور دریا میں لڑکی کے پیچھے کود گیا۔ لڑکی کو موجیں اٹھا اٹھا کر پھینچ رہی تھیں اور اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں۔

اوسامہ جوان تھا، جسم میں طاقت تھی اور زیادہ طاقت تو اس جذبے میں تھی جو ہمدردی کا جذبہ تھا۔ وہ پوری طاقت صرف کرتا تیرتا چلا گیا۔ اسے تو طغیانی بھی آگے کو دھکیل رہی تھی۔

ملاحوں نے کشتی نہ روکی۔ اس کے بادبانوں کو قابو میں رکھ کر کشتی کو دریا کے وسط سے نکال کر لے گئے۔ اوسامہ لڑکی تک پہنچ گیا اور اسے اٹھا کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ اب بڑا ہی خطرناک مرحلہ شروع ہوا۔ یہ تھا طغیانی کے جوش و خروش میں سے نکلنا۔ بہت دور جا کر وہ موجوں کی لپیٹ سے نکلا اور سامنے والے کنارے تک چلا گیا۔ وہ کچھ ہی دیر اور تیر سکتا تھا۔ اس کے بازو اکڑنے لگے تھے۔ یہ اس کی اور لڑکی کی خوش قسمتی تھی کہ

کنارہ آگیا اور اوسامہ لڑکی کو نیل کے منہ سے نکال کر لے گیا۔

کناروں کے ساتھ ساتھ چھوٹی کشتیاں چلتی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک میں اوسامہ لڑکی کو جزیرے میں لے گیا۔ لڑکی کا باپ مل گیا۔ اس نے یہ صورت قبول کر لی تھی کہ اس کی بیٹی ڈوب کر مر چکی ہے۔ اس نے اوسامہ کو گلے لگالیا اور اسے کہا کہ وہ بلیون میں اس کے گھر آئے۔ اوسامہ نے اپنے تاجر آقا کا کام بھی کر لیا اور لڑکی اور اس کے باپ کے ساتھ واپس بلیون آگیا۔

وہ پہلی بار لڑکی کے گھر گیا تو ان لوگوں نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ لڑکی تو اس پر مری جا رہی تھی۔ اس نے لڑکی کو یقینی موت کے منہ سے چھینا تھا۔ اوسامہ آخر جواں سال اور غیر شادی شدہ تھا۔ اس کے دل میں لڑکی کی ایسی محبت پیدا ہو گئی جو انسان کو مجبور اور بے بس کر دیا کرتی ہے اور اسے اس کے راستے سے بھی ہٹا لیتی ہے۔ یہاں سے ان کی ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔

اوسامہ کو تاجر نے ایک چھوٹا سا الگ مکان دے رکھا تھا۔ لڑکی اس کے پاس وہاں پہنچ جاتی تھی۔ ایک روز جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ اوسامہ نے لڑکی سے کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ عرب لے جائے گا۔ لڑکی نے حیرت زدگی کے عالم میں پوچھا کہ وہ عرب کیوں جائے گا۔ اوسامہ نے تو اسے بتایا تھا کہ وہ عیسائی ہے۔

اوسامہ پیچھتانے لگا کہ اس کے منہ سے ایسی بات نکل گئی ہے کہ اس کا پردہ اٹھ گیا ہے۔ اس نے ادھر ادھر کی بہت باتیں بنائیں کہ وہ اپنی اصلیت پر پھر پردہ ڈال لے لیکن لڑکی کو شک نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ اوسامہ دراصل کچھ اور ہے۔ اوسامہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

لڑکی کا حسن اور اس کی عمر ایسی تھی اور پھر لڑکی نے باتیں بھی کچھ ایسی کیں کہ اوسامہ کو اپنا راز فاش کرنا پڑا۔ دونوں کی محبت ایسی تھی کہ اوسامہ کو ایسی توقع تھی ہی نہیں کہ لڑکی اسے دھوکہ دے گی۔ لڑکی نے اسے قسم کھا کر کہا کہ وہ اس کے راز کو اپنے سینے میں دفن کر لے گی۔

اوسامہ نے کھل کر بات کر دی اور لڑکی نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی اور اس کے ساتھ عرب بھی چلی جائے گی۔ وہ تو اس کی بہت ہی ممنون تھی۔ اس کے دل پر دریا کا ایسا خوف بیٹھ گیا تھا کہ بستر پانی کو دیکھ کر ہی ڈر جاتی تھی۔ اوسامہ کو

وہ اپنا محافظ سمجھتی تھی۔

اوسامہ کو لڑکی پر بھروسہ تو تھا لیکن اسے یہ احساس پریشان کرتا ہی رہتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بے نقاب کر دیا ہے۔ لڑکی کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اوسامہ نے یوں بھی کیا کہ اس کے دل میں رومیوں کی نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسے بتایا کہ ہر قل اور قیصر نے کس طرح قبطی عیسائیوں کا قتل عام کیا ہے۔ وہ لڑکی سے یہ بھی کہتا تھا کہ رومیوں کی بادشاہی مصر میں قائم رہی تو وہ یہاں کسی قبطی عیسائی کو زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تو ہر کوئی اپنے مذہبی امور اور عقیدوں میں آزاد ہو گا۔

لڑکی کو رومیوں کا قبطی عیسائیوں پر ظلم و تشدد اچھی طرح معلوم تھا لیکن وہ کس اور نادان لڑکی تھی۔ جنرل تھیوڈور نے اس کی معصومیت کے ساتھ کھیلنے کے لئے کہہ دیا کہ وہ اسے مصر کی ملکہ بنائے گا تو وہ اس کی باتوں میں آگئی اور جب تھیوڈور نے مصر کی اور مسلمانوں کی باتیں کیں اور پھر لڑکی کو اور زیادہ چڑھا دیا تو لڑکی نے نادانی میں آکر اوسامہ کا پردہ چاک کر دیا۔



اوسامہ اپنے گھر میں اکیلا گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے اس سے جذبات میں آکر جو غلطی ہوئی تھی، اس کی سزا تھیوڈور نے لڑکی کو سنا دی تھی۔ سزائے موت! یہ سزا تو دراصل اوسامہ کی ماں کو بھگتنی تھی۔ اس کا خاوند بھی شہید ہو گیا تھا، بڑا بیٹا بھی شہید ہو گیا اور اب چھوٹا بیٹا رات گزرتے ہی تھیوڈور کے جلاذ کے ہاتھوں قتل ہونے والا تھا۔ پیچھے ماں کو سزا بھگتنے کے لئے اکیلے رہ جانا تھا۔ ماں یہاں بھی اس کے ساتھ تھی اور سپہ سالار عمرو بن عاص کے کہنے پر دوسری عورتوں کے ساتھ نفل پڑھ رہی تھی اور مجاہدین کی فتح کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا بیٹا شہر کے اندر پھندے میں آچکا ہے اور اب وہ اپنے بیٹے کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکے گی۔

یہ تھی وہ رات اور یہ تھا وہ وقت جب یہ لڑکی تھیوڈور کو بتا رہی تھی کہ وہ ایک مسلمان جاسوس کو پکڑوا سکتی ہے اور تھیوڈور نے اسے کہا تھا کہ اس جاسوس کو اس کے سامنے قتل کروایا جائے گا۔ بالکل اُس وقت مجاہدین اپنے سالار زبیر بن العوام کی قیادت

میں ان کی ہدایات کے مطابق خندق کی رکاوٹوں پر درخت پھینک کر خندق عبور کر رہے تھے۔

قلعوں کی دیواروں پر چڑھنے کے لئے ایک تو کمندیں پھینکی جاتی تھیں اور اگر دیواریں کمزور ہوتیں تو ان میں شکاف بھی ڈال لیا جاتا تھا۔ ایک طریقہ میڑھیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے کا بھی تھا۔ بابلیوں کی دیواریں بہت ہی مضبوط، عام قلعوں کی نسبت زیادہ چوڑی اور اونچی بھی خاصی زیادہ تھیں۔ اس بلندی کو دیکھتے ہوئے ہی مجاہدین نے دو میڑھیاں باندھ لی تھیں تاکہ یہ دیوار کے اوپر تک پہنچ جائیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قلعے کے محاصرے کو آٹھ مہینے گزر گئے تھے۔ عمرو بن عاص کبھی بھی محاصرے کو طول دینے کے حق میں نہیں ہوئے تھے۔ کچھ دن محاصرہ کر کے قلعے پر یلغار کر دیا کرتے تھے۔ بابلیوں کی بات دوسرے قلعوں کے مقابلے میں بالکل ہی مختلف تھی۔ اندر کی رومی فوج کو ہی نہیں بلکہ فوج کے جرنیلوں کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان خندق عبور نہیں کر سکیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ خندق عبور کرنی ہوتی تو یہ عربی مسلمان ایک دن کی بھی دیر نہ لگاتے، کسی نہ کسی طور خندق عبور کر لیتے۔

رومی بجا طور پر مطمئن تھے۔ خندق بہت چوڑی تھی اور رومیوں نے اسے جن خاردار تاروں اور نوکیلی سلاخوں سے بھر دیا تھا انہیں عبور کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی اور نہ کوئی ذریعہ تھا کہ اسے عبور کیا جاسکتا۔ اس یقین نے رومی جرنیلوں کو اور ان کی فوج کو اتنا مطمئن کر دیا تھا کہ رات کو رومی پوری طرح بیدار رہتے ہی نہیں تھے اور دیوار پر پرے کی خاصی کمی ہو گئی تھی۔ گشتی سنتری رسمی طور پر دو چار مرتبہ اوپر چکر لگا آتے تھے۔ اس فوج کے سپریم کمانڈر جنرل تھیوڈور پر بھی بے نیازی اور بے پرواہی کا موڈ طاری رہنے لگا تھا۔

تھیوڈور تو مکمل طور پر مطمئن تھا کہ مصر کے اندر سے ہی اس کی کمک آ رہی ہے اور وہ مسلمانوں کے لشکر پر عقب سے حملہ کرے گا۔ اس نے اپنے اعلیٰ افسروں کو بتایا نہیں دیا بلکہ یقین دلادیا تھا کہ بابلیوں کے باہر خندق سے کچھ دور کی زمین مسلمانوں کے لشکر کا قبرستان بنے گی۔

رات آدھی سے کچھ زیادہ گزری تھی جب سالار زبیرؓ بن العوام نے سب سے پہلے درختوں کے ٹنوں پر قدم رکھا اور شاخیں پکڑ پکڑ کر اور سنبھل سنبھل کر آگے

بڑھے اور خندق عبور کر لی۔ وہ پھر واپس آئے اور خندق سے کچھ دور جا کر مجاہدین کو اپنے پاس بلایا۔

”میرے رفیقو!“۔ سالار زبیرؓ نے کہا۔ ”مجھے پار جاتے اور واپس آتے دیکھ کر یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کوئی آسان کام ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہ ٹن تاروں کے کچھوں اور نوکیلی سلاخوں پر رکھے گئے ہیں۔ ان پر جب جسم کا بوجھ پڑتا ہے تو قدم آگے رکھنے سے یہ ٹن دائیں بائیں ہلنے ہیں اور کچھ نیچے کو بھی ہو جاتے ہیں۔ شاخوں کا سارا لینا پڑتا ہے لیکن یاد رکھو کہ کوئی کمزور شاخ ہاتھ میں آگئی تو وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے اور ٹنٹیوں کے ہلنے سے اپنا توازن بگڑ بھی سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی گر پڑا تو نوک دار سلاخیں اس کے جسم میں اتر جائیں گی۔ پھر خندق سے اس کی لاش ہی نکلے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قدم آگے بڑھائیں ہی نہیں۔ فتح اور کامیابی صرف اُسے عطا ہوتی ہے جو دماغ کو حاضر رکھ کر خطرے مول لیا کرتے ہیں۔ مت بھولو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ کے اس وعدے کو بھی یاد رکھو کہ تم میری مدد کرو میں تمہاری مدد کروں گا....

”ان مجاہدین کو جو میڑھیاں پار لے جائیں گے“ اور ہی زیادہ احتیاط سے ٹنوں پر چلنا ہو گا۔ ہم جب خندق کے پار چلے جائیں گے تو ایک اور خطرہ موجود ہو گا۔ ہو سکتا ہے میدان صاف ہی ہو لیکن ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہو گا کہ یہ خطرہ بھی موجود ہو گا۔ یہ خطرہ ان گھنے درختوں میں ہو سکتا ہے جو خندق سے قلعے تک کھڑے ہیں۔ ممکن ہے ان درختوں میں رات کے وقت کچھ رومی چھپے رہتے ہوں۔ رات بھی تاریک ہے۔ اگر رومی ان درختوں میں ہوئے تو نیچے سے گزرنے والوں کو تیروں سے ختم کر دیں گے۔ بہر حال کسی درخت سے ایک بھی تیر آیا تو ہم جوابی کارروائی کر کے یہ خطرہ ختم کر ڈالیں گے لیکن ذہن میں رکھ کر آگے بڑھنا ہو گا۔“

ان ہدایات کے بعد سالار زبیرؓ نے چند ایک مجاہدین کو الگ کر کے کہا کہ چار چار یا پانچ پانچ آدمی ایک ایک میڑھی اٹھائیں اور خندق عبور کریں۔ مجاہدین نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور تین میڑھیاں اٹھا کر خندق کی طرف چلے۔ سالار زبیرؓ بن العوام ان کے آگے آگے خندق عبور کرنے لگے۔ نہایت احتیاط سے ٹنوں پر قدم رکھتے آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور اللہ نے انہیں پار پہنچا دیا۔ پار جا کر رکے اور زبیرؓ نے دو مجاہدین کو

کار نہ تھا۔

○

تین سیڑھیاں قریب قریب دیوار کے ساتھ لگ گئیں۔ ان کی لمبائی دیوار کی بلندی تک تھی۔ خاموشی قائم رکھنی تھی جو سیڑھیاں لگاتے قائم نہ رہ سکی۔ سیڑھیوں کی آواز پیدا ہوئی لیکن اوپر کوئی حرکت نہ دیکھی گئی۔ سالار زبیرؒ بن العوام نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے مدد مانگی اور پھر اپنے وہ الفاظ دہرائے جو انہوں نے کہے تھے کہ اللہ میری قربانی کو مجاہدین اسلام کی فتح کا سبب بنائے۔ اس دعا کے بعد انہوں نے سیڑھی پر قدم رکھا اور جن مجاہدین کو انہوں نے اپنے ساتھ لے جانا تھا، انہیں سیڑھیاں چڑھنے کا اشارہ دیا۔ سب سے پہلے زبیرؒ دیوار پر پہنچے اور ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی حرکت نظر نہ آئی۔ مجاہدین سیڑھیاں چڑھتے آئے اور سالار زبیرؒ کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اب تو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پہلے تو یہ دیکھنا تھا کہ اس نعرے پر رومی بیدار ہوتے ہیں یا نہیں۔

رومی فوجی کوئی ایسے غافل بھی تو نہیں تھے کہ رات کی خاموشی میں اتنے بلند نعرے سے بھی بیدار نہ ہوتے۔ دیوار پر جن فوجیوں کا پہرہ تھا، وہ برجیوں میں سوئے ہوئے تھے۔ باری باری جاگئے اور تھوڑا سا چکر لگا کر واپس چلے جاتے تھے۔ اتنا بلند نعرہ انہیں جگانے کے لئے کافی تھا۔ وہ برجیاں اور تلواریں لئے دوڑے آئے۔ دیوار خاصی چوڑی تھی۔ لڑنے اور پیٹنے کے بدلنے کے لئے کافی تھی۔

رومی فوجی قریب آئے تو جانباز مجاہدین نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ رومی فوجیوں کی کمزوری یہ تھی کہ وہ یہی دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ یہ مسلمان اتنی اونچی دیوار پر کس طرح چڑھ آئے ہیں۔ دوسرا ڈر یہ کہ ان مسلمانوں کی تعداد یقیناً زیادہ ہو گی۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہی چند ایک مجاہدین ہیں جو اوپر آئے ہیں اور ان کی اصل طاقت یہ ہے کہ یہ جانوں کی بازی لگا کر اور شہادت کو قبول کر کے آئے ہیں۔ پھر بھی یہ رومی بے ہنگامی سے لڑے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ پہرے پر تھے اور یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ نظر رکھیں کہ دیوار پر کوئی چڑھ نہ سکے۔ اگر وہ مقابلے سے منہ موڑ کر بھاگ جاتے تو انہیں اس جرم میں جلاؤ کے حوالے کر دیا جاتا کہ اپنے فرائض اور ذمہ داری کو بھول کر سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑکر مرنا بہتر سمجھا۔

آگے بھیجا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ درختوں میں اگر رومی فوجی موجود ہوئے تو وہ ان دونوں کو پکڑنے کی کوشش کریں گے یا اوپر سے تیر چلائیں گے۔ اس خطرے کی نشاندہی کے لئے ان دو مجاہدین کی قربانی پیش کر دی گئی تھی۔

دونوں مجاہدین تاریکی میں گم ہو گئے اور کچھ دیر درختوں کے نیچے نیچے گھوم پھر کر بخیر دعائیت واپس آ گئے۔ اس سے یقین ہو گیا کہ راستہ صاف ہے۔ اب پھلوں کے باغات کے یہ درخت مجاہدین کے محافظ بن گئے۔ یہ نہایت اچھی آڑھنیا کرتے تھے جس سے دیوار پر کھڑے کسی رومی کو نظر نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی دیوار کے قریب آ رہا ہے۔ رات تو تاریک تھی لیکن انسان سائے کی طرح نظر آ سکتا تھا۔

سیڑھیاں خندق کے اگلے کنارے کے قریب رکھوا کر زبیرؒ بن العوام نے اپنے جانباز دستے کو اشارہ کیا کہ اب وہ آگے آجائے۔ اشارہ ملتے ہی پورا دستہ ایک دوسرے کے پیچھے خندق عبور کر گیا۔ سالار زبیرؒ نے ان میں سے چند ایک جانبازوں کو الگ کر کے کہا کہ وہ سیڑھیاں اٹھالیں اور قلعے کی دیوار تک پہنچائیں۔ باقی دستے کو وہیں رکا رہنے کو کہا اور پہلے دی ہوئی ایک ہدایت کو دہرایا۔

”ایک بار پھر سن لو“۔ زبیرؒ نے کہا۔ ہم جب اوپر پہنچ جائیں گے تو ایک بار نعرہ تکبیر بلند ہو گا۔ اس نعرے پر جو مجاہدین میرے ساتھ جا رہے ہیں اوپر چڑھ آئیں گے۔ پھر سب مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اور تم سب یعنی سارا دستہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھے گا اور اوپر آجائے گا۔“

خندق عبور کرنے سے پہلے زبیرؒ بن العوام نے سپہ سالار عمروؒ بن عاص کو بھی ان نعروں کے متعلق بتا دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب تیسری بار نعرہ تکبیر بلند ہو گا تو پھر باقی دستے اوپر آئیں گے اور یہ دستے مزید سیڑھیاں اپنے ساتھ لائیں گے تاکہ دیوار پر چڑھنے میں زیادہ وقت نہ لگے۔ پھر یہ طے ہوا تھا کہ یہ دستے اگر نیچے جانے میں کامیاب ہو گئے تو قلعے کے دو تین دروازے کھولنے کی کوشش کی جائے گی اور باقی لشکر ان دروازوں سے اندر آئے گا۔

یہ نعرے بجائے خود ایک خطرہ تھا۔ پہلے ہی نعرے پر رومی فوجی بیدار ہو کر اوپر آ سکتے تھے۔ اُس وقت چند ایک جانبازوں کو اوپر ہونا تھا جن پر زیادہ تعداد میں رومی نوٹ پڑتے تو انہیں کاٹ کر دیوار سے باہر پھینک دیتے لیکن خطرہ مول لینے کے سوا کوئی چارہ

کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔

دوسرے جرنیل بھی بیدار ہو گئے تھے اور باقی افسر پہلے ہی شور شرابہ سن کر اٹھے اور اپنے اپنے دستوں تک جا پہنچے تھے لیکن دیوار پر تو اب یہ صورت حال تھی کہ وہاں مجاہدین کو بالادستی حاصل تھی۔ یوں کہہ لیں کہ دیوار پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ اندر سے دیوار پر چڑھنے کے لئے چند ایک جنگلوں پر پکٹی میڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مجاہدین اوپر ان میڑھیوں کے دائیں بائیں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ جو نئی رومی فوجی اوپر آتے، مجاہدین انہیں کاٹ پھینکتے۔ اوپر برجیوں اور برجوں میں جو فوجی سوئے ہوئے تھے، انہیں تو مقابلے کی مملت ہی نہ ملی۔ پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ مجاہدین کی برہمیوں اور تلواروں کی نذر ہو گئے۔ ان میں سے چند ایک گھبراہٹ کے عالم میں یہ خبر سناتے گئے کہ مسلمانوں کا پورا لشکر دیوار پر آ گیا ہے اور نیچے آ کر کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس طرح انہوں نے سارے شہر میں افرا تفری اور نفسا نفسی کا عالم پیدا کر دیا۔

اندر سے اوپر جانے والی میڑھیوں کا یہ حال تھا کہ رومی فوجیوں کی لاشوں سے اٹ گئی تھیں۔ نہ کوئی اوپر جاسکتا اور نہ اوپر سے کوئی نیچے آسکتا تھا۔ نیچے مٹھیں جل اٹھیں۔ ان کی روشنی میں جب فوجیوں اور شہریوں نے دیکھا کہ میڑھیوں سے خون نیچے بہتا آ رہا ہے تو ان کے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے اور ان پر دہشت طاری ہو گئی۔ مجاہدین اسلام ایک معجزہ کر کے تاریخ کے دامن میں ڈال رہے تھے۔ غیر مسلم مؤرخوں نے بھی ان مجاہدین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ناممکن کو ممکن کر کے دکھا رہے تھے۔

یہ سالار زبیرؓ بن العوام کی دعا تھی جو اللہ نے قبول کی اور پوری ہو رہی تھی۔ انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی تھی کہ میری قربانی مجاہدین اسلام کی فتح کا سبب بنے۔ یہ ان خواتین کی دعاؤں کا بھی اثر تھا جو وہ خندق سے کچھ دور نفل پڑھ پڑھ کر اللہ کے حضور مانگ رہی تھیں۔

ان خواتین میں اوسامہ بن اظہری کی ماں بھی تھی جو صرف اپنے بیٹے کی زندگی کی ہی دعائیں نہیں مانگ رہی تھی بلکہ اس کی زبان پر یہی ایک التجا تھی کہ اللہ اپنے ان جہانزادوں کو فتح عطا کر لیکن اسے اپنا بیٹا یاد آتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے

یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ مجاہدین جانیں تو ڈر کر لڑ رہے تھے اور انہوں نے تمام رومیوں کو کاٹ پھینکا۔ نیچے سالار زبیرؓ کا باقی دستہ نعرہ سن کر پہنچ گیا تھا اور تمام جہانزاد میڑھیاں چڑھ رہے تھے۔

ادھر سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے حکم دے دیا کہ تمام میڑھیاں خندق کے پار پہنچائی جائیں اور تین چار اور دستے خندق پار کر جائیں۔ عمروؓ بن عاص زندہ و بیدار تھے اور نعروں کے ہی انتظار میں بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ انہوں نے تیسرے نعرے کا انتظار نہ کیا، مزید میڑھیاں لار دو چار دستے آگے بھیج دیئے۔ دیوار کے ساتھ کئی میڑھیاں لگ گئیں۔ یہ سب میڑھیاں دو دو کی صورت میں باندھی ہوئی تھیں۔ اب خاموشی برقرار رکھنی ممکن نہ تھی اور خاموشی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مجاہدین بڑی تیزی سے میڑھیاں چڑھتے جا رہے تھے اور اس وقت سالار زبیرؓ کے حکم سے تیسرا نعرہ تکبیر بلند کیا گیا۔

ان گرجدار اللہ اکبر کے پرجوش نعروں نے قبروں میں مردوں کو بھی جگا دیا ہوگا، نیچے شہر کے اندر سوئی ہوئی رومی فوج تو ہڑبڑا کر جاگ اٹھی۔ جہز تھیوڈور اس نوخیز اور معصوم لڑکی کو پہلو میں لئے گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ باہر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس کے دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے لیٹے لیٹے بڑے غصے سے پوچھا کہ یہ کون دروازہ توڑ رہا ہے اور کیا مصیبت آن پڑی ہے۔ لڑکی بھی بیدار ہو کر اٹھ بیٹھی۔

”عربی لشکر دیوار پر آ گیا ہے۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”اوپر بڑی سخت لڑائی ہو رہی ہے۔“

وہ تھیوڈور کے محافظ دستے کا کمانڈر تھا۔ تھیوڈور غصے میں کچھ نہ کچھ بولتا باہر نکلا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیداری میں یہ خبر سن رہا ہے۔ شاید اسے وہ خواب سمجھ رہا تھا۔ اسے تو یقین تھا کہ دیوار تو دور ہے، کوئی انسان خندق ہی عبور نہیں کر سکتا۔

محافظ دستے کے کمانڈر نے اسے پوری طرح صورت حال سنائی۔ تھیوڈور کو کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے محل تمام مکان سے باہر نکلا تو اسے قیامت کا شور و غل سنائی دیا۔ اس کا اپنا پورا خاندان پہلے ہی جاگ اٹھا تھا۔ تھیوڈور دوڑتا کمرے میں گیا اور لڑائی والا لباس پہنا، اس کے اوپر زتہ اور سر پر آہنی خود رکھ کر تلوار اٹھائی اور لڑکی

پہنچا اس نے صرف ایک بار کہا، میرا ایک ہی بیٹا رہ گیا تھا، وہ بھی تیرے نام پر قربانی کے لئے پیش کر دیا ہے۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔
یہ دعائیں بھی بے اثر نہیں جا رہی تھیں۔

اوسامہ بھی جاگ اٹھا تھا اور باہر نکل آیا تھا۔ اس نے لوگوں سے سنا کہ مجاہدین دیوار پر آگے ہیں اور اب کوئی رومی فوجی اوپر نہیں جاسکتا۔ نیچے جب مشعلیں جلیں تو اوپر دیوار پر مجاہدین نے بھی مشعلیں جلا لیں۔ اس سے نیچے کے لوگوں پر اور زیادہ دہشت طاری ہو گئی۔

اوسامہ کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تھیوڈور کے فیصلے کے مطابق یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے لیکن اللہ کے فیصلے نے زمین پر رہنے والوں کے تمام فیصلے رد کر دیئے تھے۔ اوسامہ کی ماں کے سینے سے نکلی ہوئی یہ فریاد کہ میں اکیلی رہ جاؤں گی، اللہ نے سن لی تھی۔

وہ تھیوڈور جس نے اوسامہ کی سزائے موت کا فیصلہ سنایا تھا، شہر کے اندر بھگتا پھر رہا تھا۔ اپنی فوج پر اس کی کمانڈ ختم ہو چکی تھی۔ وہ اپنے جرنیلوں اور دیگر افسروں کو ڈھونڈتا اور پکارتا پھر رہا تھا لیکن اس کے اپنے ہی فوجی اور شہری بھاگتے دوڑتے اس کے ساتھ ٹکراتے گزرتے جا رہے تھے۔ کسی نے دیکھا تک نہیں کہ یہ فوج کاسپریم کمانڈر اور مقوقس کی جگہ اس کی حیثیت فرمانروائے مصر جیسی ہے۔

اوسامہ اوپر جا کر اپنے لشکر سے جا ملنا چاہتا تھا لیکن جن سیڑھیوں سے چڑھنے لگتا انہیں لاشوں سے اُٹا چُوا دیکھا۔ اوپر جانا ممکن نہیں تھا۔ آخر وہ ایک سیڑھیوں سے لاشوں کے اوپر چلتا گرتا اٹھتا اوپر چلا ہی گیا۔ دو تین مجاہد تلواریں تانے اس کی طرف لپکے تو اس نے ہاتھ اوپر کر کے کہا کہ میں تمہارا ہی آدمی ہوں، اوسامہ بن انٹری۔ وہ اب آزاد تھا۔ وہ سپہ سالار کو ڈھونڈنے لگا۔ اسے اب اس قلعہ بند بڑے شہر کا گائیڈ بننا تھا۔ اس نے معلوم کر لیا تھا کہ اسلحہ خانہ کہاں ہے، خزانہ کہاں ہے اور اسی طرح کچھ اہم اور ڈھکی چھپی جگہیں تھیں جو اس نے دیکھ لی تھیں۔ وہ یہ ساری جگہیں سپہ سالار عمرو بن عاص کو بتانا اور ان کی رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔

○

اب دیوار کے چاروں طرف مجاہدین کا فاتحانہ شور و غل اور تکبیر کے نعرے بڑھتے اور

بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی فوج کا دم خم بڑی ہی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ فوج اور شہر کے لوگوں پر جس وجہ سے زیادہ دہشت طاری ہوئی وہ یہ تھی کہ جرنیلوں تک نے انہیں یقین دلایا تھا کہ اب مسلمان تو کیا، دنیا کی کوئی طاقت خندق عبور نہیں کر سکتی۔ رومی فوجی اور شہری حیرت زدہ تھے کہ مسلمان آخر کس طرف سے آئے ہیں۔

مجاہدین اسلام کے متعلق رومی فوج میں یہاں تک کمانا جا رہا تھا کہ انہیں جنّت کی طاقت حاصل ہے یا جنّت ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تاثر مجاہدین کی پہلی فتوحات سے پیدا ہوا تھا۔ اب بابلیوں میں لوگ اسے سچ ماننے لگے اور ان میں جو سب سے زیادہ خوف زدہ تھے، انہوں نے یقین کے ساتھ کمانا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو جنّت کی مدد حاصل ہے، ان کے مقابلے میں کوئی نہ آئے۔

کئی فوجی قلعے کے دریا والے دروازے کی طرف چلے گئے۔ وہ اس دروازے سے بھاگ لٹکانا چاہتے تھے۔ انہیں امید تھی کہ کشتیاں تیار ہوں گی اور وہ انہیں دریا کے وسط والے جزیرے تک پہنچا دیں گی لیکن وہ دروازہ کھولا نہیں جا رہا تھا۔ وہاں جو رومی فوجی پہرے پر موجود تھے وہ کہتے تھے کہ یہ دروازہ کھولا تو مسلمان اس طرف سے اندر آ جائیں گے۔ ایک روایت یہ ہے کہ زبیر بن العوام چند ایک مجاہدین کے ساتھ نیچے چلے گئے اور قلعے کے دو تین دروازے کھول دیئے لیکن یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ معروف اور مستند تاریخ نویس طبری نے کچھ قابل اعتماد حوالے دے کر اور کچھ استدلال کا سہارا لے کر لکھا ہے کہ جرنیلوں نے اپنی فوج کی افرا تفری، شہریوں کی نفسا نفسی دیکھی اور پھر یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا پورا لشکر دیوار پر آ گیا ہے اور رومی فوج دیوار پر جا ہی نہیں سکتی اور بھاگنے کے راستے دیکھ رہی ہے تو جرنیلوں نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنرل تھیوڈور کے حکم سے نیچے سے اعلان کیا گیا کہ وہ مقابلہ نہیں کریں گے اور صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ ڈر کے مارے کوئی قاصد اوپر نہیں جا رہا تھا۔ طبری کی تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص بھی دیوار پر آگئے تھے۔ انہوں نے تھیوڈور کا اعلان سنا تو اس کے جواب میں اعلان کر دیا کہ جرنیل اوپر آ جائیں اور بات کریں۔

”ہم یہاں کا سارا خزانہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔“ تھیوڈور نے اعلان کر دیا۔
 ”یہ لے کر دیوار سے باہر کو اسی طرح اتر جاؤ جس طرح چڑھے تھے اور خندق کی
 حدود سے بھی نکل جاؤ.... اس کے علاوہ کچھ اور چاہئے تو ہم وہ بھی پیش کر دیں گے۔“
 ”ہمیں جو کچھ چاہئے اب وہ ہم خود ہی لے لیں گے۔“ عمروؓ بن عاصؓ نے
 اعلان کروایا۔ ”ہم دیوار سے باہر کو نہیں اندر کو اتریں گے۔ دو تین جرنیل اوپر آ
 جائیں۔“

اس کے ساتھ ہی عمروؓ بن عاصؓ نے چند ایک مجاہدین کو حکم دیا کہ دیوار کے
 چاروں طرف یہ اعلان کرتے جائیں کہ شہر کے لوگ نہ بھاگیں۔ ان کی جان و مال کی
 پوری حفاظت کی جائے گی، انہیں امان دی جائے گی اور ہمارے لشکر کا کوئی فرد کسی گھر
 میں داخل نہیں ہو گا اور سب کی عزت کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔
 ”ہم اوپر آ جائیں۔“ جنرل تھیوڈور نے بلند آواز سے کہا۔ ”لیکن اس کی کیا
 ضمانت کہ ہمیں گرفتار یا ہلاک نہیں کر دیا جائے گا۔“

”گرفتار یا ہلاک کرنا ہو تو ہم نیچے آ کر بھی کر سکتے ہیں۔“ سپہ سالار عمروؓ بن
 عاصؓ نے اب کے کسی اور سے کہلوانے کی بجائے خود اوپر سے جھک کر نیچے دیکھا اور کہا
 ۔ ”ہے کوئی تم لوگوں کو ہم سے بچانے والا؟.... ہم مسلمان ہیں، وہی کرتے ہیں جو ہم
 زبان سے کہتے ہیں۔ ہم دھوکے میں قتل نہیں کیا کرتے۔ بے دھڑک اوپر آ جاؤ۔“

جنرل تھیوڈور اُس جگہ کھڑا تھا جہاں سے عمروؓ بن عاصؓ اوپر سے جھک کر بات
 رہے تھے۔ تھیوڈور نے جرنیل جارج کو اپنے ساتھ لیا اور قریبی سیڑھیوں سے اوپر
 چڑھنے لگا لیکن سیڑھیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ تھیوڈور نے اپنے محافظ دتے سے
 کہا کہ وہ لاشیں گھیٹ کر نیچے پھینکیں۔ محافظوں نے بڑی تیزی سے رومی فوجیوں کی
 لاشیں گھیٹ گھیٹ کر نیچے پھینکیں اور دونوں جرنیل اوپر چلے گئے۔ صلح کی شرائط
 طے کرنے کے لئے عمروؓ بن عاصؓ رومی جرنیلوں کے ساتھ مجاہدین سے دور ہٹ گئے۔
 ”اب بتاؤ کیا چاہتے ہو!“ عمروؓ بن عاصؓ نے پوچھا۔ ”یہ پیش نظر رکھ کر اپنی
 شرط پیش کرنا کہ تمہاری فوج لڑ نہیں رہی بلکہ بھاگ بھاگ کر ہٹ رہی ہے۔“

”تین دنوں کی مہلت!“۔ تھیوڈور نے کہا۔ ”ہمیں تین دنوں کی مہلت دی
 جائے کہ ہم قلعہ خالی کر دیں اور اس کے بعد قلعے پر تمہارا قبضہ ہو گا۔“

”مجھے یہ شرط منظور ہے۔“ عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”تیسرے دن کا سورج
 رُوب ہو جائے گا تو جو فوجی قلعے میں رہ جائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا یا جنگی قیدی بنالیا
 جائے گا۔“

تاریخ میں آیا ہے کہ عمروؓ بن عاصؓ نے تھیوڈور کی شرط قبول کر لی تو سالار زبیرؓ
 بن العوامؓ نے عمروؓ بن عاصؓ کا بازو پکڑا اور انہیں ایک طرف لے گئے۔

”خدا کی قسم سپہ سالار!“۔ سالار زبیرؓ نے کہا۔ ”تھوڑی سی دیر اور صبر کر لیں
 دران کی بات نہ مائیں، مجھے نیچے جانے دیں۔ پہلے میں قلعے پر اور ان کے شاہی محل پر
 بندہ کر لوں پھر ہم ان پر اپنی شرائط مسلط کر کے معاہدہ کریں گے۔ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ
 بن دنوں میں قلعہ خالی کر دیں گے، اس میں کوئی راز ہے۔ ابھی ان کے ساتھ معاہدہ نہ
 کریں۔ انہیں نیچے بھیج دیں اور ہم اپنے طور پر قلعے پر باقاعدہ قبضہ کریں گے۔ ہو سکتا
 ہے ہم انہیں کہیں کہ اپنی آدھی فوج یا اس سے کچھ کم ہماری قید میں دے دو اور قلعے
 سے نکل جاؤ۔“

”نہیں زبیرؓ بن العوامؓ!“۔ عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”میں تمہارا مشورہ اچھی
 طرح سمجھتا ہوں اور تم جو کہہ رہے ہو، ہونا بھی چاہئے لیکن میں امیر المومنین کے حکم کا
 پابند ہوں۔ امیر المومنین کا حکم ہے کہ دشمن تمہارے آگے جھک جائے اور صلح کی پیش
 کش کرے تو فوراً قبول کر لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مزید خون بہائے بغیر ہم اپنا مقصد پا
 سکتے ہیں تو کیوں نہ ابھی جنگ روک دیں۔ ہمیں مجاہدین کی جانیں اور ان کا خون بچانا
 ہے۔ قلعہ تو ہم نے ہی لیا ہے۔“

سپہ سالار اور سالار زبیرؓ نے آپس میں صلح مشورہ کر کے وہ شرائط طے کر لیں جو
 ان رومی جرنیلوں سے منوائی تھیں۔ دونوں ان کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

”قلعہ خالی کرنے کے لئے ہم تمہیں تین دن دیتے ہیں۔“ عمروؓ بن عاصؓ نے
 تھیوڈور سے کہا۔ ”قلعہ خالی ہونے تک تم دونوں یہاں ہمارے پاس یہ غمال کے طور پر
 رہو گے۔ قلعے میں جو اسلحہ ہے اور جو خزانہ ہے اور جو دیگر مال و دولت ہے تم اس میں
 سے کچھ بھی نہیں لے جا سکو گے، یہ سب مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا۔ فوج بغیر
 ہتھیاروں کے قلعے سے نکلے گی۔“

دونوں جرنیلوں نے بلا حیل و حجت یہ شرائط قبول کر لیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا

کہ وہ کس قدر مجبور اور کمزور ہو چکے ہیں۔ وہ تو جیسے اپنی صرف جانیں بچانے کی فکر کرتے تھے۔

عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ وہ اوپر سے ہی نیچے حکم بھیجیں کہ خندق پر ڈال دیئے جائیں۔ تھیوڈور نے اوپر سے ہی کسی سے کہا کہ خندق پر پل گرا دیئے جائیں۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی.... تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ پل کس طرح ڈالا اور اٹھائے جاتے تھے۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ صدر دروازے کے اندر کوئی ایسا انتظام نہ تھا جس سے پل اٹھائے جاتے تھے اور گرا بھی دیتے تھے۔ پل گرانے کی ضرورت اس لمحہ محسوس ہوئی تھی کہ مجاہدین کا پورا لشکر ابھی قلعے کے قریب نہیں آیا تھا۔ آدھے سے زیادہ لشکر خندق سے باہر تھا۔ اتنا لشکر ایک ہی راستے سے نہیں آ سکتا تھا۔ پل گرا گئے تو سارا لشکر تھوڑے سے وقت میں خندق عبور کر آیا۔ عمرو بن عاص نے دیوار پر کھڑے کھڑے حکم دیا کہ لشکر باہر اگلے حکم کے انتظار میں رک جائے۔

عمرو بن عاص نے دونوں رومی جرنیلوں سے کہا کہ اپنے قاصدوں کو اوپر بلا لیں اور انہیں کہیں کہ سارے شہر میں اعلان کر دیں کہ جنگ بند ہو گئی ہے اور فوج ہتھیار رکھ دے اور باہر نکلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی فوجی یا شہری کوئی قیمتی چیز اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔

دیوار پر پھر پھر کر تین چار مجاہدین اعلان کر رہے تھے کہ شہری بھاگنے کی کوشش نہ کریں، انہیں امان میں لے لیا جائے گا اور ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہوگی۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے دریا والے دروازے پر مجاہدین کی کچھ نفری تعینات کر دی جس کا کام یہ تھا کہ باہر جانے والے فوجیوں اور شہریوں کی تلاشی لیں پھر انہیں جانے دیں۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ رومی فوج کا انخلاء مکمل ہو جائے گا تو مجاہدین شہر میں داخل ہوں گے اور پھر ان دونوں جرنیلوں کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

○

بابلون شہر بہت ہی وسیع و عریض تھا۔ مصر میں جس کی بھی بادشاہی آئی اس نے اس شہر کو بہت ہی اہمیت دی اور اس کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ اہمیت ابھی تک قائم تھی۔ اس شہر کی دفاعی پوزیشن بھی بہت اچھی تھی۔ مصر کا دار الحکومت تو

سکندریہ تھا لیکن بابلون کو سکندریہ سے زیادہ اونچا مقام حاصل تھا۔

قلعہ شہر کے ایک طرف تھا۔ اس کے اوپر بڑے برج اور برجیاں تھیں۔ دیوار سارے شہر کے ارد گرد کھڑی کی گئی تھی۔ اس پر بھی کئی جگہوں پر برجیاں بنائی گئی تھیں.... اس شہر کے متعلق تمام تر تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں، یہاں یہ ذکر اس لئے آیا ہے کہ یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ مجاہدین اور ان کے سالار ابھی قلعے کے اوپر کھڑے تھے اور انہوں نے ابھی پورا شہر نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے حکم دے دیا تھا کہ شہر خالی کر دیا جائے لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ شہر کس طرح خالی ہو رہا ہے اور لوگ کیا کر رہے ہیں۔ سپہ سالار نے یہ تسلی کر لی تھی کہ فوج کا انخلاء شروع ہو گیا ہے۔ شہر کے نظم و نسق کی بحالی کے لئے جو کچھ کرنا تھا وہ رومیوں کے نکل جانے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے یہ تو دیکھ لیا کہ رومی فوج کا انخلاء شروع ہو گیا ہے لیکن یہ نہ دیکھ سکے کہ یہ بد بخت رومی جاتے جاتے شہر کی کچھ آبادی کا خون بہا گئے ہیں۔ یہ اُس وقت پہنچا جب فوج نیچے گئی اور مجاہدین نے اندر جا کر شہر پر اپنا قبضہ کیا۔ ہوابازوں کے رومیوں نے سینکڑوں قبیلے عیسائیوں کو قید میں ڈال رکھا تھا۔ یہ محض تعصب کا مظاہرہ تھا۔ یہ قبیلے ہر قتل کی عیسائیت کو قبول نہیں کرتے تھے اور اس کے خلاف تبلیغ میں بھی مصروف پائے گئے جو ایک جرم تھا۔ انہیں ہمیشہ کے لئے قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ قید خانے کا تمام عملہ رومی تھا۔ اس عملے کو جب حکم ملا کہ شہر خالی کرنا ہے اور وہ یہاں سے نکل چلیں تو انہوں نے اسے ایک بہت بڑی چوٹ اور صدمہ سمجھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف تو کوئی کارروائی کر نہیں سکتے تھے، انہوں نے غصہ ان قبیلے قیدیوں پر نکالا اور وہ بھی ایسی بے دردی سے کہ تمام قیدیوں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور خود وہاں سے چلے گئے۔

یہ تو قید خانے میں ہوا جس کا باہر کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ شہر کے اندر رومی فوجیوں نے اپنی شکست کا انتقام مصری عیسائیوں سے لیا اور یہ بھی ایسی بے دردی کہ وہ کئی گھروں میں جا گئے، ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی اور کسی نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو اسے قتل کر دیا۔ بہت سے قبیلے عیسائی ان کے ہاتھوں زخمی ہوئے۔ رومیوں نے لوٹ مار بھی کی لیکن وہ کوئی چیز اپنے ساتھ باہر نہیں لے جاسکتے تھے۔

یہاں چھوٹا سا ایک اور واقعہ ہو گیا۔ جن مجاہدین کو دریا والے دروازے پر اس کام کے لئے بھیجا گیا تھا کہ شہر خالی کر کے جانے والوں کی تلاشی لے کر جانے دیں ان میں اوسامہ بن اظہری بھی تھا اور اس کے تین چار اور جاسوس ساتھی بھی تھے۔

رومی فوجی نکل رہے تھے اور ہر ایک کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ ایک لخت کچر شہریوں اور فوجیوں کا ایک ریلا آگیا جن پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ انہیں پیچھے دھکیل کر اکیلے اکیلے گزرنے کو کہا جانے لگا اور وہاں اچھی خاصی افرا تفری پیدا ہو گئی۔ اوسامہ کو یوں آواز آئی جیسے کسی عورت نے اسے پکارا ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس نساوانی آواز نے ایک بار پھر اسے پکارا۔

اس نے ادھر دیکھا جہر سے آواز آئی تھی تو یہ منظر نظر آیا کہ دو رومی فوجی اس لڑکی کو جس کے ساتھ اوسامہ کی محبت تھی اور گزشتہ رات تھیوڈور کے پاس تھی، اپنے درمیان لئے ایک طرف گھسیٹ اور دھکیل رہے تھے اور لڑکی اوسامہ کو پکار رہی تھی۔ اس وقت باہر جانے والوں کے ہجوم میں افرا تفری مچی ہوئی تھی اس لئے کوئی ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اوسامہ نے اپنے ایک جاسوس ساتھی کو ساتھ لیا اور ہجوم کو چیرتا ہوا لڑکی تک پہنچا۔ دونوں فوجی اسے چھوڑ کر وہاں سے کھٹکنے لگے لیکن اوسامہ اور اس کے ساتھی نے انہیں پکڑ لیا۔ لڑکی بُری طرح رو رہی تھی۔ اوسامہ نے اس سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے اور یہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔

”انہوں نے میری ماں کو اور میرے باپ کو قتل کر ڈالا ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میرے گھر سے زیورات بھی اٹھا لئے ہیں اور مجھے گھسیٹے ہوئے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔“

ان دونوں فوجیوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا کہ وہ لڑنے پر اتر آتے۔ تمام فوجیوں کو سپہ سالار کے حکم سے ہتھ کر دیا گیا تھا۔ اوسامہ اور اس کا ساتھی انہیں اور لڑکی کو دھکیلتے ہوئے ہجوم میں سے نکال کر کچھ دور لے گئے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا اور بڑا پرانا سا ایک مکان تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اوسامہ کے کہنے پر انہیں اس مکان میں لے گئے۔ مکان کے دو ہی کمرے تھے اور دونوں خالی تھے۔

ایک کمرے میں لے جا کر دونوں فوجیوں کی تلاشی لی گئی تو ان کے کپڑوں کے

اندر سے ایک تھیلی برآمد ہوئی جس میں زیورات تھیں۔ یہ انہوں نے اس لڑکی کے گھر سے اٹھائے تھے۔ دونوں فوجیوں نے ہنس ہنس کر کہنا شروع کر دیا کہ یہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ ہم نے سوچا کہ اسے ساتھ لے چلیں۔ زیورات تم رکھ لو، ہمیں یہ لڑکی ساتھ لے جانے دو۔

”اور اس کے ماں باپ کو تم نے قتل کیا ہے۔“ اوسامہ نے کہا۔ ”کیا یہ خون بھی تمہیں بخش دیں؟ ایک کسٹ لڑکی کو تم نے یتیم کر دیا ہے۔“

”یہاں تو کئی لوگ قتل ہو گئے ہیں۔“ ایک فوجی نے کہا۔ ”اس کے ماں باپ قتل ہو گئے تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔“

اوسامہ نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے ملے یہ خنجر ملے کر لیا کہ کیا کرنا ہے۔ دونوں نے بیک وقت خنجر نکالے اور دوسرے ہی لمحے یہ خنجر ان رومی فوجیوں کے پیٹوں میں اترے ہوئے تھے۔ دونوں مجاہدین نے ان فوجیوں کے پیٹ چاک کر دیئے۔ دونوں گر پڑے۔ مجاہدین لڑکی کو ساتھ لے کر باہر آ گئے۔

”میں اب کہاں جاؤں؟“ لڑکی نے روتے ہوئے اوسامہ سے پوچھا۔ ”گھر میں تو میرا رہا ہی کوئی نہیں۔“

”کیا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟“ اوسامہ نے زیورات کی تھیلی لڑکی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی؟ کیا تم نے میرے ساتھ رہنے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟“

”کیا تھا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”لیکن میں تمہارے ساتھ بے وفائی کر چکی ہوں اور میں بہت شرمسار ہوں۔“

”بے وفائی کیسی؟“ اوسامہ نے پوچھا۔

لڑکی نے اوسامہ کو گزشتہ رات کی ساری بات سنا ڈالی جو تھیوڈور کے سونے کے کمرے میں ہوئی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہ چھپایا اور کہا کہ اس اتنے بڑے جرنیل نے اس کا دامغ ہی پھیر ڈالا تھا اور وہ تصویروں میں مصر کی ملکہ بن گئی تھی۔

”اب یقین آیا ہے کہ تمہارا خدا سچا ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”تمہارا مذہب بھی سچا ہے اور بُرّی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس وقت تم زندہ نہ ہوتے میں نے تو تمہیں ہکڑا دیا تھا۔ اگر میرا یہ گناہ معاف کر سکتے ہو تو مجھے اسلام میں داخل کر لو اور اپنے ساتھ

لے چلو۔

”میں تمہیں تمہارے ماں باپ واپس نہیں دلوا سکتا۔“ اوسامہ نے کہا۔ ”یہ زیورات تمہارے ہیں، تمہیں لوٹا دیئے ہیں۔ بچ اور جھوٹ کو، حق اور باطل کو سچے دل سے سمجھ گئی ہو تو میرے ساتھ آ جاؤ۔ کسی بھی مسلمان کے پاس بیٹھ جاؤ گی تو تھوڑی ہی دیر بعد کہہ اٹھو گی کہ یہ تو میرا وہ باپ ہے جسے رومیوں نے قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں میں لیرے نہیں ہوا کرتے۔ ان کے پاس شفقت اور انسانی ہمدردی ہے میں تمہیں اپنے سپہ سالار کے پاس لے جاؤں گا تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ میں تمہیں زبردستی نہیں لایا اور تم اپنی خوشی اور رضا سے اسلام قبول کر کے میرے ساتھ شاوی کرنا چاہتی ہو۔“

اوسامہ نے جب لڑکی کی یہ باتیں سنیں تو اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسے قتل کروانے والا جرنیل اس وقت مسلمانوں کی قید میں یہ غمال کے طور پر ایک برہی میں بیٹھا ہوا تھا اور اوسامہ فاتح کی حیثیت سے سراونچا کر کے اس جرنیل کے قلعے میں گھوم پھر رہا تھا اور اپنے سپہ سالار کے حکم منوا رہا تھا۔

اوسامہ لڑکی کو سپہ سالار کے پاس لے گیا اور انہیں ساری بات سنائی۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے لڑکی سے دو چار باتیں پوچھیں اور اسے شفقت اور پیار سے مسلمان خواتین کے پاس بھیج دیا۔ اسکے زیورات اس کے پاس رہنے دیئے۔

سپہ سالار کو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ رومی فوجی شہر کے ایک حصے میں شہریوں کا خون خرابہ کر گئے ہیں۔ اس لڑکی کو بھی معلوم نہیں تھا ورنہ وہ بتا دیتی۔ اس کے اپنے ماں باپ قتل ہو گئے تھے اس لئے اسے گرو پیش کا کوئی ہوش ہی نہ تھا۔

○

دو دنوں میں فوج قلعہ خالی کر گئی۔ سپہ سالار عمرو بن عاص اپنے سالاروں کے ساتھ پہلی بار نیچے اترے۔ ان کے ساتھ دونوں رومی جرنیل، تھیوڈور اور جارج تھے۔ پہلے تھیوڈور کی محل جیسی رہائش گاہ میں گئے۔ تمام خزانہ نکلوا یا اور دونوں جرنیلوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائیں۔

شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور مجاہدین کا لشکر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت عمرو بن عاص باہر کھڑے تھے جیسے اپنے لشکر کا استقبال کرنے آئے ہوں۔ ایک طرف سے دو تین سو شہریوں کا جھوم جلوس کی شکل میں سپہ سالار کی

طرف آتا نظر آیا۔ اس جھوم میں عورتیں بھی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ ماتم کرتے آرہے ہوں۔ دوسرے ہی نظر آتا تھا کہ کئی ایک کے کپڑوں پر خون کے بڑے بڑے داغ دھبے تھے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ جا کر ان سے پوچھو کہ وہ کیوں ادھر آرہے ہیں۔

سالار دوڑا گیا اور ان سے پوچھا۔ ان لوگوں نے سالار کو بتایا کہ رومی فوجی ان کا کس طرح خون خرابہ کر گئے ہیں اور اب یہ لوگ یہ شکایت لے کر مجاہدین کے سپہ سالار کے پاس آئے ہیں۔ سالار نے واپس آ کر عمرو بن عاص کو بتایا تو انہوں نے بجائے اس کے کہ انہیں اپنے پاس بلائے بلکہ خود ان تک جا پہنچے اور کہا کہ انہیں بتایا جائے کہ ان پر کس نے یہ ظلم کیا ہے۔

”ہم یہی بتانے آئے ہیں۔“ ایک بزرگ سے آدمی نے آگے ہو کر کہا۔ ”لیکن یہ بتانے سے پہلے ہم یہ فریاد لے کر آئے ہیں کہ ایک وہ تھے جو ہمارے کئی آدمیوں اور عورتوں کو قتل کر گئے ہیں اور اب تم لوگ ہمارے گھروں کو لوٹنے آ گئے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ ہمارا قصور کیا ہے جس کی ہمیں سزا ملی ہے اور باقی آپ سے ملے گی۔“ ”کیا تم لوگوں نے ہماری طرف سے وہ اعلان نہیں سنے تھے؟“ عمرو بن عاص نے کہا۔ ”ہم دیوار پر کھڑے یہ اعلان کرتے رہے کہ کوئی شہری بھاگنے کی کوشش نہ کرے، شہریوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کریں گے اور امان میں رکھیں گے۔ ہم لوٹنے نہیں آئے کچھ دینے آئے ہیں.... جس وقت رومی تمہارے گھروں میں قتل و غارت کر رہے تھے اُس وقت ہمیں اطلاع دینی تھی، پھر تم دیکھتے کہ ہم انہیں زندہ کس طرح جانے دیتے ہیں.... اب بتاؤ تم پر کیا جاتی ہے۔“

ان لوگوں نے اپنی اپنی چیتا سنانی شروع کر دی۔ کسی نے کہا کہ اس کی بیٹی کو بے آبرو کیا گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس کے گھر کے دو آدمی مارے گئے ہیں کیونکہ وہ گھر کی عورتوں کی عزت کی حفاظت میں مقابلے پر آ گئے تھے۔ اس جھوم میں جو بوہتا جا رہا تھا، کئی آدمی زخمی تھے اور کچھ ایسے زخمی جن کے زخم خاصے گہرے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ سب مصری ہیں اور قبلی عیسائی۔

ان لوگوں میں سے ہی کسی نے بتایا کہ اسے پتہ چلا ہے کہ قید خانے میں جو قبلی بمالئی قید تھے، رومی ان کے ہاتھ کاٹ گئے ہیں۔ اُس وقت عمرو بن عاص نے کچھ

مجاہدین کو قید خانے کی طرف دوڑایا۔ ان کے ساتھ ایک حاکم کو بھی بھیج دیا جسے قید خانے کی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاصؓ نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ شہر میں جتنے لوگ زخمی ہیں ان کی مرہم پٹی کا انتظام فوراً کیا جائے اور انہیں کھانا پینا اپنی طرف سے دیا جائے۔ یہ حکم دے کر سپہ سالار قید خانے کی طرف چلے گئے۔

وہاں ان لوگوں کی حالت دیکھ کر جن کے ہاتھ کاٹے گئے تھے، سپہ سالار کانپ اٹھے۔ ان کا خون بہتا رہا تھا اس لئے کچھ تو مرہم لگائے گئے تھے اور باقی بے ہوش پڑے ایک ایک کر کے مر رہے تھے۔ ایک دن پہلے ان کے ہاتھ کاٹے گئے تھے۔ سپہ سالار کے علم سے انہیں اٹھایا گیا جو ابھی زندہ تھے اور فوری مرہم پٹی کا انتظام کیا گیا۔ انہیں شہد ما دودھ بھی پلایا گیا اور اس طرح ان میں سے چند ایک کو بچا لیا گیا۔

سپہ سالار عمروؓ بن عاصؓ نے قید خانے سے واپس آتے اپنے سالاروں سے کہا کہ ان نئے شہریوں پر رومی فوج کا یہ ظلم و ستم بڑا ہی افسوس ناک ہے لیکن ان کے اس صدمے میں ہم یہ روئے اختیار کریں کہ ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آئیں جیسا کہ اسلام کا حکم ہے، ان کے دلوں میں رومیوں کی نفرت پیدا ہو گی اور ان کے خلاف یہ غم و غصے سے بھرے ہوئے رہیں گے۔

”اپنے ساتھ مبلغ بھی ہیں“ عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”انہیں کہو کہ گھر گھر جائیں ان لوگوں کی دلجوئی کریں اور انہیں جیسی بھی مدد چاہئے وہ دیں اور پھر انہیں کہیں کہ اب اسلام کی برکت اور رحمت کو بھی دیکھیں۔“

سپہ سالار وہاں سے پھر فرمانروائے مصر کے محل میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ چار پانچ سالار تھے اور کچھ تعداد دوسرے مجاہدین کی بھی تھی۔ اب انہوں نے سارے محل میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ایسی شاہانہ طرز بود و باش اور ایسی بیش قیمت اشیاء، فرنیچر اور فانوس وغیرہ دیکھ کر عرب کے یہ مجاہدین حیران ہوئے جا رہے تھے۔

”غور سے دیکھو اور عبرت حاصل کرو“ سالار زبیرؓ بن العوامؓ نے مجاہدین سے کہا۔ ”اگر یہ شاہانہ طرز رہائش ہمارے نصیب میں آئی ہوتی تو ہم خندق عبور کرنے کی سوچ بھی نہ سکتے۔ ان رومیوں کو اس شاہانہ زندگی نے شکست دلوائی ہے۔ دیکھ لو اس قدر خزانہ اور ایسی شہنشاہیت یہیں رہ گئی ہے اور وہ لوگ جو یہاں رہتے تھے، صرف بچے

ہوئے کپڑوں میں یہاں سے شکست خوردگی کے عالم میں نکلے ہیں.... وہ لوگ جو دنیا میں ہی اپنے لئے جنت بنا لیتے ہیں، اللہ انہیں دنیا میں ہی جہنم کا عذاب دکھا دیتا ہے۔“

”اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں“ عمروؓ بن عاصؓ نے کہا۔ ”انہوں نے جن بے گناہ قیدیوں کے ہاتھ کاٹے ہیں اور جن پر ظلم و ستم کر گئے ہیں ان کی بدعائیں انہیں اب جہنم کا عذاب ہی دکھائیں گی۔ فتح ایمان والوں کی ہوتی ہے اور ان کی بنی نوع انسان سے محبت کرتے ہیں۔“

رومی فوج نے 16 اپریل 641ء کے روز باہلیون کا شہر خالی کیا اور مسلمانوں نے اس پر اپنا قبضہ مکمل کر لیا تھا۔

عمروؓ بن عاصؓ نے وہیں بیٹھ کر امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوایا جس میں اتنی بڑی فتح کی خوشخبری لکھی اور تفصیل سے لکھوایا کہ اس فتح کا سہرا سالار زبیرؓ بن العوامؓ کے سر ہے اور انہوں نے کس طرح خندق عبور کی اور پھر رومیوں سے کس طرح ہتھیار ڈلو کر بغیر خون بہائے ان سے شہر خالی کر دیا گیا۔ آخر میں انہوں نے لکھوایا کہ اب وہ مصر کے دارالحکومت سکندریہ کی طرف کوچ کی اجازت چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھوایا کہ یہ اجازت جلدی ملنی چاہئے تاکہ رومی فوج کو سستانے اور دم لینے کا موقع نہ مل سکے۔ یہ پیغام لکھوا کر انہوں نے قاصد سے کہا کہ وہ بہت ہی تھوڑے وقت میں مدینہ پہنچے اور یہ پیغام دے کر جواب لے آئے۔

باہلیون کی فتح کوئی عام سی فتح نہیں تھی۔ اس اتنے بڑے شہر اور اس اتنے مستحکم قلعے کو فتح کر لینے سے مصر میں مجاہدین کی فتوحات کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے آدھا مصر فتح کر لیا تھا جس کا باہلیون والا علاقہ ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان پورا کر دیا کہ ہم نے تمہیں دین کے دشمنوں کے ان زرخیز علاقوں اور خزانوں تک پہنچایا جو کبھی تمہارے تصور میں بھی نہیں آئے تھے.... یہ حقیقت ہے کہ باہلیون جیسی جگہ مسلمانوں کے تصور میں کم ہی کبھی آئی ہو گی۔ یہ اللہ کا ایک عظیم انعام تھا۔

مصر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ فرعونوں کا محبوب علاقہ تھا۔ قلعے کی دیواروں پر کھڑے ہو جاتے تو ابوالہول اور فرعونوں کے اہرام نظر آتے تھے اور نسل کی اپنی ہی ایک دلکشی تھی۔ باہلیون کا شہر فرعونوں نے ہی بسایا تھا۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے یہیں کہیں فرعون کا طلسم سامری اپنے عصا سے توڑا تھا۔ وہاں جگہ جگہ فرعونوں کے دور کے آثار نظر آتے تھے اور تمام تر علاقے میں بکھرے ہوئے تھے۔

بالیون فتح کر لینے سے جزیرہ روضہ بھی مسلمانوں کے تسلط میں آ گیا تھا۔ عمرو بن بن عاص نے حکم دیا کہ بالیون کے دریا والے دروازے سے جزیرے تک کشتیوں کا پل بنا دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل شروع ہو گئی۔ شہر کے لوگوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تھا کہ انہوں نے ان کے گھروں کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا اور انہیں ہر طرح کی مدد بہم پہنچائی تھی۔ اس کے اثرات یہ تھے کہ جب کشتیوں کا پل تیار ہونے لگا تو شہر کے لوگ دوڑے گئے اور اس کام میں مجاہدین کا ہاتھ بٹانے لگے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے ساتھ لشکر کی نفری کم تھی۔ اسی نفری میں سے شہر کی انتظامیہ کے کام بھی کروانے تھے اور نظم و نسق بھی بحال کرنا تھا، کشتیوں کا پل بھی بننا شروع ہو گیا تھا اور کئی اور کام تھے جو فوری طور پر کرنے والے تھے۔ مجاہدین کی تعداد اتنی ہی تھی جسے ان کاموں میں لگا دیا جاتا تو عسکری ذمہ داریاں انہیں اٹھانا پڑ جاتی تھیں۔ اس کا علاج یہ سوچا گیا کہ رومیوں کے دور حکومت میں جو قبلی عیسائی شہری انتظامیہ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، انہیں ہٹایا نہ گیا بلکہ یہ کام انہی کے سپرد کر دیئے گئے۔ ارد گرد کے علاقے میں اپنے لشکر کی کچھ نفری رکھنی لازمی تھی۔ سپہ سالار کا مقصد یہ بھی تھا کہ قبلیوں کو اعتماد میں لے کر انہیں اہمیت دی جاتی رہے تاکہ یہ بغاوت کی نہ سوچ سکیں۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ہو گیا جو مؤرخوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ کو تو ال کے محکمے میں اکثریت قبلی عیسائیوں کی تھی۔ اسے آج کی زبان میں پولیس کہہ لیں۔ عمرو بن عاص نے پولیس کے فرائض قبلیوں کے پاس ہی رہنے دیئے اور ان کی نفری میں اضافہ کر دیا۔ اس محکمے میں اپنے مجاہدین کو بھی شامل کیا گیا لیکن بہت ہی تھوڑی تعداد میں۔

کچھ دنوں بعد سپہ سالار کو یہ رپورٹ ملی کہ پولیس میں جو قبلی ہیں وہ مسلمانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بعض کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ہم عرب کے ان پسماندہ مسلمانوں کے محکوم نہیں رہ سکتے۔

بالیون میں قبلیوں کی بغاوت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

جب سے انسانی معاشرے میں حکمرانی کا سلسلہ شروع ہوا ہے اُس وقت سے جب بغاوت بھی ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے۔ باغیوں نے بڑے بڑے جابر اور ظالم بادشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ بغاوتوں کی تاریخ دیکھیں۔ بعض بغاوتیں اتنی بڑی تھیں اور اتنی مشہور ہوئیں کہ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی۔ بیشتر بغاوتیں کچھ کم پیانے کی تھیں اس لئے تاریخ میں جگہ نہ پاسکیں۔

بغاوت بڑی ہو یا چھوٹی، اسے فرو کرنے یا دبانے کا ایک ہی طریقہ رائج چلا آ رہا ہے۔ باغیوں کے لیڈروں کی پکڑ دھکڑ ہوتی ہے، تشدد کیا جاتا ہے اور باغیوں کو بے دروغ قتل کیا جاتا ہے۔ عموماً بغاوت دب جاتی ہے لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔ چنگاری کی طرح اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے۔ لیڈروں کی گرفتاری اور ان کے باغی پیرو کاروں کی قتل و غارت کا بغاوت میں انتقام کا جذبہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بغاوت بڑور شمشیر فرو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بغاوت خانہ جنگی کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے اور حکمرانوں کے تختے بھی الٹ جاتے ہیں جو باغیوں کی فتح ہوتی ہے اور باغی شکست بھی کھا سکتے ہیں۔

جب سپہ سالار عمرو بن عاص کو یہ رپورٹ دی گئی کہ بالیون میں پولیس میں جو قبلی عیسائی ہیں وہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ ان پسماندہ عربی مسلمانوں کے محکوم نہیں رہ سکتے اور آثار بغاوت کے نظر آ رہے ہیں تو تمام سالاروں کو یہ توقع تھی کہ سپہ سالار یہی ایک حکم دیں گے کہ ان قبیلوں کو تشدد سے دبا کر رکھا جائے اور اگر وہ ایسے باغیانہ خیالات سے باز نہیں آتے تو انہیں سخت سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے عبرت ناک ہو لیکن عمرو بن عاص جو پورے لشکر کو یقینی موت میں ڈال دیا کرتے تھے، یہ رپورٹ سن کر بالکل ہی

چپ رہے اور گہری سوچ میں گم ہو گئے۔ ان کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئے اور پھر ان کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

یہاں یہ جتنا ضروری ہے کہ عرب بذلہ سخی اور غیر معمولی ذہانت کے لئے مشہور تھے۔ ان میں معجزہ نما شجاعت تھی بلکہ ان کے دماغ ایسی ترکیبیں سوچ لیتے تھے جو اوسط درجہ ذہن کے انسان کے دماغ میں آہی نہیں سکتی تھیں۔

یہ بھی ذہن میں رکھ لیں کہ رومیوں نے پولیس کا باقاعدہ محکمہ بنا رکھا تھا۔ اسلامی حکومت و معاشرت میں ابھی پولیس کا محکمہ نہیں بنا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد امیر المومنین حضرت عتر نے پولیس کا محکمہ قائم کیا تھا جسے احداث کہتے تھے اور پولیس افسر کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا۔

عمرؤ بن عاص نے گہری سوچ سے نکل کر تمام سالاروں کو بلوایا۔
”کل ان قبیلوں کو اپنے لشکر کے کھانے پر مدعو کرنا ہے“ — عمرؤ بن عاص نے کہا — ”ایک ضروری بات اچھی طرح سن لو۔ اپنے لشکر کے ہر مجاہد سے کہنا کہ وہ کھانا اس طرح کھائیں جس طرح میدان جنگ میں لڑائی کے دوران کھاتے ہیں اور ان کا لباس جنگی ہو گا۔“

تاریخ میں آیا ہے کہ کوئی ایک بھی سالار نہ سمجھ سکا کہ سپہ سالار کا مطلب اور مقصد کیا ہے.... اگلے روز بے شمار اونٹ ذبح کئے گئے اور ان کا گوشت اس طرح پکایا گیا کہ شور با زیادہ رکھا گیا۔ پولیس کے تمام قبیلی ملازمین کو اس کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔ کھانا زمین پر بیٹھ کر کھایا جاتا تھا۔ اس کھانے پر قبیلی عیسائیوں اور مجاہدین کو ایک دوسرے کے بالقابل بٹھایا گیا۔

مجاہدین نے بڑی تیزی سے کھانا شروع کر دیا اور ان کا کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ بوٹی منہ میں لے کر کھینچتے تو شور بے کی چھٹیئیں سامنے بیٹھے ہوئے قبیلوں پر پڑتی تھیں۔ قبیلی عیسائی مجاہدین کو اس طرح بد تمیزی سے کھاتے دیکھ کر ناک بھونچ رہے تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں یہ رائے قائم کر لی ہو گی کہ عرب کے یہ مسلمان جنگلی ہیں اور انہیں سلیقے اور شائستگی سے کھانا کھانے کا کچھ پتہ ہی نہیں۔ مجاہدین رکابیاں اٹھا کر منہ سے لگاتے اور شور با پیتے تو پینے کی آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ کوئی بھی ان مجاہدین کو اس طرح کھاتے دیکھتا تو یہی کہتا کہ ان لوگوں کو اچھا کھانا کبھی نہیں ملا اور ان میں کھانے کا

سلیقہ بھی نہیں۔

آخر کھانا ختم ہوا اور قبیلی چروں پر نفرت کا تاثر لئے چلے گئے۔ عمرؤ بن عاص نے کہا اپنے کچھ آدمی یہ دیکھیں کہ قبیلوں کی رائے کیا ہے اور وہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ کچھ مجاہدین قبیلوں کی باتیں سننے چلے گئے۔ انہوں نے سپہ سالار عمرؤ بن عاص کو آکر بتایا کہ قبیلی عیسائی مجاہدین کے خلاف کھلم کھلا نفرت کا اظہار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ان گنوار عربوں کے محکوم نہیں رہیں گے۔

مصری تاریخ دان محمد حسین ہیکل، بٹلر اور تین چار مسلمان تاریخ دانوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ دو دنوں بعد سپہ سالار نے اپنے سالاروں کو بلوایا اور کہا کہ کل پھر اسی طرح لشکر کے لئے کھانا کچے گا اور قبیلی عیسائی مدعو ہوں گے۔ سپہ سالار نے دوسری ہدایت یہ دی کہ مجاہدین کے تمام لشکر کو یہ بتادیا جائے کہ وہ اس طرح کھانا کھائیں گے جس طرح وہ امن کے وقت کھایا کرتے ہیں اور ان کا لباس جنگی نہیں بلکہ وہ لباس ہو گا جو وہ اپنے گھروں میں پہنتے ہیں۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمرؤ بن عاص نے مجاہدین کو یہ کہا تھا کہ وہ کھانے پر مصری لباس پہن کر آئیں، چنانچہ تمام مجاہدین بڑے صاف ستھرے مصری لباس میں اس دعوت میں آئے.... مقریزی کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مجاہدین کا یہ لشکر جب سے مصر میں داخل ہوا تھا اسے لڑائیوں سے ہی فرصت نہیں ملی تھی۔ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے مصری لباس سلوا لئے ہوں گے۔ ویسے بھی مجاہدین اس قسم کی عیاشیوں کے قائل نہیں تھے۔ بہر حال تاریخ میں یہ واضح ہے کہ مجاہدین اپنے اچھی قسم کے لباس میں کھانے میں شریک ہوئے۔ اب بھی کھانے پر بیٹھنے کی ترتیب وہی تھی جو پہلے کھانے میں رکھی گئی تھی۔ قبیلی عیسائی اور مجاہدین آمنے سامنے دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا شروع ہوا تو مجاہدین نے بڑی ہی تمیز، شائستگی اور سلیقے سے کھانا کھایا اور قبیلوں کے ساتھ باتیں بھی کرتے اور ہنستے مسکراتے بھی رہے۔ قبیلی حیران رہ گئے کہ آج ان میں اتنی تہذیب کیسے آگئی۔ یہ تو شک کیا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ کوئی اور تھے اور یہ مجاہدین کوئی اور ہیں جو تمیز اور سلیقے والے ہیں۔

پچھلے کھانے میں قبیلی مجاہدین کے خلاف نفرت اور ناپسندیدگی کا اظہار کھلم کھلا کرتے رہے لیکن اس کھانے کے بعد حیران تھے کہ کیا کہیں اور کیسے سمجھیں کہ یہ تبدیلی

تو قیامت پوری کر دیں۔ عمرو بن عاص قبیلوں میں جو تاثر پیدا کرنا چاہتے تھے، لشکر نے وہ پیدا کر دیا حالانکہ لشکر کے کسی بھی مجاہد کو معلوم نہ تھا کہ کیا تاثر دینا ہے۔ عمرو بن عاص گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے گھوڑے کا رخ موڑا اور قبیلوں کے ہجوم کے سامنے جار کے۔

”میں نے تمہیں اپنے لشکر کے تین روپ دکھادیئے ہیں“ — عمرو بن عاص نے قبیلوں سے خطاب کیا — ”مجھے بتایا گیا ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا مذہب اور میرے اس لشکر کو جنگی اور بد تمیز سمجھتے ہو۔ میں نے وہ سارے طعنے سنے ہیں جو تم نے مجاہدین کو دیئے ہیں۔ یہ بہت بڑی بد تمیزی ہے کہ دو سروں کو بد تمیز کہا جائے.... وہ یہی مجاہدین تھے جن کے ساتھ تم نے کھانا کھایا اور جن کے اڑتے شور بے کے چھیننے تم پر پڑے تھے اور انہوں نے تمہارے خیال کے مطابق غیر شائستگی سے کھانا کھایا تھا۔ میں نہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ انہیں کہا گیا تھا کہ اس طرح کھائیں جس طرح جنگ کے دوران کھانا کھایا کرتے ہیں۔ میدان جنگ میں یہ کسی سلیقے اور شائستگی کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے اس سے کہیں زیادہ بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اس وقت انہیں کھانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اگر کھاتے ہیں تو اسی طرح جلد بازی میں کھا کر اپنے اس فرض کی ادائیگی میں گم ہو جاتے ہیں جو اللہ نے انہیں سونپا ہے....

”میرے قبیل بھائیو! پھر میں نے تمہیں ان کا وہ روپ دکھایا ہے جس میں شائستگی بھی ہے، سلیقہ بھی اور تمیز بھی۔ انہیں صرف اتنا کہا تھا کہ اب تم میدان جنگ میں نہیں اس لئے کھانا اس طرح کھانا جس طرح امن کے وقت کھایا جاتا ہے اور یہ خیال رکھنا کہ تمہارے کھانے پر کچھ مہمان بھی ہوں گے۔ تم نے ان کا یہ روپ بھی دیکھ لیا ہے اور تم حیران ہوتے رہے ہو کہ یہ تو وہی ہیں لیکن ایک دن میں ہی اتنے تمیز یافتہ کس طرح ہو گئے ہیں۔ انہیں کسی نے بھی نہیں کہا کہ تمیز کا خیال رکھنا۔ یہ ہیں ہی تمیز یافتہ۔ اپنے گھروں میں یہ اسی طرح کھانا کھایا کرتے ہیں....

”پھر میں نے تمہیں ان کا تیسرا روپ دکھایا ہے۔ میں جانتا ہوں تم انہیں غیر تربیت یافتہ ہجوم سمجھتے ہو جو صرف لڑنا جانتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے نظم و نسق کا کیا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ نظم و نسق اور اپنے سالاروں کے اشاروں پر چلنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ جب ایک لشکر کی صورت میں اکٹھے ہوتے ہیں تو اپنی انفرادیت اپنے امیر یا

کیسے آئی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ کوئی اور عرب تو نہیں تھے؟.... کس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے یہ حکم دیا کہ کل صبح تمام لشکر گھوڑ دوڑ کے میدان میں امن کی ترتیب میں اکٹھا ہو گا اور سپہ سالار لشکر کا معائنہ کریں گے.... سالاروں نے سپہ سالار کا یہ حکم تمام لشکر تک پہنچا دیا اور مزید جو ہدایات سالاروں کی دی گئی تھیں، وہ بھی لشکر تک پہنچا دی گئیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ مجاہدین کا لشکر کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی جس کی درجہ بدرجہ تنخواہیں مقرر ہوتیں اور انہیں باقاعدہ فوج کی طرح ٹریننگ دی گئی ہوتی۔ تنخواہ دار فوج امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس سے تھوڑا ہی عرصہ بعد بنائی تھی۔ تمام مجاہدین رضا کارانہ طور پر لشکر میں شامل ہوتے تھے۔ تیغ و زنی، بر چھبی بازی اور تیر اندازی تو مسلمانوں کی گھریلو تربیت میں شامل تھیں۔ لشکر میں انہیں صرف یہ بتایا اور سمجھایا جاتا تھا کہ ایک سالار کے تحت ترتیب سے کس طرح لڑا جاتا ہے۔ انہیں ڈسپلن کا الگ تھلک کوئی لیکچر نہیں دیا جاتا تھا نہ ان میں ڈسپلن پیدا کرنے کی کوئی بات ہوتی تھی۔ مجاہدین ایک جذبے کے تحت لشکر میں شامل ہوتے اور محاذوں پر جاتے تھے۔

رومیوں کی فوج باقاعدہ تنخواہ دار فوج تھی اور اسے آج کل کی فوج کی طرح ٹریننگ دی جاتی تھی۔

اگلی صبح ان تمام قبیلے عیسائیوں کو جو وہاں کی پولیس میں تھے اور انہیں بھی جو انتظامیہ کے مختلف شعبوں میں کام کرتے تھے، گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کیا گیا۔ تاریخ کی تحریر بتاتی ہے کہ ان قبیلوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنے لشکر کی نمائش کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لشکر باقاعدہ فوج نہیں اور اس کے تمام آدمی رضا کار ہیں۔

قبیلے یہ دیکھ کر کچھ حیران ہوئے کہ جس لشکر کو وہ لڑنے والوں کا ایک غیر تربیت یافتہ ہجوم سمجھتے تھے، ان میں فوج جیسا ہی ڈسپلن تھا۔ انہیں ہانکنا نہیں پڑتا تھا بلکہ وہ سالاروں کے اشاروں پر حرکت و سکنا کرتے تھے۔ انہوں نے جو لباس پہن رکھے تھے، اس کا بھی ایک تاثر تھا جو قبیلے عیسائیوں نے خاص طور پر محسوس کیا۔

عمرو بن عاص نے لشکر کی نمائش کچھ سوچ کر کی تھی اور لشکر نے اپنے سپہ سالار کی

سالار کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسلام کے حکم اور اصول کے مطابق اگر ان میں سے تین چار یا کچھ زیادہ اپنے لشکر سے الگ ہو جائیں تو ایک ساتھی کو اپنا امیر جماعت بنالیتے ہیں اور پھر اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں ان کے یہ تینوں روپ اس لئے دکھائے ہیں کہ تم انہیں گنوار اور اجڈ بدو نہ سمجھتے رہو اور اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ کرو کہ تم ان کے خلاف نفرت پھیلا کر اپنے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر لو گے تو یہ مجاہدین تمہارے آگے بے بس ہو جائیں گے۔ ان کے ساتھ شرافت اور شائستگی سے رہو گے تو یہ تمہاری قدر کریں گے کیونکہ شرافت اور شائستگی ان کی فطرت میں شامل ہے، اور اگر تم کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر انہیں جنگلی اور پس ماندہ سمجھ کر من مانی کرو گے تو جس طرح انہوں نے تمہارے کپڑوں پر شور بے کے چھینٹے پھینکے تھے اسی طرح تمہارے کپڑے تمہارے ہی خون سے لال کر دیں گے۔ سوچ لو، تمہیں کون سی صورت بہتر لگتی ہے۔“

یہ واقعہ لکھنے والے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کا یہ طریقہ کار اور یہ انداز بیشتر قبلی عیسائیوں کو اتنا اچھا لگا کہ ان کے ایک خاص بڑے گروہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس انداز نمائش میں ایک طنز اور اپنی توہین محسوس کی۔

”اے قبیلہ!“ — اپنی توہین سمجھنے والے قبلی عیسائیوں نے کہا — ”عربوں نے تمہیں اپنی ٹھوکر پر رکھا ہے۔“

تاریخ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی لیڈر قسم کے قبلی نے کہا — ”عربی مسلمان قوم وہ ہیں جس قوم کو کوئی مفتوح اور مغلوب نہیں کر سکتا۔ آج اس قوم نے تمہیں اپنے قدموں تلے مسل ڈالا ہے۔“

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ ان آوازوں پر قبلی عیسائیوں نے دھیان نہ دیا۔ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کا جز یہ عمرو بن عاص نے وہیں معاف کر دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ آج سے انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق دے دیئے گئے ہیں۔

تاریخ یہ رائے قائم کرتی ہے کہ عمرو بن عاص نے یہ انوکھی اور دلچسپ کارروائی کر کے قبلی عیسائیوں کو ایسا متاثر کیا کہ وہ پوری طرح مسلمانوں کے وفادار ہو گئے۔ عمرو بن

عاص ایسی ہی کامیابی حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ جب امیر المومنین کی طرف سے منظوری آجائے کہ اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرو تو عمرو بن عاص اطمینان سے اسکندریہ کو روانہ ہو جائیں پیچھے بد امنی اور بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔

محاذوں کے سپہ سالار جب امیر المومنین کو اپنے اپنے محاذ کی صورت حال لکھ کر بھیجتے تھے تو اس طرح کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی لکھ دیتے تھے۔ اگر نہ لکھیں تو بیانات لے جانے والے قاصد خود چھوٹے چھوٹے واقعات سنا دیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تک پہنچ گیا۔ انہوں نے (تاریخ کے مطابق) یوں اظہار خیال کیا — ”خدا کی قسم ابن عاص کی جنگ ٹھنڈی اور نرم ہوتی ہے۔ اس میں وہ بیجالی کیفیت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ دوسرے لڑنے والے تلوار سے لڑتے ہیں لیکن ابن عاص کی زبان تلوار سے زیادہ کام کرتی ہے۔“

○

صرف سپہ سالار عمرو بن عاص ہی نہیں تھے جنہیں امیر المومنین کی منظوری کا انتظار تھا بلکہ تمام تر لشکر اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کے لئے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ یہ لشکر مسلسل لڑائیاں لڑتا چلا آ رہا تھا۔ اسے صرف ایک بار کمک ملی تھی، اس کے بعد ایک آدمی کا بھی اس میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اضافہ تو دور کی بات تھی، شہیدوں اور شدید زخمیوں کی وجہ سے لشکر کی تعداد اچھی خاصی کم ہو گئی تھی۔ ان حالات میں اس لشکر کو جسمانی طور پر تھکن سے ٹوٹ پھوٹ جانا چاہئے تھا لیکن اسلام کے ان شہداء کیوں کے جذبے اور حوصلے میں عجیب و غریب سی تازگی آتی جا رہی تھی۔

ابن عبدالحکم لکھتا ہے کہ بابلیوں کی فتح نے مجاہدین کے جسموں میں جیسے بجلیوں کی طاقت پیدا کر دی تھی۔ یہ دراصل ایمان کی تازگی اور جنگی تھی۔ ان مجاہدین نے اپنے جسموں کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا اور وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔ بابلیوں پر یلغار سے پہلے وہ توقع رکھتے ہی نہیں تھے کہ وہ بابلیوں جیسا ناقابلِ تسخیر قلعہ سر کر لیں گے۔ بابلیوں بلا شک و شبہ ناقابلِ تسخیر تھا۔ مجاہدین نے یہ سر کر لیا۔

یہ تو ان کا ایمان تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں اور اللہ انہیں مدد دے رہا ہے لیکن اب وہ اس یقین سے سرشار ہوئے جا رہے تھے کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور وہ کفر غالب آئیں گے۔

کچھ مجاہدین ایسے تھے جو صرف اللہ اور اسلام کو پہچانتے تھے لیکن سوچوں کی گہرائی میں جانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ انہیں سالاروں نے بتایا تھا کہ مسلمان کا دشمن دراصل اسلام کا دشمن ہے اور اسلام کا دشمن ہر مسلمان کا دشمن ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں کیوں نہ ہو، اور یہ بھی کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تم اسلام کے دشمنوں کے خلاف ہتھیار لے کر نکلو گے تو اللہ تمہارے ساتھ ہو گا۔

بہلیوں کی فتح ایک شرکی فتح نہ تھی۔ مجاہدین جوں جوں اس علاقے کی تاریخ اور ثقافت کی قدیم کمائیاں سنتے جاتے تھے، ان کے دلوں میں بہلیوں کی فتح کی اہمیت بڑھتی جاتی تھی۔ یہ فرعونوں کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس شہر کے ارد گرد فرعونوں کے زمانے کے جو کھنڈرات تھے، ان میں بھی ایک طرح کی عظمت اور شان و شوکت تھی۔ یہ کھنڈرات صرف فرعونوں کی ہی یاد نہیں دلاتے تھے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا تھا کہ یہ ایک قدیم انسانی تہذیب کے آثار ہیں۔ مجاہدین تب یہ سوچتے تھے کہ یہ ان فرعونوں کے دور کے آثار تھے جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ ہمیشہ اس دنیا میں ہی رہیں گے اور لوگ ان کے آگے سجدے کرتے رہیں گے۔ مجاہدین فخر محسوس کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں سعادت عطا فرمائی ہے کہ فرعونوں کی اس سرزمین پر دین اسلام کا پرچم گاڑیں اور لوگوں کے دلوں کو اللہ کے نور سے منور کر دیں۔

عظمت رفتہ کے ان آثار کے گرد و پیش پھیلے ہوئے وسیع و عریض سبزہ زار تھے جنہوں نے عرب کے ان مجاہدین کو مخمور سا کر دیا۔ ایسے سبزہ زار عراق اور شام میں بھی تھے لیکن مصر کے اس قدرتی حسن میں کوئی اور ہی بات تھی۔ ان سبزہ زاروں میں قبل از مسیح کی صدیوں پرانی تہذیب جیسے اب بھی نظر آ رہی تھی اور کبھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ علاقہ اس تہذیب و تمدن کا مدفن ہو اور اس پر اللہ نے یہ سبزہ لگا دیا ہو، اس لئے نہیں کہ وہ تہذیب و تمدن اللہ کو عزیز تھا بلکہ اس لئے کہ لوگ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

بعض کھنڈرات خاموش زبان میں بتاتے تھے کہ کبھی وہ کیا ہوا کرتے تھے اور ان کی کیا شان و شوکت تھی۔ ان کی دیواروں پر اُس دور کے کاریگروں نے خاک کے اور تصویریں کندہ کر دی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دیویوں اور دیوتاؤں کی شیبہیں ہیں جنہیں اُس دور کے لوگ معبود سمجھتے تھے اور یہ ان کی عبادت گاہیں تھیں۔

بہلیوں کے قریب ہی ایسی ایک بہت بڑی عبادت گاہ تھی جسے فتح کہتے تھے۔ اس میں سورج کی عبادت کی جاتی تھی۔ کچھ دور ایسی ایک اور عبادت گاہ تھی جسے سرائیوم کہتے تھے۔ اس میں ایک گائے کے پھڑے کا بت تھا جو ابھی تک صحیح و سالم کھڑا تھا۔ اس گاہ میں ابھی اس عبادت گاہ کے عقب میں بہت سی قبریں تھیں۔ مجاہدین کو بتایا گیا کہ یہ اُن پھنڈوں کی قبریں ہیں جن کی عبادت کی جاتی تھی اور پھر انہیں قریاں کر دیا جاتا تھا۔ جب عیسائیت کے پیرو کار حملہ آور مصر میں داخل ہوئے اور اپنی حکومت قائم کر لی، انہوں نے ان عبادت گاہوں کو بند کر دیا لیکن چوری چھپے یہ عبادت جاری رہی۔ یہ عبادت بھی اللہ نے مسلمانوں کے حصے میں لکھی کہ باطل کی عبادت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ اس کی جگہ وہ دین حق لائے جسے تاقیامت زندہ و پابندہ رہنا ہے۔



بہلیوں میں مسلمانوں نے نظم و نسق، شرعی انتظامات اور امن و امان بحال کر دیئے تھے۔ بغاوت کے کوئی آثار نہیں رہے تھے بلکہ قبلی عیسائی عملاً اپنی وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے عیسائی واپس آ گئے تھے جو مسلمانوں کی یلغار کے دوران صریحاً چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ مسلمانوں سے تو وہ بلا وجہ ڈرتے رہے ہیں، امن و امان تو مسلمان ہی لائے ہیں اور ایک ادنیٰ شہری کو بھی انہوں نے اس کا دیکر اور اس کے حقوق دے دیئے ہیں۔

ایک روز ایک ضعیف العمر آدمی لاٹھی کے سہارے چلتا سپہ سالار عمرو بن عاص سے ملنے آیا۔ عمرو بن عاص نے حکم دے رکھا تھا کہ ان سے ملنے کوئی کتنا ہی معمولی اور لوٹا آدمی کیوں نہ آئے، اسے ٹالنا نہیں اور ان سے ملوانا ضروری سمجھا جائے۔ اگر سپہ سالار وہاں موجود نہ ہوں تو اس کی بات سن لی جائے اور اگر کوئی شکایت ہو تو اس کا ازالہ فوراً کیا جائے۔

اس ضعیف العمر آدمی سے سپہ سالار کے ایک محافظ نے پوچھا کہ وہ سپہ سالار سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کی کسمن پوتی لاپتہ ہو گئی ہے۔ اس نے پوتی کی عمر پندرہ سولہ سال بتائی۔ محافظ نے فوراً سپہ سالار کو اطلاع دی اور عمرو بن عاص نے اسے فوراً اپنے پاس بلا لیا۔

اس لرزتے کانپتے بوڑھے نے بتایا کہ اس کی پوتی اُس وقت کی لاپتہ ہوئی ہے جب

رومی فوج اور کچھ شہری یہاں سے نکل رہے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ کوئی فوجی یا شہری اسے اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اُس وقت تک اس کی پوتی گھر میں محفوظ تھی۔

”میں خوشامد کی بات نہیں کر رہا سپہ سالار!“ — بوڑھے نے کہا۔ ”میں حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ مجھے کسی مسلمان پر شک نہیں کہ اس نے میری پوتی کو اٹھالیا ہو گا۔ تم لوگوں نے ہماری عزتیں محفوظ کر دی ہیں۔ اس کے باوجود میں نے اپنی پوتی کو گھر میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ معمولی شکل و صورت کی ہوتی تو پھر مجھے کوئی ڈر نہ ہوتا، خطرہ یہ نظر آتا تھا کہ بچی بہت خوبصورت ہے اور جسے بہت اچھی لگی وہ اسے اٹھا لے جائے گا۔ میں تمہارے لشکریوں سے ڈرتا رہا ہوں لیکن ایک مہینہ ہوا، مجھے تسلی ہو گئی کہ مسلمانوں سے ڈرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بچی کو میں نے تھوڑی دیر کے لئے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ کل ہی وہ باہر نکلی پھر واپس نہیں آئی۔“

بوڑھا اس سے آگے بول نہ سکا۔ اس کے آنسو تو بہہ رہے تھے لیکن اس کی ہچکیاں نکلنے لگیں اور وہ چپ ہو گیا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے اسے بڑی شفقت سے کہا کہ اس کی پوتی کو تلاش کیا جائے گا اور انشاء اللہ وہ مل جائے گی پھر اسے اغوا کرنے والے کو اس کے سامنے سزا دی جائے گی۔

بوڑھے نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں عمرو بن عاص کو بتایا کہ گمشدہ پوتی کی ماں جوان اور خوبصورت تھی۔ اس کی کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ جب بابلون میں مسلمان فاتحین کی حیثیت سے داخل ہوئے اور رومی فوج نکل رہی تھی تو چار رومی فوجیوں نے اس کے گھر پر ہتھ بول دیا۔

بوڑھے نے پوتی کو اندر کہیں چھپا دیا اور فوجیوں نے اس کی ماں کو پکڑ لیا۔ بچی کا باپ بیوی کو بچانے کے لئے آگے بڑھا تو ان فوجیوں نے اسے تلواریں مار مار کر کاٹ بیچا اور پھر اس بچی کی ماں کے ساتھ اجتماعی طور پر ایسا وحشیانہ سلوک کیا کہ وہ مر گئی۔ پھر ان فوجیوں نے گھر میں جو ٹرنک رکھے تھے، کھولے اور ان میں تھوڑا سا سونا اور کچھ رقم تھی وہ لے گئے۔

”اے قابلِ قدر سپہ سالار“ — اس ضعیف العمر آدمی نے جذبات سے لڑتی ہوئی آواز میں کہا — ”میں نے زمانے کے بہت نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ وہ دور بھی یاد ہے جب آتش پرستوں نے مصر کو فتح کر لیا تھا۔ پھر رومی آئے اور اب تم آئے ہو۔ نہ

نہ پرستوں کے دلوں میں انسانیت کا درد تھا نہ رومیوں میں۔ میں ان کے دورِ حکومت کا شکایت لے کر آتا تو مجھے محل کے در سے دھکارت یا دھکے دے کر رخصت کر دیا گیا۔ تمہارے پاس بھی یہی توقع لے کر آیا تھا لیکن تم نے مجھے فوراً اپنے پاس بلا لیا تو انہیں دیکھ کر ہی حیران رہ گیا ہوں کہ یہ تو انسان لگتا ہے لیکن ہے فرشتہ۔ پھر جس طرح تم توجہ اور ہمدردی سے میری شکایت سن رہے ہو اس سے میں اور زیادہ حیران بھی رہا ہوں اور پریشان بھی۔“

”میرے بزرگ!“ — عمرو بن عاص نے اس کی بات کاتے ہوئے کہا — ”حیران ہی نہ ہو اور پریشان بھی نہ ہو، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم صرف مطلب کی بات کرو اور یہ نہ بتاؤ کہ اچھا کون تھا اور بُرا کون ہے۔ کوئی ایسی بات کرو جس سے مجھے تمہاری ناکارائیت میں مدد ملے۔“

بوڑھے کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی پوتی کو کس نے اغوا کیا ہے یا وہ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ وہ اپنی پوتی کے لئے بہت ہی جذباتی تھا۔ اس کے نوسینے جارہے تھے اور اس نے یہ سنا شروع کر دیا کہ پوتی اس کے ساتھ کتنا پیار کرتی تھی۔ پوتی کہا کرتی تھی کہ جب تک دادا زندہ ہے وہ شادی نہیں کرے گی۔ دادا یہ تسلیم نہیں کرتا تھا کہ اس کی پوتی پندرہ سولہ سال کی ہو گئی ہے۔ وہ اسے دو یا تین سال کی ہی سمجھ کر اپنے ساتھ سلاتا اور دن بھر اس کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔

”میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا اے سپہ سالار!“ — بوڑھے نے کہا — ”میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اسے دیکھ لوں اور مجھے یقین آجائے کہ وہ محفوظ تمہوں میں ہے۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر کہا کہ اس بوڑھے کو رات سے اپنے پاس بٹھائیں اور پولیس کے بڑے افسر کو بلا لائیں۔

پولیس کا بڑا افسر آیا تو عمرو بن عاص نے اسے بڑی سختی سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کی پوتی کو تلاش کرے۔ پولیس کا یہ افسر قبلی عیسائی تھا اور یہ بوڑھا بھی قبلی عیسائی تھا۔

”ایک بات سن لو جو زف!“ — عمرو بن عاص نے پولیس کے اس حاکم سے کہا — ”معلوم نہیں ہر قتل کے کوہِ حکومت میں تم لوگ اس قسم کی شکایت پر کیا رویہ اختیار کرتے تھے لیکن ہمارے لئے ایک لڑکی کا لاپتہ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ یا جرم

نہیں۔ اگر ہم ایک شہری کی شکایت رفع نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور اپنا فرض ادا نہیں کر رہے۔“

”حقیقت یہ ہے سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”آپ سے پہلے ایسی کوئی شکایت اوپر تک پہنچتی ہی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کسی کو کبھی کوئی شکایت ہوئی ہی نہیں، اصل میں کوئی جرأت نہیں کرتا تھا کہ ایسی شکایت لے کر کسی بڑے حاکم کے پاس چلا جائے کیونکہ ہر کسی کو معلوم تھا کہ نہ صرف یہ کہ شنوائی نہیں ہوگی بلکہ بے عزتی کر کے بھگا دیں گے۔“

”اب ذہن میں رکھ لو کہ رومی حکمران چلے گئے ہیں اور یہاں اللہ کی حکمرانی ہے۔“ عمرو بن عاص نے کہا — ”اب یہاں اللہ کا قانون چلتا ہے جس میں کسی کی حیثیت دیکھے بغیر انصاف ملتا ہے۔ میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا اور مجھے زیادہ سے زیادہ ایک دن میں بتایا جائے کہ کیا کوشش ہوئی ہو اور لڑکی کا کچھ سراغ ملا ہے یا نہیں۔ اس بوڑھے کو لے جاؤ اور دلچسپی اور محنت سے سراغ رسائی کرو۔“

جوزف نے سپہ سالار کو یقین دلایا کہ وہ کوتاہی نہیں کرے گا۔ پھر اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے اور ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی چاہنے والے کے ساتھ چلی گئی ہو۔ عمرو بن عاص نے یہ رائے سن کر کہا کہ یہ معلوم کرنا اس کا کام ہے۔ وہ اپنے مخبروں سے اور ادھر ادھر سے پوچھ کر معلوم کرے کہ لڑکی کسی سے ملتی ملاتی ہوگی۔ ایسی ملاقاتیں چھپ نہیں سکتیں۔

”محترم سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”ایک امکان اور ہے۔ شاید اس طرف دھیان نہ دیتے لیکن میں چونکہ سراغ رساں ہوں اس لئے ایسے واقعات کے ہر پہلو پر غور کرتا ہوں اور گہرائی میں بھی گیا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ عملاً کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر تین سال بعد اسی عمر کی ایک لڑکی اغوا ہوتی ہے اور پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس سے پہلے جو لڑکیاں اغوا ہوئی ہیں وہ بابلیون کی نہیں تھیں۔ کسی بھی شہر یا گاؤں سے ایک کسمن لڑکی اغوا ہوتی رہی ہے اب بابلیون کی ایک لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔ مجھے کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ اس لڑکی کی گمشدگی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص اتنی لمبی بات سننے کے عادی نہیں تھے۔ دو ٹوک بات کرنے

اور دو ٹوک بات سنتے تھے۔ انہوں نے جوزف سے کہا کہ وہ فوراً ”اصل بات پر آجائے۔“ معافی چاہتا ہوں سالار محترم!“ — جوزف نے کہا — ”میں بات صرف اس لئے لمبی کر رہا ہوں کہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ آپ کے لئے ایک نئی بات ہے۔ یہاں سے کچھ دور ایک قدیم عبادت گاہ ہے جس کا نام سراہیوم ہے۔ آپ نے شاید اس عبادت گاہ کے کھنڈرات دیکھے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے آپ اندر بھی گئے ہوں۔ ان کھنڈرات میں سے ایک راستہ ایک اور طرف کھلتا ہے جس سے باہر کا کوئی آدمی واقف نہیں۔ غار جیسا ایک دہانہ ہے جس کے اندر ایک اور دنیا آیا ہے۔“

”ہاں جوزف میں ان کھنڈرات کے اندر گیا تھا۔“ عمرو بن عاص نے کہا — ”دور اندر تک نہیں گیا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ ایک فرقے کی عبادت گاہ ہے اور اسے سراہیوم کہتے تھے.... اب موقع نکال کر اس غار کے اندر بھی جاؤں گا جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔“

”کبھی ایسی جرأت نہ کرنا سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”آپ چلے تو جائیں گے لیکن واپس نہیں آسکیں گے.... مجھے معلوم ہے اور شاہ ہرقل کو بھی معلوم تھا اور شاہ ہرقل کے بیٹے فنشٹین کو بھی اس غار کا راز معلوم تھا۔ پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہوتا ہے۔ وہاں ابھی تک عبادت ہو رہی ہے۔ اس فرقے کے کچھ پیروکار موجود ہیں۔“

”اس عبادت گاہ میں غالباً ایس نام کے پچھڑے کی عبادت ہوتی تھی۔“ عمرو بن عاص نے کہا۔

”ہاں میرے محترم سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”آپ نے ان کھنڈرات میں ایس پچھڑے کا بت دیکھا ہو گا۔ میں نے چونکہ پوری سراغ رسائی اور تحقیقات کی ہے اس لئے وثوق سے بتا رہا ہوں کہ وہاں اب بھی اس پچھڑے کی عبادت ہوتی ہے اور ہر تین سال بعد ایک پچھڑے اور اس کے ساتھ ایک نو عمر کنواری لڑکی کی قربانی بھی دی جاتی ہے۔“

”تم لوگ تو عیسائی تھے۔“ عمرو بن عاص نے کہا — ”شاہ ہرقل تو مسکٹر عیسائی تھا کیا اس نے یہ ظالمانہ عبادت بند نہیں کروا دی تھی؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ مصر میں عیسائیت کی حکومت آتے ہی ایسی تمام عبادت گاہیں بند کر دی گئی تھیں۔ ان میں سورج

کے پجاریوں کی بھی عبادت گاہ تھی۔

”قابل احترام سپہ سالار!“ — جوزف نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لا کر کہا۔
 ”آپ کو ٹھیک بتایا گیا ہے کہ شاہ ہرقل نے ایسے تمام قدیم معبد اور مندر بالکل ہی بن
 کروادیئے تھے لیکن سرایوم کو بند نہ کروا سکا۔ کروا سکتا تھا لیکن شاہ ہرقل وہی آدمی
 تھا۔ اس کا اصل مذہب شہنشاہیت تھا اور یہ بھی کہ وہ سکندر اعظم کی طرح ساری دنیا کا
 فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ عیسائیت اس کی نگاہ میں ثانوی بلکہ غیر اہم
 حیثیت رکھتی تھی....

”شاہ ہرقل نے سرایوم کی عبادت گاہ بھی بند کروادی تھی اور اسے یقین تھا کہ اگر
 فرقے کا نام و نشان مٹ گیا ہے لیکن کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ کھنڈرات کے اندر ڈھانچا
 چھپا ایک راستہ ہے جس میں داخل ہو جاؤ تو آگے عبادت گاہ آ جاتی ہے۔ یہاں ابھی تک
 ایسے پتھرے کو پوجا جا رہا ہے۔ شاہ ہرقل نے اپنے ایک جرنیل سالتوس کو حکم دیا کہ وہ جو
 کر اس عبادت گاہ کو بند کروا دے اور وہاں جو کوئی بھی ہے اسے پکڑ کر باہر لائے اور قتل کر
 دے....

”جرنیل سالتوس کچھ فوجی ساتھ لے کر گیا اور شام کو شاہ ہرقل کو یہ اطلاع ملی کہ یہ
 جرنیل اپنی فوجی جماعت کے ساتھ اندر چلا گیا تھا لیکن کہیں سے ایک حیر آیا جو اس کے
 پہلو میں اتر گیا اور جرنیل مارا گیا۔ اس کے باقی فوجی وہاں سے بھاگ آئے۔ اگلے ہی روز
 شاہ ہرقل ایسا بیمار پڑا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید ہی نہ رہی۔ طبیوں نے بڑی مشکل
 سے اسے صحت یاب کیا۔ ایک فوجی نے بتایا کہ ان تاریک کھنڈرات کے اندر سے ایک
 آواز آئی تھی کہ اس عبادت گاہ پر جو بادشاہ ہاتھ رکھے گا وہ زندہ نہیں رہے گا اور اس کی
 سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی....

”شاہ ہرقل پر یہ وہم طاری ہو گیا کہ اس کی یہ پراسرار بیماری اس کے اسی اقدام کا
 نتیجہ تھی جو اس نے سرایوم کے خلاف کیا تھا۔ سالتوس جیسا قابل اور تجربہ کار جرنیل
 مارا گیا۔ پھر وہ وقت آیا جب شاہ ہرقل نے ملک شام فتح کر لیا اور اب وہ عراق اور عرب کو
 بھی فتح کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ فارس بہت بڑی جنگی طاقت تھی جسے آپ نے توڑا
 ہے۔ شاہ ہرقل فارس سے سارے علاقے چھین لینا چاہتا تھا۔ اس نے مصر اور شام سے
 فارسیوں کو بے دخل کر کے بھگا دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روم فارسیوں کے

تکر کی جنگی طاقت تھی۔ شاہ ہرقل نے فارسیوں کو شکست دے کر اپنے آپ کو اس
 خوش فہمی میں مبتلا کر لیا تھا کہ اب اس کے سامنے آنے والی کوئی اور جنگی طاقت نہیں
 رہی اور اب وہ ساری دنیا کا فاتح ہو گا۔

”لیکن جوزف!“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”اس میں مجھے کوئی شک نہیں کہ
 روم فارس کی تکر کی جنگی طاقت تھی لیکن فارسی اور ادھر رومی یہ ذہن سے اتار بیٹھے تھے
 کہ اوپر ایک اور طاقت ہے جو جسے چاہے طاقتور بنا دے اور طاقتوروں کو اتنا کمزور کر دے
 کہ وہ حشرات الارض بن جائیں۔ کیا ہم مسلمان جنگی طاقت کے لحاظ سے کسی شمار میں
 آتے تھے؟“

”میں یہی کہنا چاہتا ہوں سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”پہلے مجھے سرایوم کی
 عبادت گاہ کی بات کر لینے دیں.... شاہ ہرقل شام میں تھا۔ پیچھے مصر میں اس کا بیٹا
 فسطین تھا جو مصر کا قائم مقام حکمران بھی تھا اور جرنیل بھی۔ جوان آدمی تھا اور وہ اس
 قابل تھا کہ اسے جرنیل بنایا جاتا۔ سلطنت کا وفادار تھا اور بڑا ہی قابل جرنیل۔ اس کے
 کان میں سرایوم کی عبادت گاہ کی بھنک پڑی۔ کسی ذریعے سے اسے معلوم ہوا کہ وہاں ہر
 تین سال بعد ایک گائے کے پتھرے کی اور کمن لڑکی کی قربانی دی جاتی ہے۔ فسطین
 نے حکم دیا کہ اس عبادت گاہ کو بالکل تباہ کر دیا جائے اور پتھرے کا بت توڑ کر باہر پھینک
 دیا جائے اور یہ عبادت گاہ چلانے والوں کو قتل کر دیا جائے....

”فوجی گئے اور نہ صرف ناکام لوٹے بلکہ چار پانچ فوجی پراسرار طریقے سے مارے
 گئے اور باقی ایسی خوفزدگی کی حالت میں واپس آئے کہ ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی
 بات نہ نکلتی تھی۔ یہ سب بولنے کے قابل ہوئے تو ہر ایک نے یہی ایک بات بتائی کہ
 کہیں سے ایک آواز آتی تھی کہ جو کوئی اس عبادت گاہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا وہ
 خود تباہ ہو جائے گا....

”ہم میں سے کسی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عرب کے ریگزاروں میں سے ایک
 قوم اٹھے گی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف غالب آ جائے گی۔ مجھے یاد ہے کہ جب آپ
 کی قوم کے سات آٹھ ہزار نفری کے لشکر نے ملک شام پر پہلا حملہ کیا تھا تو شاہ ہرقل نے
 نفرت سے کہا تھا کہ چند گیدڑ ایک شیر کے مقابلے کو آئے ہیں لیکن جنہیں اس نے گیدڑ
 کہا تھا انہوں نے شاہ ہرقل کو شام سے اس طرح پسپا کیا کہ اس کی زیادہ تر فوج کٹ گئی

اور باقی تترہتر ہو کر بھاگی۔ آپ کو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ ہمارا ایک جرنیل مکہ لے کر شام گیا تھا لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب ہماری فوج پسپا ہو رہی تھی....

”اس جرنیل نے شاہ ہرقل کو بتایا کہ قسطنطین نے میرا بیوم کی عبادت گاہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے پوری بات سنائی۔ پھر قسطنطین کو بہت ڈانٹا کہ اس نے اس عبادت گاہ پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک گمنام قوم کا مٹی بھر لشکر ہمارے قدم اکھاڑ چکا ہے اور اس نے ملک شام پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شکست اس عبادت گاہ کی توہین کی سزا ہے.... میں نے آپ کو بتایا ہے کہ شاہ ہرقل وہی آدمی تھا۔“

”جوزف!“ — سپہ سالار عمرو بن عاص نے کہا — ”انسان جسمانی طور پر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، وہ صرف ایک کوئی سا وہم ذہن میں بٹھالے تو اس کی جسمانی طاقت کسی کام نہیں آئے گی۔ ہم اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں جو یہ ہے کہ اصل طاقت اور حکمرانی اللہ کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور کوئی وہم نہیں کیا۔ تم نے دیکھ نہیں لیا کہ میرے ساتھ کتنی کچھ جنگی طاقت ہے لیکن اس لشکر کی فتوحات دیکھ لو۔ یہ میری طاقت نہیں، یہ اللہ کی طاقت ہے اور ہم پر کوئی وہم طاری نہیں۔“

”صرف میں نہیں سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”میرے ساتھی اور مجھ سے اوپر کے رتبوں کے قطبی عیسائی اسلام قبول کریں یا نہ کریں، یہ مان گئے ہیں کہ عرب کے ان مسلمانوں کے پاس کوئی روحانی طاقت ہے ورنہ فارسیوں اور رومیوں کو کوئی اس طرح شکست نہیں دے سکتا۔ کسریٰ ایران کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ آپ نے مصر لے لیا ہے اور اب دیکھتے ہیں کہ قسطنطین باقی مصر کو آپ سے بچاتا ہے یا نہیں۔ اس وقت ہم ایک لڑکی کی گمشدگی کی بات کر رہے ہیں اس لئے میں کوئی اور بات چھیڑنا نامناسب سمجھتا ہوں۔“

”اگر کوئی ضروری بات ہے تو وہ مختصراً بتا دو۔“ عمرو بن عاص نے کہا —

”پوری بات پھر کبھی سن لوں گا۔“

”بات تو یہی ہے سپہ سالار!“ — جوزف نے کہا — ”ذرا سا اشارہ دیتا ہوں۔ بزنطیہ میں شاہ ہرقل کے مرنے کے بعد شاہی محل میں تخت و تاج کی وراثت پر رسہ کشی شروع ہو چکی ہے اور ہو سکتا ہے یہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لے۔ ملکہ مریتا کو تو

میں جادوگر مرنے کیوں گا۔ وہ جو چاہتی ہے کر بھی لیتی ہے اور دوسروں سے کروا بھی لیتی ہے۔ نئی خبر یہ ہے کہ قسطنطین نے شاہ ہرقل کے بنائے ہوئے اسقف اعظم قیروس کو جلاوطنی سے واپس بلا لیا ہے۔ وہاں اگر کسی کو مصر کا غم ہے تو وہ صرف قسطنطین ہے، ملکہ مریتا اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتی ہے۔ ان حالات میں مصر کی رومی فوج کو شاید بزنطیہ سے کمک نہ ملے۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص بزنطیہ کی بات سننا تو چاہتے تھے لیکن اس وقت ان کے ذہن پر یہ لڑکی سوار تھی اس کے علاوہ وہ اس کشمکش سے بے خبر نہ تھے جو بزنطیہ کے شاہی محل میں چل رہی تھی۔ انہیں اپنے خفیہ ذرائع سے وہاں کی خبریں مل رہی تھیں۔ انہوں نے جوزف سے پوچھا کہ اس کی رائے کیا ہے۔

”لڑکی اسی عبادت گاہ سے ملے گی۔“ جوزف نے کہا — ”مجھے یاد ہے کہ تین سال پہلے ایک لڑکی روضہ جزیرہ سے لاپتہ ہو گئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے باپ کی شکایت کسی نے نہیں سنی تھی۔ آپ سوچ لیں کہ ان کھنڈرات میں کچھ آدمیوں کو بھیجنے کا خطرہ مول لیں گے یا نہیں۔“

”تم شاید نہ سمجھ سکو جوزف!“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”مجھے اپنی جان کا خطرہ بھی مول لینا پڑا تو لوں گا۔ میں اس لڑکی کے باپ کے آگے نہیں اپنے اللہ کے آگے جواہدہ ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے امیر المومنین کے آگے جواہدہ ہوں۔ رہی بات لڑکی کے باپ کی تو لڑکی کی گمشدگی کی شکایت کے بعد میں لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھنا فرض سمجھتا ہوں۔ میں نے اتنی لمبی بات کبھی نہیں سنی۔ آج صرف اس لئے سنی ہے کہ شاید کوئی بات میرے فرض کی ادائیگی میں میری مدد کر سکے۔“

عمرو بن عاص نے اسی وقت اپنے سب سے زیادہ بڑا اور خطرہ مول لینے والے سالار زبیر بن العوام کو بلایا۔ انہیں لڑکی کی گمشدگی کی بات مختصراً سنا کر کہا کہ وہ جوزف کو ساتھ لیں اور کوئی ایسے ایک دو آدمی بھی ساتھ لے لیں جو ان کھنڈرات سے پوری طرح واقف ہوں اور جتنے مجاہدین ساتھ لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں اور وہاں چھاپہ ماریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ لڑکی وہاں سے نہ ملی تو اس عبادت گاہ کو تباہ کر دیں اور وہاں جو آدمی ہوں انہیں پکڑ کر لے آئیں۔

ایک اطالوی واقع نگار رونا لیتینی نے تاریخ کی خاک چھان کر اس قسم کے واقعات ذرا تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ تین بڑے موڑخوں نے صرف اشارہ ”ذکر کیا ہے۔“ بہرحال یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ سالار زبیر بن العوام آٹھ مجاہدین کو ساتھ لے کر سرایوم کے کھنڈرات میں چلے گئے۔ پولیس کا سب سے بڑا افسر (صاحب الاحداث) جوزف ساتھ نہیں گیا تھا۔ اس نے سالار زبیر کو دو گائیڈ دے دیئے تھے جو ان کھنڈرات سے واقف تھے اور بوقت ضرورت لڑنے کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔ جہاں تک واقفیت کا تعلق تھا ان کھنڈرات کو بے شمار لوگ دیکھ چکے تھے اور مجاہدین نے بھی ان کھنڈروں کی سرکر لی تھی لیکن ان کے خفیہ گوشوں سے کوئی کوئی واقف ہو گا۔ ان دونوں آدمیوں سے پوچھا گیا کہ وہ ان کھنڈروں کے اس حصے سے واقف ہیں یا نہیں جہاں عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اندر تو نہیں گئے نہ ہی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اس حصے میں بھی گیا ہے لیکن وہ اتنا بتا سکتے ہیں کہ وہ حصہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔

سالار زبیر بن العوام صرف نڈر اور بے خوف ہی نہیں تھے بلکہ عقل و دانش کے لحاظ سے کوئی کوئی ہی ان کی برابری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ انہوں نے جوزف کو الگ بٹھا کر بڑی باریکری سے پوچھ لیا تھا کہ پہلے جو آدمی مارے گئے تھے وہ کس طرح مارے گئے تھے اور کچھ دیگر معلومات بھی لے لی تھیں۔ ایک روز پہلے وہ دن کے وقت وہاں چلے گئے اور اس طرح اندر گھومتے پھرتے رہے تھے جیسے کوئی اجنبی سیر و سیاحت کے لئے آیا ہو۔ انہوں نے بالائی منزل میں جا کر بھی اندر کی دنیا دیکھ لی تھی۔

یہ کھنڈر صرف اتنے ہی نہیں تھے کہ ایک چار دیواری ہوتی اور اندر دو چار کمرے بنے ہوئے ہوتے۔ وہ تو کمروں اور راہداریوں کی ایک دنیا تھی جس کے اندر جا کر بھول حیلوں سے سامنا ہوتا تھا اور یہ ڈر کہ آدمی بھٹک جائے گا اور باہر نہیں نکل سکے گا۔ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا پھر بھی راہداریاں غلام گرد شیش اور کمروں اور برآمدوں کی افراطیابی تاثر پیدا کرتی تھی کہ یہاں جو آئے گا وہ باہر نہیں جاسکے گا۔ جس زمانے میں یہ عمارت صحیح سالم تھی اور یہاں باقاعدہ کھلے عام عبادت ہوتی تھی، اس دور میں یہ یقیناً ”ایک پر شکوہ اور قابل عظمت عمارت تھی۔ کھنڈرات ہی اس کے حسن و عظمت کو زبان خاموشی بیان کر رہے تھے۔ اب تو چھتیس کہیں گری ہوئیں اور کہیں جھکی ہوئی تھیں۔ دیواریں بھی ایسی کہ ان پر ہری کائی جم گئی تھی اور کچھ دیواریں آدھی اور کچھ زیادہ گری

پڑی تھیں اور بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ انہوں نے چھتوں کو سنبھال رکھا تھا۔ ایک بیت تھی جسے کمزور دل آدمی برواشت نہیں کر سکتا تھا۔

جالے ایسے کھنڈے تھے کہ ان پر ٹک ہوتا تھا کہ یہ جالے نہیں بلکہ کپڑے لٹک رہے ہیں جو میلے بھی ہیں اور جھٹڑے بھی بن گئے ہیں۔ ان جالوں میں مرے ہوئے بڑے چگاڑ بھنے ہوئے تھے اور ایک جالے میں ایک آلو پھنسا ہوا تھا اور جالے میں سے نکل نہ سکا اور وہیں پھڑپھڑاتا مر گیا۔ کہیں سے ایک دو سانپوں کا نکل آنا حیرت ناک نہ تھا۔

ایسی دیواریں بھی تھیں جن پر کائی نہیں جی تھی۔ ان کا پلستر ابھی تک محفوظ تھا اور اس پر اُس دور کے مصوروں نے دیویوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنا رکھی تھیں۔ یہ تصویریں تیز دھار یا نوکیلے اوزاروں سے کھدی ہوئی تھیں اور ان میں رنگ بھرے ہوئے تھے اس لئے یہ صدیوں بعد بھی محفوظ تھیں۔

ایک وسیع اور خاصا کشادہ ہال تھا جس کی آدھی سے زیادہ چھت گری ہوئی تھی اور سارا ملبہ فرش پر ڈھیروں کی صورت میں بکھرا ہوا تھا۔ ہال کی ایک دیوار کے ساتھ چبوترہ یا شیخ بنا ہوا تھا۔ اس شیخ پر اور محفوظ دیواروں پر جو نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں، ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ عبادت گاہ تھی۔

اس عبادت گاہ کا ایک دروازہ ایک اور کمرے میں کھلتا تھا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی وسعت میں تقریباً ”ایک گز چوڑا گول چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد کچھ ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں جو یقیناً ”انسانی جسم کی تھیں۔ یہی خیال آتا تھا کہ اس کمرے میں انسانی جان کی قربانی دی جاتی ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہو گا کہ جسے قربان کرنا ہوتا اسے اس گول چبوترے پر بٹھا کر اس کا سر چبوترے پر رکھ دیتے اور تلوار یا کلہاڑی سے اس کی گردن کاٹ دیتے تھے۔

دو تین جگہوں سے سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ سالار زبیر بن العوام اوپر بھی گئے تھے۔ اوپر تو سنبھل سنبھل کر چلنا پڑتا تھا کیونکہ جگہ جگہ سے چھتیں گری ہوئی یا جھکی ہوئی تھیں۔ محفوظ چھتوں پر چلنے سے بھی ڈر آتا تھا کہ یہ گر پڑیں گی۔ اوپر بھی راہداریاں تھیں اور چھوٹے بڑے کمرے بھی تھے۔ سالار زبیر یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ پہلے کبھی جو آدمی مارے گئے تھے ان پر تیر کہاں سے چھوڑے گئے تھے۔ تیر انداز کسی ڈھکی چھپی جگہ لٹا چھپے ہوئے ہوں گے۔ زبیر بن العوام کو کچھ ممکنہ جگہیں نظر آئیں۔ وہ اتنا جانتے تھے

کہ تیر اندازوں کو پکڑنے کے لئے ایک دو آدمی قربان کرنے پڑیں گے۔

زیرِ وہاں تک چلے گئے جہاں تک عام سیاح نہ جاسکے ہوں گے۔ اس طرح وہ ایک دن پہلے جہاں تک اس کھنڈر کو دیکھ سکتے تھے دیکھ آئے تھے لیکن انہوں نے وہ دہانہ یا دروازہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی جس کے آگے ابھی تک عبادت ہوتی تھی۔ یہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی شک پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

○

آدھی رات ہونے کو آئی تھی جب سالار زیرِ بن العوام دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ کھنڈرات کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ ابھی اس وسیع و عریض میدانِ علاقے میں تھے جس کے آگے کچھ چٹانیں آ جاتی تھیں اور ان چٹانوں کے درمیان یا ساتھ ہی سراپوم کے کھنڈرات تھے۔ چاند اس سے کچھ پہلے افق سے خاصا اوپر اُٹھیا تھا اور چاند تقریباً پورا تھا۔ اس کی چاندنی بڑی ہی شفاف تھی۔ نظر خاصی دور تک کام کرتی تھی۔ زیرِ اپنی جماعت کو آخری بار ضروری ہدایات دیتے جا رہے تھے۔ وہ پیدل گئے تھے۔

انہیں دور سے سرپٹ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے جو ابھی مدہم تھے۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا اور اس کا سوار نظر آنے لگے۔ اگر وہ سوار زیادہ ہوتے تو سالار زیرِ اور ان کی جماعت تلواریں نکال کر مقابلے کے لئے تیار ہو جاتی لیکن وہ گھوڑا اور اس کا سوار اکیلا تھا۔ قریب پہنچا تو اس نے گھوڑے کی نگام اتنی زور سے کھینچی کہ گھوڑے نے چاروں سُم زمین میں گاڑ دیئے اور چند قدم آگے آکر رُک۔ سوار کو دراز اور سالار زیرِ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سالار نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔

”میں ایلٰی کو ڈھونڈنے آیا ہوں“ — اس نے تیز تیز بولتے ہوئے جواب دیا — ”پوچھتے ہو میں کون ہوں؟.... میں ایلٰی کا سب کچھ ہوں اور ایلٰی میرے لئے سب کچھ ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر خالی اور کھوکھلے جسم بن جاتے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ ایلٰی اگر ان کھنڈروں میں ہے تو میں اسے یہاں سے نکالنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔“

ایلٰی اس لڑکی کا نام تھا جسے یہ سب ڈھونڈنے اور اپنے ساتھ لانے کے لئے جا رہے تھے اور یہ گھوڑا سوار ایک نوجوان قبلی عیسائی تھا۔ اس نے بڑے ہی جذباتی لہجے اور انداز

میں بتایا کہ ایلٰی اسے چاہتی تھی اور وہ ایلٰی کی محبت میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ اسے ایلٰی کے دادا نے اسی شام بتایا تھا کہ ایلٰی لاپتہ ہے اور یہ بھی بتایا کہ آج مجاہدین رات سراپوم کے کھنڈروں میں جا رہے ہیں۔ اس نوجوان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے سراغ لگائے کہ ان کھنڈروں میں جانے والے کون ہیں اور وہ کس وقت روانہ ہو رہے ہیں۔ وہ بھانٹا دوڑتا رہا اور کچھ ہی دیر پہلے کسی نے بتایا کہ ایک مسلمان سالار کے ساتھ دس آدمی شہر سے نکلے ہیں۔ اس نوجوان نے اپنے آپ کو یقین دلایا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اس کی محبوبہ ایلٰی کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔ اس نے باپ کے گھوڑے پر زین ڈالی اور نکل کھڑا ہوا۔ شہر کا صرف ایک دروازہ تھا جس سے رات کو انتہائی مجبوری کے تحت کسی کو باہر جانے دیا جاتا تھا۔ اس نوجوان نے باہر کی یہ وجہ بتائی کہ اسے اُس جماعت کے ساتھ شامل ہونا ہے جو ایک سالار کے ساتھ گئی ہے۔ سالار کے نام سے اس کے لئے دروازہ کھل گیا اور وہ گھوڑا سرپٹ دوڑتا سالار زیرِ کے پاس جا پہنچا۔

اس نے سالار زیرِ کو بتایا کہ ان کی محبت کا ایلٰی کے دادا کو اچھی طرح علم تھا۔ دادا ایلٰی کو کسی اور سے ملنے نہیں دیتا تھا اور ایلٰی اتنی معصوم فطرت تھی کہ وہ کسی اور کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی.... اس نوجوان نے جذبات سے مغلوب ہو کر رومانی سی باتیں شروع کر دیں کہ ان کی ملاقاتیں کیسے ہوتی تھیں اور ایلٰی کس طرح باتیں کرتی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایلٰی نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اپنے دادا سے الگ نہیں ہوگی بلکہ اس نوجوان کو اس کے گھر میں رہنا پڑے گا۔

سالار زیرِ بن العوام نے اسے کہا کہ جس مہم پر جا رہے ہیں وہ اس کے بس کی بات نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جذباتی ہو کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ مہم سرہوتے ہوتے ناکام ہو جائے اور پوری جماعت ہلاکت میں پڑ جائے لیکن یہ نوجوان ایسا خدھی نکلا کہ اس نے نیش شروع کر دیں اور کہا کہ وہ ان کے ساتھ نہ گیا تو یہ ایلٰی سے اس کی بے وفائی ہوگی۔ آخر اسے ساتھ لے لیا گیا اور سالار زیرِ نے اسے کچھ ہدایات دیں اور کہا کہ وہ ان کے ساتھ رہے اور بالکل الگ نہ ہو۔

جنازہوں کی اس جماعت میں چار مجاہدین کے پاس تلواروں کے علاوہ کمائیں تھیں اور ایک ایک ترکش تیروں سے بھری ہوئی بھی تھی۔ باقی سب کے پاس تلواریں تھیں اور لاکھ کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ ان کے پاس چار پانچ مشطیں بھی

241

ہوا اور دوسری طرف سے تھوڑا سا باہر آگیا تھا۔ گائیڈ تڑپ رہا تھا۔ سالار زیبر نے دیکھا کہ تیر کی سامنے والی نوک باہر نکل آئی ہے تو انہوں نے دوسری طرف تے تیر توڑ دیا اور نوک والی طرف سے پکڑ کر کھینچا اور تیر باہر نکل آیا لیکن گائیڈ کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ یقیناً ”شہ رگ کٹ گئی تھی۔“

ایک جانباز مجاہد نے سالار کے کسے بغیر ہی دوسری مشعل جلائی اور اُس طرف گیا جہاں کسی کے گرنے کی دھمک سنائی دی تھی۔ وہ کوئی آدمی تھا جو ان کے لئے اجنبی تھا۔ اس کی پیٹھ میں تیر اتر اہوا تھا اور اتنا اندر چلا گیا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تیر قریب سے چلایا گیا ہے۔ یہ آدمی بھی ابھی زندہ تھا اور تڑپ رہا تھا۔ اسے بھی مرنا تھا۔ سالار زیبر نے اپنی تلوار کی نوک اس کے دل کے مقام پر رکھ دی اور پوچھا کہ وہ کون ہے۔ وہ اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔

”نہیں بتاؤں گا“ — تیر کھائے ہوئے زخمی نے کہا — ”تلوار میرے سینے میں اتار دو۔ مجھے تواب مرنا ہی ہے“ اپنے دیوتاؤں کو ناراض کر کے نہیں مرنا چاہتا۔ سالار زیبر سمجھ گئے کہ اس شخص سے کچھ معلوم کرنا ممکن نہیں۔

بات بالکل صاف تھی۔ گائیڈ اُس جگہ تک پہنچ گئے تھے جہاں سے راستہ خفیہ عبادت گاہ تک جاتا تھا۔ یہ شخص کسی چھت پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس نے اوپر سے تیر چلایا اور ایک گائیڈ کو نشانہ بنالیا۔ اس نے اب دوسرے گائیڈ کو مارنا تھا لیکن زیبر بن العوام نے پہلے ہی اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ انتظام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے جانباز اوپر بھیج دیئے تھے۔

سالار زیبر نے پہلے سنا تھا کہ دو آدمی جنہیں ہرقل اور بعد میں قسطنطین نے بھیجا تھا اسی طرح تیروں سے مرے تھے۔ سالار زیبر نے سوچ لیا تھا کہ یہ تیر اوپر سے ہی آتے ہوں گے۔ ایک روز پہلے انہوں نے اوپر جا کر دیکھ لیا تھا کہ کس جگہ سے تیر انداز اپنے کسی کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ انہوں نے ایک ایک جانباز ان جگہوں سے ذرا دور بھیج دیئے تھے۔ اور انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ عبادت گاہ کے آدمی نے اوپر سے تیر چلایا اور ایک گائیڈ کو نشانہ بنالیا اور اوپر بیٹھے ہوئے جانباز نے اس آدمی کو تیر کا نشانہ بنالیا اور وہ آدمی تیر کھا کر نیچے جا پڑا۔

اوپر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دو تین آدمی آپس میں لڑ رہے ہوں۔

آوازیں کوئی عجیب نہیں تھیں البتہ یہ ڈر آتا تھا کہ یہ جنت یا چڑیوں جیسی کوئی مخلوق بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا تھا تو جانباز مجاہدین کی موت یقینی تھی۔ زیبر بن العوام نے کہا کہ اوپر اپنے آدمیوں کی مدد کو پہنچا جائے لیکن وہ جگہ ایسی تھی جہاں تیز نہیں دوڑا جاسکتا تھا اور بیڑھیاں بھی تیزی سے نہیں چڑھی جاسکتی تھیں پھر اوپر جا کر تیز چلنا اور اپنے ساتھی تک پہنچنا بالکل ہی ممکن نہیں تھا کیونکہ گرمی اور جھکی ہوئی چھتوں سے گرنا یقینی تھا۔ ان مجاہدین کو جو اوپر بھیجے گئے تھے اللہ کے حوالے کر دیا گیا۔

سالار زیبر نے دوسرے گائیڈ سے کہا کہ اب اوپر خطرہ کم ہو گیا ہے اور انہیں اُس جگہ لے چلے جہاں خفیہ عبادت گاہ میں داخل ہوا جاسکتا ہے۔

گائیڈ ایک بار پھر بلے کے ڈھیر پر جا چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔ اتنے میں گرمی ہوئی چھت میں سے دو آدمی نیچے آ پڑے۔ جا کر دیکھا تو ایک مجاہد تھا اور دوسرا کوئی اور تھا۔ چھت بہت اونچی تھی۔ دونوں زخمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ظاہر تھا کہ انہوں نے لڑتے ہوئے ایک دوسرے کو زخمی کیا تھا۔ اتنی بلندی سے گرے تو دونوں بے ہوش ہو گئے۔ صاف پتہ چلتا رہا تھا کہ دونوں اس بے ہوشی میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

گائیڈ نے ذرا دھیمی آواز میں سالار زیبر کو پکارا۔ سالار زیبر فوراً ”پہنچے اور بلے کے ڈھیر پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے۔ وہ تو دن کو بھی یہاں آئے تھے لیکن اس طرف نہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لمبہ دیوار تک گیا ہوا ہے اور وہاں بلے کے سوا کچھ بھی نہیں ہو گا لیکن وہاں دیوار اس طرح ٹوٹی ہوئی تھی یا توڑی گئی تھی جس طرح ڈاکو دیوار میں نقب لگایا کرتے ہیں۔ یہ شکاف اتنا اونچا اور چوڑا تھا کہ ایک آدمی ذرا جھک کر اس کے اندر جا سکتا تھا۔ زیبر اس شکاف میں داخل ہونے لگے تو ایک آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

”یہیں سے واپس چلے جاؤ“ — شکاف میں سے آواز گونجی — ”آگے بڑھو گے تو تمہاری بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی اور یہی انجام تمہارے خاندان کا ہو گا۔“

یہ بھاری اور گونجدار آواز کچھ دیر کھنڈرات میں بھٹکتی رہی اور اس کی گونج آہستہ آہستہ ختم ہوتی ختم ہو گئی۔ سالار زیبر نے پیچھے ہٹنے کی بجائے قدم آگے بڑھائے اور

جانبازوں سے کہا کہ ان کے پیچھے آئیں۔
 ”ہر قتل کا انجام یاد کرو“ — آواز پھر گونجی — ”روم کی سلطنت کی تباہی سے عبرت حاصل کرو۔“

زبیرؓ اپنے جانبازوں کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ یہ ایک سرنگ سی تھی جو شگاف سے زیادہ اونچی اور چوڑی تھی۔ دو تین قدم ہی آگے گئے ہوں گے تو آواز پھر بلند ہوئی۔
 ”ہم یہاں سے نہیں اگلے جہان سے بول رہے ہیں“ — پہلے جیسی آواز گرجی — ”ابھی وقت ہے دو قدم اور آگے بڑھائے تو زندہ واپس نہیں آسکے۔“
 سالار زبیرؓ نے اپنے جانبازوں سے کہا کہ وہ سرنگ میں ہی ٹھہریں، اور خود واپس آئے اور شگاف میں سے باہر نکلے۔

”اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو میرے سامنے آ جاؤ“ — زبیرؓ بن العوام نے بلند آواز سے کہا — ”تم زندہ رہو گے۔ ہماری بادشاہی نہیں بادشاہی اللہ کی ہے جسے کوئی انسان تباہ نہیں کر سکتا۔ ہم گناہگاروں کو اللہ کا راستہ دکھانے آئے ہیں۔ عبادت صرف اللہ کی کی جاتی ہے۔ اگر میرے سامنے خود ہی نہیں آ جاؤ گے تو زندہ نہیں رہ سکو گے۔“
 سالار زبیرؓ تھوڑی دیر جواب کا انتظار کرتے رہے لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ وہ پھر شگاف کے اندر چلے گئے۔ ایک مجاہد نے جلتی ہوئی مشعل اٹھا رکھی تھی۔

یہ سرنگ ختم ہوئی تو آگے رستہ بند تھا اور دو راستے نکلتے تھے، ایک دائیں اور ایک بائیں کو، بائیں طرف دیکھا تو یہ بھی سرنگ سی ہی تھی اور کچھ لمبی بھی تھی۔ اس کے اگلے سرے پر جہاں یہ ختم ہوتی تھی، ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ سالار زبیرؓ اس طرف مڑ گئے۔

”جانبازو گھبرا نہاں“ — سالار زبیرؓ نے اپنی جماعت سے کہا — ”اندرو کوئی فوج نہیں ہوگی۔ اللہ کو اپنے ساتھ سمجھو۔ ہم کسی کا ترزا نہ لوٹنے نہیں آئے۔ ہم یہاں اللہ کا یہ فرمان پہنچانے آئے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے۔“

اس سرنگ سے نکلے تو سامنے ایک کشادہ کمرہ تھا جس کے ایک کونے میں چھوٹا سا فانوس جل رہا تھا۔ کمرے میں چار پانچ اچھی قسم کے پٹنگ رکھے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک بوڑھا آدمی جو لمبے چننے میں ملبوس تھا اور سر پر مصری ٹوپی اور ٹوپی پر رومال بڑا ہوا تھا، کھڑا اس طرف دیکھ رہا تھا جس طرف سے زبیرؓ اور ان کے جانباز داخل ہوئے

تھے۔ اس — پیچھے چار پانچ آدمی ہاتھوں میں تلواریں لئے کھڑے تھے۔
 یہ شخص بہت ہی بوڑھا لیکن جوانوں کی طرح سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے جسم میں ذرا سا جھکاؤ نہیں تھا۔ سالار زبیرؓ بن العوام نے اپنے جانبازوں کو ابھی سامنے نہیں آنے دیا تھا۔ وہ اکیلے ہی سرنگ سے نکل کر رک گئے تھے۔

”یہاں مرنے کے لئے آئے ہو؟“ — بوڑھے نے کہا — ”ہم تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں لیکن اس عمر میں مجھے اس گناہ سے بچالو تو یہ تمہاری بہت بڑی نیکی ہوگی۔ میں کسی کا خون بہانا بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔“

”کسی کا خون بہانے کا گناہ میں بھی نہیں کرنا چاہتا“ — سالار زبیرؓ بن العوام نے کہا — ”میں سمجھ گیا ہوں کہ تم اس عبادت گاہ کے راہب ہو۔ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اور تمہاری یہ عبادت محض باطل ہے۔ یہ بند کرو اور ہمارے ساتھ چلے چلو۔ تمہیں پورے احترام کے ساتھ رکھا جائے گا۔“

”اے نادان انسان!“ — بوڑھے راہب نے کہا — ”تو ہر قتل سے بڑھ کر طاقتور نہیں، تو یہاں تک آگیا ہے، ہر قتل کے آدمی اس راستے کے منہ پر ہی پہنچتے تھے کہ تیرا ان کے جسموں میں اتر گئے پھر سلطنت روم جس انجام کو پہنچی وہ تو نے دیکھا ہے۔ پھر ہر قتل کو ہم نے اس دنیا سے ہی اٹھا دیا.... میں تیری جان بخشی کرتا ہوں اور تیری جرات کی تعریف کرتا ہوں کہ تو یہاں تک آگیا۔ جاؤ واپس چلا جاؤ نہ میرے یہ آدمی تیرے جسم کو کئی حصوں میں کاٹ کر انہی کھنڈروں میں گم کر دیں گے۔“

”لڑکی میرے حوالے کر دو“ — سالار زبیرؓ نے کہا — ”پھر اپنے آپ کو بھی میرے حوالے کر دو۔“

بوڑھے راہب کو شاید غلط فہمی تھی کہ سالار زبیرؓ اکیلا آیا ہے۔ اس نے کوئی اور بات نہ کی، اپنے پاس کھڑے چار آدمیوں کی طرف دیکھ کر سر سے ہلکا سا اشارہ کیا۔ چاروں آدمی تلواریں سونت کر زبیرؓ بن العوام کی طرف بڑی تیزی سے آئے۔ زبیرؓ ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

ان چار آدمیوں نے سالار زبیرؓ کو گھیر لیا اور اس وقت اچانک تمام جانباز مجاہدین سرنگ سے نکلے اور ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان جانبازوں کے ساتھ ایک گائیڈ اور دوسرا نوجوان بھی تھا جو گمشدہ لڑکی کو تلاش کرنے آیا تھا اور اس لڑکی کو دل و جان سے

چاہتا تھا۔

”ٹھہر جاؤ“ — بوڑھے راہب نے بلند آواز سے کہا۔

اس کی کسی نے نہ سنی۔ اس کے چاروں آدمی مجاہدین کی تلواروں سے کٹ کر گر چکے تھے اور سالار زبیر کی تلوار کی نوک اس راہب کے پہلو کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ زبیر اسے کہہ رہے تھے کہ لڑکی ان کے حوالے کر دو۔

راہب حیرت زدگی اور غم زدگی کی کیفیت میں بُت بنا کھڑا رہا۔ اس نے جیسے سالار زبیر کی بات سنی ہی نہ تھی۔

”میں یہاں ہوں“ — ایک لڑکی کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

سب نے اُٹھ کر دیکھا۔ پندرہ سولہ سال عمر کی بڑی خوبصورت لڑکی ایک دروازے سے نکل رہی تھی۔ اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ اُپلی کی تلاش میں آنے والے نوجوان نے اسے دیکھا تو دوڑ کر اس تک پہنچا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ بھیج لیا۔ لڑکی کے بازو بھی اس کے گرد لپٹ گئے۔ گمشدہ لڑکی مل گئی تھی۔

سالار زبیر دو تین جانبازوں کو ساتھ لے کر اس دروازے میں داخل ہوئے جس سے لڑکی باہر آئی تھی۔ دروازے کے کواڑ تھے ہی نہیں۔ دیمک نے کھائے ہوں گے۔ وہ بھی ایک کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ کے قریب گائے کا ایک بچھڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ ابھی چھوٹا تھا۔ وہ اس قدر دھلا دھلایا تھا کہ اس کے بال مشعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ براہی پیارا لگتا تھا۔

بات بالکل صاف تھی۔ اس بچھڑے کو اور اس لڑکی کو ایسے بچھڑے کے نام پر قربان کرنا تھا۔ جو زف کا شک صحیح نکلا.... اس کمرے کی تلاشی لینے گئے تو پلنگ کے نیچے سے ایک آدمی چھپا ہوا برآمد ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو لہو لہان ہو کر گرتے دیکھ لیا ہو گا اور پلنگ کے نیچے جا چھپا۔

اسے ساتھ لے کر اس کمرے سے نکلے اور اُس کمرے میں گئے جہاں اب خون بہہ رہا تھا اور لاشیں پڑی تھیں۔ ان لاشوں سے ذرا ہٹ کر بوڑھا راہب پیٹھ کے بل فرش پر پڑا تھا۔ ایک تلوار اس کے سینے سے ذرا نیچے جسم میں اُتری ہوئی تھی۔ بوڑھا تلوار کو اپنے جسم سے نکالنے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

”اے کس نے مارا ہے؟“ — زبیر بن العوام نے بوئے غصے میں اپنے جانبازوں

سے پوچھا۔ ”تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ اسے بھی مار ڈالو“۔

مجاہدین حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر ایک مجاہد نے بتایا کہ اس راہب نے اپنے ایک آدمی کی گری ہوئی تلوار اٹھالی تھی۔ لگتا تھا کہ وہ مجاہدین کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس نے تلوار کا دست دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور بڑی زور سے دباؤ ڈال کر تلوار اپنے جسم میں اتار لی۔ اس نے خودکشی کی تھی۔

سالار زبیر بن العوام نے دور سے ہی دیکھ لیا کہ بوڑھا ابھی زندہ ہے۔ وہ دوڑتے پہنچے اور اس کے پیٹ اور سینے کے درمیان اُتری ہوئی تلوار نکال لی لیکن اس کا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ تلوار پیٹھ تک چلی گئی تھی۔ جسم کے اس حصے میں تلوار اتر جائے تو یہ زخم موت کا باعث تو ضرور ہی بنتا ہے لیکن مرتے مرتے بعض اوقات ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ سالار زبیر نے راہب کو بٹھالیا اور پوچھا کہ اس نے خودکشی کیوں کی ہے!

”میں کسی کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہونا چاہتا“ — بوڑھے راہب نے کہا — ”میری عبادت گاہ نہیں رہی، میرا مذہب تم نے پرانہ کر دیا ہے تو میں اب جی کر کیا کروں گا۔ میں جانتا ہوں تم مسلمان ہو اور تمہارے مذہب سے بھی کچھ واقفیت حاصل کر لی ہے لیکن مجھے یہ نہ کہنا کہ میرا مذہب باطل تھا۔ میں نے نوے برس اس عبادت گاہ میں عبادت کی بھی ہے اور کروائی بھی ہے۔“

”صرف ایک بات بتا دو“ — سالار زبیر نے پوچھا — ”کیا میرا یا میری قوم کا یا میری قوم کی حکومت کا انجام واقعی بُرا ہو گا؟ کیا ہر قتل کو اس لئے شکست پر شکست ہوئی تھی کہ اس نے تمہارے مذہب اور تمہاری عبادت گاہ میں مداخلت کی تھی؟“

”ہاں!.... یہ بالکل ٹھیک ہے۔“ — راہب نے درد کی شدت پر قابو پاتے ہوئے کہا — ”تم ہر قتل کی طرح ڈرے نہیں اس لئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا انجام شاید بُرا نہ ہو۔ تم نے اپنے دل میں ایک یقین پختہ کر رکھا ہے اور اس یقین یا عقیدے کے ساتھ تمہاری روحانی وابستگی اور وفاداری ہے۔ جس شخص میں یہ خوبی ہوتی ہے وہ کبھی بُرے انجام کو نہیں پہنچتا۔“

زبیر بن العوام اس سے کچھ اور ضروری باتیں پوچھنا چاہتے تھے اور راہب مر رہا تھا اس لئے انہوں نے یہ پوچھا کہ اس لڑکی کو کیوں اغوا کیا گیا تھا۔ اس نے وہی بات بتائی جو

سپہ سالار عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ سرایوم کے کھنڈرات ویسے ہی رہنے دیئے جائیں جیسے ہیں۔ ان کی اہمیت تاریخی نوعیت کی ہے لیکن اس کا عبادت گاہ والا حصہ سہار کر دیا جائے۔



ادھر بابلیوں میں مجاہدین اسلام فتح و نصرت سے سرشار اپنے قدم جمائے تھے اور اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کے لئے جوش و خروش سے تیار ہو رہے تھے۔ صرف بابلیوں کا ہی نہیں بلکہ تمام مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اور انتظامیہ کا سلسلہ رواں کر چکے تھے۔ سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کے تدبیر نے قبلی میسائیوں کے ذہنوں سے بغاوت کا خیال نکال دیا تھا اور ایسے اقدامات کئے تھے کہ ان کے دل موہ لئے تھے۔ تمام مجاہدین اسلام نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک اور رویہ روا رکھا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بیگانگی اور غیریت کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ ادھر ہر تلیہ میں ہر قل کے شاہی محل پر لعلیں برس رہی تھیں۔ اہلیس رقص کر رہا تھا۔ ہر قل مریچکا تھا۔ ایک وہ تھا جسے سلطنت روم کا غم کھاتا رہتا تھا اور جس نے ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھے تھے یا اب اس کا بیٹا قسطنطین تھا جس کا خون ہر وقت کھولتا رہتا تھا اور اس پر غصے کی کیفیت طاری رہنے لگی تھی۔ پیچھے ایک باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ رومی فوج کے جرنیل اور حکومت کے حاکم دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ کچھ قسطنطین کے حامی اور کچھ اس کی سوتیلی ماں مریتینا کے حامی بن گئے تھے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ملکہ مریتینا اپنے بیٹے ہرقلیناس کو ہر قل کی جگہ تخت نشین کرنا چاہتی تھی لیکن تخت و تاج کا صحیح وارث قسطنطین تھا۔ وہ بڑا بھی تھا اور منجھا ہوا جرنیل بھی تھا اور حکومت کے مسائل اور امور کو بھی سمجھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ملکہ مریتینا کا بیٹا ہرقلیناس صرف شہزادہ تھا۔ نہ اس نے کبھی میدان جنگ دیکھا اور نہ کادبار سلطنت سے آشنا تھا۔ ملکہ مریتینا حسین تو تھی ہی لیکن عیاری اور مکاری کے لحاظ سے جاو گرنی تھی۔ پھر دل آدمی کو بھی موم کر کے اپنی مٹھی میں لے لیتی تھی۔

جرنیل اور حکومت کے حاکم دو حصوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن بنے جا رہے تھے۔ ان میں کچھ خوشامدی بھی تھی۔ وہ قسطنطین کو آئے دن کوئی نئی سے نئی خبر سناتے اور ملکہ مریتینا اور اس کے بیٹے ہرقلیناس کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ قسطنطین کو

جوزف سپہ سالار عمرو بن عاص کو بتا چکا تھا۔ اس نے یہ سمجھ کر ایک دو مہینے پہلے خرید اتھا اور پھر اپنے آدمی شہر میں اپنے مطلب کی لڑکی کو دیکھنے کے لئے بھیجے۔ اتفاق سے ان کی نظر اہلی پر پڑی تو اسے کچھ درغلا کر اور کچھ دھوکہ دے کر باہر لائے اور کوئی دوائی اس کی ناک کے آگے رکھ کر اسے بے ہوش کیا اور اٹھالائے۔

سالار زبیرؓ نے اس سے پوچھا کہ لڑکی کا وہ قربانی سے پہلے کیا بناتے ہیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں.... راہب نے کہا کہ کسی ایسی غلط بات کو دل میں جگہ نہ دینا کہ لڑکی کو کسی غلط یا بیہودہ مقصد کے لئے رکھا جاتا ہے۔ انہیں قربانی کے لئے کنواری اور معصوم لڑکی درکار ہوتی ہے جو اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتا ہے پھر یہاں لڑکی کو اس طرح پاک اور صاف ستھرا رکھا جاتا ہے جیسے یہ آسمان سے اتری ہو.... بعد میں اس لڑکی نے بھی بتایا تھا کہ اسے کچھ پلاتے تھے جس سے وہ بیدار تو رہتی تھی لیکن اسے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ قید میں ہے۔ رات کو اس کی آنکھ کھل جاتی تب اسے قید کا احساس ہوتا تھا لیکن اسے اتنا زیادہ ڈرا کر رکھا گیا تھا کہ وہ فرار کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی پھر اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہاں سے نکل بھاگنے کا راستہ کون سا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد راہب مر گیا۔ سالار زبیرؓ ان العوام ان سب کی لاشیں وہیں چھوڑ کر اور لڑکی اور پچھڑے کو ساتھ لے کر وہاں سے واپس آ گئے۔ پلنگ کے نیچے سے جو آدمی نکلا گیا تھا اسے بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بالائی منزل میں ایک جانباز مجاہد کا سامنا ایک تیر انداز سے ہو گیا تھا۔ یہ مجاہد زخمی تھا لیکن اس نے تیر انداز کو مار ڈالا تھا۔ ایک تو تیر سے گر ادیا گیا تھا۔

جانباز مجاہدین کی یہ جماعت رات کے پچھلے پہر واپس بابلیوں پہنچی۔ فجر کی نماز کے وقت سالار زبیرؓ نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو بتایا کہ وہ لڑکی کو ڈھونڈ کر لے آئے ہیں اور پھر انہیں سارا واقعہ سنایا۔ صبح ہوئے ہی لڑکی کے باپ کو بلا کر لڑکی اس کے حوالے کر دی گئی۔ اسے یہ بتایا گیا کہ اس کی پوتی کو ڈھونڈ لانے کے لئے دو آدمی قربان کئے گئے ہیں۔ یہ بوڑھا آدمی اس قدر متاثر ہوا کہ ہر کسی کو یہ واقعہ سناتا پھرتا تھا۔ شام تک سارے شہر میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا اور اگلے روز کئی ایک عیسائی اسلام قبول کرنے کے لئے آ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ ایسی قوم پہلی بار دیکھی ہے جس کے ہاں انسانی ہمدردی اور انصاف ہے۔

تھا۔ اس کے ساتھ ملکہ مریتنا کا کھڑا قد اور دلکش جسم اور پھر اس کے چہرے کا حسن قیرس پر غماز سا طاری کرنے لگا۔

ملکہ مریتنا اپنی عمر سے بہت کم لگتی تھی اور وہ مردوں کو اپنے ظلم میں گرفتار کرنے کی خصوصی مہارت رکھتی تھی۔ اس نے بڑی بے باکی اور بے حیائی سے قیرس کا استقبال کیا۔ قیرس اپنے وجود میں بڑھاپے میں جوانی کا جوش و خروش محسوس کرنے لگا۔ ملکہ مریتنا نے قیرس کو بٹھایا اور دو نوخیز لڑکیاں دوڑی آئیں جو اپنے لباس میں تھیں لیکن برہنہ لگتی تھیں۔ ملکہ مریتنا نے انہیں کہا کہ کھانا لگا دو۔ لڑکیاں دوڑتی باہر نکل گئیں۔ اور قیرس پر ایسا جادو طاری کر گئیں کہ اُس کی نظریں اس دروازے پر لگی رہیں جس دروازے سے وہ آئی تھیں اور پھر نکل گئی تھیں۔

ملکہ مریتنا نے جب اپنی عیاری چلائی تو تھوڑی سی دیر میں قیرس بھول ہی گیا کہ وہ مذہبی پیشوا ہے اور شاہ ہرقل نے اسے استقب اعظم بنایا تھا۔ اس کی تمام انسانی کمزوریاں ابھر آئیں اور اس کی اصل شخصیت پر چھا گئیں۔ کھانا آیا، ان حسین و جمیل نوجوان لڑکیوں نے کھانے کے دوران شراب پیش کی تو ملکہ مریتنا نے دیکھا کہ قیرس کی نظریں ان لڑکیوں کے جسموں پر چپک گئی ہیں۔

کھانے کے بعد ملکہ مریتنا اصل بات پر آئی۔ اس نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے بیٹے ہرقلیوس کو تختِ روم کا وارث بنانا چاہتی ہے۔ اس کی باتوں سے سلطنتِ روم کا غم ٹپک رہا تھا اور ان نکستوں اور سلطنت کے سکتے چلے جانے کی ذمہ داری ہرقل اور پھر قسطنطین پر عائد کر رہی تھی۔ اس کی ہر بات قیرس کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد قیرس یوں محسوس کرنے لگا جیسے وہ زمین پر نہیں بلکہ بہشت میں پہنچ گیا ہے جہاں خوریں اس کی خدمت پر مامور ہو گئی ہیں۔ قیرس ملکہ مریتنا کا غلام ہو گیا تھا۔

ملکہ مریتنا نے قیرس کے لئے جو کمرہ تیار کروایا تھا وہ ملکہ کے کمرے سے زیادہ دلاویز اور دلنشیں تھا۔ اس دلاویزی اور دلکشی میں اضافہ اس طرح ہوا کہ ملکہ مریتنا نے رات بھر کے لئے اس کے پاس ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو بھیج دیا۔ صبح جب قیرس کی آنکھ کھلی تو اس کے دماغ پر ملکہ مریتنا سوار تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ روم

کے تخت و تاج کا وارث ہرقلیوس ہی ہو گا لیکن اُس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ وہ قسطنطین کا وفادار بنارہے گا اور ملک لے کر مصر جائے گا۔

کچھ دیر بعد ملکہ مریتنا آگئی۔ ملکہ نے قیرس کے ساتھ کچھ باتیں کر کے بھانپ لیا کہ یہ شخص اس کی مٹھی میں آگیا ہے۔ تب اس نے قیرس کے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ملک لے کر مصر جائے اور جزل تھیوڈور سے مل کر فوج کو اس طرح لڑائے کہ مسلمانوں کو مصر سے نکال دیا جائے۔ پھر ملکہ مریتنا وہاں پہنچ جائے اور خود مختاری کا اعلان کر دے۔ قیرس نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسی صورت پیدا ہونے ہی نہیں دے گا بلکہ قسطنطین کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دے گا کہ وہ خود کے گا کہ ہرقلیوس کو تخت پر بٹھادیا جائے۔

کے سامنے ہے۔ ہم ملک نہیں بھیج سکے۔ اس کا فائدہ عرب کے اُن بدوؤں کو پہنچا جنہوں نے آدھا مصر لے لیا ہے۔ اصل تنازعہ تخت و تاج کی وراثت کا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تنازعہ کو ابھی الگ رکھ دیں اور سلطنت کا کھویا ہوا قاربحال کریں۔“

”آپ کی حیثیت ایک جرنیل کی ہے“ — ملکہ مریتنا کے ایک حامی جرنیل نے کہا۔ ”تخت کی وراثت کا کوئی تنازعہ نہیں۔ ملکہ مریتنا کو ہم روم کی ملکہ تسلیم کر چکے ہیں۔“

اس بات پر قسطنطین کے حامی جرنیل بیک وقت بولنے لگے اور ملکہ مریتنا کے حامیوں نے اٹھ کر ہنگامہ مچا کر دیا۔ قسطنطین اور قیروس نے بڑی مشکل سے اس زبانی کلامی ہنگامے پر قابو پایا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کسی بھی وقت خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔ قسطنطین کے چرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کا سر ڈولنے لگا جیسے اسے غشی آ رہی ہو۔ اس کے جسم میں قوتِ مدافعت بہت ہی کم ہو چکی تھی۔ قیروس اس کی حمایت میں بولنے لگا۔

”شاہ ہرقل نے مقوقس کو ذلیل اور رسوا کر کے جلا وطن کر دیا تھا“ — قیروس نے کہا۔ ”جلا وطن صرف اس لئے کیا تھا کہ اس کی باتوں اور حرکتوں سے بغاوت کی بُرائی آتی تھی لیکن میں صاف کہتا ہوں کہ تم سب باغی ہو۔ تم اپنے اُنچے رُتبوں کے جرنیل اور حاکم ہو اور تم نے خانہ جنگی تک نوبت پہنچا دی ہے۔ یہ شاہی فرمان کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے!..... قسطنطین نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ روم کا بادشاہ ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس تنازعہ کو ابھی الگ رکھ دیں مگر تم ایک دوسرے کے اس حد تک دشمن بن گئے ہو کہ عقل کی ایک بات کو بھی نہیں سمجھ رہے۔ تمہاری غیرت کہاں گئی کہ عرب کے مسلمان تم سے شام چھین چکے ہیں اور مصر چھین رہے ہیں اور تم آپس میں لڑ رہے ہو؟ لڑتے رہو، ایک دن مسلمان یہاں بھی آجائیں گے اور تم سب ان کے قیدی ہو گے۔“

سب پر خاموشی طاری ہو گئی اور قیروس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور کچھ دیر خاموش رہا۔

”میں نہ قسطنطین کی حمایت میں بول رہا ہوں اور نہ ملکہ مریتنا کے حق میں!“ — قیروس نے ذرا وقفے کے بعد کہا۔ ”ہمیں شاہی خاندان کی نہیں بلکہ روم کی عزت و

تاریخ حقیقت کو کھل کر بیان کرنی ہے کہ قیروس جو مذہبی پیشوا تھا اور جسے فتوے دینے کے اختیارات بھی حاصل تھے، ذہنی اور جسمانی طور پر ایک عیار اور مفاد پرست ملکہ کا کٹھ پتلی بن گیا۔ ملکہ مریتنا نے اسے یہ بھی کہا تھا کہ مصر میں وہ اسے اپنا وزیر اعظم بنائے گی۔ اسقفِ اعظم وہ تھا ہی..... ملکہ مریتنا نے قیروس کی فطری کمزوریوں کو ابھار کر اس کی دھکتی رگیں اپنی مٹھی میں لے لی تھیں۔ یہ تھے اثرات شراب کے، حسین و جمیل لڑکیوں کے اور ایک عورت کی زبان کے ظلم کے!

اُنی روز قسطنطین نے جرنیلوں اور انتظامیہ کے جاکوں کا اجلاس بلا رکھا تھا۔ اس میں قیروس کو بھی شامل ہونا تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ قسطنطین کا انداز ہرقل جیسا شاہانہ نہیں تھا۔ اجلاس میں شامل ہونے والے آگئے تو قسطنطین کچھ ڈرا ڈرا سا نظر آتا تھا حالانکہ اس کا انداز اور رویہ کچھ اور ہوا کرتا تھا۔ بہر حال اس کے انداز میں شہنشاہیت کا تاثر نہیں بلکہ تدبیر تھا اور اس نے ہمیشہ تدبیر ہی سے کام لیا تھا۔

اجلاس میں تمام جرنیل اور شہری حکام حاضر تھے۔ ان میں قسطنطین کے حامی اور اس کے خلاف ملکہ مریتنا کے حامی بھی موجود تھے۔ قسطنطین نے بات مصر کی شکست سے شروع کی۔ اس نے سب سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ باہر کے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن اپنے اندر کے دشمن سے اپنی قومی غیرت اور ملک کو بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اندر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

”میں دیوانہ کے ساتھ یہ بات زبان پر لاتا ہوں“ — قسطنطین نے کہا۔ ”ہم دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اس تقسیم کو روکا جاسکتا ہے لیکن انتہائی خطرناک صورت حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہم سب

راستے بند کر رکھے تھے۔ مکہ کو کسی اور راستے سے آنا تھا اور اس کے لئے خاصا وقت درکار تھا۔ ہر حال جنرل تھیوڈور نے پیغام بھیج دیا۔ بابلون کی شکست دراصل جنرل تھیوڈور کی شکست تھی جس پر وہ پردہ ڈالے رکھنا چاہتا تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا۔

اجلاس میں شریک تمام جرنیلوں اور حاکموں پر ستانا طاری ہو گیا لیکن فوراً ہی سب کی نظریں فلسطین کی طرف ہو گئیں کیونکہ وہ ایسا نڈھال ہو گیا تھا کہ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا اور شاید غشی میں چلا گیا تھا۔ قیصر اور دو جرنیلوں نے اسے جا کر دیکھا۔ وہ بے ہوش تو نہیں تھا لیکن اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

اسے اندر ہی اندر ایک غم روگ بن کر کھا رہا تھا۔ بابلون کی شکست کی خبر آخری ثابت ہوئی۔ یہ کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ فلسطین کو سارا دے کر اٹھایا گیا۔ کسی نے دربان سے کہا کہ طبیب کو فوراً ساتھ لے آئے۔ فلسطین کو اس کے سونے والے کمرے میں لے جا کر لٹا دیا گیا۔ ان غموں اور صدموں نے فلسطین کو ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا کہ وہ بات کرنے کے قابل نہ رہا۔ تخت و تاج کے تنازعہ کی باتیں اور مصر کو مکہ بھیجے کے ارادے دھرے رہ گئے۔

قرآن کا ہر ایک فرمان ہر قہر اور اس کے شاہی خاندان پر پورا اتر رہا تھا۔ ایک آیت میں اللہ جبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں یہ اندیشہ ہے ہی نہیں کہ کبھی ان پر بھی بڑے دن آئیں گے، ان لوگوں کے اعمال سے نظریں ہٹاؤ، اللہ خود ایک کدو بھیج کر ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

دین اسلام کے اس دشمن خاندان نے، خصوصاً ”ہرقل نے“ مصر میں فرعونیت رائج کر دی تھی۔ اس نے عیسائیت کے نام پر اپنا مذہب بنا کر نافذ کر دیا تھا اور اسے قتل و غارت کے ذریعے لوگوں سے منوایا تھا۔ مجاہدین اسلام کو یہ خاندان عرب کے گنوار بدو کہتا تھا۔ ہرقل نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ اس کے خاندان پر بڑے دن بھی آئیں گے۔ اللہ اس کے اعمال دیکھ رہا تھا اور اب اس کی ذات باری نے ایمان والوں کا ایک گروہ بھیج دیا تو اس خاندان کو اعمال بد کا بدلہ دے رہا تھا۔

ملکہ مریتینا کو پتہ چلا کہ فلسطین کو اس بڑی حالت میں اجلاس سے لائے ہیں تو وہ فوراً ہی اور فلسطین کے کمرے میں جا کر بیٹنگ پر بیٹھی اور دو تین بار اس کا منہ چوم کر

آبرو عزیز ہونی چاہئے۔ روم کا تخت و تاج ہم سب کا ہے اور یہ ہمارے قومی وقار کی بڑی مقدس علامت ہے۔ سب سے پہلے مکہ کی بات کریں جو مصر بہت جلدی چلی جائے چاہئے۔ دلوں سے ذاتی کدورتیں نکال دو۔

ملکہ مریتینا کا سب سے بڑا حامی تو قیصر خود تھا لیکن آدمی جہاندیدہ اور دور اندیش تھا، بات چیت بچ کر کر رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی نیت پر شک نہیں کر رہا تھا.... وہ ابھی بول رہا تھا کہ دربان اندر آیا اور سیدھا فلسطین کے پاس گیا۔ اس کے کان میں کچھ کہا تو فلسطین نے سر ہلا کر کوئی اشارہ کیا۔ دربان باہر نکل گیا اور ایک اور آدمی اندر آیا۔ وہ سیدھا فلسطین کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ دیا۔ یہ کوئی اہم آدمی ہی ہو سکتا ہے ورنہ اس طرح کے اجلاس میں کسی کو اندر آنے کی اجازت اور جرأت نہیں ہوتی تھی۔ یہ جو آدمی اندر آیا تھا، قاصد تھا جو مصر سے جنرل تھیوڈور کا پیغام لایا تھا۔ فلسطین پیغام پڑھنے لگا تو اس کا رنگ جو پہلے ہی پیلا پڑ گیا تھا، لاش کی مانند ہو گیا اور پیٹھ پیچھے لگاڑ جیسے نڈھال ہو گیا ہو۔ اجلاس کے حاضرین سمجھ گئے کہ یہ پیغام ہے اور کوئی اچھی خبر نہیں آئی۔

”تم لوگ آپس میں لڑتے رہو“ — فلسطین نے ایسی آواز میں کہا جو بے جان دھڑکتی تھی اور اس میں ہلکا سا لرزہ بھی تھا۔ ”عرب کے بدوؤں نے بابلون اور اس کے گرد نواح کا علاقہ اور جزیرہ روضہ فتح کر لیا ہے۔ جنرل تھیوڈور اور جنرل جارج مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنی ساری فوج نکال لائے ہیں.... کیا تم اب بھی مکہ نہیں بھیجے گے؟“

موجر لکھتے ہیں کہ پہلی بار کچھ دیر کے لئے تمام جرنیل اور دیگر حکام متفق ہوئے اور مصر کو مکہ بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ فلسطین کا یہ مشورہ بھی قبول کر لیا گیا کہ قیصر اس مکہ کے ساتھ جائے گا۔

بابلون کی فتح کا پیغام فلسطین تک کچھ دیر سے پہنچا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک تو فاصلہ بہت ہی زیادہ تھا اور آگے بحیرہ روم تھا، اس کے آگے بزنطیہ تک پھر خشکی تھی لیکن جرنیل تھیوڈور نے پیغام بھیجا ہی تاخیر سے تھا۔ اسے توقع تھی کہ مصر سے ہی مکہ مل جائے گی اور بابلون پر فوج کشی کر کے وہ شہر مسلمانوں سے واپس لے لے گا اور اس کے بعد بزنطیہ پیغام بھیجے گا لیکن اسے مکہ نہ مل سکی کیونکہ مجاہدین اسلام نے مکہ کے تمام

ایسی وارفتگی اور جذباتیت کا اظہار کیا جیسے وہ اس کی سگی ماں ہو۔

”اے خدا!“ — مریتنا نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف کئے اور منہ اوپر کر کے روتی ہوئی آواز میں کہا — ”میرے بیٹے کو صحت عطا کر دے۔ میری جان لے لے میرے بیٹے کو اچھا بھلا کر دے۔ میں اسے گھوڑے کی پیٹھ پر دیکھوں اور اس کے چہرے پر جوانی کی چمک دیکھوں۔“

طیب آگیا اور اس نے مریتنا کو وہاں سے اٹھادیا۔ قسطنطین کی نبض دیکھی پھر اس نے جو معائنہ کرنا تھا کیا اور دوائی تجویز کرنے لگا۔ یہ وہی طیب تھا جو مریتنا کے ایمار ہرقل کو علاج کے پردے میں زہریلی دوائیاں دیتا رہا تھا۔

”کان کھول کر سن لو طیب!“ — مریتنا نے جذباتی اور کچھ غصیلی آواز میں طیب سے کہا — ”میرے بیٹے کو فوراً صحت یاب کرو ورنہ میں تمہیں جلاؤ کے حوالے کر دوں گی۔ زندہ رہنے کے لئے چھوڑ نہیں دوں گی۔ اس وقت مجھے اس بیٹے کی زندگی چاہئے۔“

کمرے میں چھپ چھپ کر ایک افراد موجود تھے وہ مریتنا کی یہ وارفتگی دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جارہے تھے۔ وہ تو قسطنطین کی دشمن تھی اور چاہتی ہی یہی تھی کہ قسطنطین کو موت اٹھالے اور اس کا بیٹا ہرقل قیاس تخت پر جلے ہر فرد زہر ہو۔

طیب نے اپنا تھیلا کھولا اور ایک دو دوائیاں نکال کر جس طرح قسطنطین کو دینی تھیں، اس طرح دیں اور کچھ دوائیاں وہیں چھوڑیں کہ وقفے وقفے سے مریض کو دینی ہیں۔ وہ جانے کے لئے اٹھا، قسطنطین کو تسلی دی کہ وہ جلدی سنبھل جائے گا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکل جانے کے فوراً بعد مریتنا یہ کہتی ہوئی باہر نکلی گئی کہ میں اس طیب کو ایک بار پھر خبردار کر دوں کہ توجہ سے علاج کرے ورنہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

طیب آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے اسے توقع تھی کہ مریتنا اس کے پیچھے آئے گی۔ مریتنا اسے نظر آگئی۔ طیب نے اسے دیکھا تو مریتنا نے آنکھوں سے کچھ اشارہ کیا اور طیب اُس طرف مڑ گیا جس طرف مریتنا کا شاہانہ کمرہ تھا۔ پہلے طیب اس کمرے میں داخل ہوا پھر مریتنا کمرے میں گئی اور دروازہ بند کر کے

بند کر دیا۔

”کیا دے کر آئے ہو؟“ — مریتنا نے طیب سے پوچھا۔ ”کیا یہ جلدی صحت یاب ہو جائے گا یا....“

”نہیں!“ — طیب نے ہونٹوں پر تبسم لا کر کہا اور دائیں بائیں سر ہلا کر کہا — ”روگ نامراد ہے۔ جگر بڑی طرح متاثر معلوم ہوتا ہے۔ بڑی ہی محنت سے ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن امید کچھ زیادہ نہیں۔“ — مریتنا کو اپنے بازوؤں میں لے کر اور اپنا ایک گال مریتنا کے منہ سے لگا کر پوچھا — ”تم بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟“

”کیا تم خود نہیں جانتے؟“ — مریتنا نے کہا — ”میں وہی چاہتی ہوں جو ہر قل کی بیماری میں چاہا تھا۔ اس کا بھی وہی علاج کرو.... اسے جلدی اس کے باپ کے پاس پہنچا دو۔ اگلے جہان میں باپ اسے تخت پر بٹھائے گا۔“

”آج تو میں نے ٹھیک دوائی دی ہے۔“ — طیب نے کہا — ”کل سے اس کا وہی علاج شروع کر دوں گا جو اس کے باپ کا کیا تھا۔“

”لیکن جلدی!“ — مریتنا نے کہا۔

”اتنی جلدی بھی نہیں کہ ہم پکڑے جائیں۔“ — طیب نے کہا — ”کچھ دن گزرنے دو۔ اگر جلدی کی تو شک پیدا ہو سکتا ہے۔ تمہاری خواہش پوری کر دوں گا لیکن زرا سنبھل کر یہ کام کرنے دو۔“

ملکہ مریتنا نے اسے سونے کے دو ٹکڑے دیئے۔

”یہ تو کافی نہیں!“ — طیب نے ہاتھ میں لئے ہوئے سونے کے دونوں ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا — ”تم جانتی ہو میرا اور کیا انعام ہے۔“

”وہ بھی مل جائے گا۔“ — مریتنا نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا — ”راستہ کو پہلے سے زیادہ خوبصورت انعام بھیج دوں گی۔“



مستند مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ طیب سات آٹھ دن قسطنطین کا علاج کرتا رہا۔ خود اگر اسے دوائیاں اور ہدایات دیتا رہا اور ساتھ یہ تسلیاں بھی کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ علاج کا تو نام ہی تھا، یہ طیب قسطنطین کے جسم سے آہستہ آہستہ جان نکال رہا تھا.... ایک روز طیب نے دوائیاں دیں تو مریتنا بھی وہاں موجود تھی اور ہر روز کی طرح

طیب کو قتل کروا دینے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ طیب یوں دہکا ہوا مرعوبیت کی حالت میں سر جھکائے ہوئے تھا جیسے وہ خوفزدگی کی حالت میں ہو۔

”میں شاید صحت یاب نہ ہو سکوں“ — فلسطین نے نحیف آواز میں کہا۔
”میرا روگ جسمانی نہیں، میرے دل نے جو زخم کھائے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں۔“
مریتنا اس کے اوپر جیسے گری پڑی ہو۔ غم سے ہڈی ہل رہی ہو اور بے حد جذباتی ہو کر فلسطین کا منہ چومنے لگی۔

”یوں نہ کہو بیٹا“ — مریتنا نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا۔ ”میرا جگر اس طرح نہ کاٹو۔ میں تمہارے لئے اپنی جان دے دوں گی۔“

طیب فلسطین کو یقین دلایا تھا کہ وہ بالکل صحیح طور پر صحت یاب ہو جائے گا اور اپنے دل پر مایوسی کا پوچھ نہ ڈالے۔

فلسطین کے لئے اگر کوئی دلی اور روحانی طور پر غمگین تھا تو وہ اس کا جواں سال بیٹا کونستان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ غم میں کھل رہا ہے اور یہ غم اسے لے ہی بیٹھے گا۔ ہر قل نے جس طرح فلسطین کو تعلیم و تربیت دی تھی اسی طرح فلسطین نے کونس تانس کو تعلیم بھی دلائی اور فن حرب و ضرب کا ماہر بھی بنایا اور سلطنت کے نشیب و فراز سمجھنے کے بھی قابل بنادیا تھا۔ یہ بھی ایک غم تھا جو فلسطین کو کھارہا تھا۔ تخت و تاج کا صحیح وارث کونستان ہی ہو سکتا تھا لیکن مریتنا ایک چٹان بن کر راستے میں آگئی تھی۔ اس کا شہزادہ اور آوارہ بیٹا ہر قلیو تانس تخت تو دور کی بات ہے شاہی محل میں رہنے کے قابل بھی نہیں تھا۔

باپ کی بیماری کی وجہ سے کونستان میرا سے نہیں مل سکا تھا۔ میرا شاہی حرم کی لڑکی تھی لیکن اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ فلسطین کسی تشویشناک مرض میں مبتلا ہے۔ اسے معلوم ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ بادشاہ کی بیماری کی خبر یا ہر نکلنے ہی نہیں دی جاتی تھی۔ یہ بادشاہوں کا رواج تھا۔

ایک روز شاہی حرم کی ایک اہم عہد ملازمہ کونستان کے پاس آئی اور سرگوشی میں میرا کا یہ پیغام دیا کہ آج رات اُسی وقت اور اُسی جگہ آجائے، ایک دوسرے کو دیکھے بہت دن گزر گئے ہیں۔ کونستان نے اس ملازمہ کو کچھ انعام دے کر کہا کہ میرا کو بتا دے کہ میں آ جاؤں گا۔

رات کونستان شاہی باغ کے اُس گوشے میں چلا گیا جہاں وہ اور میرا بہت دیر ایک دوسرے میں گم رہتے تھے۔ ان کی محبت روحوں میں اتری ہوئی تھی۔ کونستان کو دیکھ کر میرا اس طرح اس کے ساتھ چپک گئی جیسے ماں کو اس کا گم شدہ بچہ مل گیا ہو۔

میرا نے محسوس کیا کہ کونستان کچھ پریشان اور مایوس سا لگتا ہے۔ اس سے الگ ہو کر پوچھا کہ وہ اس کے پاس آکر اس اور مایوس کیوں ہو گیا ہے؟.... کونستان نے بتایا کہ اس کا باپ بیمار پڑا ہے اور روز بروز اس کی حالت بہتر ہونے کی بجائے گھڑتی جا رہی ہے۔ میرا نے بے تابی سے ایک ہی بار کئی سوال پوچھ لئے، بیماری کیا ہے؟ کب سے ہے؟ وغیرہ اور آخر میں پوچھا کہ علاج کس کا ہو رہا ہے۔

”اُمی طیب کا!“ — کونستان نے جواب دیا۔ ”اسے تم جانتی ہو جس نے میرے دادا ہر قل کا علاج کیا تھا۔“

”نہیں.... نہیں“ — میرا نے تڑپ کر اور کونستان کے کندھے جھنجھوڑ کر کہا۔
”اس طیب کو فوراً ہٹا دو اور دوسرے کسی طیب کا علاج کرواؤ.... تم نے پہلے میری بات پر یقین نہیں کیا تھا اور ٹال مٹال گئے تھے۔ یہ طیب جب شاہ ہر قل کا علاج کر رہا تھا تو میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ شاہ ہر قل کو غلط دوائیاں دے رہا ہے اور شاید یہ دوائیاں زہریلی بھی ہیں۔ میں آج بھی یقین سے کہتی ہوں کہ شاہ ہر قل کو اس طیب نے زہریلی دوائیاں دے دے کر مار ڈالا تھا“ اب وہ تمہارے باپ کو بھی ایسی ہی دوائیوں سے مار ڈالے گا۔ یہ ملکہ مریتنا کی سازش ہے۔ تمہارے باپ کو مروا کر وہ اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھائے گی۔ تمہارا باپ ہی تو اس کے راستے کی آخری رکاوٹ ہے۔“

کونستان اب بھی میرا کی اس بات پر دھیان نہیں دے رہا تھا لیکن میرا کے دل میں کونستان کی جو محبت تھی اس نے اس کی زبان سے ایسی باتیں سکوائیں اور ایسی بے تابی کا اظہار کروایا کہ کونستان مان گیا۔

اُمی صبح کونستان نے اپنے باپ فلسطین سے کہا کہ وہ اس طیب کو بدلنا چاہتا ہے۔ اس نے باپ کو کوئی اور بات نہ بتائی۔ میرا کا شک بلکہ یقین اپنے باپ کے کانوں تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ اس نے غالباً سوچا ہو گا کہ یہ میرا کا صرف وہم یا شک ہی ہو سکتا ہے۔ اگر فلسطین نہ مانا تو پھر اسے بتایا جائے گا کہ کونستان کس شک کی بنا پر طیب کو بدل رہا ہے۔ فلسطین اپنی صحت سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے بیٹے کو اجازت دے دی کہ وہ

طیب کو بدل دے، شاید دوسرا طیب بہتر ثابت ہو۔

کونستانس اُسی وقت خود گیا اور دوسرے شاہی طیب کو لے آیا اور پہلے طیب کو پیغام بھیجا کہ وہ اب علاج کے لئے نہ آیا کرے.... نئے طیب نے دو یا تین روز دوائیاں دیں لیکن قسطنطین سنبھل نہ سکا، زرا سا بھی افادہ نہ ہوا بلکہ مرض بڑھتا ہی گیا۔

ایک روز کونستانس نے نئے طیب سے پوچھا کہ صحت یابی کی کچھ توقع ہے بھی یا نہیں؟.... طیب نے کہا کہ وہ اپنی تشخیص کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اب بتا دینا بہتر سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حالت کسی زہرے یا غلطی سے کوئی زہریلی چیز کھانے سے ہی ہوتی ہے۔ طیب کی اس تشخیص سے کونستانس کو میرا کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگیں۔ طیب نے کہا کہ وہ پوری کوشش کر رہا ہے کہ اس زہر کا اثر زائل ہو جائے۔

نیا طیب اپنا پورا تجربہ استعمال کرتا اور دوائیاں دیتا رہا اور کبھی پورا پورا دواؤں قسطنطین کے کمرے میں موجود رہا مگر ایک روز قسطنطین کی حالت ایسی بگڑی کہ نزع کا عالم طاری ہو گیا اور وہ مر گیا۔

کسی بھی مؤرخ نے اس کی موت کی صحیح تاریخ نہیں لکھی، صرف یہ لکھا ہے کہ قسطنطین اپنے باپ ہرقل کی موت کے پورے ایک سو دن بعد مرا تھا۔

ان حالات میں جب روم کی فوج پھر محاذ سے پسپا ہوتی چلی آ رہی تھی اور علاقوں پر علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آتے جا رہے تھے، قسطنطین کی موت اہل روم کے لئے دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ وہ ابھی ہرقل کی موت کے صدمے سے سنبھل نہ پائے تھے۔

قسطنطین اپنے شاہی خاندان کا کوئی عام سافرنہ تھا، محل کے اندر کی سازش سیاست جو کچھ بھی تھی، لوگ بہر حال قسطنطین کو ہرقل کا صحیح جانشین اور اسی کے پائے جرنیل سمجھتے تھے۔ اس کی موت کی خبر بڑی تیزی سے بزنیہ میں پھیل گئی۔ تمام جرنیل اور شہری انتظامیہ کے بڑے بڑے حاکم اور کچھ بزرگ دانشور اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے۔

ان میں ہرقل کا بیٹا ہوا اسقف اعظم قیصر بھی تھا۔

قسطنطین کے خون کے رشتے تو غمگین تھے ہی اور سب سے زیادہ غم اس کے بیٹے کونستانس کو تھا لیکن ملکہ مریتنا غم اور اندوہ کی ایسی تصویر بنی پھرتی تھی جیسے اس کا اپنا سا بیٹا مر گیا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے لئے بولنا بھی دشوار ہو گیا ہو۔ وہ غموں سے بو جھل انداز میں حکم دیتی پھر رہی تھی جیسے سلطنت روم کی ملکہ بن گئی ہو۔

قسطنطین کا بیٹا کونستانس چپ چاپ الگ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر غم کا تاثر تو نمایاں تھا ہی لیکن اس تاثر میں کچھ جھلک اور بھی تھی جو قہر و غضب کی تھی اور پتہ چلتا تھا کہ یہ جواں سال شہزادہ غصے اور اپنے قہر پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہر جرنیل اور بڑا حاکم یا کوئی بڑی شخصیت والا عالم اور دانشور وہاں موجود تھا۔ رواج کے مطابق وہ سب ایک قطار میں قسطنطین کی لاش کے قریب سے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے اور ان میں سے ہر کوئی کوئی نہ کوئی جملہ کہتا تھا۔

”آج روم کا اسکندر اعظم دنیا سے اٹھ گیا ہے۔“

”سلطنت روم ایک جابر جرنیل سے محروم ہو گئی ہے۔“

”روم کے دشمنوں کے لئے قسطنطین ایک دہشت کا نام تھا۔“

”قسطنطین نہیں مر سکتا۔ اس کی روح سلطنت روم کے دشمنوں کو برباد کر دے گی۔“

”قسطنطین کونستانس کے روپ میں زندہ رہے گا۔“

”ایک عظیم جرنیل اُس وقت اٹھ گیا ہے جب روم کو اس کی شدید ضرورت تھی۔“

ملکہ مریتنا غم زندگی کے عالم میں ادھر ادھر گھوم پھر رہی تھی۔ اس کے کندھے کچھ اس انداز سے آگے کو جھک آئے تھے جیسے وہ بڑی مشکل سے اس صدمے کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ اس نے دیکھا کہ جرنیل اور دیگر بڑے لوگ کچھ نہ کچھ کہہ رہے ہیں تو وہ قسطنطین کی لاش پر جا کھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھ ذرا اوپر کو پھیلا دیئے اور آسمان کی طرف دیکھا۔

”لو خدا!“ — مریتنا نے کہا — ”میرے اکلوتے بیٹے ہر قلیوناس کی جان لے لیتا، قسطنطین کو زندہ رہنے دیتا۔ میں اپنے بیٹے کا غم پی جاتی، قسطنطین کا غم مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔“

”تم جھوٹی اور عیار عورت ہو۔“ — کونستانس کانپتی ہوئی بلند آواز میں بولا —

”مریتنا، میرے باپ کو تم نے زہر دے کر مروایا ہے۔ میرے دادا شاہ ہرقل کو بھی تم نے زہر دلو کر مروایا تھا۔ تمہاری آنکھوں میں مگر مجھ کے آنسو ہیں۔“

مریتنا کے اوپر کو اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے گر پڑے اور اس پر خاموشی طاری ہو گئی۔

وہاں جتنے لوگ موجود تھے ان پر تیناٹھاری ہو گیا۔ کونستانس نے جو الزام لگایا تھا وہ کوئی معمولی سا الزام نہ تھا۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ اس ستانے میں سے کیسا طوفان اٹھے گا۔ قیصر اٹھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر کونستانس کو اپنے بازوؤں میں لیا اور اسے نگے لگایا۔ ”میرے عزیز بیٹے!“ قیصر نے کونستانس سے کہا۔ ”تم ناقابلِ برداشت صدمے کی حالت میں ہو۔ برداشت سے کام لوائی بے معنی باتیں منہ سے نہ نکالو۔“

”میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں، ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔“ کونستانس نے ایک جھنجکے سے قیصر کے بازوؤں سے نکل کر کہا۔ ”اس منکار عورت نے میرے دارا اور میرے باپ کو زہر نہیں دیا، اس نے سلطنتِ روم کی رگوں میں زہر ڈالا ہے۔“

○

مریتنا کا بیٹا ہر قلیوئاس وہاں موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ کونستانس اس کی ماں پر اتنا سنگین الزام لگا رہا ہے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تلواریں نکال لی۔

”میری ماں پر یہ الزام!“ ہر قلیوئاس نے لٹکار کر کہا۔ ”ادھر میرا سامنا کر“

میں تجھے اس الزام کا جواب دیتا ہوں۔“

کونستانس تو پہلے ہی قہر و غضب کے غلبے میں آیا ہوا تھا۔ اس نے بھی تلواریں نکال لی اور ہر قلیوئاس کو مقابلے کے لئے لٹکارا۔ قیصر اور ایک اور معمر رومی دوڑ کر ان دونوں کے درمیان آگئے۔ وہ نہ آتے تو دونوں شہزادے ایک دوسرے کو لوہاں کر دیتے۔

”ٹھہرو!“ مریتنا نے بڑی بارعب آواز میں کہا۔ ”میرا حکم مانو“ میں ملکہ روم ہوں۔ تلواریں نیاموں میں ڈال لو۔“

”تم ملکہ نہیں ہو۔“ کونستانس نے کہا۔ ”کوئی ایسا شاہی فرمان جاری نہیں ہوا۔ تخت کی وراثت کا ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ حکم میرا بھی چل سکتا ہے۔“

وہاں جتنے بھی لوگ موجود تھے وہ سب اونچے درجے کی شخصیات تھیں۔ سب ذمہ دار لوگ تھے اور صورتِ حال کی نزاکت اور خطرات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ سبھی اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں شہزادوں کو الگ الگ کیا۔ وہاں تو ایک بنگامہ بپا ہو گیا تھا۔ کونستانس کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ اس لڑکے نے مجھے لٹکارا ہے مجھے اسے دو ہاتھ دکھالینے دو۔ پھر وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اس بد طبیعت عورت سے کہو کہ اپنے آپ کو روم کی ملکہ نہ کہے۔.... انہیں الگ الگ اور کچھ دور دور بٹھادیا گیا۔

ارش بے حس و حرکت اور دنیا کے ان مسائل سے بے نیاز قریب ہی پڑی تھی۔ وہ معمر رومی جو سب سے پہلے قیصر کے ساتھ ان دونوں شہزادوں کے درمیان آیا تھا سب کے درمیان کھڑا ہو گیا اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر سب کو چپ کرانے لگا۔ بڑھاپے کی کرداری سے اس کے ہاتھ کلپ رہے تھے۔ اس کے گورے سفید چہرے کی گہری لکیریں چارہی تھیں کہ اسے اس دنیا میں آئے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے۔ شاہی خاندان کے ساتھ اس کا کوئی بڑا ہی پرانا تعلق تھا اور اس کی آواز میں بڑھاپے کے ساتھ ساتھ دلی درد کا بھی تاثر تھا۔ وہ کوئی عام سادانشر نہیں لگتا تھا اور اس سے سب شاید پہلے ہی متاثر تھے کہ اس کے کہنے پر سب خاموش ہو گئے۔

”تم سب بے غیرت ہو گئے ہو۔“ اس سفید ریش بزرگ نے کہا۔ ”آج میں ایسی بات کہوں گا جو رعایا میں سے کوئی بھی شخص شاہی محل میں کھڑا ہو کر نہیں کہہ سکتا۔ اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کا خون بہا دو، میری بات سن لو پھر تم سب اپنی تلواریں میرے جسم میں اتار دینا۔... سب جانتے ہو کہ میری عمر ایک سو سال سے زیادہ ہو گئی ہے۔ تم سب نے دیکھا ہے کہ سلطنتِ روم بحیرہ روم سے آگے جا کر مصر، شام اور عراق کے کچھ علاقے تک پھیل گئی تھی اور اب عرب کو بھی تہ تیغ کرنا تھا۔ شاہ ہرقل کہا کرتا تھا کہ فارسیوں کو ٹپید کر کے آگے ہندوستان تک پہنچے گا۔ اپنی سلطنت کی یہ وسعت تم سب نے دیکھی ہے۔ ہرقل نے سلطنت کو وسعت دینے کے لئے ہی قیصر روم فوکاس کا تختہ الٹا تھا۔ وہ وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ فوکاس عیاش بادشاہ تھا۔ وہ بذاتِ خود اپنی سلطنت کے لئے بہت برا خطرہ تھا۔ ہرقل تو ایک جرنیل تھا، اس نے شاہ فوکاس کو پہلے گرفتار کیا پھر قتل کیا اور پھر فتوحات کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی کامیابیاں تم سب نے دیکھی ہیں۔....“

”ہرقل نے آتش پرست فارسیوں کو مصر سے نکالا پھر شام سے بے دخل کیا اور اب عراق سے انہیں نکالتا تھا۔ یہ کام عرب کے مسلمانوں نے کر دیا۔ عربوں کی طاقت ہی کیا تھی؟.... ہرقل کہتا تھا کہ ان تھوڑے سے عربوں کو تو وہ ایک ہی ضرب سے مار بگائے گا لیکن ہوا کیا؟.... یہ تھوڑے سے عرب سلطنتِ روم پر چھا گئے۔ کیوں؟ ان کے پاس کیا جادو تھا جس کے زور پر انہوں نے ہمیں شام سے دھکیلا اور مصر بھی فتح کرتے چلے آ رہے ہیں؟ ادھر فارسیوں کو بھی انہوں نے ٹھکانے لگادیا ہے۔....“

پذیر ضرور ہوتی ہے۔ اب ہم میں بھی یہ تنازعہ پیدا ہو گیا ہے کہ بادشاہ کے مرجانے کے بعد تخت کا وارث کون ہو گا.... یہ نہ سمجھنا کہ میں بوڑھا گھر بیٹھا رشتہ گیر رہتا ہوں اور مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ میری روح سلطنت روم میں ہے۔ میرے اپنے مخبر سرگرم رہتے ہیں اور مجھے سب بتاتے رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں شاہی محل میں کیا ناروا کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ تم تخت کی وراثت پر ایک دوسرے کے خلاف سازشیں بھی کر رہے ہو اور تمہاری تلواریں بھی نیاموں سے نکل آئی ہیں۔ عرب کے مسلمانوں میں ایسا کوئی تنازعہ ہے ہی نہیں۔ ان کے ہاں نہ تخت ہے نہ تاج۔ ایک اللہ ہے جس کا سب حکم مانتے ہیں۔ آج تم نے تلواروں سے وراثت کا مسئلہ حل کرنا شروع کیا ہے تو یہی رسم شروع ہو جائے گی اور بات وہاں جا ختم ہوگی جب مسلمان بحیرہ روم عبور کر کے یہاں آن پہنچیں گے اور تمہارے تخت و تاج کو اٹھا کر باہر پھینکیں گے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ مریتینا اپنے آپ کو ملکہ بنائے ہوئے ہے اور کونستانس کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ شاہ ہرقل اور قسطنطین کو مریتینا نے زہر دے کر مروایا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں....“

”کونستانس اس الزام کا ثبوت پیش کرے۔“ ایک جرنیل نے جو مریتینا کا حامی تھا، اٹھ کر کہا۔ ”ملکہ پر ایسا سنگین الزام لگانا بجائے خود ایک سنگین جرم ہے۔“ اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے یہی آواز اٹھنے لگی کہ کونستانس ثبوت پیش کرے۔ دو تین ایسی آوازیں بھی آئیں کہ وہ ثبوت پیش نہیں کر سکتا تو تخت کی وراثت سے دست بردار ہو جائے۔

”میں شہادت پیش کروں گا۔“ کونستانس نے کہا۔ ”لیکن یہ بھی سن لو۔ اگر میرے پیش کئے ہوئے گواہوں کو کسی نے ڈرایا وہم کیا یا ان کے خلاف کوئی کارروائی کی تو میں اس کے خلاف تلوار کی زبان میں بات کروں گا۔“ اب وہ جرنیل اور حاکم وغیرہ بولنے لگے جو مریتینا کے خلاف اور قسطنطین کے حامیوں میں سے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ گواہوں کو بلایا جائے اور انہیں بولنے کی اور ثبوت پیش کرنے کی پوری آزادی دی جائے گی۔

دونوں طبیب وہاں موجود تھے۔ ایک تو وہ طبیب تھا جس نے ہرقل کے علاج کے

”میں تمہیں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ ہماری تباہی کی وجہ صرف یہ ہے کہ شاہ ہرقل نے مذہب میں دخل اندازی کی۔ مذہب میں ملاوٹ کی اور یسوع مسیح کو دعوہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مذہب دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک اسقف اعظم پہلے موجود تھا، دوسرا ہرقل نے اپنی طرف سے بنادیا۔ سلطنت روم پر شاہ ہرقل کے اس گناہ کی لعنت پڑی ہے۔ ہرقل کا بنایا ہوا اسقف اعظم قیصر ہم میں موجود ہے۔ یہ یقیناً ناراض ہو گا لیکن مجھے اس کی خوشنودی نہیں بلکہ سلطنت روم کا وقار زیادہ عزیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیصر جھوٹ نہیں بولے گا، اس نے قتل و غارت کے ذریعے شاہ ہرقل کی عیسائیت لوگوں سے منوائی۔ یسوع مسیح نے ہمیں پیار اور محبت کا پیغام دیا تھا۔ شاہ ہرقل اور قیصر نے بے گناہوں کا اور سچے مذہب کے پیروکاروں کا خون بہا دیا ہمارے دشمن تو دشمن تھے ہی، یہاں حادثہ یہ ہوا کہ اپنے قبلی عیسائی بھی سلطنت روم کے دشمن ہو گئے۔“

یہ بزرگ رومی بڑی جزأت اور دانشمندانہ انداز سے بولتا جا رہا تھا اور سننے والے اتنے زیادہ لوگوں پر سکوت طاری تھا۔ قیصر نے اپنے خلاف الزام سن کر ذرا سے بھی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔

”جانتے ہو علی مسلمان کیوں کامیاب ہوئے؟“ — معمر رومی دانشور کہہ رہا تھا۔ — ”صرف اس لئے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو ایک رکھا، ایک ہی خدا اور اپنی ایک مقدس کتاب کی پیروی کی اور پھر متفق اور متحد رہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا مذہب سچا ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ مسلمان سچے ہیں، اپنے عقیدے کے وفادار ہیں۔ مذہب خون خرابے اور ظلم و تشدد سے نہیں پھیلا یا جاسکتا۔ میں اپنی بات کو تعصب سے پاک رکھ کر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں نے حسن اخلاق سے غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں لے لیا ہے۔ تم دیکھو گے، دنیا دیکھے گی کہ آج کے دور کی باتیں اور ہر دور کی باتیں لکھنے والے آنے والی نسلوں کو بتائیں گے کہ جس روز ہماری طرح مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب کو پاٹ پاٹ کر فرقے بنالے اسی روز ان کا زوال شروع ہو گیا۔ تم نے تجربہ کر دیکھا ہے، فرقوں میں بٹ جانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اپنی قوم کے دشمن کو پہچاننے اور اس کے ساتھ نمٹنے کی بجائے فرقے ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر آپس میں لڑنے لگتے ہیں جسے خانہ جنگی کہا جاتا ہے....“

”پھر جس قوم کے بڑوں میں حکومت اور اقتدار کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے وہ زوال

پہلے میں اسے زہریلی دوائیاں دی تھیں اور پھر اس نے قسطنطین کا علاج شروع کیا تھا۔
دوسرا وہ طبیب تھا جسے پہلے طبیب کی جگہ بلایا گیا تھا اور اس نے تشخیص یہ کی تھی کہ
قسطنطین کو کوئی زہریلی چیز دی گئی ہے۔

کونٹانس نے حرم کی تین لڑکیوں کو بلوایا۔ ایک تو میرا تھی جس کا تفصیلی ذکر پہلے
آچکا ہے۔ دو اور لڑکیاں تھیں جنہیں مریتانے فیرس کو خوش کرنے کے لئے اس کے
پاس رات کو بھیجا تھا۔ یہ تینوں لڑکیاں حکم ملتے ہی آگئیں۔

کونٹانس نے سب سے پہلے دوسرے طبیب سے کہا کہ وہ سب کے سامنے کھڑا
ہو کر بتائے کہ اس نے کیا تشخیص کی تھی.... اس طبیب نے بیان دیا کہ اسے قسطنطین
کے علاج کے لئے اس وقت بلایا گیا تھا جب پہلا طبیب چھ سات دن قسطنطین کا علاج کرتا
رہا تھا۔ اس وقت تک مریض کی حالت خاصی بگڑ چکی تھی۔ اس طبیب نے اپنی تشخیص
یہ بتائی کہ اس نے مریض کی علامات دیکھیں تو اس نے یقین کی حد تک محسوس کیا کہ
مریض نے غلطی سے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے یا اسے کوئی زہریلی چیز دی گئی ہے۔ طبیب
نے طب کے کچھ حوالے دے کر بتایا کہ یہ علامات صرف زہر کی ہوتی ہیں جن کا علاج زہر
خورانی کے فوراً بعد ہو سکتا ہے لیکن قسطنطین کی حالت اس مرحلے تک پہنچ چکی تھی
جہاں زہر جسم کے اندر اپنے اثرات مکمل کر چکا تھا اور یہ مرحلہ لا علاج ہوتا ہے۔ اس کے
دور و بعد مریض فوت ہو گیا۔

”یہ جھوٹ ہے“ — پہلے طبیب نے اٹھ کر چیخا چلنا شروع کر دیا۔ ”یہ شخص
پیشہ وارانہ حسد کا اظہار کر رہا ہے۔ اسے شک ہے کہ ملکہ مریتانے مجھے زیادہ چاہتی ہیں اس
لئے یہ مجھ سے جلتا ہے اور اتنا سنگین اور جھوٹا الزام عائد کر رہا ہے۔“
”ابھی خاموش بیٹھے رہو“ — معمر بزرگ نے کہا۔ ”تمہارا بیان بھی لیا جائے گا
پھر جوجی میں آئے کہنا اس طرح دخل اندازی نہ کرو۔“

”تمام حضرات اسی بات پر غور کریں“ — بیان دینے والے طبیب نے کہا۔
”میں نے یہ تو کہا ہی نہیں کہ اس طبیب نے ہر قتل یا قسطنطین کو زہر دیا ہے۔ اس شخص کا
انتہا شدید احتجاج ظاہر کرتا ہے کہ اسے معلوم تھا کہ مریض کے اندر کوئی زہریلی چیز گئی ہے
یا اس نے خود مریض کو کوئی زہریلی چیز دی ہے۔ مجھے اس وقت کوئی پرواہ نہیں کہ میرے
الفاظ سے کوئی کیا اثر لیتا ہے، میرے پیش نظر علم طب کی عظمت اور سچائی ہے۔ مجھے

بت ہی دکھ ہے کہ جس مریض کا علاج میں نے شروع کیا تھا وہ مریض فوت ہو گیا ہے۔“
وہاں جو لوگ موجود تھے ان میں پہلے طبیب کے متعلق کھڑے پھڑ شروع ہو گئی۔
دوسرے طبیب کا بیان تو ختم ہو گیا لیکن اس نے یہ کہہ کر اپنا بیان ختم کیا کہ اس شہر
میں ایک سے بڑھ کر ایک قاتل اور تجربہ کار طبیب موجود ہے۔ انہیں بلا کر لاش دکھائی
جائے۔ لاش کا رنگ بتا رہا ہے کہ مرنے والے کو زہر دیا گیا تھا۔

اب تو ان لوگوں میں جو وہاں موجود تھے، اچھی خاصی بے چینی نظر آنے لگی تھی۔
کونٹانس نے میرا کو آگے بلایا۔

”دل سے سب خوف اور خطرے نکال دو میرا!“ — کونٹانس نے کہا۔ ”آج
یہاں کوئی بادشاہ اور کوئی ملکہ نہیں۔ یہ جو ہمارے بزرگ یہاں بیٹھے ہیں، آج ان کی
حکومت ہے اور ہر فیصلے کا اختیار ان کے پاس ہے۔ تم نے مجھے اس طبیب کی جو باتیں
بتائی تھیں وہ ساری کی ساری ان سب بزرگوں کو سنا دو۔“

میرا نے اس پہلے طبیب کے متعلق جس نے ہر قتل کا علاج کیا تھا، ساری بات سنا
ڈالی۔ اس نے بات یہاں سے شروع کی کہ ایک روز اسے مریتانے بلا کر کہا تھا کہ آج
رات اس نے طبیب کے پاس رہتا ہے۔ مریتانے اسے خاص طور پر کہا تھا کہ طبیب،
اپنی تفریح سہیا کرتی ہے کہ وہ مریتانے کا دیوانہ ہو جائے۔ میرا ہماری بات سمجھتی تھی۔ حرم
میں اس کا اور کام ہی کیا تھا۔ پھر میرا نے بتایا کہ اس نے پکارا وہ کر لیا کہ اس طبیب سے
اپنے جسم کو بچائے رکھنا ہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ شخص بہت ہی ڈھیلا اور
کڑو ہے اور اسے زندگی میں پہلی بار میرا جیسی حسین اور دلکش لڑکی ملی ہے۔

پچھلے ایک باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ میرا نے کونٹانس کو اس رات کا
سارا واقعہ پوری تفصیل سے کس طرح سنایا تھا۔ وہی باتیں میرا نے سب کو سنائیں اور
کہا کہ طبیب پر ایک تو اس کے حسن و شباب کا نشہ طاری ہو گیا تھا اور جو کسر رہ گئی تھی وہ
میرا نے اس طرح پوری کر دی کہ طبیب کو شراب پلائی چلی گئی اور پھر طبیب نے ایسی
باتیں کہنی شروع کرویں جو وہ ہوش و حواس میں کبھی نہ کہتا۔

میرا نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے طبیب سے پوچھا کہ شاہ ہر قتل کا جانشین کون
ہوگا۔ طبیب نے جواب دیا کہ جسے میں چاہوں گا۔ پھر اس نے کہا کہ مریتانے کے بیٹے کے
والوں تخت پر کوئی نہیں بیٹھ سکتا.... میرا نے پھر سب کو یہ بتایا کہ اس نے طبیب سے

پوچھا کہ شاہ ہرقل کا حکم کچھ اور ہوا تو کیا ہوگا؟ طبیب نے یہ جواب دیا کہ شاہ ہرقل کی جان میری مٹھی میں ہے۔ میں چاہوں تو کل اس کے جسم سے جان نکال سکتا ہوں لیکن جو کام آہستہ آہستہ ہو جائے وہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

اس طرح تفصیلی باتیں اور چھوٹی چھوٹی باتیں سنا کر میرا نے سب پر کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ اسے مریتنا نے طبیب کے پاس ایک انعام یا رشوت کے طور پر بھیجا تھا۔ میرا کا بیان سن کر سب میں کھسک پھسک پہلے سے زیادہ اور ذرا بلند ہو گئی۔ وہ یقیناً ”سوچ رہے ہوں گے کہ مریتنا نے طبیب کو اتنا خوبصورت انعام دیا ہی کیوں تھا۔ میرا تو شاہ ہرقل کے حرم کی لڑکی تھی۔

اس کے بعد حرم کی دوسری دو لڑکیوں میں سے ایک نے بیان دیا۔ یہ لڑکی بھی میرا جیسی ہی حسین اور بلا کی دلکش تھی۔ اس نے بتایا کہ قسطنطین کی بیماری کے دوران جب یہی طبیب اس کا علاج کر رہا تھا تو مریتنا نے اس لڑکی کو طبیب کے گھر ایک رات کے لئے بھیجا تھا۔

ایسا ہی بیان دوسری لڑکی نے بھی دیا۔ اسے بھی طبیب کے ہاں ایک رات کے لئے بھیجا گیا تھا۔

”ملکہ مریتنا“ — معمر بزرگ رومی نے اٹھ کر کہا — ”کیا میں آپ سے اس سوال کے صحیح جواب کی توقع رکھ سکتا ہوں کہ آپ نے ان تینوں لڑکیوں کو طبیب کے ہاں کیوں بھیجا تھا؟“

”میں انکار نہیں کر رہی“ — مریتنا نے جواب دیا — ”پہلے میں طبیب کو صرف اس لئے خوش رکھنا چاہتی تھی کہ یہ شاہ ہرقل کا علاج پوری دلچسپی اور محنت سے کرے پھر میں قسطنطین کی بیماری سے اتنی پریشان ہوئی کہ طبیب کو ایک بار پھر خوش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔“

”شاہ ہرقل بھی مر گیا اور قسطنطین بھی زندہ نہ رہ سکا“ — ایک اور عمر رسیدہ عالم نے کہا — ”اگر آپ ملکہ ہیں تو آپ کے اس جواب کو ہم صرف اس لئے تسلیم نہیں کر لیں گے کہ آپ ملکہ ہیں۔ آپ کا جواب ہمیں مطمئن نہیں کر سکا۔“

کونستانس اٹھ کھڑا ہوا اور سب کے سامنے جا کر اس نے ہاتھ اوپر کئے کہ سب خاموش ہو جائیں۔

”میں ایسا دعویٰ نہیں کروں گا کہ میں اسی عمر میں آپ بزرگوں جیسا دانشمند ہو گیا ہوں۔“ کونستانس نے کہا — ”آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ مریتنا اور طبیب اس الزام کو نہیں مان رہے اور مانیں گے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دادا اور میرے باپ کو مریتنا نے طبیب سے زہر دلوا کر مروایا ہے۔ اب میں اپنا حق آپ سب سے مانوں گا کہ میں حقیقت کو سامنے لانے کے لئے جو کچھ بھی کروں مجھے روکا اور ٹوکا نہ جائے۔ یہ بھی ابھی ثابت کرنا باقی ہے کہ دادا اور باپ کو زہر دلوا دیا گیا تھا۔“

سب کو اگر یقین نہیں تو شک ضرور ہو گیا تھا کہ کونستانس کا الزام غلط نہیں اور اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سب خاموش رہے اور مریتنا کے مایوں میں سے بھی کوئی نہ بولا۔ کونستانس نے ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ وہ شامی محافظ دتے کے دو گھوڑ سواروں کو ساتھ لے آئے اور وہ گھوڑے تیار حالت میں اپنے ساتھ لائیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چار لمبی مضبوط رسیاں بھی ساتھ لیتے آئیں۔



تھوڑی ہی دیر میں دو گھوڑ سوار دو گھوڑے لے آئے۔ کونستانس نے گھوڑوں کے نہ اس طرح رکھے کہ ایک گھوڑے کا منہ اگر مشرق کی طرف تھا تو دوسرے گھوڑے کو اس گھوڑے کے پیچھے اس طرح کھڑا کیا گیا کہ اس کا منہ مغرب کی طرف تھا۔ دونوں گھوڑوں کے درمیان آٹھ دس قدم کا فاصلہ رکھا گیا۔ کونستانس نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ دو رسیوں کے سرے مضبوطی سے باندھ دیئے۔ اسی طرح دو رسیاں دوسرے گھوڑے کے ساتھ باندھ دیں اور ان رسیوں کے سرے گھوڑوں کے درمیانی فاصلے میں چھوڑ دیئے۔

کونستانس آگے بڑھا اور ہرقل کا علاج کرنے والے طبیب کو جابازو سے پکڑا۔ طبیب شاید سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ اپنا بازو چھڑانے لگا لیکن کونستانس نے اسے زور سے جھٹکا دیا اور کھینچتا ہوا دونوں گھوڑوں کے درمیان لے آیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک رسی کا سرا طبیب کی ایک کلائی کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ دوسری رسی کا سرا طبیب کے ٹخنے سے باندھ دیا۔ اسی طرح اس نے دوسرے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں میں سے ایک کا سرا طبیب کی کلائی کے ساتھ اور دوسری رسی کا سرا ٹخنے کے قریب اس کی ٹانگ کے ساتھ باندھ دیا۔ گھوڑے

سواروں سے کہنا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔

”اب تم میرے اشارے کا انتظار کرنا“ گھوڑوں پر سوار ہونے کے بعد کونٹانس نے سواروں سے کہا۔ ”میں جب ہاتھ اوپر کر کے نیچے کروں تو تم دونوں گھوڑوں کو اڑنے دوں گا۔“

طیب دونوں گھوڑوں کے درمیان بندھا کھڑا تھا۔ اتنی سی بات تو وہ سمجھ سکتا تھا کہ دونوں گھوڑے جب اس طرح دوڑیں گے کہ ایک کا رخ مشرق کو اور دوسرے کا مغرب کو ہے تو اس کے بازو اور اس کی ٹانگیں جو رستوں سے گھوڑوں کے ساتھ بندھی ہیں اس کے جسم سے الگ ہو جائیں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی ٹانگیں جب دائیں اور بائیں کھینچیں گی تو اس کا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔

”بہت بڑی موت مرو گے“ کونٹانس نے طیب سے کہا۔ ”ج بولو اور اپنی جان بخشی مجھ سے کراؤ۔ مریتا ملکہ نہیں اور وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ سوچ لو تمہاری زندگی میرے ایک اشارے پر ختم ہو جائے گی۔“

طیب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا پھر دائیں ایک گھوڑے اور بائیں دوسرے گھوڑے کو دیکھا اور لمبی آہ بھری۔

”میرے خلاف یہ الزام سچ ہے“ طیب نے بلند آواز سے کہا۔ ”میں شاہ ہرقل کو دوائیوں میں ایسا زہر دیتا رہا ہوں جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے پھر قسطنطین کا علاج بھی کرتے ہوئے میں اسے وہی زہر دیتا رہا ہوں۔ جب میرے اس ساتھی طیب نے علاج شروع کیا اس وقت تک زہر اپنا اثر کر چکا تھا۔ قسطنطین کو اب کوئی بھی موت کے منہ سے نہیں نکال سکتا تھا۔۔۔ ان مرنے والوں کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں تو ان کا نمک خوار تھا۔ مجھ سے یہ گناہ ملکہ مریتا نے کروایا ہے۔۔۔“

”یہ موت کے ڈر سے جھوٹ بول رہا ہے“ مریتا اٹھ کر چلائے گی۔ ”یہ میرے خلاف سازش ہے۔ یہ نہیں چاہتے کہ میں ملکہ بنوں۔“

وہ ابھی بول رہی تھی کہ وہاں شور و غل مچا ہوا گیا۔ سب مریتا کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ جو جرنیل اور دیگر حاکم وغیرہ مریتا کے حامی تھے وہ بھی اسے ہرا بھلا کہنے لگے۔

”بھی طیب کا بیان ختم نہیں ہوا“ کسی نے اٹھ کر کہا۔ ”مریتا کو ابھی

بولنے کا کوئی حق نہیں۔ مریتا ملزم ہے ملکہ نہیں۔“

مریتا ابھی تک احتجاج کے لہجے میں کچھ نہ کچھ بول رہی تھی لیکن اس کی کوئی سن نہیں رہا تھا۔ آخر اسے چپ کر دیا گیا اور طیب سے کہا گیا کہ وہ اپنی بات پوری کرے۔

”مجھ سے یہ گناہ ملکہ مریتا نے کروایا ہے“ طیب نے کہا۔ ”یہ بھی سچ ہے کہ ملکہ میرے پاس حرم کی یہ لڑکیاں انعام کے طور پر بھیجا کرتی تھی۔ یہ مجھے سونے کے ٹکڑے بھی دیا کرتی تھی جو میرے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ اور اب میں ایسی بات کہنے لگا ہوں جو شاید کئی ایک کو جھوٹی لگے لیکن میں جو سچ بولنے پر آگیا ہوں ذرا سا بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ملکہ مریتا خود ملکہ بننا چاہتی تھی یا اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس کے دل اور دماغ پر تخت و تاج اس قدر سوار تھے کہ یہ ایک عام عورت کی طرح اپنا آپ میرے حوالے کر دیا کرتی تھی اور میں اس کے جسم سے پورا پورا لطف اٹھاتا تھا۔ اسے تو میں اپنی زر خرید داشتہ سمجھتا تھا۔“

اب مریتا نے ایک بار پھر اٹھ کر چیخ و پکار شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی اس کا بیٹا ہرقلیداس بھی اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار نکال کر لڑکھانے لگا کہ وہ اپنی ماں کے خلاف ایسا گھٹیا الزام برداشت نہیں کرے گا۔ وہ طیب کی طرف بڑھا۔ کونٹانس اس کے اور طیب کے درمیان آگیا۔ تین چار اور حاکم اٹھے اور انہوں نے دوڑ کر ہرقلیداس کو پکڑ لیا اور پیچھے لے آئے۔

طیب کا بیان ختم ہو چکا تھا۔ کونٹانس نے طیب کے پاس کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ بلند کئے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور سب خاموش ہو جائیں۔ سب آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے۔

”کیا اب کوئی شک رہ گیا ہے کہ طیب میرے دادا اور باپ کا قاتل ہے؟“ کونٹانس نے پوچھا اور کہا۔ ”میرے سوال کا جواب دو۔“

”کوئی شک نہیں رہ گیا“ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ ”طیب قاتل ہے۔“

”کیا مجھے حق حاصل نہیں کہ میں خون کے بدلے خون لوں؟“ کونٹانس نے

اس کی تائید اور حمایت میں کئی ایک آوازیں اٹھیں۔

”یہ طیب اکیلا قاتل نہیں“ — کونٹانس نے کہا — ”اس نے لالچ میں آکر گناہ کیا ہے۔ یہ نہ چاہتا تو صاف انکار کر دیتا اور شاہ ہرقل کو بتا دیتا کہ وہ اس عورت سے بچے۔ اگر شاہ ہرقل کو یہ بتا دیتا تو شاہ ہرقل مریتنا کو زندہ نہ رہنے دیتا اور آج ہم آپس میں نہ لڑے رہے ہوتے۔ کیا میں نے ٹھیک کہا ہے؟“

ایک بار پھر کونٹانس کی تائید اور حمایت میں آوازیں اٹھیں۔
”قاتل کی جان بخشی نہیں کی جاسکتی“ — کونٹانس نے کہا۔

اس نے دونوں سواروں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ اوپر کیا اور جھٹکے سے ہاتھ نیچے کر لیا۔ سوار اسی اشارے کے منتظر تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ وہ بڑے ہی طاقتور جنگی گھوڑے تھے۔ دونوں گھوڑے مخالف سمتوں کو دوڑ پڑے۔

طیب کی بڑی ہی ہولناک چیخ سنائی دی۔ دیکھنے والوں پر سناٹا طاری تھا۔ طیب کے بازو اور ٹانگیں کھینچی گئیں اور آن واحد میں اس کے دونوں بازو کندھوں سے الگ ہو گئے پھر دونوں ٹانگیں اس طرح الگ ہوئیں کہ اس کے پیٹ کا بھی کچھ حصہ دو حصوں میں کٹ گیا۔ اس کے دونوں بازو اور ٹانگیں گھوڑوں کے ساتھ ہی چلی گئیں اور پیچھے اس کا دھڑ رہ گیا۔

گھوڑے کچھ دو جا کر پیچھے مڑے اور پھر واپس آکر رک گئے۔ گھوڑ سواروں نے کونٹانس کے کہنے پر گھوڑوں سے رسیاں کھول دیں اور پھر ٹانگیں دھڑ کے قریب رک دیں۔ دونوں بازو دھڑ کے اوپر رکھ دیئے۔

کونٹانس نے ایک ملازم سے کہا کہ دوڑ کر جائے اور شکاری کتوں کو ساتھ لے آئے..... کچھ ہی دیر بعد پندرہ بیس کتے آگئے جنہیں کونٹانس کے اشارے پر طیب کے کتے پھٹے جسم پر چھوڑ دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتوں نے طیب کا سار اگوشت کھالیا۔ پیچھے اس کی ہڈیاں رہ گئیں جو ملازموں نے اکٹھی کیں اور کہیں پھینک دیں۔

اُسی وقت فلسطین کی لاش محل کے اندر ایک کمرے میں پڑی تھی اور محل کے ایک قسم کی عوامی عدالت لگی ہوئی تھی جس نے ہرقل اور فلسطین کے قاتل طیب کی ایسی سزا دی کہ اس کا نام و نشان ہی مٹا ڈالا۔ مریتنا کو ایسی سزا نہیں دی جاسکتی تھی کہ

وہ بادشاہ کی بیوی تھی اور ملکہ کملاتی تھی۔ شاہی خاندان کو تو ویسے بھی قتل معاف تھے۔ ہرقل نے تو مصر میں اپنی رعایا کو بے دردی سے قتل کروایا تھا لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہو گیا تھا۔ مریتنا رعایا میں سے کتنے ہی آدمی قتل کروا دیتی، کوئی اس سے باز پرس نہ کرتا لیکن اس نے ایک بادشاہ کو اور بادشاہ کے بیٹے کو قتل کروایا تھا۔

وہاں جو فوجی اور شہری شخصیات موجود تھیں، انہوں نے مریتنا کے اس جرم کو نظر انداز نہ کیا۔ مریتنا بڑی ہی ڈھیٹ فطرت کی عورت تھی۔ وہ اب بھی کہہ رہی تھی کہ اس کے خلاف سازش کی گئی ہے اور طیب کو ڈرا دھمکا کر اس سے یہ بیان دلویا گیا ہے۔ مریتنا کو دکھ تو یہ دیکھ کر ہو رہا تھا کہ اس کے جو حامی جرنیل وغیرہ تھے اور جو اس کی حمایت میں مرنے مارنے پر اتر آتے تھے، وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہے تھے۔

مصر میں ایک قلعہ بند شہر نقیوس ہوا کرتا تھا۔ اس شہر کا رہنے والا ایک مشہور تاریخ نویس ہو گزرا ہے جس کا نام جتنا تھا۔ اس نے اکثر واقعات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔ دوسرے تاریخ نویس اس کے حوالے دیا کرتے ہیں.... اس نے لکھا کہ مریتنا کو یہ سزا دی گئی کہ وہاں جو لوگ موجود تھے، انہوں نے فیصلہ دے دیا کہ مریتنا کو ملکہ نہیں بننے دیا جائے گا اور مریتنا روم کے تخت و تاج کو ذہن سے اتار دے۔

حنانہ نقیوس کی تحریر کے مطابق، مریتنا اُس وقت خاموش ہو گئی لیکن وہ خاموش رہنے والی عورت نہیں تھی۔ اس کی زیادہ تر کارروائیاں پُر اسرار اور زمین دوز ہوا کرتی تھیں۔ اگر یہ سارا واقعہ جرنیلوں اور شہری انتظامیہ کے افسروں تک ہی محدود رہتا تو صورت حال سنبھل سکتی تھی لیکن فلسطین کی موت کا باعث عوام سے چھپانہ رہ سکا۔ طیب کو جس ظالمانہ طریقے سے سزائے موت دی گئی تھی وہ محل کے اندر دیا اور کہیں جنگل میں نہیں دی گئی تھی۔ اس کے جسم کو محل کے باہر چیرا پھاڑا گیا تھا جو کئی لوگوں نے دیکھا اور یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی اور شہریوں سے فوج میں جا پہنچی۔

فوجیوں نے جب سنا کہ ہرقل اور فلسطین کو ملکہ مریتنا نے طیب سے زہر دلو کر مروایا ہے تو شہری بھی اور فوجی بھی مریتنا کے خلاف بھڑک اٹھے۔ سپاہی تو اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اس واقعہ کی گہرائی میں جاتے اور اس کا پس منظر سمجھتے لیکن جرنیلوں کے نیچے عہدوں کے جو افسر تھے وہ مریتنا کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔ وہ

کہتے تھے کہ شاہی خاندان کے افراد اگر اس طرح تخت نشینی پر ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے تو سلطنت کا کیا بنے گا۔ یہ افسر مصر جا کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بے تاب ہوئے جارہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مصر بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر سلطنت روم اسی انجام کو پہنچے گی جس انجام تک مسلمانوں نے کسریٰ ایران کی جنگی طاقت کو پہنچایا ہے۔ بعض مستند مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مریتنا کے خلاف غم و غصے اور نفرت کا یہ پروپیگنڈا فلسطین کے حامی افسروں نے پھیلا دیا تھا۔ ان جرنیلوں نے جو مریتنا کے مخالف تھے اور جو چاہتے تھے کہ ملک مصر جائے اور مسلمانوں سے مقبوضہ مصر چھڑائے، انہوں نے تو بوجہ مریتنا کے خلاف بہت زیادہ نفرت پھیلا دی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس طرح فوج بھڑک اٹھی ہے اس طرح ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ ملک مصر جانیں سکتی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ملک میں جانے والے دستے الگ کر دیئے گئے تھے اور وہ روایتی کے حکم کے منتظر تھے لیکن ہر قتل کی موت اور پھر تخت کی وراثت کے تنازعہ اور پھر فلسطین کی بیماری اور موت کی وجہ سے ملک نہیں بھیجی جاسکتی تھی۔ اب اس ملک میں ایک ایسی لہر پھر گئی تھی کہ اس کے افسروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ مریتنا کے حکم سے نہیں جائیں گے۔ وہ کونستانس کو ہر قتل کا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ فلسطین تو اب گلے روز دفن ہو گیا لیکن تخت کی وراثت کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ مریتنا کے حامی تو اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے لیکن جو اس کے خلاف تھے انہوں نے فوج کو اس کے خلاف اس قدر بھڑکادیا کہ بغاوت کے آثار نظر آنے لگے۔ روم کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ فوج میں باغیانہ رجحان نظر آنے لگا تھا۔ بادشاہوں کی فوجوں میں اتنی جرات ہوئی نہیں کرتی تھی کہ وہ من پانی کر سکتی اور بادشاہ کے کسی حکم کو نظر انداز کر دیتی۔ بزنطیہ میں پہلے یہ خطرہ تھا کہ فلسطین اور مریتنا کے حامیوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو جائے گی لیکن اب بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ فوج دیکھ رہی تھی کہ فلسطین کے دفن ہو جانے کے اتنے دنوں بعد بھی کونستانس کو تخت نشین نہیں کیا گیا۔

○

مریتنا کہیں دیک کر بیٹھ نہیں گئی تھی۔ وہ تو بڑی ہی خوبصورت ناگن تھی۔ تخت کی وراثت کو وہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ نہیں تو اس نے اپنے بیٹے

برقیہاس کو تخت نشین کرانا ہی تھا۔ اس نے درپردہ ایک دو جرنیلوں کو خریدنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ قیصر دانستہ بہت دن مریتنا سے نہ ملا۔ وہ تو مریتنا کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس نے جب سنا کہ مریتنا زمین دوز کارروائیوں میں مصروف ہے تو ایک روز اس کے ہاں چلا گیا۔

”کیا تم بھی میرے دشمنوں سے جا ملے ہو قیصر؟“ — مریتنا نے کہا — ”تم شاید بھول گئے ہو کہ میں نے تمہیں کس اونچے مقام تک پہنچا دیا ہے۔“

”یہ وہم دل سے نکال دو مریتنا!“ — قیصر نے کہا — ”باہر کی صورت حال دیکھو کیا ہے۔ یہاں بھی قبضی عیسائی اور ان کے حامی موجود ہیں۔ وہ اس قتل و غارت کو نہیں بھولے جو شاہ ہرقل نے میرے ہاتھوں کروائی تھی۔ کسی کو ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ میں تمہارے حامیوں میں سے ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ ملک لے کر مصر چلا جاؤں اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالوں۔ تمہاری اور تمہارے بیٹے کی سلامتی کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مصر کو دوبارہ اپنے قبضے میں لیا جائے۔ کسی بھی وقت تمہارے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے۔ اگر میں نے مصر واپس لے لیا تو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو وہاں پناہ مل جائے گی اور پھر ہم دونوں وہاں خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔ مصر میں میرے لئے یہی ایک مہم نہیں ہوگی کہ مسلمانوں کو پسپا کرنا ہے بلکہ قبضی عیسائیوں کے دلوں اپنی اور ہرقل کے شاہی خاندان کی دشمنی بھی نکالنی ہے۔“

”دیکھو قیصر!“ — مریتنا نے کہا — ”میں تخت سے دست بردار ہو جاتی ہوں لیکن کسی طرح میرے بیٹے کو تخت کا وارث بنا دو۔ میں خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گی۔ اگر کونستانس تخت پر بٹھادیا گیا تو میں تمہیں بتا دیتی ہوں کہ اسے بھی قتل کر دوں گی۔ تم جانتے ہو میں کیا کر سکتی ہوں اور کس حد تک پہنچ جایا کرتی ہوں۔“

”اپنے آپ کو قابو میں رکھو“ — قیصر نے کہا — ”یوں دیک جاؤ جیسے تم مر رہی گئی ہو میں ہر قیہاس کو تخت پر بٹھا دوں گا لیکن کونستانس کو راضی رکھنا ضروری ہو گا۔۔۔ بہر حال یہ فیصلے مجھ پر چھوڑ دو اور ابھی مجھے اس باغیانہ صورت حال پر قابو پالینے دو۔“

تاریخ میں لکھا ہے کہ چند مہینے گزر گئے اور ہر لمحہ خطرہ ہوتا تھا کہ ابھی بغاوت ہوئی کہ ہوئی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ بغاوت کے شعلے بھڑک نہ اٹھے۔ آخر قیصر نے جرنیلوں

اور اونچے عہدوں کے شہری حاکموں کو اکٹھا کیا اور انہیں کہا کہ بڑنطیہ کی یہ صورت حال مصر میں مسلمانوں کو مہلت دے رہی ہے کہ وہ مزید علاقے فتح کر لیں۔

”یہ تنازعہ شاہی خاندان کا ہے۔“ قیرس نے کہا۔ ”لیکن اس کی سزا ہم سب کو بھگتنی پڑے گی۔ ہم سب کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ مصر میں جو فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لئے موجود ہے، وہ بے کار ہو چکی ہے۔ اس پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہو گئی ہے۔ اگر کمک جلدی نہ گئی تو مسلمان اسکندریہ تک پہنچ جائیں گے۔ پھر ہم مصر میں شاید داخل بھی نہ ہو سکیں۔“

قیرس سب پر زور دے رہا تھا کہ تخت کی وراثت کا تنازعہ بہت جلدی طے ہو جانا چاہیے۔

قیرس نے یہ بھی کہا کہ مریتنا کے متعلق ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ڈر کر گوشہ نشین ہو گئی ہے۔ وہ کسی بھی وقت درپردہ کوئی نیافتہ کھڑا کر سکتی ہے۔ قیرس نے یہ مشورہ دیا کہ اس کے بیٹے ہر قیدی تاس کو اور کونساں کو بھی تخت نشین کر دیا جائے۔ مطلب یہ کہ دونوں مشترکہ طور پر حکومت کریں گے۔ ان دونوں نے کچھ دیر بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیال کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں میں اگر کبھی کسی مسئلے پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو کونساں کا فیصلہ قابل قبول ہو گا۔

سب اس فیصلے پر متفق ہو گئے اور باقاعدہ طور پر شاہی فرمان جاری کر دیا گیا۔ انتظام یہ کیا گیا کہ یہ فرمان ہر گھر تک اور فوج میں ہر سپاہی تک پہنچ جائے تاکہ لوگوں کو اور ساری کی ساری فوج کو پتہ چل جائے کہ تخت کی وراثت میں مریتنا کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہیں اور وہ ملکہ نہیں بن رہی۔

اس فیصلے کے اثرات توقع کے مطابق نہایت اچھے رہے۔ بغاوت کا خطرہ ٹل گیا اور اب کمک کے فوجیوں نے خود ہی مطالبہ شروع کر دیا کہ انہیں مصر بھیجا جائے۔

دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ کمک قیرس لے جائے گا۔ جرنیل تو ساتھ تھے لیکن قیرس کو اس کمک کی کمان دے دی گئی تھی۔ تاریخ میں اس کمک کی صحیح نفری نہیں لکھی گئی صرف یہ لکھا ہے کہ قیرس بھاری تعداد میں کمک لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ ان دستوں کے علاوہ قیرس اپنے ساتھ راہبوں اور مبلغوں کی بھی ایک جماعت لے گیا تھا جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ قیرس کو مصر جا کر ایک تو فوجی محاذ پر لڑنا تھا اور دوسرا محاذ

ذہب کا تھا۔

یہ کمک جس بحری بیڑے میں گئی وہ بیڑا اگست کے آخر یا ستمبر 641ء کے پہلے ہفتے میں روانہ ہوا تھا۔

○

غور فرمائیے یہ سب کیا تھا! کیا مسلمانوں نے کوئی جادو کر دیا تھا کہ ہر قل کے خاندان میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا کہ ہر قل اور اس کے جرنیل بیٹے کو ان کے اپنے طیب نے زہر دے کر مار ڈالا اور پیچھے تخت و تاج کی وراثت کا ایسا تنازعہ اٹھا کہ گھر کے افراد ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ان کی نظریں مصر سے ہٹ گئیں جہاں مسلمان فتوحات حاصل کرتے جا رہے تھے!

تاریخ حیرت کا اظہار کرتی ہے کہ اتنے قلیل مجاہدین اسلام نے اتنی بڑی طاقت کو اس حال تک بلکہ اس بد حالی تک پہنچا کس طرح دیا!.... اس سوال کا جواب قرآن میں ملتا ہے۔ سورہ الاعراف میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر قوم کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، جب کسی قوم کی یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس کی تباہی میں ایک سانس برابر بھی دیر نہیں ہوتی۔ اے بنی آدم، تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں اور تمہیں میری آیات سنائیں تو یاد رکھو کہ جو کوئی ان آیات کی نافرمانی سے بچے گا اور اپنی اصلاح کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ رنج۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور میری آیات کی نافرمانی کرتے رہو گے تو تمہاری جگہ وہ قوم آکر لے لی گی جو تم سے بہتر ہو گی۔

یہ ہے اصل جواب کہ ہر قل اور اس کی اتنی وسیع اور طاقتور سلطنت کو ایسا عبرت ناک زوال کیوں آیا۔ ہر قل نے تو اپنی مقدس کتاب جو آسمان سے اتری تھی، اس کی بھی نافرمانی کر کے اپنی ہی عیسائیت رائج کر ڈالی تھی۔

اُس وقت وہ بہتر قوم اہل اسلام ہی تھے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے وطن سے لڑ رہا میں جانوں کی قربانیاں دے رہے تھے۔ وہ جو بھی شرفیخ کرتے تھے وہاں انہیں خزانے ملتے اور ایک سے بڑھ کر ایک حسین و جمیل عورت ملتی تھی لیکن اللہ کے وہ بچے غلے نہ خزانے کی طرف دیکھتے نہ کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ جہاں جا۔

وہاں اعلان کرتے کہ وہ ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے پاس رکھتے ہیں۔ انہوں نے عملاً ”یہ وعدے پورے کر دکھائے اور یوں اللہ کی ایک بہتر قوم ایک نافرمان قوم پر غالب آتی چلی جا رہی تھی۔“

اب ہم اس داستان کو چند مہینے پیچھے مئی 641ء کے دنوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ وہ دن تھے جب سپہ سالار عمرو بن عاص بابلینوں سے اسکندریہ کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔

ان ہی دنوں قسطنطین بیمار ہو گیا تھا اور بزنطیہ کے شاہی محل میں مملاتی سازشیں عروج پر پہنچ گئی تھیں اور تفرقہ فوج تک پھیل گیا تھا۔ عمرو بن عاص کو جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ بزنطیہ کے شاہی محل میں کیا ہو رہا ہے اور ابھی مکہ کے آنے کا کوئی امکان نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مصر میں رومی فوج تھوڑی تھی۔ مجاہدین اسلام نے اس فوج کو بہت جلدی نقصان پہنچایا تھا پھر بھی اس فوج کی نفری مجاہدین کی نسبت تین گنا زیادہ تھی۔

بابلینوں فتح کر کے عمرو بن عاص نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوا کر قاصد کو اُنکی وقت مدینہ روانہ کر دیا تھا۔ مصر تو امیر المومنین کے ذہن اور اعصاب پر سوار رہتا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ عمرو بن عاص کے ساتھ لشکر بہت تھوڑا ہے اور ہر لڑائی میں اس کی نفری کم ہو جاتی ہے۔ امیر المومنین نے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں کبھی مبتلا نہیں کیا تھا کہ مجاہدین نعرۂ تکبیر بلند کریں گے اور دشمن بھاگ جائے گا۔ وہ اپنے خطبوں میں اللہ کا یہ پیغام سب تک پہنچاتے رہتے تھے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کی کوشش کرو گے۔ وہ تو مجاہدین جانوں کی بازی لگا کر رہے تھے اور امیر المومنین مکہ آٹھویں گئے۔ میں لگے رہتے تھے۔

امیر المومنین کی بے تابیاں اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت قاصد کے انتظار میں رہتے تھے۔ کچھ دن گزر جاتے تو شہر سے نکل کر اُس راستے پر چلے جاتے جس راستے سے قاصد آیا کرتے تھے۔ انہیں پہلے پیغام مل چکا تھا کہ اب مجاہدین ایک ایسے شہر کو محاصرے میں لے رہے ہیں جس کا دفاع بلا شک و شبہ ناقابلِ تغیر ہے اور جس کے اندر بہت بڑی فوج موجود ہے۔ امیر المومنین باہر نکل گئے۔ اس روز تو وہ اس قدر بے قرار تھے کہ اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ انہیں اپنے اندر سے کچھ ایسے اشارے مل رہے تھے

جیسے آج قاصد آہی جائے گا۔

ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے امیر المومنین خاصا آگے نکل گئے اور دورانِ سفر پر انہیں یوں گرد اڑتی نظر آئی جیسے کوئی گھوڑا سوار یا شتر سوار آ رہا ہو۔ امیر المومنین اور تیز چل پڑے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ اس گرد میں لپٹا ہوا ایک گھوڑا سوار آ رہا ہے۔ امیر المومنین کے قدم اور تیزی سے اٹھنے لگے۔ آخر سوار قریب آ گیا اور امیر المومنین کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کی لگام اتنی زور سے کھینچی کہ گھوڑے نے چاروں پاؤں زمین پر جمادیئے اور چند قدم پاؤں گھسیتا آیا۔

”یا امیر المومنین!“ گھوڑا سوار نے کوہِ اترتے ہوئے کہا۔ ”بابلین مبارک ہو۔ سپہ سالار عمرو بن عاص کا پیغام لایا ہوں۔“

امیر المومنین وہیں رکے رہے، ہاتھ اوپر اٹھائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یا اللہ تیری ذات باری کا شکر ادا کرتا ہوں۔“ پھر انہوں نے قاصد سے پیغام لیا اور یہ پڑھتے ہوئے واپس چل پڑے۔ قاصد گھوڑے کی لگام پکڑے ان کے ساتھ ساتھ چلتا آ رہا تھا۔ امیر المومنین کے چہرے پر فتح و نصرت اور مسرت کی سرخی آگئی تھی۔ شرمیں داخل ہو کر اعلان کرتے آئے کہ مصر سے پیغام آیا ہے سب مسجد میں آجائیں۔

مسجد ایک مرکز ہوتا تھا جس میں لوگوں کو اکٹھا کر کے اچھے بُرے پیغامات سنائے جاتے اور قومی اور ذاتی مسائل حل کئے جاتے تھے۔ مجلس مشاورت بھی مسجد میں ہی بیٹھ کر امور و معاملات پر بات چیت اور فیصلے کیا کرتی تھی۔

مسجد میں امیر المومنین نے پیغام پڑھ کر سنایا اور پھر کچھ باتیں قاصد نے زبانی سنائیں اور اس کے بعد امیر المومنین نے پہلی بات یہ کہی کہ عمرو بن عاص کو کمک کی شدید اور بہت جلدی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بابلینوں کی فتح کوئی آسان کام نہیں تھا اور پھر بابلینوں کی اہمیت بتائی اور پھر کہا کہ اب مجاہدین اور ہی زیادہ دشوار صورتِ حال میں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ کی فتح اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے کہ عمرو بن عاص کو فوری طور پر کمک پہنچ جائے۔

ابھی مسلمانوں کی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہیں بنی تھی۔ لوگ رضا کارانہ طور پر ایک لشکر تیار کر کے محاذ پر جایا کرتے تھے۔ امیر المومنین نے کمک کی ضرورت کا ذکر کیا تو ایک لشکر تیار ہونے لگا۔ امیر المومنین نے مدینہ سے دور دور رہنے والے لوگوں کو پہلے ہی

مکہ کے لئے کہہ رکھا تھا اور کئی لوگ تیار ہو گئے تھے اور اب امیر المومنین کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

امیر المومنین نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں عمرو بن عاص کو اجازت دی کہ وہ اسکندریہ کی طرف کوچ کر جائیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے کچھ ضروری ہدایات بھی لکھوائی ہوں گی اور یہ بھی لکھا کہ مکہ بہت جلدی پہنچ رہی ہے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص اس وقت بابلون سے روانہ ہوئے تھے جب انہیں امیر المومنین کا پیغام مل گیا تھا۔ مصر کی اصل صورت حال سے عمرو بن عاص ہی بہتر واقف تھے۔ وہ چاہتے تو اپنے طور پر ہی کوچ کر سکتے تھے لیکن ڈسپلن کی پابندی ایسی ہوتی تھی کہ عمرو بن عاص امیر المومنین کی اجازت آنے سے پہلے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ مکہ بابلون ہی پہنچ گئی تھی یا آگے جا کر راستے میں ملی تھی۔ یہ بھی واضح نہیں کہ مکہ کی نفری کتنی تھی اور اس کے ساتھ جو سالار گئے تھے ان کے نام کیا تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صرف سپہ سالار عمرو بن عاص ہی نہیں بلکہ تمام مجاہدین بابلون سے اسکندریہ کی طرف کوچ کے لئے بے تاب اور بے صبر ہوئے جا رہے تھے۔ مجاہدین کا یہ جذبہ اور جوش و خروش تھا تو قابل تحسین لیکن عمرو بن عاص دور اندیش اور باریک بین تھے۔ بابلون سے اسکندریہ کو روانگی سے دو تین دن پہلے سالار زبیر بن العوام نے سپہ سالار کے ساتھ ویسے ہی ذکر کیا کہ ہم لوگ خوش قسمت ہیں کہ سارے کامارا لشکر اس پیش قدمی کا بے تابی اور بے صبری سے انتظار کر رہا ہے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے کوئی رائے نہ دی نہ کسی اور رد عمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ وہ اگلے روز لشکر سے خطاب کریں گے۔ انہوں نے وقت بھی بتایا جب لشکر کو گھوڑو دوڑ کے میدان میں اکٹھا کرنا تھا۔

اگلے روز لشکر میدان میں آگیا۔ عمرو بن عاص گھوڑے پر سوار آئے اور لشکر کے سامنے جا کر۔

”اے مجاہدین اسلام!“ — سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنی گرج دار آواز میں کہا — ”یہ سن کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے کہ تم لوگ آگے بڑھنے اور دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لئے مجھ سے زیادہ بے تاب ہو۔ مجاہدین کا جذبہ یہی ہونا چاہئے لیکن

میں تمہیں خراج تحسین پیش کرنے کے علاوہ ایک اور بات بھی کہوں گا۔ تمہارا یہ جوش و خروش اور پسپا ہوتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں جانے کا عزم قابل تعریف ہی سہی لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ بیشتر مجاہدین صرف اس لئے آگے بڑھنے کو بے تاب ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو یقین دلایا تھا ہے کہ انہیں شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ فتوحات سے ہی نوازتے چلے جا رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے اتنی زیادہ کامیابیوں کا اثر یہی ہوتا ہے جو میں تم میں دیکھ رہا ہوں پے در پے اتنی زیادہ کامیابیاں فاتحین پر ایسا نشہ طاری کر دیا کرتی ہیں کہ وہ بے پروا اور بے نیاز سے ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھگتاؤ اور دشمن تو اب کہیں بھی جم کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا....

”فتوحات کے نشے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کسی محاذ پر معمولی سی نوعیت کی شکست ہو جائے تو پھر حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور عزم دم توڑ دیتے ہیں۔ یاد رکھو، فتح کے ساتھ شکست بھی موجود ہے جو کسی بھی میدان میں تمہارے حصے میں آ سکتی ہے۔ حقیقت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ اگر تمہارا دشمن پسپا ہوتا چلا جا رہا ہے تو بھی اسے کمزور اور حقیر نہ جانو۔ وہ کہیں بھی قدم جما کر تم پر جوابی حملہ کر کے تمہارا دم ختم توڑ سکتا ہے....

”میں تمہیں یہی حقیقت دکھانے لگا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ تم نے رومی فوج پر دہشت طاری کر دی ہے پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ رومی فوج کی تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ رومی فوج کے جرنیل اپنی اتنی بڑی فوج کو دانشمندی سے لڑائیں سکے۔ اس فوج میں کچھ دستے ایسے بھی ہیں جو ابھی تک میدان میں نہیں آئے نہ انہوں نے تمہاری شجاعت دیکھی ہے نہ اپنی شجاعت تمہیں دکھائی ہے۔ ان کے کسی بھی جرنیل نے سوچ لیا کہ اتنی زیادہ فوج کو صحیح طریقے سے لڑایا جائے تو ہم اتنے تھوڑے ہیں کہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جائے گا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہمیں مکہ تو مل رہی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی درکار ہے۔ ہمارے مقابلے میں رومیوں کے لئے بہت بڑی کمک آ رہی ہے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ اس کمک کے پہنچنے تک ہم اسکندریہ پہنچ جائیں لیکن ذہن میں رکھو کہ یہ زمین دشمن کی ہے جس کا وہ عادی اور آشنا ہے۔ ہمارے لئے یہ زمین اجنبی اور ہم اس زمین کے لئے اجنبی ہیں....

”اس میں کوئی شک نہیں کہ بابلون ناقابلِ تسخیر قلعہ بند شہر تھا لیکن تم نے اسے فتح

کر لیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بابلیوں میں جو فوج تھی اور اس کے جو جرنیل تھے وہ سب اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس شہر کو کوئی دشمن فتح کر ہی نہیں سکتا۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے تھوڑے مسلمان بابلیوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وہ دفاع سے بے نیاز ہو گئے۔ ایسے ہی اگر تم نے اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھا کہ تمہیں کہیں بھی شکست کا سامنا ہو ہی نہیں سکتا تو فوراً اس خوش فہمی سے نکل آؤ۔۔۔۔

”ہم جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے لئے مشکلات اور دشواریوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ سے فتح ہی کی امید رکھو لیکن شکست کو بھی اپنے سامنے رکھو۔ ہمارا ہدف اسکندریہ ہے لیکن اسکندریہ مصر کا دل ہے۔ رومی جان کی بازی لگا دیں گے اور ہمیں اسکندریہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ اللہ سے فتح ہی کی امید رکھو، اللہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ہمیں سوچ سمجھ کر اور حقیقت کو اچھی طرح جان کر لڑنا ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو پورا پورا اجر دیا کرتا ہے۔“

عمرؤ بن عاص نے قرآن کی تین آیات سنائیں اور آخر میں پھر کہا کہ اس خوش فہمی سے تمام مجاہدین نکل آئیں کہ وہ جہاں بھی جائیں گے فتح ہی ان کے قدم چومے گی۔

”تمہاری فتح ایک اور بھی ہے“ — سپہ سالار عمرؤ بن عاص نے کہا — ”تمہیں شاید اپنی اس فتح کا علم نہ ہو۔ تم نے روم کی فوج کو ایسی شرمناک شکستیں دی ہیں کہ بزنطیہ میں ہر قل کے شاہی محل میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور وہاں شاہی خاندان کے افراد آپس میں دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ اسے بھی اللہ کی مدد سمجھو کہ ہر قل مر گیا ہے۔ میں اپنے اس دشمن کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جس نے سلطنت روم کو دور و دراز تک پھیلا دیا تھا لیکن اس نے اللہ کو ناراض کیا اور اس کی سزا پائی۔ ہر قل ذاتی طاقت اور جنگی قوت کا دوسرا نام تھا۔ یہ مت سوچو کہ ہر قل نہیں رہا تو روم کی فوج کمزور ہو گئی ہوگی۔ ہر قل اپنے اثرات پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ مختصر یہ کہ تمہارے امتحان کا وقت آ رہا ہے۔ فتح اور شکست اللہ پر چھوڑو اور اپنے فرائض کو سامنے رکھو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔“

○

بابلیوں کے لوگوں کے ساتھ اور خصوصاً قبطی عیسائیوں کے ساتھ مجاہدین کا جو حسن سلوک تھا اس کا ثمرہ انہیں اب ملا۔ قبطی عیسائیوں نے رومیوں کے ہاتھوں بہت ہی

ظلم اور ستم سہے تھے۔ ہر قل نے تو ان کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور اسقف اعظم بنیامین کو مجرم قرار دے کر بھاگ جانے اور روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی جگہ قیرس کو اسقف اعظم بنا کر کئی اختیارات دے دیئے تھے کہ بنیامین سے لوگوں کو ہٹائے اور جو اسے اسقف اعظم مانتا رہے اسے قتل کر دے۔ یہ تفصیلات پہلے آچکی ہیں، یہاں بات یہ سامنے آئی ہے کہ قبطی عیسائیوں کو بجا طور پر خطرہ اور خوف محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے ان پر ظلم و ستم کئے ہیں تو مسلمانوں سے تو انہیں اس سے بدتر سلوک اور روپیے کی توقع رکھنی چاہئے۔ غیر ملکی اور غیر مذہب کے فاتحین سے وہ اچھے سلوک کی توقع رکھ ہی نہیں سکتے تھے اور اس خطرے کے پیش نظر وہ اپنے مال و اموال اور اپنی نوجوان اور جوان سال عورتوں کو چھپائے پھرتے تھے اور کہیں بھاگ جانے پر اپنے آپ کو تیار رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے انہیں حیران کر دیا۔

مسلمانوں نے ان پر جبر نہیں کیا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ جو اسلام قبول نہیں کرتے وہ جزیہ ادا کریں اور اس جزیے کے عوض ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ مسلمانوں نے یہ وعدہ عملاً پورا کر کے دکھا دیا۔

کچھ ایسے واقعات سنائے جاتے ہیں کہ عیسائی لڑکیوں کو مجاہدین نے انہیں اغوا کرنے والے رومیوں سے آزاد کر لیا اور ان کے ماں باپ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے تمام شہریوں کو معزز شہریوں جیسا رتبہ دیا اور انہیں اپنے برابر حقوق دیئے اور ایسا تاثر پیدا ہی نہ ہونے دیا کہ مسلمان برتر اور اعلیٰ قوم ہیں اور باقی سب رعایا اور غلام ہیں۔ جہاں کہیں کسی کے ساتھ بے انصافی ہوئی، سپہ سالار عمرؤ بن عاص خود وہاں پہنچے یا کسی اور سالار کو اطلاع مل گئی تو وہ فوراً وہاں گیا اور مظلوم کو انصاف دلا کر ظالم کو پوری سزا دی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے شمار قبطی عیسائی از خود ہی حلقہ گوش اسلام ہو گئے اور انہیں وہی حقوق مل گئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ مختصر یہ کہ مسلمان وہاں کے لوگوں کے لئے نجات دہندہ بن گئے بلکہ ان کی عزت و آبرو بحال کر دی۔ قبطی عیسائی اس قدر ممنون اور مشکور ہوئے کہ وہ محسوس کرنے لگے کہ مسلمانوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ رومیوں کے خلاف تو ان کے دلوں میں نفرت بیٹھ گئی تھی اور ایسے بھی تھے جو رومیوں

مجاہدین کا لشکر اسکندریہ کو کوچ کر رہا ہے تو انہوں نے عمرو بن عاص سے کہا کہ وہ ان کی رہنمائی اور مدد کے بغیر اسکندریہ تک خاصی مشکلات کا سامنا کر کے ہی پہنچیں گے۔ مگر ہے کہ ان میں سے کچھ افراد کو ساتھ لے لیں جو اس علاقے سے واقف ہیں اور اس علاقے کے قبلی عیسائیوں سے تعاون بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں سے صلح مشورہ کیا تو سالاروں نے کہا کہ ان لوگوں کو ساتھ لے ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔ ان قبلی عیسائیوں نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ اتنی نفرت اپنے ساتھ لے چلیں گے کہ کسی جگہ کشتیوں کا پل بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ بنادیں گے۔

عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں کا مشورہ قبول کر لیا اور قبلی عیسائیوں کے سرکردہ افراد سے کہا کہ وہ صرف اپنے اُن آدمیوں کو ساتھ لے چلیں جن پر انہیں پورا پورا بھروسہ ہے اور وہ کہیں دھوکہ نہیں دیں گے۔ ان سرکردہ افراد نے سپہ سالار کو پورا پورا یقین دلایا اور کہا کہ جہاں کسی پر ذرا سا بھی بے وفائی کا شک ہو وہ اپنے ہاتھوں اس شخص کو قتل کر دیں گے.... لشکر بابلینوں سے نکلا اور اللہ کا نام لے کر سُوئے اسکندریہ روانہ ہوا۔

○

مجاہدین کا لشکر دریا کے بائیں کنارے پر جا رہا تھا۔ یہ کنارہ بہت دور تک مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ ذہن میں رکھیں کہ لشکر کی تعداد کچھ اور کم ہو گئی تھی کیونکہ بابلین جیسے شہر میں نظم و نسق برقرار رکھنے اور شہر کا سرکاری کاروبار چلانے کے لئے مجاہدین کی خاصی تعداد چھوڑی گئی تھی۔

چند میل آگے دریا کے دائیں کنارے پر ایک شہر نقیوس واقع تھا۔ یہ قلعہ بند شہر تھا جس میں رومی فوج کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ شہر دریا کے دوسرے کنارے پر آباد تھا۔ وہاں دریا کا پاٹ اور ہی زیادہ چوڑا ہو جاتا تھا۔ اس شہر کو نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ لشکر تو بائیں کنارے پر چلا جا رہا تھا اور اس کی منزل اسکندریہ تھی۔ کسی سالار نے یہ مشورہ دیا بھی کہ اس شہر کو نہ چھیڑا جائے۔ مشکل مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس شہر پر حملہ کرنے کے لئے دریا عبور کرنا تھا جو کشتیوں کا پُل بنا کر ہی کیا جاسکتا تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ رومی تیروں اور پھینکنے والی برہمیوں سے مجاہدین کو دریا میں ہی رکھتے۔

سے اپنے عزیزوں یا اپنے ہم مذہبوں کے قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ یہاں ہم یہ واضح کر دیتے ہیں کہ قبلی عیسائیوں کو لڑنے کے لئے مجاہدین کے لشکر میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ عمرو بن عاص کی دوراندیشی تھی۔ تاریخ میں اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی گئی۔ وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ قبلی آخر غیر مذہب کے لوگ تھے اور وہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر وہ اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتے تھے۔ انہیں اس صورت میں ساتھ رکھ لیا جاتا تھا کہ وہ تعاون اور امداد کا وعدہ کرتے تھے۔

اب عمرو بن عاص اسکندریہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ راستے میں کچھ قلعہ بند قصبے اور شہر آتے تھے اور اس کے علاوہ تھوڑی ہی دور جا کر زمین دشوار گزار ہو جاتی تھی کیونکہ وہاں سے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ دریا کی چھوٹی بڑی شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا جس سے بعض علاقے دلدلی ہو گئے تھے اور بعض کچھ ایسے جنگلاتی تھے کہ ان میں سے گزرنا اور گھوڑوں کو گزارنا بہت ہی مشکل تھا۔ بعض شاخیں قدرے چوڑی تھیں جنہیں عبور کرنے کے لئے کشتیوں کے پل بنانے پڑتے تھے۔

عمرو بن عاص نے ایک دو سالاروں اور کچھ عقل مند مجاہدین کو کسی اور ہی جہیں میں آگے بھیج کر اس سارے راستے اور ڈیلٹا کے علاقے کا جائزہ لیا تھا اور ان کے پاس پوری رپورٹ آگئی تھی۔

عمرو بن عاص نے اس سروے یا رپورٹ کے مطابق فیصلہ کیا کہ وہ نیل کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جائیں گے کیونکہ اس طرف قدرتی رکاوٹیں اور دشواریاں ذرا کم تھیں لیکن راستے میں دو تین قلعہ بند شہر آتے تھے جو رکاوٹ بن سکتے تھے بلکہ انہیں رکاوٹ بننا ہی تھا۔ عمرو بن عاص کو جاسوسوں نے یہ خبر بھی دے دی تھی کہ مصر میں منیم رومی فوج کا سپریم کمانڈر جنرل تھیوڈور اسی علاقے میں موجود ہے اور وہ جانتا ہے کہ اب مسلمان اسکندریہ پر چڑھائی کریں گے اور وہ مسلمانوں کو راستے ہی میں روک لے گا۔

عمرو بن عاص کو اللہ کی مدد یوں حاصل ہوئی کہ بابلینوں کے کچھ قبلی سردار اور رئیس قسم کے لوگ ان کے دوست بن چکے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی مسلمانوں کو ان کی مدد کی ضرورت پڑے گی وہ فوراً مدد کو پہنچیں گے۔

اب مدد کا وقت آگیا تھا لیکن سپہ سالار عمرو بن عاص نے انہیں مدد کے لئے نہ کہا۔ وہ غالباً "ان کا احسان لینا نہیں چاہتے تھے۔ قبلی عیسائیوں کے ان سرکردہ افراد کو پتہ چلا کہ

”نہیں!“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”بے شک یہ شہر دریا کے پار ہے اور ہمارے کوچ کے راستے کی رکاوٹ نہیں لیکن اسے ہم نظر انداز کر گئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اپنے پیچھے ایک خطرہ چھوڑ چلے ہیں جو کسی مشکل مقام پر عقب سے ہم پر آ پڑے گا اور اس صورت میں ہمیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا اور ہو سکتا ہے ہم پیش قدمی نہ سکیں۔ اس شہر پر حملہ ضروری ہے۔“

معلوم نہیں کہ سپہ سالار عمرو بن عاص جانتے تھے یا نہیں کہ رومی فوج زندہ و بیدار ہے اور اس کے کمانڈروں کو معلوم ہے کہ مسلمان اب اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ رومیوں نے اپنی بیداری اور تیاری کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ یہ شہر قیوس ابھی کچھ دور تھا کہ رومی فوج مجاہدین کے لشکر کے مقابلے کو بائیں کنارے پر آگئی جس سے مسلمانوں کا دریا پار کرنے کا مسئلہ ختم ہو گیا۔ یہ ایک مقام تھا جو اُس زمانے میں طرہ کلمات تھا۔ قیوس کے دفاع میں جو جرنیل وہاں موجود تھا اسے اطلاع مل گئی تھی کہ مجاہدین کا لشکر آ رہا ہے۔ اس نے اپنی اچھی خاصی نفری کشتیوں کے ذریعے دریا کے بائیں کنارے پر پہنچا دی کہ یہ دستے مجاہدین کے لشکر کو روکیں یا انہیں وہیں کمزور کر دیں۔ یہ کارروائی دراصل قیوس شہر کے دفاع کی کارروائی تھی۔

اس مقام پر رومیوں اور مجاہدین کا تصادم ہوا۔ عمرو بن عاص نے خاص طور پر محسوس کیا کہ رومیوں کا حوصلہ تروتازہ ہے اور ان میں لڑنے کا جذبہ از سر نو پیدا ہو گیا ہے۔

یہ آنے سنانے کی لڑائی تھی اور رومی بڑھ بڑھ کر جملے کر رہے تھے۔ لشکر چونکہ پیش قدمی کر رہا تھا اس لئے سپہ سالار نے اس کے بائیں پہلو کی حفاظت کے لئے ایک زیادہ نفری کا دستہ بائیں طرف بھیج رکھا تھا جو لشکر کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا۔ لشکر اور اس دستے کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

عمرو بن عاص نے دیکھا کہ رومی صحیح معنوں میں بہادری سے لڑ رہے ہیں اور ان کے قدم اکھاڑنے میں کچھ مشکل پیش آئے گی۔ سپہ سالار اس کوشش میں تھے کہ لشکر میں جالی نقصان کم سے کم ہو اور زخمی بھی کم ہوں۔ انہوں نے قاصد کو دو ڈایا کہ ”بائیں پہلو والے دستے سے کہے کہ آگے جا کر عقب سے رومیوں پر حملہ کرے۔“

وہ زمین نشیب و فراز والی تھی، کچھ علاقہ جنگلاتی تھا اور کچھ چٹانیں ٹیکریاں وغیرہ بھی

فیں۔ بائیں پہلو والا دستہ پیغام ملتے ہی بڑے تیزی سے آگے بڑھا اور اپنے آپ کو رومیوں سے چھپاتے ہوئے آگے گیا اور پیچھے مڑا اور رومیوں کو اُس وقت اس دستے کی ہجوم کا علم ہوا جب مجاہدین کے اس دستے نے ان پر شدید بھرا بول دیا تھا۔ رومی ایسی ہی طرح گھیرے میں آگئے کہ کٹ مرنے کے سوائے اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بڑی طرح کٹے اور بعض دریا میں کود گئے لیکن تیر انداز مجاہدین نے انہیں زندہ نہ جانے

دستی رومی جو وہیں رہ گئے تھے ان سے پوچھا گیا کہ قیوس میں کتنی فوج ہے اور کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ ان سے ضروری معلومات لے لی گئیں۔ پتہ چلا کہ وہاں فوج کی خاصی تعداد موجود ہی نہیں بلکہ لڑنے کے لئے بالکل تیار ہے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے اس لڑائی سے کامیابی سے فارغ ہو کر سالاروں کو حکم دے دیا کہ قیوس پر حملہ کیا جائے گا اور دریا کشتیوں کے پل سے پار کریں گے۔ چونکہ کنارہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اس لئے ایک تو جگہ جگہ کشتیاں موجود تھیں اور کچھ نٹیاں ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ دریا پار کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن قبلی مائی کہتے تھے کہ وہ دریا پار کروائیں گے۔

دریا تو پار کیا جا سکتا تھا لیکن خطرہ کچھ اور تھا۔ وہ یہ کہ رومی فوج قیوس سے نکل کر اُسے پر آجاتی اور اس کے تیر انداز کشتیوں پر دریا میں ہی مجاہدین پر تیروں کا مینہ ماریں اور اس طرح بمشکل آدھا لشکر دوسرے کنارے تک پہنچ سکا۔ اس خطرے کی مابندی بھی کئی کئی تھی جو سپہ سالار نے کر دی تھی لیکن خطرہ موجود تھا۔ بہر حال خطرہ تو مایابی تھا اور عمرو بن عاص خطرے مول لینے میں ہی شہرت رکھتے تھے۔

اسے بھی ہم اللہ کی مدد کہیں گے کہ قیوس کے رومی جرنیل کے دماغ میں ایک لاکھیم آگئی۔ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ اس نے جو دستے مجاہدین کو روکنے کے لئے بھیجے تھے وہ بڑی طرح کٹ گئے ہیں اور مسلمان بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ جرنیل اپنے جو نیر کمانڈروں کو بلایا۔

”اب ان مسلمانوں کو روکنا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے“ — جرنیل نے کہا — ”ہم نے انہیں نہ روکا تو آگے جا کر ان کا لشکر چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات کو چھوڑ کر تاجا جائے گا اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ ہمارے لوگوں کو یہ خبر مل

جائے گی کہ ہماری فوج طرٹوط میں بہت بُری شکست کھا چکی ہے۔ آج رات کشتیوں سے دریا پار کیا جائے گا اور صبح تک ہمارے دستے دوسرے کنارے پر مسلمانوں کے راستے میں تیار موجود ہوں گے۔“

جبائے اس کے کہ مجاہدین دریا پار کرتے رومیوں نے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن رومی فوج رات رات ہی دریا پار نہ کر سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں دریا طغیانی میں تو نہیں تھا لیکن دریا کا جوش و خروش ایسا تھا کہ وہ کشتیوں کو اس رفتار سے آگے بڑھنے ہی نہیں دیتا تھا جس کی توقع رکھی گئی تھی۔ اس طرح رومیوں کے لئے صبح تک بائیں کنارے تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

مجاہدین نے طرٹوط سے کچھ آگے رات بھر کے لئے پڑاؤ کیا تھا لیکن فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی کوچ کر گئے۔ دور سے ہی انہوں نے دیکھا کہ قلعہ قتیوس کے بالقابل کشتیوں کا ایک بہت بڑا بیڑا دریا پار کر رہا ہے اور کچھ کشتیاں کنارے لگ چکی ہیں اور رومی فوجی کوڈ کر کنارے پر آ رہے ہیں۔ سپہ سالار سمجھ گیا کہ رومی ایک بار پھر ان کے راستے میں حائل ہو رہے ہیں۔

سپہ سالار نے حملے کا حکم دے دیا اور یہ دیکھ کر کہ کشتیوں کی زیادہ تر تعداد ابھی دریا میں ہے، تمام تیر اندازوں سے کہا کہ وہ ان کشتیوں پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکیں۔ مجاہدین بڑی ہی حیرت سے پہنچ گئے۔ پہلے ان رومیوں کو گھیرا جو کشتیوں سے اتر آئے تھے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ وہ واپس کشتیوں کی طرف بھاگنے لگے لیکن مجاہدین ان پر جانوٹے اور بڑی آسانی سے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔

مجاہدین کے جوش اور جذبے کا یہ عالم تھا کہ کچھ رومی دریا میں کود گئے اور مجاہدین ان کے پیچھے جا کودے اور پانی میں انہیں جالیا اور ان کی لاشیں نیل اپنے ساتھ لے گیا۔ تیر اندازوں نے تو ان کشتیوں پر جوا بھی آ رہی تھیں، تیروں کا موسلا دھار مینہ برسا دیا۔ بعض مجاہدین ایسے جوش میں آئے کہ وہ دریا میں کود گئے اور تیر کر ان کشتیوں تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔

تاریخ نویس حنا قتیوسی اسی شہر کا رہنما والا تھا۔ تاریخ میں اس کی تحریر آج بھی موجود ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے اس جذبے اور اس جوش و خروش کو دیکھ کر رومی سپاہیوں نے تو گھبراتا تھا ہی، خود جرنیل حوصلہ چھوڑ بیٹھا اور اس نے اپنی کشتی کے اندر

سے کہا کہ وہ کشتی کا رخ اسکندریہ کی طرف کر دیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ نیل کا رخ اسکندریہ کی طرف ہی تھا۔

بائیں کنارے پر پہنچنے والے رومی تو کٹ گئے اور مجاہدین کشتیوں پر تیر برسانے لگے تو کشتیاں پیچھے کو مڑنے لگیں یا دریا سے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئیں اور رومیوں کا بُری طرح نقصان ہوا۔ رومیوں نے دیکھ لیا کہ ان کا جرنیل وہ بھاگا جا رہا ہے۔ اس کے بھاگنے کی خبر سب تک پہنچ گئی اور رومی قتیوس والے کنارے کی طرف جانے کی بجائے اسکندریہ کی طرف رخ کر گئے لیکن مجاہدین کے تیروں نے انہیں جانے نہ دیا۔ شاید ہی کوئی رومی ہو گا جس کے جسم میں مجاہدین کا تیر نہ اُترا ہو گا۔

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ کئی ایک رومی فوجیوں نے کشتیوں میں ہی کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا دیے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ انہیں کنارے کی طرف آنے دیا جائے۔ وہ ہتھیار ڈال رہے تھے۔

معلوم نہیں سپہ سالار عمرو بن عاص نے ایسا حکم کیوں دیا کہ ہتھیار ڈالنے والے رومیوں کو قیدی بنانے کی بجائے انہیں قتل کر دیا۔

سپہ سالار کے حکم سے تمام لشکر کشتیوں پر سوار ہوا۔ کچھ اپنی کشتیاں تھیں اور باقی رومیوں کی کشتیاں پکڑی گئی تھیں۔ ان سے دریا پار کیا گیا اور لشکر قتیوس شہر میں بلا مزاحمت داخل ہو گیا۔ وہاں کوئی فوج نہیں تھی۔ شہریوں نے بتایا کہ ڈیڑھ ایک دستہ شہر میں موجود تھا جو اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا ہے۔

عمرو بن عاص اپنی پیش قدمی کے راستے میں ہر مزاحمت اور ہر رکاوٹ کو کم سے کم کرنے کی کوشش میں تھے۔ انہوں نے اپنے ایک سالار شریک بن جی کو بلایا اور کہا کہ وہ کم سے کم مجاہدین کو ساتھ لے جائیں اور بھاگنے والے اس رومی دستے کو جہاں کہیں وہ پہنچ چکا ہے ختم کر دیں یا ہانک کر واپس لے آئیں۔ معلوم ہوتا ہے عمرو بن عاص کو یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ اس رومی دستے کی نفرت کتنی ہے۔ ان کا خیال یہ ہو گا کہ وہ ڈر کر بھاگ رہے ہیں اس لئے تھوڑے سے مجاہدین کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے لیکن کوئی اور ہی صورت پیدا ہو گئی۔

سالار شریک نے مجاہدین کی مختصر سی جماعت کے ساتھ ان رومیوں کو راستے میں ہی جالیا۔ رومیوں نے پلٹ کر دیکھا کہ یہ تو بہت تھوڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے بکھرے

ہوئے ساتھیوں کو پکار پکار کر اکٹھا کر لیا اور ان مجاہدین کو گھیرے میں لے لیا۔ تب سالار شریک نے محسوس کیا کہ وہ اس خطرے سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ قریب ہی ایک اونچا اور خاصا چوڑا اور لمبا ٹیلا تھا۔ سالار شریک اپنے مجاہدین کے ساتھ اس ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ سب گھوڑ سوار تھے۔

ان کے ساتھ ایک بڑے ہی مشہور شہسوار تھے جن کا نام مالک بن ناعم صدیقی تھا۔ ان کی شہسواری مسئلہ تھی۔ سالار شریک نے مالک بن ناعم سے کہا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر ان رومیوں سے راستہ بتاتا نکلے اور سپہ سالار تک پہنچے اور ملک ساتھ لے آئے ورنہ سب مارے جائیں گے۔ اس شہسوار نے ٹیلے سے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا پھلتا سرکتا نیچے آیا۔ رومیوں نے اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ شہسوار تلوار گھومتا اور گھوڑے کو دائیں بائیں پوری رفتار پر دوڑاتا نکل گیا۔ اس دوران مجاہدین نے ٹیلے سے تیر برسے شروع کر دیے تھے۔ تیر انداز تین چار ہی تھے۔ رومی ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کچھ ڈرے ڈرے بھی تھے کیونکہ کئی ایک ان کے ساتھی تیروں سے گھاٹل ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک مجاہد سوار نکل گیا ہے اور ابھی مسلمانوں کا کوئی بڑا دستہ آن پہنچے گا۔ اس خیال سے وہ بھاگ نکلنے کی فکر میں بھی تھے۔

شہسوار مالک بن ناعم ہوا سے باتیں کرتے اپنے لشکر میں پہنچے اور سپہ سالار کو بتایا کہ اپنے مجاہدین کس طرح گھیرے میں آ گئے ہیں۔ سپہ سالار نے ذرا سا بھی وقت ضائع نہ کیا اور ملک کو دوڑا دیا۔

سالار شریک اور ان کے مجاہدین نے بڑی ہی جانبازی سے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ کچھ رومی ٹیلے پر چڑھ گئے تھے۔ انہیں گھواروں اور برہمچوں پر لیا اور اتنی دیر میں ملک پہنچ گئی۔ رومی بھاگ نکلے لیکن ملک نے ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے زیادہ تر کو وہیں رکھا۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا۔ زندہ وہی رہے جو چند ایک بھاگنے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

نیل کے کنارے وہ ٹیلا آج بھی موجود ہے اور وہ سالار شریک کے نام سے موسوم ہے اور آج بھی اس ٹیلے کو ”کوم شریک“ کہتے ہیں۔

بحری۔ جہاز جو بزنطیہ سے ملک لائے تھے، سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اتنی زیادہ نفری کی ملک اور ان کے گھوڑے جب جہازوں سے اتر رہے تھے تو یہ خبر دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں پھیل گئی کہ بزنطیہ سے ملک آگئی ہے اور ملک اسقف اعظم قیصر لایا ہے۔

سکندریہ مصر کا دار الحکومت اور بہت ہی بڑا شہر تھا۔ یہ بالکل سمندر کے اوپر آباد تھا۔ اس شہر کی آبادی پہلے ہی خاصی زیادہ تھی لیکن اب آبادی دو گنی سے بھی کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ آبادی میں اتنے اضافے کی وجہ یہ تھی کہ ان شہروں کے بہت سے لوگ ان شہروں پر مجاہدین اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا، بھاگ کر سکندریہ جا پہنچے تھے۔ ان میں اکثریت تاجروں اور دیگر دولت مند لوگوں کی تھی۔ وہ بھی بھاگ کر سکندریہ جا پہنچے تھے جن کے گھروں میں جو ان ہوٹلیاں تھیں۔ ان میں بعض ایسے تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ابھی دیکھا نہیں تھا۔ انہیں اتنا ہی پتہ چلا کہ مسلمان آ رہے ہیں تو وہ سکندریہ کو بھاگ اٹھے۔ وہ رے رہتے اور مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھتے تو بھاگنے کا نام ہی نہ لیتے۔

یہ لوگ اپنے آپ کو پناہ گزین کہتے تھے۔ ان میں بھگوڑے فوجی بھی تھے۔ انہوں نے سکندریہ کے شہروں میں دہشت پھیلا دی۔ فوجی یہ تو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ بزدل ہیں اور بھاگ آئے ہیں۔ پناہ گزین شہری اور بھگوڑے فوجی سکندریہ کے لوگوں کو اس قسم کی باتیں سناتے تھے کہ مسلمان دراصل انسان نہیں بلکہ یہ جنت ہیں جو انسان کے روپ میں آ گئے ہیں۔

یہ تو عام شہری اور فوج کے سپاہی تھے، ان میں جو کچھ عقل و دانش رکھتے تھے اور جن کی حیثیت کچھ اونچی تھی، وہ بھی دہشت ہی پھیلا رہے تھے لیکن کتے یہ تھے کہ نہ

جانے مسلمانوں کے پاس وہ کون سا جذبہ یا کیسا جادو ہے کہ کوئی فوج کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ان کے مقابلے میں ٹھہری نہیں سکتی۔ وہ یہ بھی سنا تے تھے کہ تقریباً ”ہر لڑائی میں اور ہر قتلے میں رومی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں پانچ چھ گنا زیادہ تھی لیکن ان تھوڑے سے مسلمانوں نے نہ جانے کیسا جادو پھونکا کہ آدمی فوج کٹ گئی اور باقی بھاگ نکلی۔

مسلمانوں کا نام سننے ہی بھاگ جانے والے لوگ اور سکندریہ کے باشندے یہ تو کسی سے پوچھتے ہی نہیں تھے کہ مسلمان مفتوحہ جگہ کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ وہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فاتحین مفتوحہ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتے ہیں۔ ان کے گھروں میں لوٹ مار کرتے اور ان کی جوان عورتوں کو اٹھالے جاتے اور ان کے لئے وحشی بن جاتے ہیں۔ رومی فوج بھی ایسی ہی تھی۔ لوگوں نے فرض کر لیا تھا بلکہ انہیں یقین تھا کہ مسلمان فاتحین بھی ایسے ہی وحشی اور درندے ہیں۔

سکندریہ کے لوگوں نے جب یہ سنا کہ مسلمان شر اور قہر فتح کرتے بڑی تیزی سے سکندریہ کی طرف بڑھے آ رہے ہیں تو پناہ گزینوں نے اور بھگوڑے فوجیوں نے جو خوف و ہراس پھیلایا تھا اس میں اضافہ ہو گیا۔ لوگ سوچنے لگے کہ وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے، آگے سمندر تھا۔

شہر کی اس اہم کیفیت میں جب لوگوں نے سنا کہ قیرس بزنطیہ سے بہت بڑی ملک لایا ہے تو لوگ اس کے استقبال کے لئے یا اپنے حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے بندرگاہ کی طرف اٹھ دوڑے۔ وہ قیرس کو نجات دہندہ فرشتہ سمجھنے لگے تھے جو آسمانوں سے اترتا تھا۔ لوگ اس سے پہلے بھی کچھ خوفزدہ ہی تھے کیونکہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ بزنطیہ سے کوئی ملک نہیں آئے گی۔ اگر مصر کے اور خصوصاً ”سکندریہ کے حالات نارمل ہوتے تو قیرس کا استقبال ایسا پرجوش نہ ہوتا۔ صرف وہی لوگ اس کا استقبال کرتے جنہوں نے ہرقل کی عیسائیت قبول کر لی تھی اور قیرس کو اسقف اعظم مانتے تھے۔

قبطی عیسائی تو قیرس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور کئی ایک قبطیوں کے دلوں میں قیرس کے خلاف انتقام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ قیرس نے کس طرح قبطیوں کا قتل عام کیا اور کیسے جو روستم سے ہرقل کی عیسائیت منوانے کے جتن کئے تھے لیکن قبطی عیسائی بھی اس خیال سے قیرس کے استقبال کو چلے گئے کہ ان کی

دشمنی قیرس کے ساتھ ہے، مصر اور عیسائیت کے ساتھ نہیں۔ وہ ایسی صورت حال کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے کہ مصر سے عیسائیت کی باو شاہی ختم ہو جائے اور اسلام کی حکمرانی آجائے۔ یہ لوگ عیسائیت کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ یہ قبطی بندرگاہ پر گئے تو وہ قیرس کا نہیں بلکہ ملک یعنی رومی فوج کا استقبال کرنا چاہتے تھے اور اس فوج کا انہوں نے حوصلہ بڑھانا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مصر سے نکالیں۔

قیرس فوراً ”ہی جہاز سے نہ اتر“ وہیں بیٹھا رہا اور شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر سوچ ہی رہا تھا تو اس کی سوچ یہی ہو سکتی تھی کہ نہ جانے مصر کے لوگ اس کا استقبال کس طرح کریں گے۔ اس کے اپنے اعمال اس کے سامنے آ رہے تھے.... سکندریہ کی فوج کے ایک جرنیل نے اسے سوچوں سے بیدار کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی قیرس اٹھ کھڑا ہوا اور اسے بڑے پیار سے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ بندرگاہ پر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ لوگ شور و غل پھا کر رہے تھے اور کچھ لوگ ملک کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ یہ شور و غل قیرس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا اور یہ بڑھتا ہی جا رہا تھا کیونکہ ہجوم میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

”یہ شور و غل کیا ہے؟“ — قیرس نے جرنیل سے پوچھا — ”کیا لوگ میرے استقبال کو آئے ہیں یا....“

”ہاں اسقف اعظم!“ — جرنیل نے پُر مسرت لہجے میں کہا — ”لوگ آپ کے اور ملک کے استقبال کو آئے ہیں اور آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہوئے جا رہے ہیں۔“

قیرس نے یوں اطمینان اور سکون محسوس کیا جیسے اس کے کندھوں سے یا اس کے ضمیر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہو۔ اس نے کہا کہ وہ لوگوں سے خطاب کرنا چاہتا ہے۔ وہ جب جہاز کے عرشے پر لوگوں کو نظر آیا تو لوگوں نے نعروں کے دھماکے کرنے شروع کر دیئے۔ قیرس نے اپنے بازو اوپر کر کے ہلائے اور پھر وہ جہاز سے اترنے لگا۔ ہجوم تو جیسے اس پر لوٹ پڑنا چاہتا تھا۔ جرنیل نے نیچے آ کر فوجیوں سے کہا کہ وہ لوگوں کو پیچھے رکھیں۔

کچھ دیر بعد قیرس جہاز سے اتر کر ایک اونچی جگہ کھڑا بازو اوپر کر کے لوگوں کو غاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔ یہ اونچی جگہ لکڑیوں کے بکس اوپر نیچے رکھ کر قیرس کے لئے

بنائی گئی تھی۔

”مصر کے غیرت مند لوگو!“ — قیرس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا — ”اب تک جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ تازہ دم فوج آگئی ہے۔ مجھے انبوس ہے کہ مصر میں جو ہماری فوج تھی، اس نے سوائے پسپائی کے کچھ نہ کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلطنتِ روم کی ساری کی ساری فوج ایسی ہی ہے۔ میں تازہ دم فوج لے کر آیا ہوں

”وہ ہر قتل مر گیا ہے جس نے یسوع مسیح کی عیسائیت میں اپنے مفادات کے لئے ملاوٹ کی اور جن لوگوں نے اس کی یہ عیسائیت قبول نہ کی انہیں میرے ہاتھوں مروایا۔ عوام مجھے لوگوں کا قاتل کہتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ خدا دیکھ رہا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اصل مجرم کون تھا۔ اگر تم لوگ مجھے ہی مجرم سمجھتے ہو تو آج میں تم سے اور ان مقتولین کی روحوں سے معافی مانگتا ہوں جنہیں عیسائیت کے نام پر قتل کر دیا گیا تھا لیکن میں معافی مانگنے پر بات ختم نہیں کروں گا۔ میں گناہوں کا کفارہ ا کروں گا، وہ اس طرح کہ مصر میں کوئی ایک بھی مسلمان زندہ نہیں رہے گا۔ اس وقت تک ہم جس شکست سے دوچار ہو چکے ہیں اسے فتح میں بدل کر دم لوں گا۔“

اب جو لوگوں نے نعرے لگائے اور داد و تحسین کا جو شور و غل پکایا، اس سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ قیرس کو خاصی دیر خاموش رہنا پڑا۔ آخر اس نے ہاتھ اوپر کئے تو ہجوم آہستہ آہستہ خاموش ہونے لگا۔

”تمہارے اس جوش اور جذبے نے میرا حوصلہ اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔“ — قیرس نے کہا — ”مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں اکیلا نہیں قوم کا بچہ بچہ میرے ساتھ ہے۔ رومیوں کے متعلق کوئی بھی وہم تمہارے دلوں میں ہے تو وہ نکال دو۔ مصر تمہارا وطن ہے۔ رومی تمہارے بادشاہ بھی نہیں اور آقا بھی نہیں۔ ہمارا مذہب ایک ہے اور یہ ملک تمہارا ہے۔ ہر قتل کا یثا فلسطین بھی مر گیا ہے۔ میں اور جرنیل قسطنطنیہ کے بیٹے کونستانس کو اور ملکہ مریتنا کے بیٹے ہر قیدیاس کو حکومت دے آئے ہیں۔ ان دونوں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنا کوئی حکم نہیں چلائیں گے۔ مجھے اب یہ مشکل پیش نہیں آئے گی کہ ہر حکم بزنطیہ سے لوں۔ میں نے کئی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ اتنے کم مسلمان اتنی دور سے آکر مصر پر قابض ہو گئے ہیں اور ہماری فوج بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ ابھی ابھی مصر کی

سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ یہاں کی صورت حال دیکھ لوں پھر اپنی کارروائیاں شروع کروں گا اور تم سب سے یہ کہوں گا کہ اپنی فوج میں شامل ہو جائیں اور جو فوج میں شامل نہ ہوں وہ فوج کو پورا پورا تعاون دیں۔ ...

”اب میں ایک انتہائی ضدی بات کہنے لگا ہوں۔ مسلمانوں کے متعلق یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ جس شہر کو فتح کرتے ہیں اس شہر کے لوگوں کے ساتھ انتہائی اچھا رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ نہ وہ دہشت مار کرتے ہیں نہ کسی خوبصورت عورت کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ جو لوگ ان کا مذہب قبول کر لیتے ہیں ان لوگوں کو وہ اپنے برابر کے حقوق دیتے ہیں اور جو ان کا مذہب قبول نہ کریں ان پر جزیہ عائد کر دیتے ہیں اور اس جزیے کے عوض ان لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہی خوبی دیکھ کر کئی جگہوں پر لوگوں نے ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور بعض نے ان کا مذہب قبول کر لیا۔ میں تمہیں ان مسلمانوں کی اصل ذہنیت بتاتا ہوں۔ یہ جب پورے ملک کو فتح کر لیں گے پھر دیکھنا ان کا رویہ کیا ہو گا۔ یہ فرعون سے بھی بدتر ہوں گے اور یہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنالیں گے اور بلا اجرت بیگار لیتے رہیں گے۔“

تاریخ نگار ای دیتی ہے کہ قیرس نے یہ خطاب بڑی تیزی سے کیا تھا کیونکہ وہ بہت جلدی میں تھا۔ جس جرنیل نے جہاز پر جا کر اس کا استقبال کیا اور جہاز سے اتارا تھا اس سے اس نے پوچھا تھا کہ جرنیل تھیوڈور کہاں ہے۔ وہ تھیوڈور سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔ اس جرنیل نے غالباً ”یہ سوچ کر بات گول کر دی کہ قیرس کو مصر کی تازہ صورت حال کا کچھ پتہ نہیں۔ جہاز سے اتر کر اور خطاب سے پہلے اس نے ان جرنیلوں سے جو اس کے استقبال کے لئے کھڑے تھے، پوچھا تھا کہ جرنیل تھیوڈور کیوں نہیں آیا۔ انہوں نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔

جرنل تھیوڈور سے ملنے کے لئے بے تابی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ جرنیل مصر میں مقیم تمام تر فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مریتنا نے اسے کہا تھا کہ جرنل تھیوڈور لوگوں میں بہت مقبول اور ہر دل عزیز ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنی نظر میں اور اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ مریتنا کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ جرنیل تھیوڈور مصر میں کامیاب ہو گیا تو وہ ہر قتل کے پوتے کونستانس کو اپنا بادشاہ سمجھ لے گا اور اس کا حامی بن جائے گا۔ قیرس

اسے فوراً ملنا چاہتا تھا لیکن تھیوڈور اس کے استقبال کے لئے بھی نہیں آیا تھا۔
سکندریہ کے جرنیل قیرس کو شاہی محل میں لے گئے۔ یہ ہرقل کا شاہی محل تھا مگر
مقوقس نے اس محل میں رہائش اختیار کی تھی اب قیرس کو اس محل میں رہنا تھا۔

○

قیرس کو تو جیسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ محل میں جاتے ہی اس نے بڑے
غصے سے کہا کہ جرنل تھیوڈور یہاں کی افواج کا کمانڈر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے
آپ کو مصر کا فرمانروا سمجھ بیٹھا ہے۔

”کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ میں اتنی زیادہ فوج لے کر آ رہا ہوں؟“ — قیرس نے
پوچھا اور خود ہی جواب دیا — ”اسے معلوم تھا۔ بزنید سے روانہ ہونے سے پہلے میں
نے قاصد بھیج دیا تھا۔ اسے بندر گاہ پر موجود ہونا چاہئے تھے۔“

قیرس کو بزنید سے چلے بہت دن گزر گئے تھے۔ پہلے خشکی کا لمبا سفر تھا اس کے بعد
اس سے کچھ زیادہ لمبا سفر بحری تھا۔ بحیرہ روم کی پوری چوڑائی عبور کرنی تھی مگر راستے
میں ہلکا سا طوفان آگیا جس کا رخ مصر کی بجائے کسی اور ہی طرف تھا۔ یہ طوفان ہوائیں
بادبانوں سے ٹکرا کر تمام جہازوں کو اپنے رخ پر ہی لے گئی تھیں۔ جہاز ران جہازوں پر
قابو نہ پاسکے لیکن طوفان جلدی نرم پڑ گیا اور جہازوں کو بڑی دور سے واپس لائے اور
سکندریہ کا رخ کیا۔ خشکی کے راستے بھی سکندریہ تک پہنچا جاسکتا تھا لیکن یہ سفر بڑا ہی لمبا
تھا۔ اتنے زیادہ دنوں میں مصر کی صورت حال میں انقلابی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ قیرس تو
صرف اتنا سن کر آیا تھا کہ مسلمانوں نے بابلین جیسا مستحکم شہر بھی لے لیا ہے لیکن ابھی
تک اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان بابلین سے سکندریہ تک کا آدھا فاصلہ فتح پہنچ
حاصل کرتے طے کر آئے ہیں اور اب خطرہ سکندریہ تک پہنچنے والا ہے۔

قیرس تو اس قدر جلدی میں تھا کہ خود ہی تیز تیز بولتا جا رہا تھا اور کسی اور کو بولنے کی
مہلت دیتا ہی نہیں تھا۔ ایک سوال کرتا اور اس کے جواب کا انتظار کرتا ہی نہیں تھا۔
اسے مریتنا کا یہ شک صحیح معلوم ہونے لگا کہ تھیوڈور فوج میں اور ملک کے لوگوں میں بڑا
ہی مقبول اور ہر دل عزیز ہے اور وہ جیسی من مانی کرنا چاہے کر سکتا ہے اور کی گزرتے گا...
قیرس نے ایک بار پھر کہا کہ کوئی اسے بتا سکتا ہے کہ تھیوڈور کہاں ہے اور اس کے
استقبال کو کیوں نہیں آیا؟

”معلوم ہوتا ہے وہ بابلین کی شکست پر شرمسار ہے“ — قیرس نے اپنے پہلے
سوال کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا — ”اتنے بڑے اور ایسے نامور جرنیل کا اتنے
تھوڑے اور نہایت معمولی قسم کے حملہ آوروں کے آگے ہتھیار ڈالنا واقعی بڑی
شرماری کی بات ہے لیکن میں تھیوڈور سے باز پرس نہیں کروں گا۔ اسے بلاؤ، میرے
سامنے لاؤ، ہم اب نئے سرے سے مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں گے اور ان کا نام و
نشان منادیں گے۔“

وہاں جو جرنیل موجود تھے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے ہاتھوں
پر شکنیں آگئی تھیں جیسے انہیں قیرس کا یہ انداز اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آنکھوں ہی
آنکھوں میں انہوں نے طے کر لیا کہ قیرس کو بتا دیا جائے کہ تھیوڈور کہاں پھنسا ہوا ہے
اور اس پر کیسی مصیبت آن پڑی ہے۔

”استقْب اعظم!“ — ان جرنیلوں میں جو عمر میں سب سے بڑا تھا بولا — ”ہمیں
بولنے کا موقع دیں کہ آپ جب بزنید سے چلے تھے، اُس وقت سے اب تک مصر کی
صورت حال کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ آپ
مذہب کے پیشوا ہیں لیکن مصر کی جو صورت حال ہے اس کا تعلق فوج کے پیشواؤں کے
ساتھ ہے اس لئے فوج کے پیشواؤں کی سنین اور پھر انہیں بتائیں کہ آپ کیا منصوبہ لے
کر آئے ہیں۔“

”اسی لئے تو میں جرنل تھیوڈور کی پوچھ رہا ہوں“ — قیرس نے کہا — ”وہ میرے
سامنے آئے تو سہی!“

”وہ آپ کے سامنے اتنی جلدی نہیں آسکتا“ — اس سینئر جرنل نے کہا —
”تھیوڈور سکندریہ میں نہیں بلکہ کریون میں ہے۔“

”وہاں کیا کر رہا ہے؟“ — قیرس نے پوچھا

”نقیوس اور طرونط اور دوسری جگہوں سے بھاگی ہوئی فوج کو اکٹھا کر رہا ہے۔“ —
جرنیل نے جواب دیا — ”عربوں کا یہ چھوٹا سا لشکر بابلین اور ارد گرد کے وسیع و عریض
علاقے پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے پیش قدمی کر آیا ہے اور اس نے نقیوس جیسا بڑا قلعہ بند
شہر بھی لے لیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر ہماری فوج لڑے بغیر بھاگ آئی ہے یا بھاگ
نکلنے کے لئے لڑی، کچھ کٹ مری اور باقی بھاگ آئی۔ ان علاقوں کے لوگ اور فوجی

سکندریہ پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک چلے آرہے ہیں۔ جزل تھیوڈور کریون میں اپنا محاذ مستحکم کر رہا ہے تاکہ عربوں کو وہیں روک لے اور انہیں پسپا کرنے کی کوشش کرے ورنہ وہ سیدھے سکندریہ پر آئیں گے۔

”تو کیا اسے کمک بھیجی جائے؟“ — قیرس نے پوچھا اور خود ہی کہا — ”لیکن میں یہ کمک کسی اور استعمال کے لئے لایا ہوں۔ اگر اس طرح تھوڑی تھوڑی کمک مختلف جگہوں پر بھیجنے لگے تو اس سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

”تھیوڈور کو کچھ نہ کچھ کمک بھیج دی جائے“ — بوڑھے جرنیل نے کہا — ”ہو سکتا ہے اسی سے تھیوڈور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اگر نہ ہو سکا تو ہم اس کمک کو سکندریہ کے دفاع کے لئے یہاں سے کچھ دور صف آرا کر کے عربوں کو روک لیں گے۔“

قیرس نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ دودستے کریون بھیج دیئے جائیں۔

○

قیرس اپنے ساتھ مبلغوں کا ایک بہت بڑا گروہ لایا تھا۔ اس گروہ کو اس نے بزنلے میں ہی ہدایات دے دی تھیں کہ مصر میں جا کر وہ کیا کریں گے۔ اس گروہ میں تین بڑے پادری تھے جو قیرس کے ہم راز معتقد تھے۔ اب شاہی محل میں پہنچ کر قیرس نے وہ صورت حال سنی جو کوئی اچھی نہیں تھی اور جزل تھیوڈور اس میں پھنس گیا تھا۔ قیرس نے اُسی وقت ایک کانفرنس منعقد کروالی۔ اس میں ایک تو فوج کے جرنیل تھے، دوسرے یہ تین بڑے پادری تھے، جاسوسی کے نظام کے دو سربراہ تھے اور انتظامیہ کے تین چار حاکم بھی اس کانفرنس میں بلائے گئے۔ قیرس نے دروازے بند کروائے کیونکہ وہ ساری کارروائی اور بات چیت رازداری سے کرنا چاہتا تھا۔

تاریخ کسی کی رازداری کو راز میں نہیں رہنے دیتی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کمرؤں کے اندر کی ہوئی باتیں کسی نہ کسی ذریعے تاریخ کے دامن میں آ پڑتی ہیں۔ قیرس کی اس کانفرنس کو بھی تاریخ بے نقاب کرتی ہے اور بعد کے واقعات نے ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی۔

”میرے بھائیو!“ — قیرس نے کہا — ”اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ ہماری فوج مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکی اور بڑوں کی طرح مصر اُن کے حوالے کر دیا ہے۔ میں

نے آپ کو اس لئے اکٹھا کیا ہے کہ سوچیں کہ ہم ان عربوں کو اپنے ملک سے کس طرح نکل سکتے ہیں۔ میں تجویز پیش کرتا ہوں پھر آپ اپنے اپنے مشورے دیں پھر ہم ایک منصوبہ تیار کر لیں گے اور اس کے مطابق فوری کارروائی کریں گے.... میری تجویز یہ ہے کہ اپنے صرف فوجی محاذ کو ہی مضبوط کر لیتا کافی نہیں۔ ہمارا محاذ ہر جگہ مضبوط تھا لیکن ہماری فوج کسی بھی محاذ پر جم نہیں سکی۔ میں حیران ہوں کہ مسلمانوں نے پابلیون کس طرح لے لیا ہے۔ ہم اب اس پر بحث نہیں کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں دوسرے محاذ بھی کھولنے پڑیں گے جو زیر زمین ہوں گے۔ ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے کر شکست دے سکتے ہیں۔ لڑیں گے تو ہم فوجی محاذ پر لیکن زمین دوز محاذ کو زیادہ مضبوط رکھیں گے۔ آپ لوگ اس پر غور کریں کہ ہم کیا کریں۔“

”جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے خوبصورت لڑکیاں بھیجی جائیں“ — ایک جرنیل نے کہا — ”آپ سب جانتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کیا کچھ کر سکتی ہے۔“

”لیکن یہاں ہمیں جاسوسی کی ضرورت ہی نہیں“ — قیرس نے کہا — ”جاسوسی اُس دشمن کی کی جاتی ہے جس کے متعلق معلوم ہی نہ ہو کہ اس کی اگلی چال کیا ہوگی اور یہ کہ ہر کارخ کرے گا۔ عربوں کے اس لشکر کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ سکندریہ کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہ سکندریہ کو محاصرے میں لے گا۔ ان عربوں کی کوئی بات ہم سے چھپی ہوئی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ اپنے کچھ فوجی آگے بھیج جائیں کہ وہ جوں جوں قتل از وقت آکر اطلاع دیتے ہیں کہ دشمن کارخ کس طرف ہے اور اس کی پیش قدمی کی رفتار کیا ہے۔“

”مجھے آپ سے اتفاق ہے اسقف اعظم!“ — ایک اور جرنیل بولا — ”لڑکیوں کو ہی استعمال کرنا ہے تو کسی اور طریقے سے استعمال کرو۔ میرا مشورہ ہے کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کروادیا جائے۔ اسے باہر کہیں قتل کرنا ممکن نہیں۔ آسمان اور فوری طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری کوئی لڑکی ایک مظلوم اور آفت زدہ لڑکی کے روپ میں سپہ سالار کے ہاں پناہ لینے جائے اور ایسی استادی کرے کہ کچھ دن سپہ سالار کے ساتھ رہے اور موقع پیدا کر کے اسے کھانے میں زہر دے دے۔“

”سپہ سالار کو قتل کر دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا“ — سینئر جرنیل نے کہا

زرد جو اہرات کالاج دیا جاسکتا۔“

”اس مشورے پر غور کیا جاسکتا ہے“ — معمر جرنیل نے کہا — ”اگر بدوؤں کو اپنے جال میں لیا جائے تو مسلمانوں کو کمزور کرنے کا ایک طریقہ اور بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ ہزاروں بدو مسلمانوں کے ساتھ ہی رہیں لیکن جہاں موقع ملے انہیں دھوکہ دیں اور ان کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں۔ مسلمان اس لڑائی کو اپنے مذہب کی لڑائی سمجھتے ہیں اور اسے جہاد کہتے ہیں اور جہاد کو ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ہمارے سامنے بدو ہی رہ جاتے ہیں جنہیں ہم مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔“

”آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہیں“ — قیرس نے کہا — ”میں پھر کہتا ہوں کہ جس دشمن کا آپ آئے سامنے آکر مقابلہ نہیں کر سکتے اس پر زمین کے نیچے سے وار کریں یا ان میں ایسے آدمی داخل کر دیں جو انہیں دوستی اور محبت کا دھوکہ دے کر ان کی پیٹھ پر وار کریں“ — قیرس ان تین بڑے پادریوں سے مخاطب ہوا جو اس اجلاس میں موجود تھے — ”یہ کام آپ تینوں کر سکتے ہیں۔ اپنے مبلغوں سے کہیں کہ وہ کسی کسی بہرہ پر ان بدوؤں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں اپنے راستے پر لائیں۔ کچھ مبلغ ان علاقوں میں چلے جائیں جن میں بدو آباد ہیں۔ ان کے سرداروں کو اپنے اثر میں لیں۔“

”ہم سمجھ گئے ہیں اسقف اعظم!“ — ایک پادری نے کہا — ”یہ مذہب کا معاملہ ہے اسے ہم اور ہمارے مبلغ اچھی طرح سمجھتے ہیں وہ ایسی تبلیغ کریں گے کہ....“

”صرف تبلیغ ہی کافی نہیں“ — قیرس نے اس پادری کی بات کاٹتے ہوئے کہا — ”مذہب کا جال بھی پھینکیں اور بڑی خوبصورت لڑکیاں اپنے ساتھ لے جائیں جنہوں نے اپنے اوپر مذہب کا پردہ ڈال رکھا ہو لیکن درپردہ وہ سرداروں پر اپنے حسن و جوانی کا طلسم طاری کریں اور انہیں اپنے جال میں لے لیں۔ اگر آپ کہیں کہ مذہب اس فریب کاری کی اجازت نہیں دیتا تو میں نہیں مانوں گا۔ اپنے مقصد کو دیکھیں۔ اگر آپ مذہب کے ہی دائرے میں گھومتے پھرتے رہے تو یہ دائرہ تنگ ہوتا جائے گا اور مصر میں اسلام کا دائرہ اثر وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اپنے مذہب کے فروغ کے لئے ایسی حرکت کرنے سے نہ ڈریں نو مذہب کے متنافی ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں عیسائیت کے تحفظ کے لئے اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ اگر اس مقصد کے لئے آپ کو کوئی گناہ کرنا پڑتا ہے تو کر گزریں۔“

دہاں انتظامیہ کے دو تین حاکم موجود تھے۔ ان میں جاسوسی کے شعبے کے سربراہ بھی

— کوئی دوسرا سالار اس کی جگہ لے لے گا یہ بادشاہیوں میں ہوتا ہے بادشاہ میدان جنگ میں مارا جائے تو فوج کا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور فوج بھاگ اٹھتی ہے کوئی جرنیل مارا جائے یا بھاگ نکلے تو پوری فوج پسپا ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں کوئی بادشاہ ہوتا ہی نہیں۔ میں نے ان لوگوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ مسلمان اپنے حکمران اور اپنے سپہ سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنے خدا کے حکم سے لڑتے ہیں جسے وہ اللہ کہتے ہیں۔ ان میں ڈسپلن اتنا زیادہ ہے کہ اپنے سالاروں کا حکم ماننے میں اور خود پر اور سرکش نہیں ہوتے۔ ان کے کسی لشکر کے سارے سالار مارے جائیں لشکر کا جذبہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ آپس میں اتفاق کر کے کسی کو بھی اپنا سالار بنا لیتے ہیں تاکہ مرکزیت قائم رہے۔ وجہ وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں کہ یہ مسلمان اپنے خدا کے آگے جواب دہ ہوتے ہیں.... انہیں کمزور کرنے کی کوئی ترکیب سوچیں۔“

”یہ بھی ذہن میں رکھیں“ — کوئی اور جرنیل بولا — ”مسلمانوں کے سالاروں سے لے کر نیچے سپاہیوں تک کا کردار ایسا ہے۔ حسین اور چالاک لڑکیوں سے انہیں پھانسا نہیں جاسکتا نہ ان کی توجہ اپنے عزم اور مقصد۔ بٹائی جاسکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے مصر کے کتنے ہی شہر فتح کئے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ مفتوحہ لوگوں کی لڑکیوں کی عزت کی حفاظت کی ہے....“

”میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے اس پر غور کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہزار ہا مصری بدو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے اور وہ پوری دیانت داری سے مسلمانوں کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اکثریت ان کی ہے جنہوں نے عیسائیت نہیں چھوڑی اور اسلام قبول نہیں کیا۔ لڑکیوں کے ذریعے یا انہیں دولت کالاج دے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بدو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس چلے آئیں۔ اس سے مسلمانوں کو ایک نقصان یہ ہو گا کہ ان کی بے شمار نفری کم ہو جائے گی اور دوسرا نقصان یہ کہ ان بدوؤں کی دیکھا دیکھی جو اور بدو لشکر میں شامل ہوتے رہتے ہیں یہ سلسلہ رک جائے گا۔ اس کام کے لئے بدوؤں کے سرداروں کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ ان بدو سرداروں کو اپنے شیشے میں اتارنے کے لئے لڑکیاں کام آ سکتی ہیں اور ان سرداروں کو

کہ رومی دل چھوڑ بیٹھے اور مجاہدین نے انہیں بُری طرح تلواروں اور برہتھیوں پر لیا۔
ان میں وہی زندہ رہے جو بھاگ نکلے تھے۔ اس معرکے فوراً بعد سپہ سالار عمرو بن عاص
اور شریک سے آن ملے اور پیش قدمی جاری رکھی۔

اپنے جاسوس بہت آگے چلے گئے تھے اور وہ باقاعدہ خبریں دے رہے تھے کہ اس
نہ رومی کہاں کہاں ہیں، کسی کیفیت میں ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں۔

سپہ سالار عمرو بن عاص آگے جا رہے تھے کہ اپنا ایک جاسوس مجاہد آگیا۔ اس نے یہ
پورٹ دی کہ چھ میل دور آگے ایک مقام پر بھاگے ہوئے رومی فوجی اکٹھے ہو رہے
ہے اور وہ مجاہدین کا مقابلہ کریں گے۔ اس مقام کا نام سلیس تھا۔ یہ کوئی مشہور اور اہم
اہم نہیں تھا اس لئے وہاں قلعہ بندی تھی ہی نہیں۔ جاسوس نے بتایا کہ ان رومیوں کی
نی کتنی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہاں کوئی قلعہ نہیں اور رومی کھلے میدان میں لڑیں گے۔
”بھاگے ہوئے رومی کبھی یوں نہیں رکتے“ — سپہ سالار عمرو بن عاص نے کہا
— ”حیران ہوں کہ یہ صرف رکے ہی نہیں بلکہ مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ اس کی ضرور
نی وجہ ہوگی۔ ہو سکتا ہے انہیں بتایا گیا ہو کہ کمک آ رہی ہے اور مزید پسپائی روک
نا۔“

اس وقت عمرو بن عاص کے ساتھ دو تین سالار تھے۔ وہ بھی حیران ہوئے کہ بھاگنے
لے رومی مقابلے میں کس طرح کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ انہیں
لیکل دے کر روکا گیا ہے اور بکھرے ہوئے رومیوں کو یہاں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا گیا
ہے۔

اس وقت جنرل تیموذور کریون میں تھا جو دفاعی لحاظ سے ایک مضبوط قلعہ بند شہر
تھا۔ اسے مسلسل اطلاعیں مل رہی تھیں کہ آگے سے رومی فوجی بھاگے ہوئے قلعے میں
رہے ہیں۔ اس فوج کے دستوں کو جنرل تیموذور نے ہی مختلف مقامات پر پھیلایا تھا کہ
مجاہدین اسلام کی پیش قدمی کے آگے رکاوٹ بنے رہیں اور اس لشکر کو کمزور کرتے
سے اس قابل رہنے ہی نہ دیں کہ یہ سکندریہ تک پہنچ سکے لیکن یہ دتے کسی بھی مقام
مجاہدین کے آگے نہ ٹھہر سکے اور پسپا ہی ہوتے چلے گئے۔ پسپائی کوئی معیوب لفظ
نہ تھا۔ بعض اوقات کوئی فوج کسی جنگی چال کے تحت پیچھے ہٹ آتی ہے اور پھر نئی تنظیم
مطابق جو بالی حملہ کرتی ہے لیکن رومی پسپا نہیں ہو رہے تھے بلکہ ڈری

تھے۔ وہ اس قسم کی فریب کاریوں میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے ماتحت کام
کرنے والے لوگ ان سے بھی زیادہ ہوشیار اور استوار تھے۔ یہ رومیوں کی شمنشانی تھی۔
تاریخ ایسی کہانیاں سناتی ہے کہ بادشاہ کس طرح لڑکیوں اور دولت کو استعمال کیا کرتے
تھے۔ سکندریہ کے اس محل میں جو حرم تھا اس میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین ہوشیار
لڑکی موجود تھی۔

یہ ایک جھلک ہے اس کانفرنس کی کارروائی اور گفت و شنید کی۔ مجاہدین اسلام کے
لئے بڑے ہی پُرکشش پھندے اور ہم رنگ زمین دام تیار کئے گئے۔ اور ہر مجاہدین اللہ
کے حکم سے اللہ پر ہی بھروسہ کئے سکندریہ کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ انہوں نے کبھی
ابے ہچکھڑے اور فریب نہیں سوچے تھے جو تکبر گناہوں کے زمرے میں آتے ہیں۔
مجاہدین کے اس لشکر کے ساتھ عورتیں بھی تھیں اور ان میں شاریتا اور روزی اور اس
جیسی چند ایک بڑی حسین لڑکیاں تھیں جو رومی یا مصری تھیں اور انہوں نے اسلام قبول
کر کے ان مجاہدین کے ساتھ شادیاں کر لیں جو ان کے دلوں میں اتر گئے تھے۔ وہ اپنی
خدمات پیش کرتی تھیں کہ انہیں اجازت دی جائے تو وہ رومی جرنیلوں کو گمراہ کر دیں گی
لیکن اسلام میں رہ کر کوئی سپہ سالار انہیں ایسی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

مجاہدین کے پاس صرف جاسوسی کا ایک شعبہ تھا جس کے مجاہدین آگے جا کر ہر
بہرہ و ہمار لیتے اور دشمن کے علاقے میں فریب کاری اور اداکاری سے کام لیتے اور
اپنے سپہ سالار کے لئے نہایت اہم خبریں لے آتے تھے جو سپہ سالار کے کام آتی تھیں۔
ان جاسوس مجاہدین نے اکثر اپنے لشکر کو خوفناک خطروں سے بچایا تھا۔

قیس نے اس کانفرنس میں جرنیلوں اور دیگر شرکاء کو آخری منصوبہ تیار کر کے
احکام اور ہدایات دیں اور پھر کانفرنس برخاست ہوئی۔ اس نے پھر جنرل تیموذور کے
متعلق باتیں شروع کر دیں اور اس بے تاب کا اظہار کیا کہ وہ تیموذور سے بہت جلدی ملنا
چاہتا ہے۔

یہ تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھیں کہ جس وقت یہ کانفرنس چل رہی تھی اس
وقت جنرل تیموذور کہاں تھا اور اس سے پہلے اور بعد اس پر کیا گزری تھی۔
یاد کریں کہ شریک بن سنی نے ایک ٹیلے پر محصور ہو کر رومیوں کا ایسا مقابلہ کیا تھا

ہوئی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگے جا رہے تھے۔ رومی تو ایک جنگجو قوم تھی جس کی جماعت اور بے جگری کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے لیکن مجاہدین اسلام کے اس قلیل تعداد لشکر کے آگے رومی اپنی روایات کو بھول گئے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ باطل پہلی بار حق کے مقابلے میں آیا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے پہلے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی پوری فوج کو اپنی قیادت میں لے کر آگے بڑھے اور مجاہدین سے ایک فیصلہ کن معرکہ لڑے لیکن اس نے جب بھاگ بھاگ کر آنے والے فوجیوں کی ذہنی کیفیت دیکھی تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کریون میں ہی رہے اور اس قلعہ بند شہر کو مجاہدین کے راستے میں رکاوٹ بنائے۔ ایک تو یہ فوجی بھاگ آئے تھے اور دوسرے وہ جو مجاہدین کی تلواروں اور برہتیموں نے دنیا سے اٹھا دیئے تھے ان کی لاشیں گوشت خور پر ندے اور درندے کھا گئے تھے اور ان کی ہڈیاں مصر کی زمین پر بکھر گئی تھیں.... قرآن کا ایک ایک فرمان پورا ہو رہا تھا۔ مجاہدین کو جیسے اللہ کی یہ آواز سنائی دے رہی تھی کہ اکثر ایسے ہوا ہے کہ چھوٹی سی جماعت بہت بڑی فوج پر غالب آئی ہے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔

جنرل تھیوڈور ابھی بابلین کی شکست کے صدمے سے نہیں سنبھلا تھا کہ اسے پسپائی کی خبریں ملنے لگیں اور پھر اس نے دیکھا کہ کچھ فوجی اور کچھ لوگ بھاگے ہوئے کریون پہنچ رہے ہیں۔ تھیوڈور کو امید تھی کہ بزنیہ سے کمک آجائے گی لیکن بابلین میں ہی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کمک نہیں آئے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنرل تھیوڈور اپنی فوج میں اور لوگوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اسے یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ بزنیہ میں شاہی خاندان میں تخت و تاج کی وراثت پر رس کشی ہو رہی ہے اور وہاں کسی کو یہ خیال نہیں رہا کہ مصر کو بچانا ہے۔ تھیوڈور نے کریون میں اپنے دو تین جرنیلوں کو بلایا۔

”ہم کس کی لڑائی لڑ رہے ہیں؟“ تھیوڈور نے اگھڑے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ ”ہرقل کے شاہی خاندان کی یا سلطنت روم کے وقار کی؟.... شاہی محل میں جو معرکہ آرائی ہو رہی ہے وہ تم سن چکے ہو۔ انہوں نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے اور جب مصر ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس کی سزا ہمیں ملے گی۔ متوقس اچھا تھا برا یہ الگ بحث ہے لیکن ہرقل نے اسے ذلیل و خوار کر کے ملک بدر کر دیا۔ ہرقل خود کمک لے کر مدینہ میں کیوں نہیں آیا؟ اپنے بیٹے فلسطین کو کیوں نہیں بھیجا؟.... غور کرو کہ ہم جان ک

بازی لگا کر ان عربوں کو مصر سے نکال دیتے ہیں تو مصر کا مالک کون ہو گا؟.... ہرقل اور اس کا خاندان!.... میں اب تمہیں اپنے دل کی بات بتاتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے۔ میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ اب ہم جم کر لڑیں گے اور مسلمانوں کو شکست دیں گے اور پھر ہم مصر میں خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔ ظاہر ہے بزنیہ سے فوج آئے گی اور ہم سے ہتھیار ڈولانے کی کوشش کرے گی۔ یہ خانہ جنگی ہوگی لیکن میں اس کے لئے تیار ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دو گے؟“

دونوں جرنیلوں نے کہا کہ اب وہ اپنے آپ کو تھیوڈور کے ہی ماتحت سمجھیں گے اور موت تک اس کا ساتھ دیں گے۔ ان جرنیلوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ مریتنا سلطنت روم کی ملکہ بننے کے جتن کر رہی ہے اور اگر وہ خود ملکہ نہ بن سکی تو اپنے بیٹے کو ہرقل کے تحت پر بٹھائے گی۔ ان جرنیلوں نے کہا کہ وہ ایسے بادشاہوں کے غلام نہیں رہنا چاہتے نہ اپنے آپ کو اب ان کے حکم کا پابند رکھیں گے۔ البتہ جرنیلوں نے تھیوڈور سے یہ بات ضرور پوچھی کہ کمک کے آنے کی جو اطلاع آئی ہے اس کا کیا کیا جائے۔

”ہاں.... یہ سوچنے والا مسئلہ ہے۔“ جنرل تھیوڈور نے کہا۔ ”اگر قیرس کمک لے کر آگیا تو وہ سب سے پہلے مجھے بلائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے قیرس پر بھی اعتماد نہیں۔ وہ ہے تو استغقب اعظم لیکن کردار کے لحاظ سے بہت ہی گھٹیا آدمی ہے۔ میں اس کی نیت بھانپ لوں گا۔ اگر مجھے اس کی نیت پر کچھ شبہ ہو تو میں اس سے کمک کی کمان خود لے کر اسے ایک طرف کر دوں گا۔“

جرنیلوں نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب ہم یہ لڑائی اپنی ذاتی لڑائی سمجھ کر لڑیں گے اور قیرس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، ہم بزنیہ کے احکام کی بھی پرداہ نہیں کریں گے۔ جنرل تھیوڈور کو یہ مشورہ اچھا لگا۔ اس نے اسی وقت دفاعی پلان بنانا شروع کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے اپنے دفاع میں لڑیں گے اور مسلمانوں کو تھکا کر جوابی حملہ کریں گے۔ اس پلان کے تحت اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جو دستے کریون میں ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے اور وہ خود بھی کریون میں ہی رہے۔ اس کا دراصل ارادہ یہ تھا کہ ہر طرف بکھری ہوئی فوج کو اس قلعہ بند شہر میں اکٹھا کرے لیکن کچھ اس نے اور کچھ جرنیلوں نے سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جو دستے کریون سے دور دور مقیم ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں اور انہیں کمزور کرنے کی کوشش کریں۔ مطلب

یہ تھا کہ جب مسلمان کریوں کو محاصرے میں لیں تو وہ کمزور حالت میں ہوں۔

ادھر سکندریہ میں مجاہدین اسلام کے خلاف بڑی ہی زہرناک اور زمین دوز کارروائیوں کے پلان بن گئے تھے اور ایسی تخریب کاری کی ابتدا ہو گئی تھی جس کا پتہ تباہی اور بربادی کے بعد ہی چل سکتا ہے۔ ادھر کریوں میں رو جمع جرنیلوں نے نئے عزم اور نئے جذبے سے ایسا پلان بنالیا تھا جو مجاہدین کے لئے ناقابلِ تسخیر رکاوٹ بن سکتا تھا۔

○

سپہ سالار عمرو بن عاص ان دونوں محاذوں سے جوان کے خلاف بن گئے تھے، بالکل بے خبر تھے۔ لشکر کی نفی اور کم ہو گئی تھی۔ تاریخ میں واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت مجاہدین کی نفی کتنی تھی نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں مدینہ سے مزید کمک ملی تھی یا نہیں۔ تین مؤرخوں نے جن میں ایک غیر مسلم تھا، لکھا ہے کہ یہ نہیں مانا جاسکتا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اتنی لڑائیوں کے بعد مصر ملک نہ بھیجی ہو۔ امیر المومنین کی بیٹیوں کا مصر کے محاذ کے ساتھ دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ زیادہ وقت مصر کی ہی باتیں کرتے تھے اور اکثر اُس راستے پر دور تک چلے جاتے تھے جس راستے سے قاصد آیا کرتے تھے۔ انہیں ہر وقت مصر کے محاذ کی اور مجاہدین کی پریشانی اور تشویش لاحق رہتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کمک نہ بھیجی ہو۔

مصری تاریخ دان اور عالم محمد حسنین ہیکل نے متعدد مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ مدینہ سے مصر کو کتنی بار اور کتنی کمک گئی تھی لیکن یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ جب مجاہدین سکندریہ کی طرف بڑھ رہے تھے اُس وقت ان کی نفی بارہ ہزار سے زیادہ اور پندرہ ہزار سے کم تھی۔ یہ بھی واضح ہے کہ رومی فوج مجاہدین کے لشکر کی نسبت پانچ یا چھ گنا زیادہ تھی۔ رومی فوج کو قلعوں کی آڑ اور پناہ میسر تھی۔ رومی اپنے ملک میں تھے اور ان کے مقابلے میں مجاہدین بڑی دور سے آئے اور سوائے اللہ کی ذات کے انہیں پناہ اور پشت پناہی دینے والا کوئی نہ تھا۔

ایک مؤرخ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عرب کے یہ مسلمان یقینی خود کشی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اتنی کم نفی کا لشکر اتنی بڑی فوج کو شکست دے سکے گا۔ اس سے پہلے ان مجاہدین نے ہر محاذ پر رومیوں کو شکست دی تھی لیکن اب

ان کے راستے میں چٹانیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ اصل خطرہ تو یہ تھا کہ سپہ سالار عمرو بن عاص بے خبر تھے۔

پھر ایک خطرہ اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ مجاہدین مسلسل لڑتے چلے آ رہے تھے اور ہر لڑائی کا درمیانی وقفہ وہ پیش قدمی کی حالت میں رہتے تھے۔ وہاں تو گھوڑے بھی تھک کر آہستہ چلنے لگے تھے، مجاہدین تو انسان تھے۔ جذبہ اپنی جگہ لیکن انسانی جسم کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین اس حد سے آگے نکل گئے تھے لیکن ان کا جوش و خروش پہلے دن جیسا تھا جس دن وہ مصر میں داخل ہوئے تھے۔ عمرو بن عاص اپنے لشکر کی اس جسمانی کیفیت سے بے خبر نہیں تھے۔ پھر بھی وہ خطرے پہ خطرہ مول لیتے چلے جا رہے تھے۔ مبصرین لکھتے ہیں کہ عمرو بن عاص مصر کی فتح کے لئے دیوانگی کی حد سے تک پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو راضی کیا تھا کہ انہیں مصر پر فوجی کشی کی اجازت دیں۔ امیر المومنین نے اجازت تو دے دی تھی لیکن کسی ایک صحابہ کرامؓ کے خلاف تھے جن میں حضرت عثمانؓ بن عفان بھی شامل تھے۔ وہ بزرگ صحابی تھے جن کی کوئی بات حضرت عمرؓ نالتے نہیں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ عمرو بن عاص خالد بن ولید سے زیادہ خطرے مول لینے والے سپہ سالار ہیں اور یہ کسی بھی وقت پورے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیں گے اور انہیں بروقت کمک نہیں پہنچائی جاسکے گی۔

امیر المومنین نے اس دلیل کو صحیح جانتے ہوئے بھی عمرو بن عاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دے دی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ امیر المومنین اجازت دے کر بھی سوچ میں پڑ گئے تھے کہ ان کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، امیر المومنین نے ایک قاصد عمرو بن عاص کے پیچھے اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا تھا کہ اگر وہ مصر کی سرحد میں داخل نہیں ہو گئے تو واپس آجائیں لیکن عمرو بن عاص نے ایک استادی کھیلی اور مصر کی سرحد میں داخل ہو کر یہ پیغام کھول کر پڑھا اور پیش قدمی جاری رکھی تھی۔

اب جب وہ آدھے سے زیادہ مصر فتح کرتے ہوئے سکندریہ کی طرف بڑھ رہے تھے تو ایسے خطرے سامنے آ گئے تھے جو حضرت عثمانؓ بن عفان کی مخالفت کی تائید کرتے تھے۔ یوں نظر آتا تھا جیسے عمرو بن عاص فتوحات کے نشے سے سرشار اندھا دھند خطروں میں چلے آ رہے ہیں اور اب وہ اپنی شکست کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ہے اور کچھ درخت بھی ہیں اور نیچے جا کر زمین خاصی پھیل جاتی ہے۔

سالار زبیرؓ نے سپہ سالار کو بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ سپہ سالار نے انہیں اجازت دے دی اور پیش قدمی جاری رکھی بلکہ رفتار اور تیز کر دی۔

چھ میل کا فاصلہ گھوڑوں نے اور پیادوں نے بڑی جلدی طے کر لیا اور انہیں رومی فوج نظر آنے لگی۔ رومی فوج کو اس کے جاسوسوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مسلمان آ رہے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ سپہ سالار عمروؓ بن عاص نے جب رومی فوج کو دور سے دیکھا تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس فوج کی نفری ان کے لشکر سے دو گنی ہے اور یہ رومی فوج تمام کی تمام گھوڑ سوار ہے۔

عمروؓ بن عاص نے اپنا گھوڑا راستے سے الگ کیا اور رک گئے۔ لشکر ان کے سامنے سے گزرتا جا رہا تھا۔ عمروؓ بن عاص دایاں بازو اوپر کئے ہمارے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ ”تم اس آزمائش میں سے بھی سرخرو گزر جاؤ گے.... اللہ نے تمہیں فراموش نہیں کیا.... تمہارے جسم تھکے ہوئے ہیں روحیں تروتازہ ہیں.... تم اس آزمائش میں بھی سرخرو گزر جاؤ گے“۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہی کہتے رہے اور لشکر ان کے سامنے سے گزر گیا، تب انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا دوڑاتے لشکر کے آگے چلے گئے۔

رومی فوج پہلے ہی ترتیب میں تیار تھی۔ مجاہدین کے لشکر کو دیکھ کر رومیوں کے کمانڈر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دستوں کے سامنے جاکھڑا ہوا۔
”وہ دیکھو تمہارا دشمن آ رہا ہے“۔ رومی کمانڈر نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔

”اس دشمن کی تعداد دیکھو۔ عرب کے یہ بڈو تھک کر شل ہو چکے ہیں۔ عمد کر لو کہ ان کے ٹکڑے اڑا دو گے۔ اپنے آپ کو ان میں شامل نہ کر لینا جو بھاگ نکلے ہیں۔ اپنی آنے والی نسلوں کے لئے اپنا نام ایسا اونچا کر دو کہ ہمیشہ زندہ رہے۔“

رومی کمانڈر نے ایسے ہی کچھ اور جو شیلے الفاظ کہے کہ ان دستوں میں جوش و خروش نظر آنے لگا۔

مجاہدین کا لشکر جب قریب پہنچا تو سالاروں نے اپنے آپ ہی اپنے اپنے دستے الگ کئے اور لشکر ایک مشین کی طرح چلتے چلتے لڑائی کی ترتیب میں آ گیا۔ لڑائیوں کے دستور



سپہ سالار عمروؓ بن عاص کو ایک جاسوس مجاہد نے آگے سے آکر یہ اطلاع دی کہ رومیوں کے جو فوجی بھاگ گئے تھے وہ چھ میل دور سلیس کے قریب اکٹھے ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ اس علاقے کا ایک بڑی نفری والا دستہ بھی موجود ہے۔ جاسوس نے بتایا کہ اس نے ان فوجیوں کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر معلوم بھی کیا کہ یہ رومی مجاہدین کے انتظار میں ہیں اور جم کر لڑنے کا عہد کر چکے ہیں۔

عمروؓ بن عاص سیدھے چلے جا رہے تھے اور جس جگہ کی نشاندہی جاسوس مجاہد نے کی تھی وہ کسی اور سمت تھی۔ عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں سے مشورہ کئے بغیر اپنے گھوڑے کی باگیں اُس طرف موڑ دیں اور بازو اوپر کر کے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے پیچھے آئے۔ سپہ سالار لڑنے کے ارادے سے اس طرف ہو لئے تھے۔ انہوں نے جاسوس سے پوچھ لیا تھا کہ ان فوجیوں کی نفری کتنی ہے۔ نفری مجاہدین سے تقریباً دو گنی تھی۔

سلیس کی طرف رخ کر کے اور کچھ دور جا کر عمروؓ بن عاص نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ سالار آئے تو عمروؓ بن عاص نے رک کر نہیں بلکہ چلتے چلتے انہیں بتایا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انہوں نے سالاروں کو وہ ترتیب بتائی جس میں مجاہدین کے لشکر کو دشمن کے قریب جا کر ہو جانا تھا۔ سپہ سالار نے تمام ضروری ہدایات دیں اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کھلے میدان میں لڑے گا اور دور دور تک کوئی قلعہ نہیں جس میں جا کر دشمن پناہ لے گا اور ہمیں لٹکارے گا۔

لشکر کے نامور سالار زبیرؓ بن العوام نے عمروؓ بن عاص سے پوچھا کہ وہاں کی زمین کے خدوخال کیسے ہیں۔ یہ علاقہ عمروؓ بن عاص نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اتنا ہی حیرت منہ تھے کہ یہ نیل کا بیٹا کا علاقہ ہے اور نیل کئی شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے سالار زبیرؓ بن العوام کو بتایا کہ آگے دلدل بھی ہو سکتی ہے، جنگل بھی ہو سکتا ہے اور کھلا میدان بھی ہو سکتا ہے لیکن سالار زبیرؓ صحیح خدوخال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس جاسوس مجاہد کو اپنے پاس بلایا جو یہ خبر لیا تھا اور اب لشکر کے ساتھ جا رہا تھا۔

زبیرؓ بن العوام نے اس جاسوس مجاہد سے پوچھا کہ رومی فوج جہاں لڑنے کے لئے تیار کھڑی ہے اس کے ارد گرد کا علاقہ کیسا ہے۔ جاسوس مجاہد نے انہیں بڑی اچھی طرح سمجھا دیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ایک طرف زمین نیچے چلی جاتی ہے جہاں کچھ دلدل سی

کے مطابق ہوتا یوں تھا کہ دونوں طرف فوجیں ایک دوسرے کے قریب آکر ایک دوسرے پر حملہ کرتیں اور لڑائی لڑی جاتی تھی لیکن مجاہدین کا لشکر ابھی ترتیب میں آیا ہی تھا اور کچھ دور تھا کہ تمام تر رومی فوج نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی، برپھیاں اور تلواریں آگے کر لیں اور شدید ہل بول دیا۔ وہ تو گھوڑوں اور انسانوں کا ایک بڑا ہی تند و تیز طوفان تھا جو لگتا تھا درخت راستے میں آئیں گے تو جڑوں سے اکھڑ جائیں گے۔ گھوڑوں کے نیچے زمین ہل رہی تھی۔ زمین و آسمان دم بخود تھے کہ یہ ہلہ مجاہدین کا لشکر برداشت کر سکے گا یا نہیں۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے رومیوں کا یہ ہلہ آتا دیکھا تو اپنے دوستوں کو اور زیادہ دائیں بائیں پھیلادیا۔ انہیں ایسی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سپہ سالاروں کو کوئی نہ کوئی حکم اور ہدایت بھیجتے، یہ مسلمانوں کا اپنا طریقہ تھا کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ معرکے کے لئے جو ابھی شروع ہوا تھا، سپہ سالار نے راستے میں سالاروں کو بتادیا تھا کہ کن حالات میں کیا پینترے بدلنے ہیں۔

اب دیکھا کہ رومی فوج بند توڑ کر آنے والے سیلاب کی طرح یا بڑے ہی تیز طوفان کی طرح آ رہی ہے تو یوں لگتا تھا جیسے اتنے ہزار گھوڑے مجاہدین کے اس چھوٹے سے لشکر کو روندتے چلے جائیں گے۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کے ہونٹوں پر تبسم آگیا۔ انہوں نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھ کر جو ان سے دور دور تھے ہاتھ اوپر کر کے کچھ اشارے کئے۔ پہلوؤں والے دستے اور زیادہ کھل گئے اور درمیان جو دستے تھے وہ رومیوں کے مقابلے کو آگے بڑھے۔ رومی چیتنے چلاتے آرہے تھے۔ مجاہدین کے لشکر سے صرف ایک نعرہ تکبیر بلند ہوا جس کے جواب میں پورے لشکر نے اتنی زور سے اللہ اکبر کہا کہ آسمان بھی لرز گیا ہو گا۔ وہ قبل از شہادت کا جوش اور ولولہ تھا۔

مجاہدین کے وہ دستے جو دشمن کے مقابلے کو آگے بڑھے تھے، دشمن سے ٹکرا گئے۔ وہ اتنے تھوڑے تھے کہ اتنے زیادہ رومیوں میں وہ غائب ہی ہو جاتے لیکن ان کا انداز یہ تھا کہ لڑ رہے تھے اور آہستہ آہستہ پیچھے بھی ہٹ رہے تھے۔ ادھر دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جو مجاہدین کے دستے تھے وہ اپنے سالاروں کے حکم کے مطابق اس طرح دائیں بائیں پھیل گئے کہ رومیوں پر آنے سانسے کی بجائے پہلوؤں سے حملہ کریں۔ عمرو بن عاص نے محفوظہ (ریزرو) کے دو دستے پیچھے روکے ہوئے تھے۔ انہیں خاص

صورت حال میں آگے بڑھنا تھا۔ مطلب یہ کہ عمرو بن عاص اتنے کثیر دشمن کے مقابلے میں بھی دماغ کو حاضر اور دل کو ٹھنڈا رکھ کر سوچ رہے تھے اور ان کے انداز میں گھبراہٹ کا اشارہ بھی نہیں ملتا تھا۔

مجاہدین رومیوں کے پہلوؤں میں جانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن رومی اس کے مطابق پھیلے جا رہے تھے۔ ادھر آنے سانسے آنے والے دستے پیچھے ہٹتے آرہے تھے اور اس کے مطابق رومی بھی یہ سمجھ کر کہ مجاہدین ہلے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو رہے ہیں، آگے ہی آگے آتے گئے۔ سپہ سالار کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کی ترتیب کو درہم برہم کر دیں لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنی تعداد کے زور پر مجاہدین کو کچل اور مسل دینا چاہتے تھے اور انہیں توقع بھی یہی تھی کہ وہ اس چال میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آج کی فوجی زبان میں اسے بلنڈز کرنا کہتے ہیں۔

یہ ایک خونریز معرکہ تھا لیکن مجاہدین اپنے آپ کو بچا بھی رہے تھے کیونکہ ان کے سالاروں کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ ظاہری صورت یہ تھی کہ رومی مجاہدین پر غالب آگئے تھے اور مجاہدین کی کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دے رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ مجاہدین ان کے پہلوؤں پر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ اس رومی فوج میں دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے فوجی بھی تھے لیکن اس معرکے میں ان کے جوش اور جذبے میں کوئی اور ہی تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ واقعی یہ عہد کر چکے تھے کہ مجاہدین اسلام کو اسی میدان میں کٹ پھینکیں گے۔

صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو مجاہدین کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ حضرت عثمان بن عفان کی یہ بات صحیح معلوم ہونے لگی تھی کہ عمرو بن عاص کسی بھی وقت پورے لشکر کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ اب نظر یہی آنے لگا تھا کہ عمرو بن عاص نے لشکر کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیا ہے لیکن ان کے چہرے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ متفکر تو ضرور ہیں پریشان نہیں بلکہ ان کے چہرے پر اطمینان کی بھی جھلک تھی اور اتنے ٹھنڈے مزاج میں رہے کہ انہوں نے محفوظ کے دستوں کو پیچھے ہی رہنے دیا۔ ایسی صورت حال میں اکثر کمانڈر ریزرو دستوں کو بھی لڑائی میں جھونک دیا کرتے ہیں۔

عمرو بن عاص نے گھوڑا دوڑایا اور ایک موزوں مقام پر گھوڑا روک کر بایاں بازو اوپر کیا اور ہاتھ سے کوئی اشارہ دیا۔ جس طرف اشارہ کیا تھا ادھر سے سینکڑوں گھوڑے

دوڑنے کا ہنگامہ سنائی دیا لیکن ادھر معرکے کا ہنگامہ اتنا شدید تھا کہ کسی نے سنا ہی نہیں کہ یہ گھوڑے کس کے ہیں۔

اچانک رومیوں کے عقب سے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ رومیوں کی پٹیوں میں تلواریں اور بچھیاں اترنے لگیں اور وہ یہ دیکھے بغیر کہ پیچھے کون آگیا ہے گھوڑوں سے گرنے، تڑپنے اور مرنے لگے۔ گھوڑے انہیں روندنے لگے۔ رومیوں کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کا ہلہ اور اس کی شدت یکفخت کم ہو گئی اور وہ پیچھے دیکھنے لگے۔

وہ سالار زبیر بن العوام تھے جنہوں نے ڈیڑھ دو ہزار مجاہدین سے رومیوں پر عقب سے حملہ کر دیا تھا۔ لشکر جب اس میدان جنگ کی طرف آ رہا تھا تو سالار زبیر نے جاسوس مجاہد سے پوچھا تھا کہ وہاں کی زمین کے خدو خال کیا ہیں۔ انہیں جب بتایا گیا کہ ایک پہلو پر جا کر زمین نیچے چلی جاتی ہے تو زبیر بن العوام نے سپہ سالار سے اجازت لی تھی کہ ایک چال چلنا چاہتے ہیں۔

ان کی چال یہ تھی کہ میدان جنگ سے دور ہی تھے کہ انہوں نے ڈیڑھ دو ہزار مجاہدین کو ساتھ لیا اور دور کا چکر کاٹ کر اس جگہ جا پہنچے جہاں زیادہ نیچے کو چلی گئی تھی۔ وہاں انہوں نے اپنے مجاہدین کو چھپا لیا تھا۔ یہ سارا دستہ گھوڑوں پر تھا۔

زبیر بن العوام کہیں اونچی جگہ کھڑے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ رومی مجاہدین پر غالب آ گئے ہیں اور کوئی چال چلنے کی مہلت نہیں دے رہے تو انہوں نے اپنے دستے کو حملے کا حکم دیا۔ وہ پہلے پورے دستے کو بتا چکے تھے کہ کیا کرنا ہے۔ سپہ سالار نے حملے کا اشارہ بھی دے دیا تھا۔ یہ دستہ سالار زبیر کی قیادت میں کچھ دور جا کر اس نیچی جگہ سے باہر نکلا اور رومیوں کے پیچھے جا کر پھیل گیا۔ رومیوں کو لڑائی کے ہنگامے میں پتہ ہی نہ چل سکا۔

یہ خالد بن ولید کی چال تھی جو انہوں نے دو تین مرتبہ لڑائیوں میں چلی اور کثیر تعداد دشمن کو کاٹ پھینکا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عمرو بن عاص خالد بن ولید کی چالیں چلتے اور انہیں اپنا استاد مانتے تھے۔ احباب اور ساتھیوں کی محفل میں ان چالوں کی باتیں ہوتیں تو عمرو بن عاص خالد بن ولید اور ابو عبیدہ کے حوالے دیا کرتے تھے۔

جنگی چالوں کے معاملے میں رومی جرنیل بھی کچھ کم نہ تھے اور کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہم پلہ تھے۔ خود ہرقل جنگی چالوں کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کا جرنیل

اطربون تو اس فن میں خصوصی طور پر ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسے دوسری قویں جنگ کی دہشت سمجھتی تھیں لیکن وہی ہرقل شام جیسا وسیع و عریض ملک مجاہدین اسلام کے قدموں میں رکھ کر بے طرح بھاگا اور مصر میں اس کا نامور جرنیل اطربون مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مسلمان اللہ اور قرآن کے حکم سے لڑتے تھے اور ہرقل اپنی ذات کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا۔ مجاہدین اسلام کو اللہ نے ایمان کی قوت عطا فرمائی تھی جس سے رومی مرعوب تھے۔

رومیوں پر عقب سے سالار زبیر بن العوام نے ہلہ بولا تو وہ پیچھے کو متوجہ ہوئے اور کٹنے لگے اور عین اس وقت سپہ سالار عمرو بن عاص نے محفوظہ کے دستوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اب رومی تعداد میں خواہ دو گئے ہی تھے، نزعے میں آ گئے اور ان پر آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی ایسا حملہ ہوا کہ وہ سکر گئے اور ان کے لئے کوئی چال چلنا تو دور کی بات ہے، ہتھیار چلانا بھی دشوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے ان پر پہلوؤں سے بھی حملہ کر دیا۔ رومی گر گر کر اپنے ہی گھوڑوں کے قدموں تلے روندے جانے لگے۔ اب وہ بھاگ نکلنے کے راستے دیکھنے لگے۔ ان کے عمد و بیان ٹوٹ گئے۔ ان کے کمانڈر کا پرچم گر پڑا اور کمانڈر کا کچھ پتہ نہ چلا وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔

رومی بھاگتے بھی تو کہاں جاتے۔ دور دور تک کوئی قلعہ نہ تھا جہاں جا کر پناہ لیتے۔ بہر حال وہ اب جانیں بچانے کے لئے لڑ رہے تھے اور جس رومی کو بھاگ نکلنے کا موقع ملتا وہ فوراً "بھاگ اٹھتا۔ مجاہدین کی کمزوری یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ رومیوں کو مجاہدین کی اس کمزوری نے خاصا فائدہ پہنچایا اور کچھ رومی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا رخ کریون کی طرف تھا جو مستحکم قلعہ بند شہر تھا اور یہ شہر وہاں سے خاصا دور تھا۔



کریون میں جنرل تھیوڈور نے عزم اور تازہ دلولے کے ساتھ اس فوج کی ٹریننگ میں مصروف تھا جو اس نے قلعے میں اکٹھی کر رکھی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اب وہ اپنے آپ کو مختار کل سمجھنے لگا تھا اور اس کے ساتھ جو جرنیل تھے، انہوں نے اپنی وفاداریاں پیش کر دی تھیں۔ اطربون کے بعد جنرل تھیوڈور ہی ایک قابل جرنیل رہ گیا تھا اور اس کے بعد جنرل جارج تھا۔ تھیوڈور میں اتنی اہلیت اور اتنا تجربہ تھا کہ وہ مختار نہیں

کھلانے کا پورا پورا احتیاج رکھتا تھا۔

اس نے اپنے جرنیلوں سے کہا تھا کہ جو دستہ کریوں سے دور دور مسلمانوں کے راستے میں مورچہ بند ہیں انہیں وہیں رہنے دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے راستے کی رکاوٹ بنے رہیں اور انہیں کمزور کرتے رہیں۔۔۔۔ ایک روز وہ اپنی فوج کو خود ٹریننگ دے رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ایک لڑائی سے کچھ رومی سپاہی بھاگ کر آئے ہیں۔ اس نے اُسی وقت ان سپاہیوں کو بلا لیا۔ پہلے تو اس نے یہ دیکھا کہ ان سپاہیوں کے چروں پر شکست صاف نظر آرہی تھی اور وہ ٹھیک طرح بول بھی نہیں سکتے تھے۔ تھیوڈور نے گرج کر انہیں ڈانٹا اور کہا کہ وہ اتنے بزدل نہ بنیں کہ اپنے قلعے میں آکر بھی ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی۔

”کٹ دیا“ — آخر ایک سپاہی نے لڑتی کاپٹی آواز میں کہا — ”سب کو کٹ دیا۔۔۔۔“

”ٹھیک طرح بولو“ — تھیوڈور نے غصیلی آواز میں پوچھا — ”کس نے کس کو کٹ دیا؟“

ان سپاہیوں نے اسے بتایا کہ کہاں لڑائی ہوئی ہے اور کیا ہوا ہے۔ اتنے میں جرنل تھیوڈور کو پھر اطلاع ملی کہ کچھ اور سپاہی آئے ہیں جن میں کچھ زخمی بھی ہیں۔ اب جرنل تھیوڈور نے یہ ضرورت نہ سمجھی کہ ان سپاہیوں کو بھی اپنے پاس بلاتا۔ اس کے بعد اسے یہی خبریں ملتی رہیں کہ کچھ اور فوجی آئے ہیں۔ اس طرح شام تک اور رات کو بھی سلیبس کے معرکے سے بھاگے ہوئے رومی کریوں میں آتے رہے۔

اگلی صبح تک کریوں کی فوج میں ایسی کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی جس میں ڈر اور خوف کی جھٹک نمایاں تھیں۔ جب معمول اور حسبِ عادت بھگوڑے فوجیوں نے مسلمانوں کی بہادری کے قصے مبالغہ آرائی سے سنائے تاکہ لوگ ان بھگوڑے رومیوں کو بزدل نہ سمجھیں۔ ان کی یہ باتیں لوگوں تک بھی پہنچیں اور شہر پر خوف و ہراس طاری ہونے لگا۔ لوگوں نے پہلے ہی سن رکھا تھا کہ مسلمان اگر خود جنتا نہیں تو ان میں جنتا والی پراسرار طاقت ضرور موجود ہے۔ اس سے پہلے دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ کریوں پہنچے تھے اور انہوں نے بھی یہاں کے لوگوں کو ایسی ہی ڈراؤنی باتیں سنائی تھیں۔

جرنل تھیوڈور اور اس کے جرنیلوں کو پتہ چلا کہ فوج اور لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہو گئی ہے تو ان کے لئے اچھا خاصا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ وہ فوج اور لوگوں کا جذبہ مضبوط کرنے کی کوششوں میں تھے لیکن مسئلہ وہیں رہا جہاں پہلے تھا۔ تھیوڈور اور دوسرے جرنیل بھی جانتے تھے کہ ان کی فوج میں اور لوگوں میں بھی یہی کمزوری پیدا ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں پر مسلمانوں کا خوف طاری کر لیا ہے۔ یہ خوف رفع کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جرنل تھیوڈور ایک ہی بات پر زور دیتا تھا کہ ان مسلمانوں کو ایک بار شکست دی جائے اور ان کی لاشیں اور ان کے قیدی اپنے لوگوں کو دکھائے جائیں اور کہا جائے کہ یہ دیکھو ان مسلمانوں کو جن سے تم بلاوجہ ڈرتے رہے ہو۔

ہر قل نے بھی ایسی بہت باتیں سوچی تھیں اور ان پر عمل بھی کیا تھا لیکن کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ اب جرنیل بھی وہی ترکیبیں لڑا رہے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ مسلمان اللہ کے حکم سے لڑتے ہیں اور اللہ نے اپنا فرمان قرآن میں ان الفاظ میں وحی کے ذریعے ان مومنین تک پہنچایا ہے کہ جب مسلمانوں کو لوگوں نے بتایا کہ کفار نے تمہارے مقابلے میں بہت بڑا لشکر اکٹھا کر لیا ہے، اس لئے ان سے ڈرو تو ہوا یہ کہ مسلمان ڈرنے کی بجائے اپنے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو گئے اور ان کا ایمان مستحکم ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین سازگار ہے۔

سورۃ عمران کی اس آیت میں اللہ نے اہل ایمان کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ کفار تمہارے خلاف کتنا ہی بڑا لشکر اکٹھا کر لیں، اگر تم اپنے ایمان پر قائم رہے تو تم اپنے آپ میں قلیل تعداد ہونے کے باوجود کوئی کمزوری نہیں پاؤ گے اور اللہ تمہارا مددگار اور سازگار ہو گا۔ یہ تمہاری قوت جسے رومی نہیں سمجھ رہے تھے۔ مختصر بات یہ کہ کفار کو شمشیر پر بھروسہ تھا اور اہل ایمان کو اپنے ایمان پر نکیہ تھا اور وہ شمشیر کو بعد کا درجہ دیتے تھے۔

○

جرنل تھیوڈور اور اس کے ساتھی جرنیل بہت پریشان تھے کہ اپنی فوج اور لوگوں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف کس طرح نکالا جائے۔ اتنے میں انہیں آسمان سے ایک نازل گئی۔ وہ اس طرح کہ سکندریہ سے کچھ دستے ملک لے کر آگئے۔ یہ قیصر نے بھیجے تھے۔ یہ یزنیہ سے آئے ہوئے تازہ دم دستے تھے اور ابھی یہ مجاہدین اسلام کے مقابلے میں نہیں آئے تھے۔

کے لئے آئے ہیں اور عورتوں کے معاملے میں وہ وحشی ہیں اور بچوں کو قتل کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ لوگوں سے یہ بھی کہا گیا کہ مسلمان سب سے پہلے بستیوں پر نوٹ پڑیں گے اور انہیں اجاڑ کر رکھ دیں گے اور اس کے بعد قلعے کو محاصرہ میں لے لیں گے۔

اس پروپیگنڈے کا جس پر مذہب کا رنگ چڑھا ہوا تھا، یہ اثر ہوا کہ اردگرد کی بستیوں کے وہ لوگ جو ابھی جوانی کی عمر میں یا لڑنے کی عمر میں تھے، کریون شہر میں اکٹھے ہونے لگے اور وہ جرنیل تھیوڈور کو اپنی خدمات اس طرح پیش کرتے تھے کہ انہیں فوج میں شامل کر لیا جائے۔ وہ لوگ جو لڑنے کے قابل نہیں تھے، اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے جرنیلوں کو ہر طرح کے تعاون اور امداد کا یقین دلارہے تھے۔ مختصر یہ کہ لوگوں میں بیداری پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے دلوں سے مسلمانوں کا خوف جھٹک ڈالا تھا۔ بعض مؤرخوں نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس قدر خوفزدہ تھے کہ وہ اکٹھے ہو گئے اور انہیں بتایا گیا کہ اس خوف سے نجات کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ اکٹھے ہو کر اپنی فوج کا بازو مضبوط کریں۔

قبیلہ عیسائیوں کی اچھی خاصی تعداد مجاہدین کے لشکر کے ساتھ تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ قبیلہ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ امدادی کاموں کے لئے لشکر کے ساتھ تھے۔ مثلاً کسی گہرے اور چوڑے نالے پر پُل بنانا ہو تو یہ قبیلہ پُل بناتے تھے یا راستے میں کوئی اور رکاوٹ آجاتی تو وہ اس رکاوٹ کو ہٹاتے تھے۔ ان کاموں کے لئے وہ لشکر سے خاصا آگے آگے جاتے تھے۔ مصری بدو بھی لشکر میں شامل تھے اور وہ باقاعدہ لڑائی میں شریک ہوتے تھے اور لڑنے کے علاوہ رسد اکٹھی کرنے کا کام انہوں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک برتاؤ بہت ہی اچھا تھا۔ مال غنیمت میں سے انہیں پورا پورا حصہ ملتا تھا۔ مسلمانوں کے اس کردار سے وہ اس قدر مطمئن تھے کہ اپنے گھروں کو کبھی واپس جانے کی بات ہی نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کا جاسوسی کا نظام ہمیشہ بڑا ہی کارآمد رہا ہے حالانکہ انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح کبھی لڑکوں کو استعمال نہیں کیا تھا۔ جاسوس مجاہدین ہر بھیس بدل لیتے اور اپنی اصلیت کو چھپا لیتے تھے۔ کبھی تو وہ اپنے آپ کو یقینی موت یا گرفتاری کے خطرے میں ڈال لیا کرتے تھے۔ عمرو بن عاص نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔

اب جاسوسوں نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو پوری رپورٹ دے دی تھی کہ

اس کمک کے ساتھ چند ایک مبلغ بھی تھے جنہیں قیرس بزنس سے ساتھ لایا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسے کئی ایک مبلغ اردگرد کی بستیوں میں پھیلا دیئے گئے ہیں جو لوگوں کو مذہب کی طرف اور مسلمانوں کو شکست دینے کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ کریون میں جو مبلغ آئے انہوں نے آتے ہی لوگوں سے ملنا شروع کر دیا۔ تھیوڈور نے انہیں بتا دیا تھا کہ ان لوگوں پر مسلمانوں کا خوف غالب آگیا ہے، یہ خوف رفع کرنا ہے۔

یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مجاہدین کا لشکر اس لڑائی کے فوراً بعد وہاں سے چل پڑتا۔ اپنے شہیدوں کی تجویز و تکلیفیں کرنی تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی بھی لازمی تھی اور انہیں کچھ دنوں کی مسلت دینی تھی کہ ان کے زخم بہتر ہو جائیں۔ لشکر کو کچھ آرام بھی دینا تھا۔ رومیوں کے گھوڑے اور ان کے ہتھیار بھی اکٹھے کرنے تھے اور ایسے بے شمار ہی کام تھے جو کر کے وہاں سے کوچ کرنا تھا۔ مجاہدین کی جو مستورات لشکر کے ساتھ تھیں انہیں دور پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ میدان جنگ کی زد میں نہ آئیں۔ انہیں آگے بلا لیا گیا تاکہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے سلسلے میں اپنا کام کریں۔

عمرو بن عاص جلدی میں تھے تاکہ دشمن کو کہیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کا موقع نہ مل سکے پھر بھی کم و بیش ایک مہینہ گزر گیا اور اس ایک مہینے میں کریون میں اور اردگرد کے دور دور تک کے علاقے میں ایک تبدیلی رونما ہو گئی جو مجاہدین کے لئے اچھی نہیں تھی۔

یہ تبدیلی وہ مبلغ لائے تھے جنہیں قیرس بزنس سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان مبلغوں کے متعلق تاریخ میں کوئی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں لیکن ان کی کارکردگی اور پروپیگنڈے کے جو اثرات سامنے آئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ تو کی ہی تھی لیکن لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لانے کے لئے کچھ اور ہی پروپیگنڈہ کیا تھا اور ایسے طریقے استعمال کئے تھے کہ لوگ ان سے متاثر ہو گئے۔ کریون کے اردگرد کی آبادیوں اور چھوٹی بڑی بستیوں میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف کریون میں فیصلہ کن جنگ ہوگی اور اس میں ہر عیسائی کا شامل ہونا مذہبی فریضہ ہے۔

ان مبلغوں نے اور تھیوڈور کے آدمیوں نے بھی اردگرد کے علاقے میں مسلمانوں کے خلاف اچھی خاصی نفرت پیدا کر دی۔ پروپیگنڈہ کچھ اس قسم کا ہوا کہ مسلمان لوٹ مار

بستیوں میں سکندریہ سے کچھ ایسے لوگ آئے ہیں جو یہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے ہیں اور انہیں بے بنیاد باتیں بتاتے ہیں۔ لوگوں کا جو رد عمل تھا، جاسوسوں نے وہ بھی بتایا اور پھر سپہ سالار کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ یہ لوگ بھی کریون میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور مجاہدین کے خلاف بڑا ہی مضبوط محاذ بن رہا ہے۔

عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں کو بلا کر اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان کا دھیان اُن قبیلے عیسائیوں اور مصری بدوؤں کی طرف چلا گیا تھا جو مجاہدین کے لشکر کے ساتھ تھے۔ سپہ سالار نے سالاروں کو اس خطرے سے خبردار کر دیا اور یہ ہدایت جاری کی کہ نظر رکھی جائے کہ باہر کا کوئی شخص مردیا عورت، ان قبیلوں اور بدوؤں کے پاس نہ آئے اور ان کا رابطہ باہر کے کسی شخص کے ساتھ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھا جائے کہ ان بدوؤں اور قبیلوں کے ساتھ اپنا سلوک پہلے سے زیادہ اچھا کر لیا جائے۔

”اپنی مستورات کو بھی بتا دیا جائے“ سپہ سالار نے کہا۔ ”میں نہیں بتا دیں کہ قبیلوں اور بدوؤں کی جو عورتیں ان کے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اور زیادہ پیار اور شفقت سے پیش آئیں اور نظر رکھیں کہ باہر کی کوئی عورت ان کے پاس نہ آئے۔ اگر کوئی عورت آتی ہے تو اسے منع کرنے کی بجائے اس کے ساتھ عیسائی کی حیثیت سے بات کریں اور بھید لیں کہ وہ کون ہے اور کیوں آئی ہے۔۔۔۔ مجھے سکندریہ سے خبر مل چکی ہے کہ قیرس مبلتوں کی ایک فوج اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہ مبلغ ہر طرف پھیل گئے ہیں اور لوگوں کو اپنے زیر اثر کر رہے ہیں۔ ہم نے اس سے زیادہ بڑے خطروں کا مقابلہ کیا ہے اور اللہ نے ہمیں کامرانی عطا کی ہے۔ اگر کریون میں بستیوں کے لوگ فوج کے ساتھ جا ملے ہیں تو اس سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے بے ایک بے لگام ہجوم ہے جس کا احساس رومی جرنیلوں کو شاید نہیں ہوا۔ ہم انہیں بکیر دیں گے۔“

اوجھر قلعے میں جرنیل تھیوڈور بڑے ہی پُر مسرت اور فاتحانہ لہجے میں اپنے جرنیلوں کے ساتھ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینے کا پلان بنا رہا تھا۔ اسے خوش ہونا ہی چاہئے تھا۔ ملک کے آجانے سے اور پھر لوگوں کو فوج میں شامل ہونے سے اس کے پاس بے انداز نفرتی اکٹھی ہو گئی تھی۔ اسے وہ اتنی بڑی طاقت سمجھتا تھا جس سے ٹکرا کر مجاہدین پاش پاش ہو جائیں گے۔

”ان عربوں کی تعداد دیکھو“ تھیوڈور نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غرور اور تکبر کی جھلک تھی۔ ”سلیس کی لڑائی میں انہوں نے ہماری فوج کو شکست دی ہے اور بہت ہی جلدی نقصان پہنچایا ہے لیکن ان کی اپنی تعداد جو پہلے ہی کم تھی، اور کم ہو گئی ہے۔ اب ہم اتنی زیادہ فوج سے انہیں پکڑ لیں اور قتل کر رکھ دیں گے۔ انہیں نے مملکت دو کہ یہ شہر کا محاصرہ کر لیں۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ جب محاصرہ کر لیں گے تو بکھر جائیں گے کیونکہ محاصرے کے لئے ان کی نفرتی بہت ہی تھوڑی ہے۔ ان کا محاصرہ کچے دھاگے جیسا ہوگا۔ ہم ان پر دستے باہر بھیج کر حملے کرتے رہیں گے اور ان کی تعداد اتنی تھوڑی رہ جائے گی کہ یہ بھاگ نکلیں گے یا ہتھیار ڈال دیں گے۔۔۔۔“

”یہ بات ذہن میں رکھو کہ مسلمانوں کو ایسا کمزور بھی نہ سمجھنا جیسا میں نے کہا ہے۔ یہ صحرائی سانپ ہیں جو لمبائی میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ڈس لیں تو آدمی چند سانپ لے کر مر جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اس لشکر کے متعلق اپنے آپ کو کسی دھوکے اور فریب میں نہ رکھنا۔ انہوں نے ملک شام میں ہر قل کو ایسی ہی تھوڑی تعداد میں شکست دی ہے اور مصر میں آکر انہوں نے ہمارے جرنیل بھی مار ڈالے ہیں جن میں طربون خاص طور پر شامل تھا۔ یہ سوچ لو کہ عربوں کو کریون میں ہی شکست دینی ہے۔ رہم ناکام رہے تو ارد گرد کے علاقے کے جو لوگ ہمارے ساتھ آئے ہیں وہ ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور مسلمان یہاں سے سیدھے سکندریہ جا پھینچیں گے اور وہاں تک کہ لوگ ان سے مرعوب اور خوفزدہ ہو جائیں گے۔ پھر یہی لوگ ان کا ساتھ دیں گے۔ مگر لوگ انہیں یہیں کریون میں ہی ختم کرنا ہے۔“

تاریخ میں آیا ہے کہ جرنیل تھیوڈور نے آخر میں جو الفاظ کہے تھے وہ یہ تھے۔ ”آدروں اور سکندریہ کی دیوار کے درمیان ہم خود دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔“

کریون کا قلعہ اور شہر پناہ بہت ہی مضبوط اور چوڑی تھی۔ اس کے ارد گرد کوئی نہ نہیں کھودی گئی تھی لیکن ایک چوڑا نالہ دیوار کے قریب سے گزرتا تھا۔ یہ نالہ ایک گہری اور قدرتی نہر تھی یا اسے نیل کی ایک شاخ کہ لیں۔ اس کا نام ثعبان نالہ کا صدر دروازہ نالے کی طرف تھا۔ اس طرح یہ نالہ قلعے کے دفاع کا کام کرتا

نظر اپنے دستوں پر بھی رکھی ہوئی تھی کہ وہ تنظیم سے بکھر نہ جائیں۔ دراصل یہ معرکہ اس نوعیت کا تھا کہ ہر مجاہد اپنی اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ہر مجاہد یہ سوچ کر لڑ رہا تھا کہ اس کا سارا لشکر شہید ہو چکا ہے اور رومیوں کو شکست دینا صرف اس کی ذمہ داری ہے۔

سالار زبیر بن العوام حیران کن حد تک دلیر انسان تھے۔ ان کی نظر رومیوں کے پرچم پر تھی جو رومی فوج کے پیچھے تھا۔ زبیر اس کو شش میں تھے کہ دو تین مجاہدین کے ساتھ پرچم تک پہنچ جائیں اور پرچم بردار کو گرا کر پرچم غائب کر دیں۔ یہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ پرچم گر پڑتا تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ ان کا بادشاہ یا جو کوئی بھی کمانڈر رہے وہ مارا گیا ہے۔ پوری فوج میں بددلی پیدا ہو جاتی اور فوج پسپا ہونے لگتی تھی۔ سالار زبیر لڑتے ہوئے دشمن کے پیچھے جانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے لیکن رومیوں کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ سالار زبیر کو مجبوراً ”پیچھا آنا پڑتا تھا۔

گھوڑوں اور پیادوں کی اڑائی ہوئی گرد کے پیچھے سورج اپنا سفر طے کرتا تھا۔ جا پہنچا اور سورج غروب ہو گیا تو اندھیرا چھانے لگا۔ اس تاریکی نے اس خونریز معرکہ کو روک دیا۔ رومی قلعے میں چلے گئے اور مجاہدین پیچھے ہٹ آئے۔

رات سیاہ کالی ہو گئی تو قلعے کا دروازہ کھلا اور بے شمار مشعلیں باہر آئیں۔ ادھر مجاہدین کی طرف سے بھی مشعلوں کا ایک جلوس میدان جنگ کی طرف چلا۔ یہ مشعلیں مجاہدین کی مستورات نے اٹھا رکھی تھیں اور یہ مستورات زخمی مجاہدین کو پانی پلانے اور انہیں اٹھا کر اور سہارا دے کر پیچھے لانے کے لئے جاری تھیں۔ قلعے سے جو مشعلیں نکلی تھیں وہ زیادہ تر آدمیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور ان میں عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں زخمیوں کو اٹھانے نہیں آئی تھیں بلکہ اپنے عزیزوں کو ڈھونڈنے آئی تھیں۔ پتہ چلا کہ جو فوج باہر لڑی تھی اس میں شہر کے جوان آوی بھی شامل تھے۔ فوج جب اندر گئی تو کئی شہری واپس نہیں جاسکے تھے۔ اب ان کی مائیں ہمیں وغیرہ انہیں لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈنے آئی تھیں۔ ان میں اکثر اونچی آواز میں رورہی تھیں۔

ادھر مسلمان خواتین پر کوئی ماتی کیفیت طاری نہیں تھی۔ انہیں ہر زخمی کو سنبھالنا تھا۔ ہر زخمی ان کا بھائی بھی تھا بیٹا بھی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ عورتیں پہلے اپنے عزیزوں کو تلاش کرتیں۔

کاشگر جب کوچ کر کے کریوں کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ رومی فوج قلعے کے مجاہدین باہر ان کے استقبال کو تیار کھڑی تھی۔ جاسوس مجاہدین نے عمرو بن عاص کو بتایا تھا کہ رومیوں کی جتنی تعداد باہر کھڑی ہے اتنی ہی قلعے کے اندر ہے۔ عمرو بن عاص نے کچھ اور آگے جا کر اپنے لشکر کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ اب مجاہدین کے لشکر کی تعداد اور ہی کم ہو گئی تھی کیونکہ مجاہدین شہید بھی ہوئے تھے اور کچھ ایسے شدید زخمی ہوئے کہ لڑائی کے قابل نہیں تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نفری کو مفتوحہ مقامات کے انتظامات اور امن و امان برقرار رکھنے کے لئے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

یہاں بھی حملے میں رومیوں نے پہل کی۔ ان کے حملے کا انداز وہی تھا جو ٹلنٹیس کے معرکہ میں بیان ہو چکا ہے۔ عمرو بن عاص نے اپنا دماغ حاضر رکھا اور اپنے انداز سے حملے کے مقابلے کے لئے دستے بڑھائے۔ انہوں نے محفوظہ کے دستے پیچھے رکھے ہوئے تھے جنہیں انتہائی خطرناک صورت حال میں استعمال کرنا تھا۔ رومیوں کا حملہ اس قدر زیادہ طاقتور تھا اور اتنا شدید کہ عمرو بن عاص کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اپنے پورے لشکر کو آگ کر دیتا لیکن عمرو بن عاص کی یہی خوبی تھی کہ وہ یقینی ہلاکت کو اپنے سامنے دیکھ کر ہرج و مرج کو حاضر رکھتے تھے اور اطمینان اور تحمل سے سوچ کر چال چلتے تھے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنے لشکر کو خاص طور پر یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ دشمن کے ہجوم کے اندر جانے سے بچیں ورنہ وہ گھیرے میں آکر مارے جائیں گے دوسری ہدایت یہ کہ اپنے آپ کو تنظیم میں رکھ کر دائیں بائیں بکھرتے رہیں تاکہ دشمن کا ہجوم بھی بکھر جائے لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سپہ سالار کی کسی ہدایت عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ تمام سالار سپاہیوں کی طرف لڑ رہے تھے لیکن انہوں۔

اس موقع پر ایک واقعہ ہو گیا۔ ایسے واقعات عام طور پر نہیں ہوا کرتے تھے.... ہوا یہ کہ تین چار مسلمان خواتین لاشوں اور زخمیوں میں اپنے مجاہدین کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک خاتون ذرا الگ ہو گئی اور اسے ایک زخمی مجاہد نظر آ گیا۔ اس نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ زندہ تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے اور نہ جانے اسے کہاں کہاں زخم آئے تھے۔

وہاں تو لاشوں پر لاشیں پڑی تھیں اور ایسا بھی ہوا کہ کوئی زخمی چار پانچ لاشوں کے نیچے پر اکچھ دیر زندہ رہا اور اتنے زیادہ وزن سے مر گیا۔ اس زخمی مجاہد کے بالکل قریب چار پانچ رومیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمان خاتون اپنے زخمی مجاہد کو سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

مجاہد نے اس سے پانی مانگا۔ ہر عورت کے پاس پانی کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ یہ خاتون اسے پانی پلانے لگی تو بالکل قریب ہی ایک مصری عورت جھکی جھکی آن رکی اور ایک لاش کو دیکھنے لگی۔ اس نے چیخنے چلاتے ہوئے کہا یہ ہے میرا بیٹا.... لیکن اس کا بیٹا مر چکا تھا۔ اس نے ادھر دیکھا کہ ایک مسلمان خاتون ایک زخمی مجاہد کو مشکیزے سے پانی پلا رہی ہے۔ مصری عورت نے وہاں سے ایک تلوار اٹھالی۔ وہاں برہمنیوں اور تلواروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

ادھر مسلمان خاتون زخمی مجاہد کو بٹھائے اسے پانی پلا رہی تھی اور اس کی توجہ کسی اور طرف تھی ہی نہیں۔ اس کی ایک ہی خواہش اور کوشش تھی کہ اس زخمی مجاہد کو زندہ رکھنا ہے۔ اچانک مصری عورت نے ددڑ کر تلوار اس مجاہد کے پہلو میں برچھی کی طرح گھونپ دی۔

”اسی نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے“۔ اس مصری عورت نے چلاتے ہوئے کہا اور تلوار کھینچ کر ایک بار پھر مجاہد کے پہلو میں اتار دی اور بولی۔ ”یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے۔“

مجاہد کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اسے تو ایک خاتون زندہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس مصری عورت نے اس کی کوشش کامیاب نہ ہونے دی اور مجاہد نے اس خاتون کی گود میں جان دے دی۔ یہ خاتون اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مشکیزہ پھینک دیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ اس نے مشعل اس مصری عورت کے منہ

کے ساتھ لگا دی۔

مصری عورت چیخنے چلانے لگی۔ اس کا منہ جل گیا تھا۔ اب مسلمان خاتون نے مشعل اس کے کپڑوں کے ساتھ لگا دی اور اس کے کپڑے جل اٹھے۔ اب تو وہ ناچ کود اور چیخ چلا رہی تھی۔

کچھ رومی سپاہی اور غالباً ”شہر کے ایک دو آدمی دوڑے آئے۔ مسلمان خاتون نے کہا کہ اس نے ایک زخمی مجاہد کو تلوار سے مار ڈالا ہے۔ رومی آدمیوں نے تلواریں نکال لیں۔

وہاں زیادہ تر مسلمان مستورات تھیں۔ ان سب نے تلواریں اور برچھیاں اٹھالیں اور رومی مردوں کو للکار کر کہا کہ وہ اپنے مردوں کو نہیں بلائیں گی اور سب کو کاٹ پھینکیں گی۔ ادھر سے وہ مجاہدین آگئے جو لاشوں اور زخمیوں کو ہی ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ مصری عورت کے جلتے ہوئے کپڑوں نے اسے جلا ڈالا اور وہ ابھی تک چیخ رہی تھی اور اس کے اپنے آدمی اس کے قریب نہیں جا رہے تھے۔ مجاہدین دوڑے آئے تو رومی اور مصری آدمی وہاں سے کھسکنے لگے۔ ایک مسلمان عورت نے بلند آواز سے اپنے مجاہدین سے کہا کہ وہ چلے جائیں، ان آدمیوں کے لئے وہ خود ہی کافی ہیں۔

مجاہدین کو دیکھ کر رومی شش و پنج میں پڑ گئے۔ اتنے میں کئی اور مسلمان خواتین آن پہنچیں۔ کسی کے ہاتھ میں برچھی اور کسی کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یہ ایک دہشت تھی جو رومیوں پر پہلے ہی طاری تھی، اس دہشت نے رومیوں کو اور دوسرے آدمیوں کو جو قلعے سے باہر آئے تھے وہاں سے کھسک جانے پر مجبور کر دیا اور خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

تقریباً ”تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُس روز کی لڑائی میں رومیوں کا پلہ بھاری رہا۔ یہ اس لحاظ سے کہ جانی نقصان مجاہدین کا زیادہ ہوا اور وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ وہ تو اس قلعہ بند شہر کو محاصرے میں لینے آئے تھے لیکن محاصرہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ جرنیل تھیوڈور اپنا یہ عند پورا کر رہا تھا کہ وہ عرب کے ان قلیل تعداد مسلمانوں کے آگے دیوار کھڑی کر دے گا اور انہیں اس قاتل نہیں چھوڑے گا کہ وہ سکندریہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ محمد حسنین بیگل نے کچھ مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ رومی فوج میں پہلی بار دیکھا گیا کہ فوجیوں نے ذاتی شجاعت کے کارنامے کر دکھائے۔ صاف پتہ

چلتا تھا کہ رومیوں نے مسلمانوں کی وہ دہشت جھٹک ڈالی ہے جو ان پر ہر وقت طاری رہتی تھی۔

تاریخ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ وہ شجاعت جس کی بدولت رومی فوج کی دھاک بیٹھی رہتی تھی وہ انہوں نے رومیوں میں پہلی بار دیکھی ہے۔ سپہ سالار نے اپنے سالاروں اور ان کے ماتحتوں کو بلا کر کہا کہ اب ہمارا مقابلہ اصل رومیوں کے ساتھ ہے اور اب ہمیں اس سے زیادہ شجاعت کی ضرورت ہے۔

مجاہدین اسلام کے ہاں شجاعت کی تو کمی نہیں تھی اور ان کے حوصلے میں بھی کمی نہیں آئی تھی لیکن پہلی بار دیکھنے میں آیا کہ رومی جنگجوئی کی ان روایات کو زندہ کر رہے تھے جن کی بدولت وہ دنیا بھر کی بہت بڑی طاقت مانے جاتے تھے اور تاریخ میں انہوں نے نام پیدا کیا تھا۔

اگر صرف میدان جنگ ہو تا تو مجاہدین اتنی قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے بھی فتح کی توقع رکھ سکتے تھے لیکن ان کے خلاف دوسرے محاذ بھی کھل رہے تھے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص زیر زمین محاذوں سے بے خبر تو نہیں تھے لیکن پوری طرح باخبر بھی نہیں تھے۔ ان کا جاسوسی کا نظام انہیں صحیح رپورٹیں دے رہا تھا لیکن رومیوں کی سرگرمیاں اس قدر پس پردہ تھیں کہ ان کی سو فی صد صحیح رپورٹ نہیں ملتی تھی۔ سب سے بڑا خطرہ جو سپہ سالار اور دیگر سالار محسوس کر رہے تھے وہ رسد کے متعلق تھا۔ رومیوں کا تو وہ اپنا ملک تھا اس لئے انہیں رسد کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مسلمانوں کے لئے تو وہ زمین بھی دشمن تھی۔ رسد اور خوراک وغیرہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ رک سکتی تھی۔

پیچھے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے کہ رسد کی فراہمی مصری بدوؤں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی اور انہوں نے کبھی بھی رسد میں کمی نہیں آنے دی تھی۔ اب انہیں کہنے کی ضرورت پڑتی ہی نہیں تھی کہ رسد کا بندوبست کریں۔ وہ خود خیال رکھتے تھے اور اس میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

ان بدوؤں کی زیادہ تعداد ایسی تھی جو لشکر میں شامل ہو گئی تھی اور باقاعدہ لڑتی تھی۔ رسد کی فراہمی کے لئے بدوؤں کی دو تین جماعتیں بنا دی گئی تھیں اور ان کے ذمے یہ کام تھا۔ ان کے مختلف قبیلوں کے سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان سرداروں

میں سے دو چار کو رسد کے کام کی نگرانی اور فراہمی پر لگا دیا گیا تھا۔

بدو اور گرد کے دیہات میں جا کر اناج، مویشی اور دیگر اشیاء حاصل کرتے تھے۔ ان کا طریقہ لوٹ مار جیسا نہیں تھا۔ کسی بھی گاؤں جا کر لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ خود ہی اناج باہر نکال دیں اور اپنے مویشی بھی دے دیں۔ پھر ان دیہاتیوں کو یقین دلایا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کسی گاؤں میں لوٹ مار کرنے نہیں آئے گا اور جب مسلمان فتح مکمل کر لیں گے تو اس رسد کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت ادا کریں گے۔

لوگ جانتے تھے کہ انہوں نے رسد دینے سے انکار کر دیا تو یہ حملہ کر کے زبردستی اناج وغیرہ لے جائیں گے، اور اگر وہ گھروں میں داخل ہوئے تو پھر انہیں کسی اور نازیبا حرکت سے بھی نہیں روکا جاسکے گا۔ وہ رسد فراہم کر دیتے تھے اور اپنے وہ مویشی بھی دے دیتے تھے جو ان کی ضرورت سے کچھ زیادہ تھے۔ ان سے زیادہ تر بھیڑ بکریاں لی جاتی تھیں۔ ان مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کا گوشت لشکر کو کھلایا جاتا تھا۔

ان بدوؤں، ان کے سرداروں اور رسد کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ ان سے ایک ایسا زمین دوز محاذ سامنے آتا ہے جو رومیوں نے مجاہدین کے خلاف قائم کیا تھا اور اس پر سرگرم ہو گئے تھے۔ مختلف تاریخوں میں اس ایک واقعہ کی کچھ واضح اور کچھ ڈھکی چھپی سی کڑیاں ملتی ہیں.... بدوؤں کی جو جماعتیں رسد فراہم کرتی تھیں ان میں سے ایک جماعت کا سربراہ کسی بدو قبیلے کا سردار اسطافت تھا۔ اس کی عمر جوانی کے آخری دنوں تک پہنچ گئی تھی اور وہ بڑا ہی خوب رو آدم تھا۔ چہرہ ابھی پُر شباب تھا وہ دراز قد آدمی تھا اور جسم متناسب اور پُر کشش۔

جب کریوں کی لڑائی شروع ہوئی تو مجاہدین کے لشکر میں رسد کی کچھ کمی محسوس ہوئی۔ رسد اکٹھی کرنے والے بدو دیہاتی علاقے میں چلے گئے۔ کریوں سے تین ساڑھے تین میل دور ایک بڑا گاؤں تھا۔ اسطافت اپنی جماعت کو جس میں پچاس کے قریب بدو تھے، اس گاؤں میں لے گیا۔ اپنے دستور اور انداز کے مطابق اسطافت نے گاؤں میں جا کر گاؤں کے بڑوں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ اناج اور مویشیوں کی ضرورت ہے اور وہ یہ چیزیں خود ہی گاؤں کے باہر رکھ دیں۔ اسطافت کو اور اس کی جماعت کو اب تک اچھا خاصا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس نے بڑوں کو قائل کر لیا کہ وہ اپنے آپ ہی رسد دے دیں۔ بڑوں نے سارے گاؤں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ رسد دینی ہی پڑے گی ورنہ

مسلمان آکر زبردستی اناج وغیرہ لے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ لوگ رسد دینے لگے۔ گھوڑا گاڑیاں اور اونٹ ساتھ تھے۔ سارا سامان ان پر لاوا جانے لگا۔

بڑوں کا سردار اسطافت نگرانی کر رہا تھا۔ گاؤں کا ایک بزرگ صورت معمر آدمی آہستہ آہستہ چلتا اسطافت کے پاس آکر اور بڑے تپاک سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ یہ بوڑھا آدمی لباس، چہرے مہرے اور انداز سے اس گاؤں کا کوئی سرکردہ فرد معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اسطافت کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں۔ اس کالب و لہجہ مشفقانہ تھا۔ اس نے قدرے اطمینان کا اظہار کیا کہ اس گاؤں مسلمانوں کو رسد دے رہا ہے۔ اس کے جواب میں اسطافت نے بھی دوستانہ بے تکلفی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کے ساتھ احترام سے بات کی۔

”تم تو بہت ہی خوب رو جوان ہو“ — بزرگ نے کہا — ”تم سا خوب رو جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے۔ تجھے دیکھ کر کنواریوں کے دل دھک دھک کرنے لگتے ہیں۔“

اپنی تعریف سن کر آپے سے باہر ہو جانا انسان کی ایسی کمزوری ہے جو انسانیت کی ابتدا ہی سے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے۔ اسطافت محض ایک سردار تھا۔ اس کی عقل اور شخصیت میں اتنی چنگلی نہیں تھی کہ وہ اس بوڑھے کی زبان سے اپنی تعریف سن کر متاثر نہ ہوتا۔ یہ بوڑھا کوئی جماندیدہ آدمی تھا۔ اس نے اسطافت کی کچھ اور ہی تعریفیں کر ڈالیں اور اسطافت کو برتری کے احساس میں مبتلا کر دیا۔

”تم ان لوگوں کے سردار معلوم ہوتے ہو“ — بزرگ نے کہا — ”یہ تو سب کچھ گاڑیوں اور اونٹوں پر لا کر لے جا رہے ہیں۔ شام ہونے کو ہے۔ کیا تم میری یہ خواہش پوری نہیں کر سکو گے کہ آج شام کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ؟“

اسطافت نے اس کی دعوت بخوشی قبول کر لی۔ اس کا کام رسد فراہم کرنا تھا جو اس نے کر دی تھی اور رسد جاری تھی۔ اب لشکر میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ لڑنے لڑانے کی ذمہ داریوں سے آزاد تھا۔

○

اسطافت جب اس بوڑھے کے گھر میں داخل ہوا تو اسے صبح اندازہ ہوا کہ یہ تو بڑی ہی اونچی حیثیت کا آدمی ہے۔ اسے جس کمرے میں بٹھایا گیا اس کمرے کی شان شانہ تھی۔ فرش پر درزی اور درزی پر نرم و گداز گداز بچھا ہوا تھا۔ اسطافت کو اس گدے پر بٹھایا

گیا۔ پیچھے گول تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بزرگ نے اسطافت سے کہا کہ وہ مسلمان نہ ہوتا تو اسے اس علاقے کی بہترین شراب پیش کی جاتی۔

”میں عیسائی ہوں میرے محترم میزبان!“ — اسطافت نے کہا — ”میں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ہم نے شاہ ہرقل کی بادشاہی کے مقابلے میں مسلمانوں کو بہت اچھا پایا اس لئے ان کے ساتھ ہو گئے۔ ہمیں مال غنیمت کا پورا حصہ ملتا ہے اور مسلمان ہمیں اپنے بھائیوں جیسا رکھتے ہیں۔“

اس کی بات ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ اس بزرگ کی عمر کا ایک اور بزرگ آدمی آ گیا۔ میزبان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ ہمارے نئے پادری ہیں اور کچھ ہی دن پہلے بزنطیہ سے آئے ہیں۔ یہ تعارف سنتے ہی اسطافت بھی اٹھا اور پادری سے بڑے احترام سے ملا۔ میزبان نے پادری کو بتایا کہ اسطافت عیسائی ہے اور اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔

پادری نے ایسی باتیں شروع کر دیں جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اسطافت جیسا خوب رو جوان مل گیا ہے جو اپنے مذہب پر بھی قائم ہے۔ ایسی کچھ باتیں میزبان بزرگ نے بھی کیں اور اسطافت اپنے آپ کو بہت ہی اونچے درجے کا آدمی سمجھنے لگا۔ اتنے میں ایک نوخیز لڑکی ایک ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے میں ایک خوش نما صراحی تھی اور اس کے ساتھ تین پیالے تھے۔

لڑکی بہت ہی حسین اور نوجوان تھی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو اسطافت کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور اس کا آگے بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹ گیا جیسے وہ اسطافت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی ہو۔

”آ جاؤ کرشی! تم تو گھبرا ہی گئیں!“ — میزبان بزرگ نے پیار سے کہا — ”یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ اپنے قبیلے کے سردار ہیں۔ ہیں تو مسلمانوں کے ساتھ لیکن بڑے کپے عیسائی ہیں۔“

کرشی نے اُچھٹی ہوئی ایک نگاہ اسطافت پر ڈالی اور آگے بڑھ کر ٹرے میزبان بزرگ کے آگے رکھ دی۔ وہ اب اسطافت سے نظریں ملانے سے گھبرا اور شرمارہی تھی۔ اس نے سر جھکائے ہوئے صراحی میں سے تھوڑی تھوڑی شراب تینوں پیالوں میں ڈالی اور بچوں کی طرح تیزی سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

”میری یہ بیٹی بہت شرمیلی ہے“ — میزبان بزرگ نے کہا — ”گھر سے باہر تو

کسی غیر آدمی کے ساتھ بات بھی نہیں کرتی۔“

اتنے میں دو ملازم آئے اور انہوں نے ان کے آگے کھانا رکھنا شروع کر دیا۔ اسطافت کھانے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ یہ تو شاہی دسترخوان تھا۔ کھانا چنا چکا تو یہ تینوں کھانا کھانے لگے۔ میزبان بزرگ اور پادری کچھ نہ کچھ بول رہے تھے لیکن اسطافت کی نگاہیں بار بار اس دروازے کی طرف اٹھتی اور وہیں رک جاتی تھیں جس دروازے سے کرشی اندر آئی اور دوڑتی باہر چلی گئی تھی۔

اس کی نظرس ایک بار پھر کھانے سے اٹھ کر دروازے پر چلی گئیں۔ دروازے کے ساتھ ہی دوسری دیوار میں کھڑی تھی۔ کھڑکی کا ایک کواڑر اساکھلا ہوا تھا۔ اسطافت نے دیکھا کہ اسے کرشی کا آدھے سے کچھ کم چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ایک آنکھ اور ایک طرف کا آدھا گال اور آدھے ہونٹ دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ہونٹ ہلکی سی مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے۔ چہرے چاند کی طرح نظر آتا تھا۔ کوئی شک نہ رہ گیا کہ کرشی اسطافت کو دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی وہ صاف بتاتی تھی کہ جس طرح اسطافت کرشی کو ایک بار پھر دیکھنے کو بے تاب تھا اسی طرح کرشی بھی اسطافت کو اچھی طرح دیکھنے کو بے تاب تھی۔ اتنی حسین اور پُرکشش لڑکی کے آدھے چہرے کو دیکھ کر اسطافت بے کل اور بے قرار ہو گیا۔ وہ اس معصوم اور حسین چہرے کو اور کرشی کے سرو قد سراپا کو اپنے سامنے اور قریب دیکھنے کو تڑپنے لگا۔ کچھ دیر بعد یہ ذرا سا چہرہ بھی وہاں سے ہٹ گیا جیسے نئے چاند کو گھٹانے لگیل لیا ہو۔

”میں اس بیٹی کو چھپا چھپا کر رکھتا ہوں“ — میزبان بزرگ نے کہا۔

”کیوں؟“ — اسطافت نے پوچھا — ”کس کی طرف سے آپ کو خطرہ ہے؟“

مجھے بتائیں، میں اسے دنیا کے تختے سے اٹھا دوں گا۔“

”مسلمانوں کے ڈر سے!“ — بزرگ نے جواب دیا — ”کرشی پر کسی مسلمان کی نظر پڑ گئی تو پھر میری یہ بیٹی مجھے باقی عمر نظر نہیں آئے گی۔ سنا ہے مسلمان سپاہی کرشی جیسی کسی لڑکی کو دیکھتے ہیں تو اسے اٹھا کر لے جاتے اور اپنے کسی سالار کو بطور تحفہ پیش کرتے ہیں۔“

”آپ نے غلط سنا ہے محترم بزرگ!“ — اسطافت نے کہا — ”مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسی اجازت نہیں اور مسلمانوں کا ذاتی اخلاق بھی ایسا ہے کہ وہ کسی لڑکی

کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ میں اُس وقت سے ان کے ساتھ ہوں جب انہوں نے فرما شر فتح کیا تھا۔ میں نے کبھی کسی سالار کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں دیکھی نہ ہی کسی مسلمان سپاہی کو کہیں سے لڑکی لاتے اور کسی سالار کو پیش کرتے دیکھا ہے۔“

میزبان بزرگ اور پادری ہنس پڑے۔ ان کی اس ہلکی سی ہنسی میں طنز تھا۔

”تم نہیں جانتے ہمارے معزز مہمان!“ — پادری نے کہا — ”تمہارے دل میں مسلمانوں کا احترام بھی ہے اور ان کی محبت بھی.... یہ کوئی بُری بات نہیں۔ ہم صرف یہ سوچ کر تمہارے ساتھ یہ قصہ چھیڑ بیٹھے ہیں کہ تم عیسائی ہو اور اب تک بت سی عیسائی لڑکیاں مسلمانوں کے قبضے میں جا چکی ہیں۔ تمہیں کسی سالار کے پاس کوئی عیسائی لڑکی اس لئے نظر نہیں آئی کہ یہ کرشی جیسی معصوم لڑکیوں کو مدینہ بھیج دیتے ہیں۔ تم مصری بدو گھروں سے دور ہو اور کچھ عرصے سے گھروں کو نہیں گئے۔ جب کبھی واپس جاؤ گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہاری کتنی لڑکیاں مدینہ بھیج چکی ہیں۔“

”میں اتنا ضرور مانتا ہوں“ — میزبان بزرگ بولا — ”کہ مسلمان دوسری فاتح قوموں جیسے نہیں۔ دوسرے فاتحین تو کوئی شہر فتح کرتے ہی وہاں کی عورتوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ وہ مفتوحین کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن جاتے ہیں لیکن درپردہ کسی حسین و شیرازہ کو دیکھ کر اٹھوا لیتے ہیں۔“

”مسلمان پہلے اپنے اچھے اخلاق کا اثر ڈالتے ہیں“ — پادری نے کہا — ”جب ان کا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے تو مفتوحہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ میں ملک شام میں دیکھ آیا ہوں۔ وہاں کے عیسائی رومیوں کو اور ہرقل کو اب یاد کرتے ہیں۔ جن عیسائیوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی، اب جا کر ان کی حالت زار دیکھو جو مسلمانوں نے کر دی ہے۔“

اسطافت حیرت زدگی کے عالم میں ان دونوں معزز بوڑھوں کے چہروں پر نظر گاڑے ہوئے تھا۔ اس نے مسلمانوں کے کردار کا ایک ہی روپ دیکھا تھا اور اسے یقین تھا کہ مسلمانوں کے کردار کا اصلی روپ یہی ہے۔ اس نے ابھی کوئی قابل اعتراض حرکت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے جو تاثرات تھے ان میں پریشانی اور تعجب کی جھلک بھی تھی۔ وہ مسلمانوں کے کردار کے خلاف کوئی بات ماننے پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے پادری اور میزبان کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ ان دونوں بوڑھوں کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں سچائی کی جھلک پوری طرح نمایاں

ی۔ دونوں بوڑھے باری باری مجاہدین اسلام کے خلاف زہر اگلنے رہے۔
 ”مجھے یہ بتائیں میں کیا کر سکتا ہوں“ — اسطافت نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا کہنے لگا — ”کیا میں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دوں؟“
 ”تم ان کا ساتھ چھوڑ دو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا“ — پادری نے کہا — ”اگر تمہارے دل میں عیسائیت کا احترام اور عیسائیوں کی محبت ہے تو تم بہت کچھ کر سکتے ہو۔ یہ سوچ لو کہ مسلمانوں نے اگر سکندریہ بھی فتح کر لیا اور پورا مصر ان کے ہاتھ آگیا تو پھر شام کی طرح اس ملک میں بھی کوئی ایک بھی گر جا کر انہیں رہے گا۔ پادریوں کو قتل کر دیا جائے گا.... تم اپنے پورے قبیلے سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لشکر سے نکل جائیں لیکن یہ بھی کافی نہیں۔ تمہارے ساتھ دوسرے قبیلوں کے سردار بھی ہیں۔ انہیں یہ ساری باتیں بتاؤ اور انہیں آمادہ کرو کہ وہ اپنے قبیلوں کو یہاں سے واپس اپنے گھروں میں لے جائیں پھر انہیں یہ بتائیں کہ تمہارے لئے صرف رومی اچھے ہمدرد اور مخلص ہیں۔“
 ”میں یہ بھی کافی نہیں سمجھتا“ — میزبان بوڑھے نے کہا — ”یہ لوگ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ہی رہیں اور ان کی لڑائی لڑنے کی بجائے انہیں دھوکہ دیں اور انہیں نقصان پہنچائیں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ — اسطافت نے پوچھا۔
 ”میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ تمہارے قبیلے کیا کریں گے“ — میزبان نے کہا —
 ”مسلمان کسی شہر کو محاصرے میں لئے ہوئے ہوں یا رومیوں کے ساتھ کہیں کھلے میدان میں لڑائی ہو رہی ہو تو بدو مسلمانوں کی پیٹھ پر وار کریں اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دیں۔ اگر میری یہ تجویز اچھی لگے تو نکل سے ہی اپنے سرداروں کو اس کے لئے تیار کرنا شروع کر دو۔ تم دیکھو گے کہ مسلمان کریوں کو فتح کئے بغیر اس شہر کی دیواروں کے باہر ہی مڑ پڑے ہوں گے یا اپنی عورتوں کو بھی یہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ صرف تمہارے بدو ہی نہیں، یہاں تو بے شمار قبیلی عیسائی بھی مسلمانوں کی مدد کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے جو خدا بخشے گا نہیں اور قبیلی عیسائیوں کو عبرت ناک سزا ملے گی۔“

”میرے محترم بزرگ!“ — اسطافت نے کہا — ”آپ غالباً“ بھول گئے ہیں کہ یہاں کے قبیلی مسلمانوں کی مدد کو کیوں آگے آگئے ہیں۔ کیا آپ قبیلوں کا قتل عام

بھول گئے ہیں جو شاہ ہرقل اور اسقف اعظم قیرس نے کیا تھا؟ اصل اسقف اعظم بنیامین ہے جو آج تک جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ ہم بدوؤں کو تو رومی فوج اپنا زر خرید غلام سمجھتی ہے۔“

”مصر میں انقلاب آ رہا ہے“ — پادری نے کہا — ”شاہ ہرقل مر چکا ہے۔ اس کا بیٹا قسطنطین بھی مر گیا ہے۔ قیرس خود کمک لایا ہے۔ میں سکندریہ سے آ رہا ہوں۔ قیرس نے لوگوں کے ایک بہت ہی بڑے ہجوم سے خطاب کیا ہے اور قبیلی عیسائیوں سے معافی مانگی ہے اور اس نے اعلان کیا ہے کہ اب مصر میں عیسائیت کا راج ہو گا اور اس پر بزنطیہ کے شاہی خاندان کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔ ہم بہت سے پادری بزنطیہ سے آئے ہیں اور یہاں کے عیسائیوں کو یہی بات بتا رہے ہیں کہ اب ہرقل کی فرعونیت اور اس کی بنائی ہوئی عیسائیت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔“

اسطافت کے چہرے پر شش و پنج کے تاثرات کچھ زیادہ نمایاں ہو گئے۔ اس کے پاس تو جیسے کوئی اور سوال یا شک یا کوئی اور بات ہی نہیں تھی۔ اس دوران اس نے تین چار بار کھڑکی کی طرف دیکھا جس کا ایک کواڑز اس کا کھلا ہوا تھا۔ اسے کرسٹی کا چہرہ پھر نظر آیا اور اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پہلے سے زیادہ تھی۔ یہ مسکراہٹ اسطافت کو ایک پیغام دے رہی تھی۔ وہ آخر بدو تھا، سردار بھی تھا۔ اس کا ذہن علم و فضل سے خالی تھا۔ اس نے دوسری بار کرسٹی کو دیکھا تو اس کا سارا دھیان اور دلچسپیاں اس چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

وہ کھانا کھا چکے تھے اور ملازم برتن اٹھا کر لے گئے تھے اور باہر رات تاریک ہو گئی تھی۔ میزبان بزرگ نے اسطافت سے کہا کہ اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ رات اس کا مہمان رہے۔ اسطافت کا کام رسد فراہم کرنا تھا جو اس نے کر دی تھی۔ وہ رات کے لئے وہاں رک سکتا تھا اور رک گیا۔ وہ اس امید پر رکھا تھا کہ کرسٹی کا چہرہ اور سرپا اسے ایک دلدار شاید پھر دکھائی دے گا۔

ان دونوں بوڑھوں نے اسطافت کو ایسا اعزاز اور احترام دیا جیسے وہ شاہی خاندان کا فرد ہو۔ انہوں نے اس مصری بدو کو اسی مکان میں الگ کمرہ نہ دیا بلکہ ایک مکان میں اس سے سونے کا انتظام کیا۔ اسے اس مکان میں لے گئے۔ چھوٹا سا وہ مکان خاصا خوبصورت،

صاف ستھرا اور ہر طرح سے آراستہ تھا۔ موسم ایسا تھا کہ اس کے لئے پلنگ صحن میں بچھایا گیا۔

اسے اس مکان میں چھوڑ کر دونوں بوڑھے شب بخیر کہہ آئے۔ کچھ دیر بعد ایک اویڑ عمر ملازمہ آئی اسے کہا کہ وہ کسی بھی چیز کی کمی محسوس کرتا ہو تو بتادے۔ اسطاف نے اس ملازمہ کے ساتھ بڑی شفقت سے باتیں کیں۔ ملازمہ نے ایسا انداز اختیار کر لیا جیسے وہ اسطاف کی خدمت میں فخر محسوس کر رہی ہو۔ وہ ذہنی طور پر خاصی ہوشیار بلکہ چالاک معلوم ہوتی تھی۔

”اگر آقاؐ رانہ مائیں تو ایک بات کہوں!“ — ملازمہ نے کہا۔

”جو دل میں آتی ہے وہ ضرور کہو“ — اسطاف نے اپنی مخصوص زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”بات بُری ہوئی تو بھی بُرائیں مانوں گا۔“

”آپ نے شاید اپنے میزبان کو نغیر بیٹی کی ایک جھلک دیکھی ہوگی“ — ملازمہ نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ”وہ آپ کے آگے شراب رکھنے گئی تھی۔ وہ اُس وقت سے بے چین ہے اور تھوڑی سی دیر کے لئے آپ کے پاس بیٹھنا چاہتی ہے۔ کیا آپ اسے یہاں آنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟“

”کیا وہ فوراً آنا چاہتی ہے؟“ — اسطاف نے پوچھا۔

”نہیں آقاؐ!“ — ملازمہ نے جواب دیا۔ ”وہ تنہائی کی ملاقات چاہتی ہے اور اُس وقت آئے گی جب سب سو جائیں گے.... میں آپ کو صحیح بات بتا دیتی ہوں۔ وہ تو آپ پر مر رہی ہے۔ اسے آنے کی اجازت دے دیں ورنہ بہت مایوس ہوگی۔“

”میں جانتا ہوں اس لڑکی کا نام کرشی ہے“ — اسطاف نے کہا اور پوچھا۔ ”کیا تمہارے آقاؐ کی کوئی اور بھی بیٹی ہے؟“

”کرشی دراصل میرے آقاؐ کی سگی بیٹی نہیں“ — ملازمہ نے کہا۔ ”یہ تو ملک شام کی رہنے والی ہے۔ یہاں پر اس طرح پہنچی تھی کہ شام میں جب جنگ جاری تھی تو کرشی کا باپ اور بھائی جو اس سے چھوٹے تھے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کرشی پہلے ہی بھاگ کر گرجے میں جا چھپی تھی۔ اس کی ماں کی عمر تقریباً چالیس سال تھی اور وہ اپنی اس بیٹی سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ایک مسلمان اسے لے اڑا....“

”کرشی کو اس گرجے کے پادری نے اپنی پناہ میں لے لیا اور جب روم کی فوج وہاں

سے پسپا ہوئی تو وہ پادری بھی فوج کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ کرشی اس کے ساتھ تھی۔ فوج نے پادری اور کرشی کو اپنے ساتھ رکھا اور کچھ عرصہ بعد یہ دونوں مصر آ پہنچے۔ وہ پادری کرشی کو کسی اچھے گھر کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ میرے آقاؐ کو پتہ چلا اس نے کرشی کو گرجے میں جا کر دیکھا اور اسے لڑکی ایسی معصوم لگی کہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا اور سگی بیٹی بنا لیا۔ اب آقاؐ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن لڑکی نے کہہ دیا ہے کہ اسے جو آدمی اچھا لگے گا اس کے ساتھ شادی کرے گی....

”یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارے ہاں نہ لڑکی پر پابندی ہوتی ہے نہ لڑکے پر۔ ہماری ہر شادی اپنی پسند اور محبت کی شادی ہوتی ہے۔ کرشی کو کئی نوجوانوں کے محبت کے پیغام ملے اور کئی نوجوانوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن کرشی نہ جانے کس قسم کے آدمی کو پسند کرے گی۔ وہ کہتی ہے کہ ضروری نہیں کہ وہ کسی ہم عمر کے ساتھ شادی کرے گی۔ وہ تو کسی اویڑ عمر آدمی کو بھی پسند کر لے گی بشرطیکہ وہ آدمی اس کے معیار پر پورا اُترتا ہو۔ میں تو اسے عجیب لڑکی کہوں گی۔ ہو سکتا ہے اسے آپ ہی اچھے لگے ہوں۔“

اسطاف کو تو یوں لگا جیسے اس کے وجود میں ہوا بھر گئی ہو اور وہ فضا میں اڑ رہا ہو۔ اس نے ملازمہ سے کہا کہ وہ کرشی سے کہہ دے کہ وہ اس کے انتظار میں جاگتا رہے گا۔ ملازمہ چلی گئی۔

○

اسطاف دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی لیکن کرشی کا انتظار اسے سوئے نہیں دے رہا تھا۔ کبھی وہ خوشی سے پھولانہ سماٹا کہ اتنی حسین اور نوجیز لڑکی اس کے پاس آرہی ہے اور کبھی اسے یوں محسوس ہونے لگتا جیسے اس کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو رہا ہے یا وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اسے اپنے متعلق معلوم تھا کہ وہ خبرو آدمی ہے۔ وہ تھا تو بدو لیکن اس کا رنگ کالا یا سانولا نہیں بلکہ بڑا صاف اور کھلا ہوا رنگ تھا۔ اگر وہ سیاہ جڑو ہوتا تو پھر اس کا یہ شک بجا ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو رہا ہے اور اتنی حسین و جمیل لڑکی اس کے پاس نہیں آ سکتی۔

چاندنی بڑی صاف اور سفید تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاند ایک مقام پر رت گیا ہے اور رات آگے بڑھ ہی نہیں رہی۔ وہ انتظار کی اذیت برداشت کرتا رہا اور

آخر دروازہ بڑی آہستہ سے کھلا۔ اسطافت کا انگ انگ بیدار ہو گیا۔

کرشی اس طرح دروازے کے اندر آئی جیسے ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا ہو۔ اسطافت نے چاہا کہ وہ دوڑ کر کرشی کو بازوؤں میں سمیٹ لے اور اسے اٹھا کر وہاں سے بھاگ جائے اور اپنے خیمے میں چاد م لے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا۔ کرشی آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھی۔

وہ جب اسطافت کے قریب پہنچی تو اسطافت نے اسے پلنگ پر بٹھالیا اور اس نے بازو لمبا کیا کہ کرشی کو بازو میں لے کر اپنے قریب کر لے لیکن کرشی پیچھے کو سرک گئی۔ ”کیوں؟“ — اسطافت نے کہا — ”خطرہ مول لے کر آئی ہو اور شرم و حجاب کا یہ عالم!“

”پہلے کچھ باتیں کرنی ہیں“ — کرشی نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا — ”میں وقتی سکون اور لذت کے لئے نہیں آئی، ساری عمر کے ساتھی کی تلاش میں آئی ہوں۔ آپ کو دیکھ کر میرے دل سے آواز اٹھی ہے کہ یہ ہے وہ شخص جس کے انتظار میں تم گھڑیاں گن رہی ہو۔ میں تو ہمیشہ کے لئے آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں۔“

”لیکن یہ سوچ لو کرشی!“ — اسطافت نے کہا — ”میری ایک بیوی اور دو بچے ہیں۔“

”کیا ایسے آدمیوں کی کمی ہے جنہوں نے چار چار پانچ پانچ اور بعض نے اس سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی ہیں؟ میں تو آپ کی داشتہ بننے کے لئے بھی تیار ہوں اور آپ کی بیوی کی لونڈی بن جاؤں گی لیکن میری ایک شرط ہے۔“

”میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا“ — اسطافت نے کہا — ”ایک نہیں تم ایک سو شرطیں زبان پر لاؤ، میں جان پر کھیل کر ہر شرط پوری کروں گا۔“

اسطافت نے بھولے سے بھی نہ سوچا کہ وہ چالیس سال سے کچھ زیادہ عمر کا آدمی اور دور دراز صحرائیں رہنے والا پس ماندہ بدو اتنی حسین اور نوخیز لڑکی جو اس پر مرہٹی ہے اور اپنی شرط صرف اس کے آگے رکھ رہی ہے یہ کوئی دھوکہ اور فریب ہی نہ ہو۔ اسطافت پر پہلے شراب کا نشہ طاری تھا، اس میں کرشی کا نشہ شامل ہو گیا اور اسطافت خواب و خیال کی بڑی ہی حسین وادی میں جانکا۔ کرشی نے اپنے متعلق اسے وہی بات بتانی شروع کر دی جو ملازمہ پہلے سنا گئی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ملازمہ نے سپاٹ سے

لہجے میں بات مختصر کر کے سنائی تھی اور کرشی کا انداز جذباتی تھا اور وہ تفصیلات سن رہی تھی۔ سناتے سناتے اس کی آواز جذبات کی شدت سے بھرا جاتی تھی۔ اس دوران اسطافت نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا چاہا لیکن کرشی نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”مجھے میرا باپ واپس نہیں مل سکتا“ — کرشی نے ساری بات سنا کر کہا — ”مجھے بھائی واپس نہیں مل سکتے اور مجھے وہ پاری ماں بھی واپس نہیں مل سکتی جسے مسلمان زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن مجھے پوری امید ہے وہ شخص ضرور ملے گا جو ان سب کا انتقام لے کر میرا جلتا ہوا سینہ ٹھنڈا کر دے گا۔ میں اپنے حسن اور اپنے اس جسم کی لطافت اس شخص کی گود میں ڈال دوں گی خواہ وہ کوئی کالا کلوٹا اور بھدا بد صورت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے کہ آپ جیسا خوب رو اور طاقتور انسان مجھے مل گیا ہے اور میرے دل نے اسے قبول کر لیا ہے۔“

”صرف ایک بات بتا دو کرشی!“ — اسطافت نے پوچھا — ”کیا تمہاری شرط یہ ہے کہ میں پہلے تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کا انتقام لوں اور اس کے بعد تم میرے ساتھ شادی کرو گی؟“

”ہاں!“ — کرشی نے جواب دیا — ”میری شرط یہی ہے۔ اگر آپ تھوڑے سے عرصے میں میری یہ شرط پوری نہ کر سکے تو میں اپنی محبت قربان کر دوں گی اور پھر کبھی آپ کی صورت بھی نہیں دیکھوں گی.... میں آپ کو یہ بتا دوں کہ آپ میری پہلی اور آخری محبت ہیں۔ ایسی محبت مرا نہیں کرتی جو اچانک کسی کو صرف ایک نظر دیکھنے سے دل پر قابض ہو جاتی ہے۔“

اسطافت کی جذباتی حالت کچھ اس طرح ہو گئی تھی کہ وہ کرشی کی باتیں اتنے زیادہ دھیان سے نہیں سن رہا تھا جتنے دھیان سے اس کے چہرے اور سر پا کو دیکھ رہا تھا۔ چاندنی سیدھی کرشی کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس چاندنی میں کرشی کی آنکھوں کی چمک میں ایسا طلسم تھا جس نے اسطافت کو بے حال کر دیا تھا کہ وہ تو بڑی ہی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ کرشی کی طرف سے ذرا سا اشارہ بھی ملتا تو اسطافت اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتا اور کہتا کہ باقی عمر وہ کرشی کو اپنے سینے سے لگائے گزار دے گا۔ آخر وہ بے تاب ہو گیا۔

”کرشی!“ — اسطافت نے التجا کے لہجے میں کہا — ”تم نے میرے وجود میں جو

آگ لگا دی ہے یہ مجھے راکھ کر دے گی۔ اگر شادی پہلے ہو جائے تو مجھے نیا حوصلہ اور تروتازہ دلونہ ملے گا۔ پھر دیکھنا میں کیا کر تا ہوں۔“

”نہیں!“ — کرشی نے سرزور زور سے ہلاتے ہوئے کہا — ”میں شادی کی زنجیر میں جکڑی گئی تو پھر رہائی مشکل ہو جائے گی۔ میں مرد کی فطرت سے واقف ہوں۔ پہلے میری شرط پوری کریں۔“

اسطافت کی حالت اب اُس پیاسے انسان جیسی ہو گئی تھی جو پیاس سے مرا چارہا ہو اور پانی اس کے سامنے پڑا ہو لیکن پی نہ سکتا ہو۔ کبھی تو کرشی اسے سراب کی طرح نظر آتی تھی جس تک پہنچنے کے لئے صحرا نور دھلتے ہی جاتے ہیں اور آخر گر پڑتے اور ریت ان کی زندگی کی نمی چوس لیتی ہے.... اچانک اسے ایک خیال آگیا اور وہ بیدار ہو گیا۔

”ایک بات تو تم نے بتائی ہی نہیں“ — اسطافت نے کہا — ”میں تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کا انتقام لوں گا کس طرح؟ کس سے انتقام لوں گا؟“

”آپ اپنے قبیلے کے سردار ہیں“ — کرشی نے پُر اعتماد لہجے میں کہا — ”اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ آپ کے ساتھ دوسرے قبیلوں کے سردار بھی ہوں گے۔ انہیں بھی کہیں کہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کو یہاں سے غائب کرنا شروع کر دیں اور وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کے لشکر سے ٹکلتے جائیں.... یہ کام ایسا ہے جو ذرا آہستہ آہستہ ہو گا“ ایک کام آپ فوراً کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار کو قتل کر دیں۔“

”سپہ سالار کا قتل ممکن نہیں“ — اسطافت نے کہا — ”وہ اس لئے کہ سپہ سالار کو اس کے محافظ اپنے حصار میں لئے رکھتے ہیں۔ وہ رات جس خیمے میں سوتا ہے اس خیمے کے ارد گرد محافظ موجود اور بیدار رہتے ہیں۔ میں دوسرے سالاروں کو قتل کر سکتا ہوں۔ تم ایک سپہ سالار کی بات کرتی ہو، میں اتنے سارے سالاروں کو مار دوں گا اور ماروں گا ایسے طریقے سے کہ پکڑا نہیں جاؤں گا۔ سالاروں کا قتل اس لئے آسان ہے کہ وہ لڑائی کے دوران ہر طرف بھاگتے دوڑتے رہتے ہیں اور کسی بھی گھمسان کے معرکے میں انہیں قتل کیا جاسکتا ہے۔ اگر دو تین سالار قتل ہو گئے تو مسلمان بہت کمزور ہو جائیں گے اور میں دوسرا کام یہ کروں گا کہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کو وہاں سے نکالوں گا اور واپس بھیجنا شروع کر دوں گا۔“

”یہی کام کر دیں“ — کرشی نے کہا — ”میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ کریوں کے ارد گرد کی زمین مسلمانوں کا قبرستان بن جائے اور ان کی عورتیں رومی فوج کے قبضے میں چلی جائیں.... ضروری بات یہ ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں یہاں آپ کے پاس آئی تھی۔“

کرشی اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف چل پڑی۔ اسطافت کو یوں لگا جیسے اس کا دل اس کے سینے سے نکل کر کرشی کے قدموں میں جا پڑا ہو۔ کرشی دروازے تک پہنچ کر پیچھے کو مڑی۔

”میں انتظار کروں گی“ — کرشی نے کہا اور دروازے میں سے نکل گئی۔ اسطافت کی نظریں دروازے پر لگی رہیں۔ اسے تو جیسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ یہ نوزیر کلی اتنی دیر اس کے پاس بیٹھی رہی ہے۔ وہ تو یوں آئی اور گئی جیسے بجلی چمک کر پھر اندھیرا کر گئی ہو۔ یہ ایک احساس تھا جو اسطافت کو بے حال کر گیا۔ وہ کرشی کی شرطیں پوری کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

○

صبح طلوع ہوئی تو دو ملازم آئے۔ انہوں نے اسطافت کے غسل کا انتظام کیا اور دونوں اُس وقت تک حاضری میں کھڑے رہے جب اسطافت غسل کر کے اور کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ پھر اس کے لئے بڑا ہی پُر تکلف اور مرغین ناشتہ آیا۔

وہ ناشتہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ بوڑھا پادری میزبان بزرگ کے ساتھ آگیا۔ انہوں نے اسطافت کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جیسے وہ کوئی بہت ہی اونچی شخصیت ہو۔ خوشامد لہجے اور انداز میں اس سے پوچھا کہ رات کیسی گزری اور اسے کوئی تکلیف یا بے آراہی تو نہیں ہوئی!.... اسطافت پر ابھی تک کرشی کے حسن اور اس کی دوشیزگی کا غماز طاری تھا۔ دونوں بوڑھوں نے باتوں باتوں میں وہی بات چھیڑ دی جو گزشتہ رات انہوں نے اسطافت کے ساتھ کی تھی۔ وہ اسی پر زور دے رہے تھے کہ اب مصر میں عیسائیت کا راج ہو گا۔

اسطافت کی جذباتی اور ذہنی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اسے دنیا سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی تھی۔ گزشتہ رات کرشی نے اس کے ساتھ یہی باتیں کی تھیں جو اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں اور وہ اپنے وجود میں انتقام کی تیش محسوس کر رہا تھا۔

”میں نے کچھ فیصلے اور کچھ ارادے کر لئے ہیں“ — اسطافت نے پُر عزم لہجے میں کہا — ”میں یسوع مسیح کے مقدس نام پر مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچاؤں گا جس سے ان کی کمرٹ جائے گی۔ سوچا تھا کہ ان کے سپہ سالار کو ہی قتل کر دوں لیکن یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ ہر وقت اپنے محافظوں کے نرسے میں رہتا ہے اس کی بجائے میں سالاروں کو قتل کر دوں گا اور اس کے ساتھ ہی اپنے قبیلے کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دوں گا کہ وہ دو چار چار کر کے لشکر سے نکلیں اور اپنے گھروں کو پہنچیں۔“

”واہ واہ!“ — پادری نے بے ساختہ خراج تحسین پیش کرنے کے لہجے میں کہا۔
 ”یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر تم یہ کام کر دو تو تمہیں اس دنیا کی بادشاہی ملے گی۔“
 دونوں بوڑھے کچھ دیر اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے اور جب اسطافت نے کہا کہ بہت وقت گزر گیا ہے اور اب اسے واپس جانا چاہئے، اس وقت تک اسطافت کے اندر مسلمانوں کی عدوت بھڑکتی ہوئی آگ کی صورت اختیار کر چکی تھی اور اب وہ آگ بگولے کی صورت میں ان سے رخصت ہوا۔

وہ جب اس گاؤں سے نکلا تو بار بار پیچھے دیکھتا تھا۔ اسے اپنے بزرگ میزبان کی منڈیر پر کرشی نظر آگئی جو ہاتھ اوپر کے ہلارہی تھی۔ اسطافت کے عزم اور عدت تو تازہ اور مکمل طور پر مستحکم ہو گئے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور کچھ ہی دیر بعد مجاہدین کے لشکر میں جا پہنچا۔

کریون کی جنگ جاری تھی۔ مجاہدین کریون کی دیواروں تک پہنچنے کے ابھی خواب دیکھ رہے تھے۔ رومیوں نے تو جیسے عمد کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر پسا کریں گے یا موت قبول کر لیں گے۔ بزنیہ سے جو ملک آئی تھی اس میں سے کچھ دستے سکندریہ سے کریون بھیج دیئے گئے تھے۔ ان دستوں کو مسلمانوں کے خلاف میدان میں اترنے کا پہلا تجربہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت کی بہت باتیں سنی تھیں۔ قیرس نے انہیں بھڑکا آکسا کر کریون بھیجا تھا۔ یہی دستے تھے جو جانوں کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے اور ان کی دیکھا دیکھی روم کی فوج پہلے ہی مصر میں تھی اور مسلمانوں سے خوف زدہ تھی، بے جگری سے لڑ رہی تھی۔

اگلے آٹھ نوروز اس میدان میں ایسے ہی معرکے لڑے جاتے رہے جن میں سے پہلے روز کا معرکہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ ہر روز یہی منظر دیکھنے میں آتا تھا کہ کسی

دن رومی پیچھے ہٹ جاتے اور ان کا جانی نقصان خاصا زیادہ ہوتا اور کبھی مجاہدین رومیوں کا دباؤ اور ان کے تابڑ توڑ حملے برداشت نہ کر سکتے اور لاشیں پیچھے چھوڑ کر پسا ہو آتے تھے۔ ... فتح اور شکست کا فیصلہ ہوتا ہی نہیں تھا نہ ہوتا نظر آتا تھا۔

کریون کی اس جنگ کا آخری معرکہ سنائے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس محاذ کا ذکر مکمل کر دیا جائے جو قیرس نے مسلمانوں کے خلاف تیار کیا تھا۔ یہ کہنا کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کو اس محاذ کی خبر نہیں تھی صحیح نہیں۔ جاسوس مجاہدین میدان جنگ کے ارد گرد کے دیہات میں مصری دیہاتیوں کے بہروپ میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ وہ زیادہ تر یہ دیکھتے تھے کہ مقامی لوگوں کی سوچ مجاہدین اسلام کے متعلق کیا ہے اور ان کی درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔ ان جاسوسوں نے دیہات میں کچھ خبر بنا لئے تھے جو لوگوں کے گھروں کے اندر کی باتیں بھی بتا دیتے تھے۔

قیرس کے زمین دوز محاذ کو بیان کرنے کے لئے ان دو بوڑھوں، اسطافت اور کرشی کا واقعہ بیان کر دینا ہی کافی ہے۔ ہم یہ واقعہ اس کے انجام تک سنا دیتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جائے گا کہ قیرس کا محاذ کیا کارروائیاں کرتا تھا اور مجاہدین اسلام کے پاس اس کا کیا توڑ تھا، کوئی توڑ تھا بھی یا نہیں۔

کریون کی جنگ کے دوران جاسوس مجاہدین اور مخبر اطلاعات دینے لگے تھے کہ دیہات میں پادری قسم کے افراد پھیل گئے ہیں اور وہ لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ عیسائی خبروں نے بتایا کہ گرجوں میں پادری خطبہ دیتے ہیں تو ان میں بھی اسلام کے خلاف باتیں ہوتی ہیں لوریہ باتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ مسلمان مصر پر قابض ہو گئے تو سب کو زبردستی مسلمان بنالیں گے اور تمام کی تمام خوبصورت عیسائی لڑکیوں کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔

مخبر اور اپنے جاسوس یہ بھی اپنے سپہ سالار کو بتا رہے تھے کہ قطبی عیسائیوں کو یسوع مسیح کے نام پر کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ ذرا سا بھی تعاون نہ کریں۔ کچھ دنوں بعد یہ اطلاع بھی مل گئی کہ بددؤں کو بھی مجاہدین کے لشکر سے لا تعلق کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

سپہ سالار عمرو بن عاص کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے پاس اتنی نفری نہیں تھی کہ کچھ نفری کو دیہات میں پھیلا دیتے اور ان پادریوں وغیرہ کا منہ بند رکھتے۔ کریون کی جنگ کے

لئے تو انہیں اور زیادہ نفری کی ضرورت تھی۔

سپہ سالار یہی کر سکتے تھے جو انہوں نے بہت دن پہلے کر دیا تھا۔ انہوں نے حکم جاری کیا تھا کہ لشکر کے ساتھ جو بدو اور قبیلہ عیسائی ہیں انہیں باہر کا کوئی آدمی نہ ملے اور نہ ہی یہ باہر کے کسی آدمی کے ساتھ تعلق رکھیں لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ بدوؤں کی وہ نفری جو دیہات سے رسد اکٹھی کرنے پر مامور تھی وہ تو باہر کے لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھتی ہی تھی ورنہ اپنے کام میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ان بدوؤں کو لوگوں سے دور رکھا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ مثلاً اسطافت اس گاؤں گیا اور ایک رات وہاں ٹھہرا بھی لیکن پیچھے لشکر میں اس کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے پورا کر رہا تھا۔ سپہ سالار عمرو بن عاص کو اپنے جاسوسوں کی رپورٹیں تو مل رہی تھیں لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ قیرس کا یہ محاذ کتنا کرا، کتنا مضبوط اور خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ انہیں صرف اللہ پر بھروسہ تھا جس کے نام پر وہ حق و باطل کے معرکے لڑ رہے تھے۔

○

کریوں کی جنگ کے دوران کا واقعہ ہے کہ جاسوسوں نے ایک گاؤں کی رپورٹ دی جو کچھ زیادہ ہی تشویشناک تھی۔ رپورٹ یہ تھی کہ اس گاؤں میں ایک بوڑھا پادری آگیا ہے اور اس نے آتے ہی اپنے گھر میں عبادت کے لئے گر جانا لیا ہے۔ گاؤں کے لوگ اس گرجے میں جاتے ہیں اور پادری انہیں اسلام کے خلاف خطبے دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جن قبیلہ عیسائیوں کے عزیز رشتہ دار مسلمانوں کے لشکر کے لئے کام کر رہے ہیں ان رشتہ داروں کو اس لشکر سے ہٹا کر واپس لے آئیں۔ مطلب یہ کہ یہ پادری نظریاتی قسم کی تخریب کاری کر رہا تھا۔

اس رپورٹ میں یہ بھی تھا کہ اس گاؤں کا بوڑھا سردار زمین دوز کارروائیوں میں بہت ہی سرگرم ہے۔ مخبروں نے یہ بھی بتایا کہ ان بدوؤں کا ایک سردار جو مجاہدین کے لشکر کے ساتھ ہے، گاؤں کے اس سردار کے گھر دو تین مرتبہ آچکا ہے اور ایک دورا میں وہاں ٹھہرا بھی ہے۔

یہ اسی گاؤں کی رپورٹ تھی جس گاؤں میں اسطافت گیا تھا اور اسے کرشی ملی تھی۔ یہ پادری وہی تھا اور گاؤں کا سردار بھی وہی تھا جن دونوں نے اسطافت کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا۔ مخبروں نے یہ شک بھی ظاہر کیا کہ گاؤں کے سردار کی ایک بیٹی بہت ہی

ذہبورت اور نوجوان ہے اور اسے بدوؤں کے سردار کو مجاہدین کے لشکر کے خلاف استعمال کرنے کے لئے کام میں لایا جا رہا ہے۔

مجاہدین کے لشکر کے ایک سالار مقداد بن اسود کریوں کے پہلے معرکے میں زخمی ہو گئے تھے۔ زخم ایک ٹانگ پر تھا اور دایاں بازو بھی زخمی تھا۔ سالار اور مجاہدین زخموں کی پرواہ کئے بغیر لڑا کرتے تھے۔ وہ اُس وقت تک لڑتے رہتے جب تک کہ زخم انہیں گرا کر بے ہوش نہ کر دیتے لیکن سالار مقداد کے زخم ایسے تھے کہ وہ میدان جنگ میں گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ لڑائی کے دوران گھوڑے کو قدم قدم پر دائیں بائیں آگے اور پیچھے کرنا ہوتا تھا لیکن سالار مقداد لگام کو اچھی طرح ہاتھ میں نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس گاؤں کی رپورٹیں ملیں تو سپہ سالار عمرو بن عاص نے ضروری سمجھا کہ اس گاؤں میں جاکر فوری طور پر انسدادی کارروائی کی جائے۔ اس کے لئے ایک سالار کی ضرورت تھی۔ کسی بھی سالار کو میدان جنگ سے نہیں ہٹایا جاسکتا تھا۔ سالار مقداد نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور کہا کہ وہ گاؤں میں جاکر ہر طرح کی کارروائی کرنے کے قابل ہیں۔ عمرو بن عاص نے انہیں اجازت دے دی اور ساتھ دو محافظ بھی بھیج دیئے کیونکہ سالار مقداد اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھے۔ دو اور مجاہدین بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ گئے۔ دو تین جاسوس اور مقامی خبر پہلے ہی اس گاؤں میں موجود تھے اور گاؤں کے کسی بھی فرد کو معلوم نہیں تھا کہ یہ جاسوس ہیں۔

اُس روز اسطافت ایک بار پھر اس گاؤں میں گیا اور گاؤں کے سردار کامن بنایا ہوا تھا۔ اب کرشی اسے چوری چھپے نہیں ملتی تھی بلکہ سب کے سامنے اس کے پاس بیٹھتی اور اس کے جذبات کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ اسطافت تو اب مکمل طور پر اس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اس نے کرشی سے اور پادری سے اور اس گاؤں کے بوڑھے سردار سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سالاروں کو باری باری قتل کر دے گا لیکن ابھی وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے موقع ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لڑنے والے لشکر میں شامل نہیں تھا اس لئے لڑائی میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال اسے ان لوگوں نے اپنا نہایت کار آمد آلہ کار بنالیا تھا۔

گاؤں کا ایک ادبی دوڑتا ہوا گاؤں کے سردار کے گھر میں داخل ہوا اور اسے بتایا کہ

مسلمان فوجی آرہے ہیں اور ان میں ایک سالار ہے۔ معلوم نہیں اسے کس طرح علم تھا کہ مقداد بن اسود سالار ہیں۔ سردار نے پوری کو اطلاع بھجوا دی کہ ایک سالار چار پانچ مسلمان لشکریوں کے ساتھ آرہا ہے۔ پھر اس نے اسطافت کو بتایا اور ساتھ یہ کہا کہ وہ کہیں چھپ جائے، ایسا نہ ہو کہ سالار اس گھر کی تلاشی لینے آجائے۔

”نہیں!“ — اسطافت نے کہا — ”میں چھپوں گا نہیں۔ مجھے اپنی کمان اور تیر دے دیں۔ اگر یہ سالار ہے تو اسے میرا شکار سمجھیں۔“

”نہیں اسطافت!“ — سردار نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا — ”گاؤں میں اسے قتل نہ کرنا ورنہ یہ مسلمان پورے گاؤں کو تباہ کر دیں گے۔“

اسطافت کی تو ان لوگوں نے اور خصوصاً ”کرشی“ نے ایسی برین واشنگ کر رکھی تھی کہ وہ کسی کی سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے سردار کے جوانی کے وقتوں کی کمان دیوار کے ساتھ لٹکی دیکھی تھی۔ اسطافت دوڑا گیا اور وہ کمان لے آیا۔ اس کے ساتھ ترکش بھی تھی جس میں چھ سات تیر پڑے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتا سیڑھی چڑھ گیا اور چھت پر چلا گیا۔

سردار کا مکان قلعے جیسا تھا۔ اس کی منڈیروں پر قلعوں جیسی فصیل بنی ہوئی تھی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ تیر انداز وہاں سے چھپ کر نیچے تیر اندازی کر سکتے تھے۔ اسطافت نے پہلے دیکھا کہ سالار کس طرف سے آرہا ہے۔ وہ اسے نظر آ گیا۔ اسطافت اس کے مطابق فصیل کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گیا اور کمان میں ایک تیر ڈال لیا۔

یہ بڑے ساز کی اور بڑی سخت کمان تھی۔ اسے کوئی اسطافت جیسا طاقتور آدمی ہی کھینچ سکتا تھا۔ سالار مقداد گاؤں میں داخل ہو گئے۔ وہ سب سے آگے تھے۔ ان کے دونوں محافظ پیچھے تھے۔

اسطافت نے کمان کھینچی اور سالار مقداد کو شست میں لینے لگا۔ یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ ایک محافظ نے اُدھر دیکھ لیا اور اسے کمان نظر آئی جس میں تیر تھا اور تیر انداز کا ایک بازو نظر آیا۔ کمان پوری کھینچ چکی تھی اور اب تیر نکلنے والا ہی تھا۔

محافظ فوراً ”جان گیا کہ تیر انداز نے سالار کو شست میں لیا ہے۔ وہ اس تیر کو نہیں رد کر سکتا تھا۔ اس کے پاس کمان اور ترکش ہوتی تو فوراً کمان میں تیر ڈال کر اسطافت

پر تیر چلا دیتا جو لگتا تو اس کے بازو کو ہی کیونکہ اس کا صرف بازو سامنے تھا لیکن یہ فائدہ ہوتا کہ اس کا تیر کمان سے نہ نکل سکتا اور اگر نکل بھی جاتا تو خطا جاتا۔ محافظ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے یہ کارنامہ کر دکھایا کہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کا گھوڑا سالار مقداد کے گھوڑے سے پانچ چھ قدم ہی دور تھا۔ دوسرے لمحے وہ سالار کے گھوڑے کے پہلو میں تھا۔

اس نے سالار کے گھوڑے کی پیٹھ کے پیچھے بڑی زور سے ہاتھ مارا اور اس کی ایک ٹانگ پر اپنے پاؤں کی ٹھوک بھی ماری۔ گھوڑا آگے نکل گیا اور عین اُس وقت اسطافت کی کمان سے تیر نکلا۔ ادھر تیر نکلا اُدھر سالار آگے ہو گیا اور تیر محافظ کی گردن میں اُتر گیا۔ چونکہ تیر قریب سے آیا تھا اس لئے اس کی نوک محافظ کی گردن کی دوسری طرف سے باہر آ گئی۔

سالار نے پیچھے دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ کیا ہو گیا ہے۔ اتفاق سے ایک مجاہد نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تیر کہاں سے آیا ہے۔ یہ مجاہد بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنا گھوڑا سالار مقداد کے پہلو کے ساتھ کر لیا تاکہ دوسرا تیر آئے تو وہ اسے بے شک لگے، سالار محفوظ رہے لیکن دوسرا تیر نہ آیا۔

زخمی محافظ کو بچانا ممکن نہیں تھا۔ اس کی گردن سے خون چشمے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا تھا۔ ساتھیوں نے اسے سہارا دے لیا اس لئے وہ گھوڑے سے نہ گرا اسے سہارا دے کر گھوڑے سے اتارنے لگے لیکن وہ شہید ہو گیا۔

سالار کو بتایا گیا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔ سالار اور دوسرے مجاہدین فوراً ”سردار کے گھر تک پہنچے اور اندر چلے گئے۔ اسطافت ایک ہی تیر چلا کر بھاگ آیا تھا۔ وہ اب چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مکان کے صحن میں بوڑھا سردار کھڑا تھا اور اس گھر کے ایک دو افراد اور بھی تھے۔ سالار نے انہیں کہا کہ گھر میں جتنے افراد ہیں سب کو صحن میں لئے ورنہ اس گھر کو بلے کا ڈھیر بنادیا جائے گا۔ کوئی اور باہر نہ آیا۔ سالار کے حکم سے مجاہدین مکان کے تمام کمرے دیکھنے لگے۔

ایک کمرے سے کرشی برآمد ہوئی۔ اسے صحن میں لے آئے اور فوراً ہی بعد اسطافت خود ہی باہر آ گیا۔

”تیر میں نے چلایا تھا“ — اسطافت نے کہا — ”اس لڑکی کو پریشان نہ کرنا۔“

اتنے میں بوڑھا پادری خود ہی آگیا۔ سالار مقدادؑ کے ساتھ جو جاسوس مجاہد تھے، انہوں نے سالار کو بتایا کہ یہ وہ پادری جو گاؤں کی آبادی کو مسلمانوں کے خلاف وعظ سناتا رہتا ہے۔ سالار مقدادؑ اس پادری کو، گاؤں کے سردار کو، اسطافت اور کرشی کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔

گاؤں کے لوگ تیر سے غمید ہونے والے محافظ کی لاش کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ سالار مقدادؑ جب باہر نکلے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مقامی مخبر نے سالار مقدادؑ کے کان میں آکر کہا کہ سارے گاؤں پر یہ خوف طاری ہو گیا ہے کہ ایک مجاہد کی موت کے جواب میں پورے گاؤں کو تباہ کر دیا جائے گا۔ سالار مقدادؑ نے یہ بات سنی تو کہا کہ تمام لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ گاؤں کے وسط میں ایک کھلے میدان میں آ گئے۔ گاؤں کی عورتیں دروازوں میں اور اپنی منڈیوں پر کھڑی تھیں۔

”گاؤں کے لوگو!“ — سالار مقدادؑ بن اسود نے بلند آواز سے کہا — ”مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سب پر یہ خوف طاری ہو گیا ہے کہ میں اپنے ایک مجاہد کے خون کا انتقام تم سب سے لوں گا اور گاؤں کو تباہ کر دوں گا۔ اگر مارا جانے والا کوئی رومی فوجی ہو تا تو روم کی فوج آکر پورے گاؤں سے انتقام لیتی اور اس گاؤں کا کوئی گھر روم کی فوج کے ہاتھوں سلاحت نہ رہتا لیکن ہمارا دستور کچھ اور ہے۔ ہم اسلام کے پیروکار ہیں۔ اسلام میں صرف اُسے سزا دی جاتی ہے جو جرم کرتا ہے۔ تمام خوف اور ڈر دلوں سے نکال دو۔ تیر اس ایک آدمی نے چلایا تھا، سارے گاؤں نے نہیں۔ سزا صرف اسے ملے گی اور تمہارے سامنے ملے گی۔“

لوگوں میں کھڑے پھسر شروع ہو گئی جو بلند ہونے لگی۔ وہ اطمینان اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔

”میں جانتا ہوں تمہارا یہ پادری تمہیں کیا وعظ سناتا رہتا ہے“ — سالار مقدادؑ کہہ رہے تھے — ”تمہارا یہ مذہبی پیشوا اسلام کے خلاف اور ہمارے خلاف بے بنیاد اور جھوٹی باتیں تمہارے کانوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جھوٹ بولنے کی اور دوسروں پر جھوٹے الزام عائد کرنے کی اجازت دی ہے؟“

لوگوں کے جھوم میں سے چند ایک آوازیں سنائی دیں — ”نہیں.... بالکل نہیں۔“

.... حضرت عیسیٰؑ نے جھوٹ بولنے کو گناہ قرار دیا تھا۔“

”ہم کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیا کرتے“ — سالار مقدادؑ نے کہا — ”ہم تمہارے اس پادری کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ میں اسے صرف یہ کہوں گا کہ مذہبی پیشوا ہو تو اپنے مذہب کے تقدس کا کچھ خیال کرو۔“

اس کے بعد سالار مقدادؑ نے لوگوں سے پوچھا، کیا تم لوگ گواہ نہیں ہو کہ تیر کہاں سے آیا تھا جس سے میرا ایک مجاہد شہید ہو گیا؟.... کئی آوازیں آئیں کہ وہ جانتے ہیں۔ اس طرح سالار مقدادؑ نے پورے گاؤں کو گواہ ٹھہرا کر اسطافت کو قتل کا مجرم قرار دیا اور اپنے دوسرے محافظ سے کہا کہ وہ اسی مکان میں تیر ڈال کر اسطافت کے سینے میں تیر مارے۔ مکان اور تیر پہلے ہی قبضے میں لے لئے گئے تھے۔ اسطافت کو ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا اور محافظ نے کیے بعد دیگرے دو تیر چلائے جو اسطافت کے سینے میں اتر گئے اور وہ گر پڑا۔ اس کے بعد گاؤں کے سردار کو اور کرشی کو سالار مقدادؑ نے ساتھ لیا اور ایک بار پھر لوگوں سے مخاطب ہوا۔

”ہماری کارروائی اپنے مذہب کے مطابق پوری ہو گئی ہے“ — سالار مقدادؑ نے کہا — ”ہم جارہے ہیں۔ تمہارے سردار کو اور اس لڑکی کو اس لئے ساتھ لے جا رہے ہیں کہ یہ تمہیں گمراہ کر رہے ہیں اور تمہارے دلوں میں ہماری دشمنی پیدا کرتے ہیں۔ ہم عمل سے ثابت کریں گے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں یا دوست۔“

لوگوں کا رد عمل صاف بتا رہا تھا کہ وہ سالار مقدادؑ سے متاثر ہوئے ہیں۔ سالار مقدادؑ وہاں سے چل پڑے شہید محافظ کی لاش اٹھا کر اس کے گھوڑے پر ڈالی اور اسلام کے یہ مجاہدین رخصت ہو گئے۔ کرشی اور بوڑھا سردار الگ الگ گھوڑوں پر سوار تھے اور اب دونوں سالار مقدادؑ کے قیدی تھے۔

سالار مقدادؑ اس گاؤں میں آئے تو کسی اور کارروائی کے لئے تھے لیکن گاؤں میں کچھ اور ہی ہو گیا۔ ایک مجاہد محافظ تو قرین ہو گیا لیکن یہ گاؤں مجاہدین کے زیر اثر آگیا۔ گاؤں کے بوڑھے سردار اور کرشی کے ساتھ سپہ سالار نے کیا سلوک کیا، یہ بعد میں سامنے آئے گا۔ ابھی ہم کریون کی جنگ کے میدان میں چلتے ہیں۔

○

سپہ سالار عمرو بن عاص اور دوسرے سالاروں نے دیکھا کہ آٹھ نو دنوں کی اتنی

حضور التجا کی کہ وہ اپنے عظیم نام کی لاج رکھ لے اور مجاہدین نے جانوں کی جو قربانیاں دی ہیں وہ قبول کر لے اور اس طاقتور دشمن پر غلبہ عطا فرمائے۔

رومی جرنیل بہت ہی خوش تھے۔ اعلانیہ کہتے پھرتے تھے کہ مسلمان کاٹے جا چکے ہیں اور اب کسی بھی وقت وہ سب بھاگ اٹھیں گے جو زندہ رہ گئے ہیں لیکن اُس دن کا سورج غروب ہونے تک مسلمان میدان جنگ میں لڑتے رہے اور کوئی ایک بھی مجاہد خوفزدہ ہو کر پیچھے نہ آیا۔ مجاہدین کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا جس کے نام سے وہ جانیں قربان کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے جسم لہولہان کر لئے لیکن جذبے پر آج نہ آنے دی، حوصلوں کو مجروح نہ ہونے دیا۔

عمرو بن عاص کو یقین تھا کہ اللہ کی ذات باری ان کی دعا اور ان کے آنسوؤں کو نظر انداز نہیں کرے گی۔ انہوں نے دیکھا کہ جوں جوں مجاہدین کی نفری زخمی ہو ہو کر گرتی جا رہی تھی، مجاہدین کے جذبے اور ان کی شجاعت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص نے جب مجاہدین کا یہ جذبہ دیکھا تو انہوں نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر بڑی ہی بلند آواز سے کہا — ”وہ دیکھو اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والوں کو وہ موت کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں اور موت ان کے آگے آگے بھاگی جا رہی ہے۔“

اب اس جذبے اور اس ایمان کی صرف ایک جھلک دیکھیں جو مجاہدین اسلام کی اصل قوت تھا۔ جسم تو ان کے تھکن سے چور چور اور شل ہو چکے تھے لیکن جذبہ زندہ اور ایمان تازہ تھا۔ یہ واقعہ تقریباً ”تمام مؤرخوں نے لکھا ہے اور دو مؤرخوں نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔“

واقعہ یوں تھا کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کے بیٹے عبداللہ بن عمرو بھی ان کے لشکر میں تھے۔ وہ نوجوانی کی عمر میں تھے۔ خاص طور پر پیش نظر رکھیں کہ عبداللہ کو سالاری عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ اُس وقت قابلیت اور اہلیت دیکھی جاتی تھی۔ کوئی امیر ہوتا یا غریب، معاشرے میں اونچی حیثیت کا مالک ہوتا یا اس کی کوئی حیثیت ہی نہ ہوتی، لشکر میں اس کی قابلیت اور ذہانت دیکھی جاتی تھی۔ عبداللہ بن عمرو صرف اس لئے قابل احترام نہیں تھے کہ وہ سپہ سالار کے بیٹے تھے بلکہ ان کا احترام اسی حد تک تھا جس حد تک لشکر میں ان کی حیثیت تھی۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ان کی حیثیت کیا تھی، صرف یہ پتہ

زیادہ خوزیر لڑائیوں میں مجاہدین کی تعداد خطرناک حد تک کم ہو گئی ہے اور ملک کے بغیر قدم جمائے رکھنا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور ہو گیا ہے مگر اُس وقت مدینہ کو قاصد بھیجے کہ ملک فوراً بھیجی جائے تو بھی ملک کو پہنچنے میں ڈیڑھ دو مہینے درکار تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سپہ سالار یا کوئی بھی سالار یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی کم تعداد سے اتنے کثیر التعداد دشمن سے نہیں لڑا جاسکتا اس لئے پیچھے ہٹ جائیں اور ملک آئے تو آگے بڑھیں۔ انہوں نے یہ اصول اپنا لیا کہ ابھی نہیں یا کبھی نہیں! جانیں چلی جائیں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ایک روز کا معرکہ اس قدر خوزیر تھا کہ مجاہدین کے پاؤں جتنے نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ عمرو بن عاص کی دانشمندی تھی کہ انہوں نے ابھی تک محفوظہ کے دستوں کو آگے نہیں کیا تھا لیکن اُس روز انہیں نظر آنے لگا کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے وہ فتح و شکست کی بازی پر لگانا پڑے گا۔

مجاہدین کے لشکر کے ساتھ ان کی خواتین بھی تھیں۔ وہ بھی جنگ کی صورت حال اور اپنے لشکر کی حالت دیکھ رہی تھیں جو خندوش ہو چکی تھی۔ ایک شام یہ تمام خواتین سپہ سالار عمرو بن عاص کے ہاں جا پہنچیں اور کہا کہ وہ مجاہدین کے دوش بدوش لڑیں گی۔ ”ضرور لڑو“ — سپہ سالار نے کہا — ”لیکن اُس وقت جب ایک بھی مجاہد زندہ نہیں رہے گا۔“

خواتین کا اصرار اتنا بڑھ گیا کہ عمرو بن عاص پریشان ہو گئے۔ انہوں نے بڑی ہی مشکل سے خواتین کو لڑنے کے ارادے سے باز رکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پہلا محاذ نہیں جہاں یہ صورت حال پیدا ہوئی ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ کئی بار ایک چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے بشرطیکہ چھوٹی جماعت ایمان والی ہو۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ پہلی بار سپہ سالار عمرو بن عاص کے چہرے پر تشویش اور پریشانی کے آثار دیکھے گئے۔ انہوں نے محفوظہ کے ایک دستے کو ساتھ لیا اور کچھ دور پیچھے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی امامت میں اس دستے کے ساتھ نماز خوف ادا کی۔ نماز خوف یا صلوة خوف اُس وقت ادا کی جاتی تھی جب ہلاکت یقینی نظر آنے لگتی تھی اور سوائے پسپائی کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سپہ سالار پسپائی کو تو قبول ہی نہیں کرتے تھے۔ بہر حال عمرو بن عاص نے نماز خوف پڑھی اور ہاتھ پھیلا کر آنسوؤں کی روانی میں اللہ کے

چلتا ہے کہ وہ علم یعنی پرچم کے دفاع میں لڑتے تھے۔ پرچم کو بلند رکھنے والوں کو سردھڑکی بازی لگانی پڑتی تھی۔

پرچم بردار کا نام وردان تھا۔ وردان عمرو بن عاص کا غلام ہوا کرتا تھا اور پھر انہوں نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور وردان مجاہدین کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ اس میں لڑنے اور مرنے مارنے کا جذبہ اور جوش حیران کن حد تک زیادہ تھا۔ اس کی اسی بے خوفی اور شجاعت کو دیکھتے ہوئے سپہ سالار نے اسے علم برداری کا اعزاز دیا تھا۔

عبداللہ بن عمرو اس کے ساتھ رہتے تھے اور دونوں اکٹھے لڑتے اور تیغ زنی کے ایسے جوہر دکھاتے کہ دشمن علم کے قریب آنے سے گھبراتے تھے۔ عبداللہ اور وردان تو زندگی اور موت کے ساتھی بن گئے تھے۔ ان کے متعلق لشکر میں مشہور ہو گیا تھا کہ زندہ رہیں گے تو دونوں زندہ رہیں گے اور شہید ہوئے تو دونوں اکٹھے شہید ہوں گے۔

کریوں کی ان لڑائیوں میں ایک دن عبداللہ بن عمرو کچھ زیادہ زخمی ہو گئے اور نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اس وقت پرچم وردان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ اور وردان اکٹھے تھے اور حسب معمول شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وردان نے دیکھا کہ عبداللہ تو بہت ہی زخمی ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو وہ بھی رک گیا۔

”اٹھ کھڑا ہو بن عمرو!“ — وردان نے کہا — ”خدا کی قسم یہاں بیٹھ جانے والوں کو موت اٹھنے کا موقع نہیں دیا کرتی۔“

”ذرا ٹھہر جا وردان!“ — عبداللہ بن عمرو نے ہانپتے ہوئے کہا — ”ذرا میرے پاس رک جا، میں دم لے لوں، ذرا آرام کر لوں۔“

”تو آرام کرنا چاہتا ہے بن عمرو!“ — وردان نے کہا — ”آرام حیرے آگے ہے پیچھے نہیں۔“

اس سابق غلام نے مختصر سے الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ اس کا اثر عبداللہ پر یہ ہوا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لے کر آگے بڑھے۔ وردان ان کے ساتھ رہا۔ عبداللہ یوں لڑے جیسے ان کے جسم پر کہیں خراش بھی نہ آئی ہو لیکن وہ خون سے نمائے ہوئے تھے۔ ان کا خون بہہ رہا تھا اور ان کی تلوار چل رہی تھی۔

اس روز کا معرکہ ختم ہوا تو عبداللہ اور وردان زندہ و سلامت پیچھے آ گئے۔ عبداللہ بن عمرو زندہ تو تھے لیکن زخموں سے ان کا حال بہت بُرا تھا۔ کسی نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو جانتا یا کہ ان کا بیٹا بڑی طرح زخمی ہو کر واپس آیا ہے اور اس کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ اطلاع دینے والے نے سپہ سالار کو وردان کی بات بھی سنائی جو اس نے عبداللہ سے کہہ کر اسے اٹھایا تھا۔ پھر یہ بتایا کہ اس شدید زخمی حالت میں عبداللہ شام تک لڑے۔

ایسا بالکل نہیں ہوا کہ عمرو بن عاص اپنے فرائض کو بھول کر اپنے بیٹے کو دیکھنے دوڑ پڑے۔ انہوں نے انتہائی کیا کہ اپنے ایک قاصد کو بھیجا کہ وہ دیکھ آئے عبداللہ کیسے ہیں۔ قاصد دوڑا گیا اور دیکھ کر واپس آیا اور سپہ سالار کو پوری رپورٹ دی کہ وہ کس طرح زخمی ہوئے تھے اور اب بہتر ہو رہے ہیں۔

عرب کا ایک مشہور شاعر ابن اکتاہہ ہوا کرتا تھا۔ عبداللہ بن عمرو اور وردان کا یہ واقعہ اُس کے کانوں تک پہنچا تو اس نے فی البدیہ یہ شعر کہا — ”میرا دل جب آتا جاتا ہے، بے چین اور نڈھال ہو جاتا ہے تو میں اپنے دل سے کہتا ہوں، اپنی جگہ ڈٹا رہے زندہ چنگیا تو داد و تحسین کا مستحق قرار پائے گا اور اگر مر گیا تو بڑی پرسکون اور ہمیشہ کی نیند سوئے گا اور اللہ کے حضور احترام کا اعزاز حاصل کرے گا۔“

صرف عبداللہ بن عمرو اور وردان ہی نہیں، وہاں ہر مجاہد کا ایمان اور جذبہ ایسا ہی تھا۔ عمرو بن عاص اس پہلو سے مطمئن تھے لیکن قیرس نے جو زمین دوز محاذ کھول دیا تھا وہ عمرو بن عاص کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ صرف ایک گاؤں میں یہ محاذ توڑا گیا تھا۔ عمرو بن عاص کے پاس اتنی نفرت تھی ہی نہیں جس میں سے کچھ مجاہدین کو وہ دیہاتی علاقے میں پھیلا دیتے۔ اس مجبوری اور کمزوری کا مجاہدین کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

○

کریوں کی یہ ہر روز کی لڑائیاں مجاہدین اسلام کو مہنگی پڑ رہی تھیں۔ رومیوں کے لئے ملک کی کوئی کمی نہیں تھی۔ شہر میں فوج بھی موجود تھی اور لڑنے کے قابل شہری بھی فوج کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ رومی ہر صبح یہ توقع لے کر باہر نکلتے تھے کہ آج مسلمان ہتھیار ڈال دیں گے یا بھاگ انھیں گے۔ ان کی توقع بے بنیاد نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کو کتنا زیادہ جانی

نقصان پہنچایا ہے اور اب مسلمانوں کے پاس اتنی نفری رہ ہی نہیں گئی کہ وہ اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

آٹھ یا نو دن گزر گئے تھے۔ شر کے لوگ شہر کی دیوار پر کھڑے ہو کر ہر روز کی لڑائی دیکھا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ فوجی بھی ہوتے تھے۔ وہ بھی دیکھ رہے تھے کہ یہ مسلمان آخر کس بل بوتے پر لڑ رہے ہیں۔ جنگی دستور کے مطابق کوئی فوج اتنی تھوڑی تعداد میں اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں آیا ہی نہیں کرتی۔ شہریوں اور فوجیوں پر حیرت کا تاثر پیدا ہونے لگا۔ یہ تو وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ مجاہدین کس بے جگری سے لڑتے ہیں۔

ایک روز رومی فوج کے کسی عہدیدار کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ ہم بھوت نہیں کہتے کہ ان مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی شبی یا پراسرار طاقت ہے کہ یہ پیچھے ہٹتے ہی نہیں اور اپنے دشمن کی فوج کو ہولمان کر کے شکست دے دیتے ہیں۔ انہیں اپنی آنکھوں لڑاؤ دیکھو۔ ان پر ہماری اس فوج سے بھی بڑی فوج غالب نہیں آسکتی۔

اس فوجی عہدیدار کی یہ بات سینہ بہ سینہ کانوں کان لوگوں تک جا پہنچی اور سارے شہر میں پھیل گئی۔ شر کے اور زیادہ لوگ دیواروں پر آکر مسلمانوں کو لڑنا دیکھنے لگے اور پھر سب کے سب کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو شکست دی ہی نہیں جاسکتی۔ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ یہ غلط نہیں کہ مسلمان جنت کی مخلوق میں سے ہیں۔

یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی خاص مدد تھی اور بڑا خاص کرم تھا کہ شر کے لوگوں پر اور رومی فوج پر بھی مسلمانوں کی وہ دہشت جو پہلے طاری تھی اور جرنیلوں نے صاف کردی تھی وہ دہشت پھر غالب آنے لگی۔ مجاہدین کی بے جگری اور جذبہ ایثار کا یہ کرشمہ تھا کہ دشمن نفسیاتی طور پر کمزور ہونے لگا۔ شہریوں میں بددلی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض والدین نے اپنے بیٹوں کو جو رضا کارانہ طور پر رومی فوج میں شامل ہو گئے تھے، لڑائی میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف اپنے بیٹوں کو بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بیٹوں کو موت کے منہ میں پھینک دیا ہے۔

بڑے بوڑھوں اور سیانوں نے اور شر کے لوگوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلمانوں نے ان کی فوج کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا تو وہ شہر کی ساری آبادی کو سزا دیں گے کہ شہریوں نے ان کے خلاف اپنے بیٹے لڑائے تھے اور رومی فوج کی مدد کی تھی۔

یہ بھی ایک وجہ تھی کہ شہریوں نے مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنا ترک کر دیا۔ جنگ کے بمصرین آج بھی کہتے ہیں کہ صورت حال ایسی تھی کہ مسلمانوں کو وہیں سے واپس آ جانا چاہئے تھا اور اس قدر زیادہ خطرہ مول لینا کوئی دانشمندی والا اقدام نہیں تھا۔ یہ بمصرین فنی حرب و ضرب اور جنگی اصولوں اور امور کو سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مجاہدین کے اندر نہیں جاسکتی جہاں صرف اللہ کا نام روشن تھا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص کے متعلق واضح ہو چکا ہے کہ وہ پیچھے ہٹنے والے مجاہد تھے ہی نہیں۔ وہ ان خطروں میں کود جانے کو زندگی سمجھتے تھے جہاں موت یقینی ہوتی تھی۔ یہ تو سپہ سالار کی شخصیت تھی وہاں ہر سالار اور ہر مجاہد جو شایمان اور جذبہ جہاد سے آگ بگولہ بن چکا تھا۔ وہ اب جسم تھے ہی نہیں وہ تو روحیں تھیں اور ان روحوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ مجاہدین نے اللہ کی یہ شرط پوری کر رکھی تھی کہ اگر تم ایمان والے ہو۔ ایمان کے استحکام کی اور بڑی نشانی کیا ہوگی کہ ان مجاہدین کے دلوں میں مال غنیمت کا لالچ نہیں تھا۔ جس شہر کو فتح کرتے تھے وہاں کی کسی نوجوان لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اس کی بجائے وہ شر کے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بن جاتے تھے۔ وہی مجاہدین جو میدان جنگ میں فولاد کی طرح سخت ہوتے تھے، مفتوحہ بستی میں جا کر وہاں کے لوگوں کے لئے ریشم سے زیادہ نرم ہو جایا کرتے تھے۔

عمرو بن عاص ایک رات سالاروں کے ساتھ اپنی اگلی کارروائی کے متعلق صلاح مشورے کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں نائب سالار اور ان کے ماتحت کماندار بھی موجود تھے۔ کسی نے بھولنے سے بھی مشورہ نہیں دیا کہ پیچھے ہٹ جائیں اور ملک کا انتظار کریں۔ ایک ہی مسئلہ زیر بحث تھا کہ رومیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر کس طرح مجبور کیا جائے۔ ایسی بات کسی کے منہ سے نکلتی ہی نہیں تھی کہ رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ جالی نقصان کے باوجود بہت زیادہ ہے۔

سالار ذیہ بن العوام نے ایک ترکیب سوچی لی اور وہ پیش کی۔ چونکہ لڑائیاں قلعے کے باہر کھلے میدان میں ہوتی تھیں اس لئے مجاہدینیں الگ رکھی تھیں۔ ایسی لڑائیوں میں مجاہدینیں استعمال نہیں ہو سکتی تھیں۔ سالار ذیہ نے جو مشورہ پیش کیا وہ سب کو اچھا لگا اور اس پر تبادلہ خیالات ہونے لگا اور آخر میں اسے ایک قابل عمل شکل دے دی گئی۔

رات گہری ہوتے ہی مجاہدین پیچھے آجاتے اور رومی قلعے کے اندر چلے جاتے تھے۔ وہ دو تین دستے قلعے کے باہر رہنے دیتے تھے جو نالے اور شرکی دیوار کے درمیان رات گزارتے تھے۔

اُس رات جب مجاہدین پیچھے آگئے اور رومی فوج اندر چلی گئی اور اس کے کچھ دستے شر سے باہر رہ گئے تو آدھی رات کے وقت مجاہدین تین چار سختیتیں گھسیٹ کر ذرا آگے لے گئے اور ان میں پھر ڈال کر ان دستوں پر پھینکنے شروع کر دیئے جو قلعے کے باہر سوئے ہوئے تھے۔ ان دستوں میں کھلبلی مچ گئی اور اسی میں عافیت سمجھی کہ قلعے کے اندر چلے جائیں۔ مجاہدین نے یہ کارروائی بھی کی کہ اپنے تیر انداز نالے کے کنارے پر بھیج دیئے اور اندر کو بھاگتے ہوئے دستوں پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ وہ رومی مرد اور عورتیں جو اپنے عزیزوں کی لاشیں اور زخمی دیکھنے آئے تھے، وہ بھی بھاگ گئے اور میدان صاف ہو گیا۔

نالہ چڑا بھی تھا اور گہرا بھی۔ اُس وقت یہ پانی سے لبرز تھا۔ اس پر لکڑی کے دو پل تھے جو ایک دوسرے سے دور دور تھے۔ چند ایک مجاہدین اس پلان کے مطابق جو سپہ سالار کے سامنے زبیر بن العوام نے بنایا تھا تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نالے میں اتر گئے۔ ان کے پاس لکڑی کاٹنے والے اوزار تھے۔ انہوں نے نالے کے اپنی طرف والے کنارے سے پل کے ستونوں کو کاٹنا شروع کر دیا لیکن پورے کاپور انہ کاٹا بلکہ بہت کمزور کر دیا۔ پھر درمیان والے دو ستون اسی طرح کاٹ کر بہت کمزور کر دیئے۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ پانی کے ہماؤ میں اپنے آپ کو ایک جگہ رکھنا محال ہو رہا تھا۔ بہر حال مجاہدین نے وہ کام کر دیا جو زبیر بن العوام نے بتایا تھا۔ مجاہدین نالے سے نکل آئے۔

○

گزشتہ رات مجاہدین نے رومیوں کے باہر رہنے والے دستوں پر پھراؤ کیا تھا اور تیر بھی برسائے تھے اس لئے رومی اُس صبح جلدی باہر آگئے اور ان کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ غصے میں ہیں۔ مجاہدین تو فجر کی نماز کے بعد سے ہی تیار تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج صبح کی تیاری پہلے دنوں سے بہت ہی مختلف ہوگی۔

رومی فوج ہر صبح باہر آتی تھی اور نالے کے پار آکر مجاہدین پر حملہ کر دیتی تھی۔ اس صبح رومیوں نے پہلی بار یہ حرکت کی کہ وہ لکارتے ہوئے اور طعنہ آمیز نعرے لگاتے

ہوئے آرہے تھے۔ ان میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ وہ تو بڑے جوش و خروش سے دونوں پلوں سے گزرتے آرہے تھے۔ تمام دستوں کو نالے کے پار آکر لڑائی کی ترتیب میں ہونا تھا اور پھر لڑائی شروع ہونی تھی۔ سالار زبیر بن العوام اور ان کے ساتھ چند ایک مجاہدین ایک طرف چھپے ہوئے پلوں کو دیکھ رہے تھے۔ پل ابھی سلامت کھڑے تھے۔

کم و بیش تین ہزار رومی گھوڑ سوار اور پیادے پلوں سے گزر آئے اور پل ابھی تک کھڑے تھے۔ سالار زبیر پریشان ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سوچا تھا کہ تین چار ہزار رومی ادھر آجائیں اور پھر ان کی تجویز زیر عمل آئے لیکن رومی چلے ہی آرہے تھے۔

اچانک پلوں پر جو سوار اور پیادے گزر رہے تھے وہ رکنے لگے اور کچھ گھبرانے بھی لگے۔ ایک شور سنائی دیا کہ پل ٹل رہا ہے۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے کیا زلزلہ آیا ہے، پل وزن سے بڑی زور سے ہلے اور بیٹھ گئے۔ جتنے سوار اور پیادے پل کے اوپر تھے وہ نالے میں جا پڑے۔ پیچھے رومی جھوم کی صورت میں آگے والوں کو دھکیلتے آرہے تھے۔ ان میں سے بھی کئی نالے میں گرے اور گہرے پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔

سالار زبیر کی سکیم کامیاب ہو گئی۔ تین ہزار یا اس سے کچھ زیادہ جو رومی فوجی آگے آگئے تھے وہ اپنے پیچھے شور سن کر مڑ مڑ کر دیکھنے لگے اور ان میں سے کئی ایک نے مجاہدین کی طرف پتھریں کر دیں اور نالے میں اپنے ساتھیوں کو بہتا اور تیرتا دیکھنے لگے۔ مجاہدین اسی موقع کے انتظار میں تھے۔

سپہ سالار کے اشارے پر مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان رومیوں کو انہوں نے منبھلنے کا موقع نہ دیا۔ وہ تو یوں سمجھیں کہ رومیوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔

نالے کے پار جو رومی دستے رہ گئے تھے وہ اپنے کٹتے اور گرتے ہوئے ساتھیوں کی کچھ مدد نہ کر سکتے تھے سوائے تیر اندازی کے یا برہنیاں پھینکنے کے لیکن وہاں تو سخت کم تھا قسم کی لڑائی ہو رہی تھی اس لئے رومیوں نے تیر اندازی اور برہنیاں بازی کی نہ سوچی۔

وہ رومی سوار اور پیادے جو نالے میں گر کر تیر رہے تھے اور دوسرے کنارے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، ان پر مجاہدین نے تیر چلانے شروع کر دیئے اور شاید ہی ان میں سے کوئی نالے سے زندہ نکلا ہو گا۔

دماغ حاضر رکھتے تو بچھلے دروازوں سے اپنے دستوں کو نکال کر باہر لے آتے اور دُور کے پلوں سے گزار کر مجاہدین پر پہلوؤں سے حملہ کر سکتے تھے لیکن وہ تو جیسے عقل کے اندھے ہو گئے تھے اور یہ اللہ کی ایک خاص مدد تھی جو اس کی ذات باری ایمان والوں کو دے رہی تھی۔

اندر والوں نے صرف یہ کیا کہ نالے کی طرف والا ایک دروازہ کھول دیا تاکہ باہر کے فوجی اندر آ سکیں۔ اس دروازے کے سامنے نالے کاموڑ آتا تھا جس سے نالہ دیوار کے کچھ اور قریب ہو گیا تھا۔ اس سے مجاہدین نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اس موڑ پر اپنی طرف والے کنارے پر چلے گئے اور جو رومی اس دروازے سے اندر جانے لگتے تھے، مجاہدین ان پر تیر پھینکتے تھے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے رومیوں کو اس دروازے پر ہی رکھا۔ کچھ تو تیر کھا کر اندر جا گرے اور کچھ تڑپتے ہوئے باہر ہی رہے اور گرتے رہے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ دو تین منجیقوں کو نالے کے قریب لے جا کر اس طرح پتھر پھینکے جائیں کہ دیوار کے اوپر سے شہر کے اندر گریں۔ اس حکم پر فوری طور پر عمل شروع ہو گیا۔ بعض پتھر دیوار پر اُس جگہ بھی لگتے تھے جہاں شہر کے لوگ اور فوجی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس سنگ باری سے کچھ زخمی ہوئے اور باقی وہاں سے اتر گئے۔ ان لوگوں نے اور شہر پر سنگ باری نے شہر کے لوگوں میں بھگدڑ مچادی اور لوگ دوسری طرف کے دروازوں سے بھاگنے لگے۔



ایک طرف سے سالار زبیر بن العوام مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر دُور کے پُل سے نالے سے گزر گئے۔ دوسری طرف سے سالار عبادہ بن صامت نے مجاہدین کی ایک جماعت ساتھ لی اور وہ اس طرف والے پُل سے گزرے۔ انہوں نے اس چال کے لئے موقع موزوں دیکھ لیا تھا۔ دونوں سالار بڑی ہی تیزی سے اُس دروازے کی طرف آ گئے جو بعد میں کھلا تھا۔ مجاہدین نے اس طرف تیر اندازی روک دی اور سالار زبیر اپنے مجاہدین کے ساتھ اس دروازے سے اندر چلے گئے۔

سالار عبادہ بن صامت بھی اسی دروازے سے اندر گئے لیکن ان کے کچھ مجاہدین نے دیکھا کہ صدر دروازے سے بھی اندر جاسکتے ہیں، وہ اُدھر سے اندر گئے۔ ان مجاہدین نے بھاگ کے اندر آنے والے دہشت زدہ رومی فوجیوں پر حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی

زیادہ تر دستے تو ابھی نالے کے پار تھے۔ ان کے ساتھ دو جرنیل بھی تھے لیکن وہ بوکھلا گئے تھے کہ یہ ہوا کیا ہے۔ انہیں فوراً "سوج لینا چاہئے تھا کہ نالے کے پار آنا ان کے لئے مشکل نہیں کیونکہ یہ نالہ شہر کے ارد گرد نہیں بہتا تھا بلکہ صرف صدر دروازے والی طرف سے شہر کے ساتھ ساتھ گزرتا آگے نکل جاتا تھا۔ کچھ دور پیچھے اور کچھ دور آگے لکڑی ہی کے دوپُل اور تھے۔ رومی فوراً "اُدھر چلے جاتے اور پلوں سے گزر آتے لیکن وہ تو جیسے سوچنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔ آخر کسی کو ان پلوں کا خیال آ ہی گیا۔ رومی دستے دو حصوں میں بٹ کر ان دونوں محفوظ پلوں کی طرف چل پڑے۔ ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ ان پر منجیقوں سے پھینکے ہوئے پتھر آنے لگے۔

گزشتہ رات کی سکیم میں عمرو بن عاص اور زبیر بن العوام نے یہ بھی شامل کیا تھا کہ ان محفوظ پلوں کے قریب منجیقیں لگادی جائیں گی۔ ان دونوں پلوں کو سلامت کھڑا رکھنا تھا کہ کامیابی کی صورت میں مجاہدین کو نالے کے پار جانا اور شہر میں داخل ہونا تھا۔ رومی ان پلوں کی طرف چلے تو ان پر سنگ باری شروع ہو گئی۔ پتھر زیادہ دُور نہیں پھینکے جا رہے تھے کیونکہ اس طرح ایک کے بعد دوسرا پتھر پھینکنے میں زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔ ذرا کم وزن کے پتھر زیادہ تیزی سے پھینکے جا رہے تھے۔ ایک پتھر کسی ایک آدمی یا ایک گھوڑے کو لگتا تھا لیکن دہشت اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ رومی فوجی ان پتھروں سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کے پیچھے ہو رہے تھے۔

پتھر دائیں اور بائیں سے آرہے تھے، پیچھے شہر کی دیوار تھی اور آگے نالہ تھا اس لئے رومی دستے ایک دوسرے کو اس طرح دبانے لگے جیسے سر کے گھنے بال آپس میں الجھ جاتے ہیں۔ اگر انسان انسانوں کو دباتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا، وہاں گھوڑے بھی تھے اور ان پر ان کے سوار تھے۔ اس قیامت خیز ہڑبونگ میں گھوڑے پیچھے بھی بہتے تھے اور دائیں بائیں بھی سرکتے تھے۔ اس طرح پیادے گھوڑوں کے درمیان آ کر کچلے گئے اور بعض دم گھٹنے سے مر گئے۔ وہاں کوئی اچھا بھلا آدمی گرا تو وہ گھوڑوں اور پیادوں کے پاؤں تلے کچلا مسلا گیا۔

مجاہدین نے اپنے کنارے پر کھڑے ہو کر اس ہجوم پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکی شروع کر دیں۔ شہر کے لوگ سامنے دیوار پر کھڑے اپنی فوج کا یہ حشر دیکھ رہے تھے۔ یہ محض بھگدڑ کا مظاہرہ تھا۔ شہر کے اندر ابھی فوج موجود تھی۔ اگر اس کے کمانڈر اپنے

مجاہدین نے شہر کے دروازے کھولنے شروع کر دیے۔ شہر خاصا وسیع و عریض تھا۔ فاصلے زیادہ تھے پھر بھی کچھ وقت بعد تین چار دروازے کھل چکے تھے۔

عمرو بن عاص نے مجاہدین کی ایک اور جماعت کو شہر میں داخل ہونے کے لئے بھیج دیا۔ اندر گئے ہوئے دونوں سالاروں نے اعلان کروانے شروع کر دیئے کہ شہری بھاگنے کی کوشش نہ کریں، ان کے جان و مال کی اور گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی شہری اپنے فوجیوں کی مدد نہ کرے ورنہ اسے قتل کر کے اس کے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔

اس لڑائی کا تفصیلی ذکر کرنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مصر کے قبطی عیسائی پہلے ہی کہتے تھے کہ مسلمان جس طرح فتح پر فتح حاصل کرتے آرہے ہیں اس سے یہی نظر آتا ہے کہ یہ سارے مصر پر قبضہ کر لیں گے، بہتر یہی ہے کہ مسلمانوں کا ساتھ دیا جائے۔ یہ باتیں کرتے وہ ہر قتل اور قیرس کے ظلم و ستم کو ضرور یاد کرتے تھے۔ کریون کے اندر قبطی عیسائیوں نے رومیوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور مجاہدین کے ساتھ تعاون شروع کر دیا۔ تاریخ میں ایسا واضح اشارہ بھی ملتا ہے کہ بعض شہریوں نے کمواروں اور برہمنیوں سے رومی سپاہیوں کو مارنا شروع کر دیا تھا۔

جنرل حمیدوڈ اور دوسرے جنرل کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ ہمارے جنرل پچھلے دروازے سے بھاگ گئے ہیں۔ یہ ایک آواز کئی آوازیں بن گئی اور سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ جنرل اور دوسرے کمانڈر اپنی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اس خبر کا یہ اثر ہوا کہ ان کے فوجی بھی بھاگنے لگے لیکن انہیں بھاگنے نہ دیا گیا۔ اب تمام مجاہدین اندر آ چکے تھے۔ انہوں نے رومیوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔

آخر کریون پوری طرح مجاہدین اسلام کے قبضے میں آ گیا۔ یہ فتح ایک معجزے سے کم نہ تھی۔ خود مجاہدین اور ان کے سالار بھی حیران تھے کہ انہوں نے یہ فتح کس طرح حاصل کر لی ہے۔ رومیوں پر تو اس کا بہت ہی بڑا اثر پڑا۔ جنرل حمیدوڈ نے اپنی فوج کے جو حوصلے اور جو جذبہ بڑی مشکل سے زندہ بیدار کیا تھا وہ پھر دم توڑ گیا۔

اب سکندر یہ مجاہدین کی آخری منزل تھی لیکن بہت ہی دشوار اور خطرناک!

متوڑہ میں خوشیاں منائی جارہی تھیں اور بزنطیہ میں صفحہ ماتم بچھ گئی تھی۔ مدینہ کریون کی فتح کی اطلاع مدینہ متوڑہ اور بزنطیہ تقریباً ایک ہی وقت پہنچی تھی۔ مدینہ میں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اعلان کیا تھا کہ مسجد میں اکٹھے ہو جائیں، مصر کے محاذ کی خبر آئی ہے۔ لوگوں کے کان محاذوں کی خبروں کی طرف ہی لگے رہتے تھے۔ اُس وقت مصر ایک ایسا محاذ تھا جو لوگوں کی دعاؤں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سب جانتے تھے کہ مجاہدین کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے اور رومیوں کی طاقت کئی گنا زیادہ ہے۔ مدینہ کے لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمام بزرگ صحابہ کرام مصر پر فوج کشی کے خلاف تھے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو اجازت دے دی تھی لیکن ان کا ذہن بھی ایک مقام آکر ٹک گیا تھا۔ یہ تو اللہ کا خاص کرم تھا اور سپہ سالار عمرو بن عاص کی غیر معمولی قوت ارادی اور عسکری قابلیت کا کرشمہ تھا کہ مصر سے پیش قدمی اور فتح کی ہی خبریں آرہی تھیں۔

مصر سے جب قاصد کوئی اطلاع لے کر آتا تھا تو یہ اطلاع اگر فتح کی ہوتی تو حضرت عمرؓ لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کر کے قاصد سے کہتے تھے کہ وہ پیغام سنائے۔ کریون کی فتح کا پیغام بھی لوگوں کو سنایا گیا۔ پھر قاصد نے زبانی بتایا کہ کریون کس طرح غیر معمولی کارنامے کر کے فتح کیا گیا ہے۔

”یا اللہ میرے سارے خدشے غلط ثابت کرے“ — یہ آواز حضرت عثمانؓ بن عفان کی تھی۔ انہوں نے مصر پر فوج کشی کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اپنے پاس نفری بہت تھوڑی ہے اور اصل خطرہ یہ ہے کہ عمرو بن عاص خالد بن ولید سے زیادہ خطرے میں لینے والا خود سپہ سالار ہے۔ یہ سپہ سالار کہیں جا کر پورے لشکر کو

یقینی موت کے منہ میں لے جائے گا لیکن اب حضرت عثمانؓ نے ایک اور انتہائی مضبوط قلعے کی فتح کی خبر سنی تو دونوں ہاتھ پھیلا کر بلند آواز سے بولے — ”یا اللہ میرے سارے خدشے غلط ثابت کر دے اور میری یہ دعا بھی سچ اور قبول کر لے کہ عمرو بن عاص سکندریہ بھی فتح کر لے۔“

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شکرانے کے نفل باجماعت ادا کئے اور پھر سب سے کہا کہ روح کی گمراہیوں سے مجاہدین کی کامیابی کی دعا کریں۔

○

مصر کے دار الحکومت سکندریہ نے جب کریون کی شکست کا پیغام سلطنت روم کے دار الحکومت بزنطیہ کو کونٹانس تڑپ اٹھا۔ اس کے جواں سال چرے کا اتنا اچھا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ہر قل کی بیوہ مرتینا کا بیٹا ہر قلیوناس بھی وہاں موجود تھا۔ مرتینا کو پتہ چلا کہ مصر سے قاصد کوئی پیغام لایا ہے تو وہ بھی دوڑی دوڑی پہنچ گئی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کونٹانس اور ہر قلیوناس مل کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مرتینا اب ملکہ نہیں تھی اور نہ ہی حکومت کے کاموں میں اس کا کوئی عمل دخل تھا۔ کریون کی شکست کی اطلاع پر مرتینا اور اس کے بیٹے ہر قلیوناس کا رد عمل ٹھنڈا ٹھنڈا سا تھا۔ کونٹانس کا رد عمل تو سب کو صاف نظر آ گیا تھا۔ اس نے جرنیلوں اور مشیروں کو فوراً بلوایا۔

”اب صرف سکندریہ رہ گیا ہے۔“ کونٹانس نے جرنیلوں اور مشیروں کو پیغام سنا کر کہا۔ ”آپ کہیں گے کہ سکندریہ تو بڑا ہی مضبوط قلعہ ہے اور مسلمانوں کی نفری اتنی تھوڑی ہے کہ وہ سکندریہ نہیں لے سکیں گے.... اگر آپ ایسا کہیں گے تو میں اسے ایک خوش فہمی سمجھوں گا۔ جنہوں نے بابلیوں اور کریون جیسے مضبوط قلعہ بند شہر فتح کر لئے ہیں وہ سکندریہ کو بھی فتح کر سکتے ہیں۔“ سکندریہ سے وہ بحیرہ روم عبور کر کے سیدھے بزنطیہ پر آئیں گے۔“

”ایسا نہیں ہو گا۔“ ایک جنرل نے کہا۔ ”مسلمان جہاز رانی میں صفر ہیں۔ انہیں جہاز رانی کا ذرا سا بھی تجربہ نہیں۔“

”شاہ کونٹانس کا یہ خدشہ بجا ہے۔“ انواج کے سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس نے کہا۔ ”عرب کے یہ بدو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، کوئی کم عقل لوگ نہیں وہ

ہمارے ہی جہاز رانوں کو استعمال کریں گے۔ قطبی بھی ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ان میں جہاز ران بھی ہوں گے۔ وہ مسلمانوں کو بحیرہ روم پار کرا دیں گے۔ ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ سکندریہ مسلمانوں سے کس طرح بچایا جائے۔ اس پیغام میں صاف لکھا ہے کہ مسلمانوں کا رخ سکندریہ کی طرف ہے۔“

”مزید ملک بھیج دی جائے۔“ مرتینا نے کہا۔

تمام جرنیلوں اور مشیروں نے مرتینا کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے انہیں وہاں مرتینا کی موجودگی پسند نہ ہو لیکن وہ چپ رہے۔

”مزید ملک نہیں بھیجی جاسکتی۔“ کونٹانس نے کہا۔ ”ہمیں بزنطیہ کا دفاع مضبوط کرنا ہے۔“

”اور جو ملک بھیجی جا چکی ہے وہ کچھ کم نہیں۔“ جنرل اقلینوس نے کہا۔

”ہمیں یہ حقیقت قبول کر لینی چاہئے کہ ہماری فوج لڑنے کا جذبہ کھو چکی ہے اور ہم مصر مسلمانوں کے حوالے کر چکے ہیں پھر بھی ہمیں اس صورت حال کا سامنا کرنا اور اس کا کوئی علاج سوچنا پڑے گا۔“

”میرا ایک مشورہ ہے۔“ ہر قلیوناس بولا۔ ”کونٹانس سکندریہ چلا جائے اور خود حکمرانی کرے۔“

جس طرح مرتینا کا بولنا کسی کو اچھا نہیں لگا تھا اسی طرح ہر قلیوناس کے اس مشورے پر سب کے چروں پر بیزاری کا تاثر آ گیا اور کسی ایک نے بھی اس مشورے کے خلاف یا حق میں بات نہ کی۔ سب جانتے تھے کہ مرتینا اپنے بیٹے ہر قلیوناس کو سلطنت روم کے تخت پر بٹھانے کے جتن کر رہی تھی۔ اپنی اسی خواہش کی تکمیل کی خاطر اس نے ہر قل کو زہر دے کر مارا تھا اور قسطنطین کو بھی اس نے اس حکیم سے زہر دلویا تھا جو اس کا بیماری کے دوران علاج کر رہا تھا۔ وہ اب چاہتی تھی کہ کونٹانس بزنطیہ سے چلا جائے اور ہر قلیوناس بزنطیہ میں تخت نشین رہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ فیصلہ برووں نے مل کر کیا تھا کہ کونٹانس اور ہر قلیوناس مل کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دیں۔ ہر قلیوناس کے اس مشورے کے پیچھے کہ کونٹانس مصر چلا جائے، جو مذہب کا فرما تھی اسے سب سمجھتے تھے اسی لئے کسی نے بھی اس کو توجہ نہ دی۔

جنرل اقلینوس نے مشورہ دیا کہ ابھی پیغام لکھو اگر اسی قاصد کے ہاتھ سکندریہ بھیج دیا جائے۔ مصر میں جو رومی فوج تھی اس کا کمانڈر انچیف جنرل تھیوڈور تھا۔ ہرقل کا بنایا ہوا اسقف اعظم قیروس بھی یہ ذمہ داری لے کر سکندریہ گیا تھا کہ وہ مصر کی جنگ کی نگرانی کرے گا اور ملک کی تقسیم خود کرتا رہے گا۔ آخر یہ طے پایا کہ جنرل تھیوڈور اور قیروس کے نام مشترکہ پیغام لکھا جائے۔

پیغام اُسی وقت لکھوایا جانے لگا۔ مختلف مؤرخوں نے اس پیغام کے مختلف حصے لکھے ہیں اور باقی پیغام کا لب لباب تاریخ کے حوالے کیا ہے۔ تاریخ میں اس پیغام کے جو الفاظ آج تک محفوظ ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

”شہنشاہ روم جنرل تھیوڈور اور اسقف اعظم قیروس سے اور دیگر تمام جرنیلوں سے مخاطب ہیں۔ کیا تم سب مر گئے ہو یا زندہ لاشیں بن گئے ہو؟ صاف نظر آ رہا ہے کہ جس طرح تم نے بابلیوں اور کریوں جیسے قلعے مسلمانوں کو دے دیے اور پسا ہو گئے اسی طرح سکندریہ بھی دے دو گے۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ سکندریہ گیا تو پورا مصر ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر مسلمان سیدھے بزنطیہ پر آئیں گے؟ سکندریہ مصر کا دل ہے۔ اس میں بھی مسلمانوں کا خنجر اتر گیا تو نتیجہ صاف ظاہر ہے....

”کریوں سے سکندریہ تک نیل کے ڈیلٹا کے وسیع علاقے میں اپنی فوج جگہ جگہ موجود ہے۔ اور اس کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ ہے۔ اگر تم لوگ جانوں کی بازی لگا کر سکندریہ کا دفاع کرو تو ان دس بارہ ہزار عربی مسلمانوں کو ڈیلٹا کی دلدل میں گم کر سکتے ہو۔ یہ ذہن میں رکھ لو کہ اب مزید ملک نہیں ملے گی۔ یہ اس لئے کہ تم لوگوں پر اعتبار نہیں۔ تم سکندریہ بھی دے بیٹھے تو بزنطیہ کے دفاع کے لئے فوج کی ضرورت ہوگی۔ مسلمان یہاں تک آ سکتے ہیں۔ اگر سکندریہ ہاتھ سے جانا نظر آیا تو بندرگاہ میں اور ساحل پر جہاں کہیں بھی اپنے بحری جہاز، بڑی کشتیاں اور چھوٹی کشتیاں بھی موجود ہیں سب کو آگ لگا دینا تاکہ مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔ یہ بھی سن لو کہ سکندریہ سے بھاگ کر یہاں نہ آنا۔ یہاں کوئی تمہاری صورت دیکھنا گوارا نہیں کرے گا۔ سمندر میں ڈوب مرنا....

”اسقف اعظم قیروس کو واضح ہو کہ آپ مذہبی پیشوا ہیں۔ آپ بلند بانگ دعویٰ کر کے یہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ آپ کے لئے اور فوج کے لئے ہمتیہ ہے کہ آپ صحیح عیسائیت رائج کریں۔ بنیامین کو ساتھ لیں اور قبضوں کو فوج میں شامل ہونے کی

ترغیب دیں۔ انہیں بتائیں کہ شاہ ہرقل نے عیسائیت کو فرقوں میں بیٹنے سے بچانے کے لئے اپنی عیسائیت رائج کی تھی۔ ان کا اپنا ذاتی کوئی مقصد نہیں تھا۔ فوج کو مذہب سے ڈرائیں اور مسلمانوں کی غلامی سے بھی ڈرائیں۔ دس بارہ ہزار مسلمانوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمان مسلسل پیش قدمی کر رہے ہیں اور لڑائیاں بھی لڑ رہے ہیں اور وہ بری طرح تھک چکے ہوں گے۔ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھائیں۔“

یہ پیغام اُسی وقت اُسی قاصد کو دے کر روانہ کر دیا گیا جو مصر سے کریوں کی شکست کا پیغام لایا تھا۔



جس وقت یہ پیغام لکھوایا جا رہا تھا، مزینتا اٹھ کر چلی گئی تھی۔ ظاہر تو یہ ہوتا تھا کہ وہ یہ دیکھ کر چلی گئی ہے کہ اسے کوئی ذرا سی اہمیت اور توجہ ہی نہیں دے رہا لیکن اس کے جانے کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس قاصد کو جو پیغام لایا اور پیغام کا جواب لے جا رہا تھا، مزینتا بڑی اچھی طرح جانتی تھی۔ پیغام لانے لے جانے والے قاصد چند ایک ہی تھے جنہیں یہ تجربہ حاصل تھا۔ مزینتا نے تقریباً تمام قاصدوں کو اپنے جال میں لے رکھا تھا۔ انہیں وہ بے دریغ انعام و اکرام دیا کرتی اور چوری چھپے اپنے پیغام بھیجا کرتی تھی۔

مزینتا نے بڑی تیزی سے قیروس کے نام پیغام لکھا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر ہاتھ میں رکھ لیا۔

قاصد پیغام کا جواب لے کر رخصت ہوا تو وہ شاہی محل سے نکلنے والے سیدھے راستے سے ہٹ کر اُس طرف چلا گیا جس طرف مزینتا کا کمرہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مزینتا قیروس کے نام کوئی نہ کوئی پیغام ضرور دے گی۔ وہ جب مزینتا کے دروازے کے قریب پہنچا تو مزینتا نے سرگوشی میں اسے پکارا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر بڑی تیزی سے کمرے میں چلا گیا۔ مزینتا نے اسے کپڑے میں لپیٹا ہوا پیغام دے دیا جو قاصد نے اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا لیا۔ پھر مزینتا نے اسے انعام دیا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

قاصد شہر سے کچھ دور چلا گیا تو درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے اس کا راستہ مڑتا تھا۔ وہاں جا کر اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی اور درختوں کے جھنڈ میں چلا گیا۔ وہاں ایک آدمی ایک درخت کے پیچھے کھڑا تھا۔ قاصد نے مزینتا کا پیغام اپنے کپڑوں

کے نیچے سے نکال کر اس آدمی کو دے دیا اور رخصت ہو گیا۔

مرنیا اپنے خفیہ پیغام بھیجتی رہتی تھی لیکن کسی وقت کسی طرح اس کا یہ راز کھل گیا اور جنرل اقلینوس تک جا پہنچا۔ پیغام لے جانے والے یہ قاصد آخر فوج کے ملازم تھے اور اقلینوس فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ اس نے تمام قاصدوں کو خفیہ طور پر بڑی سختی سے کہا کہ جب کبھی مرنیا کسی کو قیرس یا جنرل تھیوڈور کے نام پیغام دے تو وہ اس سے لے لے اور شہر سے باہر اسے ایک آدمی ملے گا یہ پیغام اس کے حوالے کر دے اور پھر کبھی مرنیا سے ملاقات ہو تو اسے بتا دے کہ اس کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔

مرنیا کا یہ پہلا ایسا پیغام تھا جو راستے میں سے ہی واپس آ گیا تھا۔ قاصد خوش تھا کہ اسے مرنیا سے انعام مل گیا تھا اور اس کا سپریم کمانڈر بھی اس پر خوش ہو گیا تھا۔ اس طرح مرنیا کا پیغام بنام قیرس راستے سے ہی واپس آ گیا اور جنرل اقلینوس تک پہنچ گیا۔

جنرل اقلینوس نے پیغام پڑھا۔ قیرس آخر اسقف اعظم تھا اور اس کا کردار جیسا کہ اس کا کوئی بھی تھا پھر بھی اس کا احترام لازم تھا لیکن مرنیا نے اسے یوں مخاطب کیا تھا جیسے اس کا کوئی بھولی یا بے تکلف دوست ہو۔ مرنیا نے لکھا تھا کہ تمہیں میں نے بڑی امیدوں سے مصر بھیجا تھا اور تم بڑے اچھے وعدے کر کے گئے تھے لیکن میرے خواب ٹوٹتے پھرتے نظر آ رہے ہیں۔ میرے لئے بزنس میں حالات ٹھیک نہیں رہے۔ مخالفت بڑھ رہی ہے۔ مجھے تو صاف نظر آنے لگا ہے کہ مصر ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ مصر کے کچھ حصے پر قبضہ کر لو اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی صلح سمجھو۔ کر لو اور مجھے بلاؤ؟ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مجھے بتاؤ کہ کونساں کا کیا کیا جائے۔ تقریباً تمام جرنیل اس کی حمایت میں ہو گئے ہیں اور میں تنہا رہ گئی ہوں۔ کوشش کرو سکندریہ ہاتھ سے نہ جائے اور مسلمانوں کو پسپا کر دو پھر میں تمہارے پاس ہی آ جاؤں گی۔ جنرل تھیوڈور کو اپنے اعتماد میں رکھنا۔ ہم نے آخر مصر میں خود مختاری کا اعلان کرنا ہے۔

مرنیا نے اتنے کھلے اور واضح الفاظ میں یہ پیغام اس یقین اور بھروسے پر بھیجا تھا کہ کوئی قاصد اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جنرل اقلینوس نے یہ پیغام پڑھا اور کونساں کے پاس چلا گیا۔ پیغام کونساں کو دیا۔ اس جوان سال شاہِ روم نے پیغام پڑھا تو غصے اور جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”میں آپ کے سامنے ایک نادان بچہ ہوں“ — کونساں نے کہا — ”آپ

عجائیدہ اور تجربہ کار ہیں۔ کچھ بتائیں یہ پیغام پڑھ کر کیا کیا جائے۔“

”میں یہ پیغام پڑھ کر ذرا سا بھی حیران نہیں ہوا“ — جنرل اقلینوس نے کہا —

”مرنیا سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اگر میں اس کا یہ پیغام نہ پڑھتا تو بھی مجھے معلوم ہے کہ یہ کس ذہنیت کی عورت ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں.... ہم اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کریں گے۔ میں یہ پیغام اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور ہم خاموشی اختیار کئے رکھیں گے۔ آپ بھی بالکل خاموش رہیں جیسے آپ کو کچھ بھی علم نہیں۔“

کونساں خاموش تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے کا تاثر بتا رہا تھا جیسے وہ اس خیال میں کھو گیا ہو کہ مرنیا بڑی ہی خطرناک عورت ہے اور نہ جانے اس نے کیسی کیسی خوفناک سازشیں تیار کر رکھی ہوں گی۔ اگر کونساں کو یہی خیال پریشان کر رہا تھا تو یہ غلط نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی تفصیلات لکھنے والے مؤرخوں نے مرنیا کی زمین دوز سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک تو بے حد خطرناک اور بیستناک تھی۔ اس کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئے گا۔

○

جنرل تھیوڈور کریون سے بھاگ کر سیدھا سکندریہ پہنچا۔ اس شکست کو تو وہ اپنی ذاتی شکست سمجھتا تھا۔ اس کے ذہن میں اب سلطنتِ روم نہیں بلکہ مرنیا تھی۔ مرنیا نے اسے لالچ دے رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مصر سے نکالے تو اسے مصر کے کچھ حصے کا یا تمام تر مصر کا فرمانروا بنا دیا جائے گا۔

جنرل تھیوڈور سکندریہ اکیلا نہیں پہنچا تھا۔ کریون سے آگے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا جو کچھ دشوار گزار تھا۔ اس وسیع و عریض علاقے میں چند ایک چھوٹے بڑے شہر اور قصبے تھے۔ ان میں چند ایک قلعہ بند تھے۔ تھیوڈور نے ان شہروں اور قصبوں میں فوج رکھی ہوئی تھی۔ اب اس نے یوں کیا کہ ان مقامات سے تھوڑی تھوڑی نفری اپنے ساتھ لیتا گیا اور سکندریہ پہنچا۔ یہ نفری ملا کر (تاریخ کے مطابق) سکندریہ میں پچاس ہزار سے زیادہ فوج اکٹھی کر لی گئی۔

خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ مجاہدین اسلام کی تعداد پوری بارہ ہزار نہیں رہ گئی تھی۔ ہر مفتوحہ جگہ پر کچھ نفری چھوٹی پڑتی تھی۔ ایسے ہی کریون کے انتظامات سنبھالنے کے لئے اور امن و امان بحال کرنے کے لئے خاصی نفری رکھی گئی۔ تاریخ میں

صحیح اعداد و شمار نہیں ملتے کہ مجاہدین اسلام کی تعداد کیا تھی۔ اگر پہلے آئی ہوئی ملک اور پہ سالار عمرو بن عاص کے ساتھ آئے ہوئے لشکر کی تعداد سامنے رکھی جائے اور پھر شہیدوں اور شدید زخموں کا اور پھر پیچھے رکھے جانے والے مجاہدین کا حساب کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین جب سکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے اُس وقت ان کی تعداد پوری دس ہزار نہیں تھی۔ یہ مجاہدین کا شوق شہادت اور جذبہ جہاد تھا کہ وہ اپنی تعداد کو نہیں بلکہ باطل کی ان چٹانوں کو دیکھ رہے تھے جو ان کے راستے کی رکاوٹ بن رہی تھیں۔

اللہ کی رحمت کا کوئی حساب نہیں۔ اس کی ذات باری جسے چاہے رحمت عطا کر دے اور جسے چاہے اسے محروم رکھے لیکن یہ اللہ کا فرمان ہے کہ رحمت الہی کے لئے اپنے آپ کو حق دار ثابت کرنا ضروری ہے۔ معجزے رونما نہیں ہوا کرتے بلکہ کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ایمان کی قوت کی ضرورت ہے۔ مجاہدین اسلام نے اپنی جانیں اللہ کے حوالے کردی تھیں اور اپنی جانوں کے صلے میں باطل کی شکست اور اسلام کی سر بلندی چاہتے تھے۔

کریون فتح کرنے والے مجاہدین کو معلوم نہیں تھا کہ سکندریہ کس قدر مضبوط قلعہ ہے۔ اسے اگر ناقابل تسخیر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ سکندریہ کا شہر ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں اسے تین اطراف سے قدرتی دفاع میسر آگیا تھا۔

مجاہدین تو سکندریہ سے واقف نہیں تھے لیکن پہ سالار عمرو بن عاص نے یہ شہر اچھی طرح دیکھا بھلا تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب عمرو بن عاص نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے سکندریہ آنے کا واقعہ اس داستان کی ابتدا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ عمرو بن عاص کو اچھی طرح احساس تھا کہ اب وہ ناممکن کو ممکن بنانے جا رہے ہیں لیکن وہ سکندریہ کو سر کر لینے کا دعویٰ نہیں کر رہے تھے۔ کچھ جاسوس مجاہدین آگے جا کر پورے سکندریہ کو بھی دیکھ آئے تھے۔ چند ایک قبیلے بھی جاسوسی کا کام کر رہے تھے۔ ان میں جو کوئی آگے جا کر کچھ بھی دیکھتا وہ واپس آکر پہ سالار عمرو بن عاص کو تفصیل سے بتاتا تھا۔ اس طرح پہ سالار کو سکندریہ تک کے راستے اور راستے کے علاقے اور اس علاقے کے خطرات سے واقفیت حاصل ہو گئی تھی۔

یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے کہ سکندریہ کا محل وقوع اور اس کا دفاع بیان کر دیا

جائے ماکہ اندازہ ہو جائے کہ مجاہدین اسلام صحیح معنوں میں آتش نمرود میں کود جانے کو چلے جا رہے تھے۔ اس شہر کے شمال میں بحیرہ روم تھا لہذا اس طرف سے حملے یا محاصرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جنوب میں ایک وسیع و عریض جھیل جیسا بحیرہ مربوط تھا جو اس طرف سے سکندریہ کو قدرتی دفاع مہیا کرتا تھا اور بلاشبہ یہ ایک ناقابل تسخیر دفاعی انتظام تھا۔ مغرب میں ایک چوڑا اور گہرا نالہ گزرتا تھا جس کا نام نعبان تھا۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس نالے کو عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عام حالات میں لوگ اسے کشتیوں سے بھی پار کرتے تھے اور اس پر پل بھی تھے۔ البتہ محاصرے اور جنگ کی صورت میں حملہ آور اسے عبور نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سامنے سے تیر آتے تھے اور برچھیاں بھی آتی تھیں اور پلوں کی حفاظت کا ایسا ہی مسلک انتظام تھا۔

صرف مشرق کی ایک سمت رہ جاتی تھی جدھر سے سکندریہ پر حملہ کیا جاسکتا تھا یہی وہ راستہ تھا جو کریون سے سکندریہ کی طرف جاتا تھا۔ اس راستے کے دائیں بائیں دور دور تک چھوٹی بڑی قلعہ بندیاں تھیں جنہوں نے اس راستے کو حملہ آوروں کے لئے پُر خطر بنا رکھا تھا۔ صرف یہی ایک سمت تھی جدھر سے سکندریہ پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔

جنرل تھیوڈور نے شہر کے اندر پچاس ہزار فوج اکٹھی کر لی تھی اور رسد اور ملک کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ سمندر رومیوں کے قبضے میں تھا۔ بزنایہ سے سمندر کے راستے تک بھی آسکتی تھی اور رسد بھی۔ رسد ادھر سے نہ آتی تو رومیوں کا جس علاقے پر قبضہ تھا وہاں کی بستیوں سے اور کھیتوں سے رسد بڑی آسانی سے آسکتی تھی۔

پہ سالار عمرو بن عاص کی قیادت میں مجاہدین اسلام کا لشکر ابھی راستے میں تھا کہ ایک قبیلے جاسوس نے آکر بتایا کہ جنرل تھیوڈور نے سکندریہ کے اندر کی فوج کو مجاہدین کے خلاف ایسا بھڑکایا ہے کہ یہ فوج آگ بگولہ ہو کر مجاہدین کا انتظار کر رہی ہے۔ جنرل تھیوڈور نے فوج کو اکٹھا کر کے بتایا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے اور وہ اس لئے کامیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں کہ مصر کے اندر سے انہیں تعاون مل رہا ہے اور مصر میں کچھ غدار موجود ہیں۔ تھیوڈور نے قبیلوں کا نام تو نہ لیا لیکن اس کا اشارہ قبیلوں کی طرف ہی تھا۔ وہ قبیلوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوج سے کہا کہ سوچ لو کہ سکندریہ ہاتھ سے نکل گیا تو پورا مصر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے گا اور

یہ دیکھ لو کہ سکندریہ عیسائیت کا مرکز ہے اور اتنے گرجے کسی اور شہر میں نہیں جتنے سکندریہ میں ہیں۔

اس دوران بزنطیہ کا پیغام سکندریہ پہنچ گیا۔ جنرل تھیودور نے یہ پیغام جرنیلوں کو، قیصر کو اور پوری فوج کو پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کو اگر سکندریہ میں ہی شکست دے دی گئی تو ان کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انہیں وہیں قتل اور قید کر دیا جائے گا۔

رومی فوج دراصل بزنطیہ کے شاہی محل کے پیغام سے بھڑکی تھی اور اب ہر ایک سپاہی نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کر لیا تھا۔ رومی فوجی سکندریہ میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ پھر جنرل تھیودور نے اپنی فوج کا کام یوں آسان کر دیا کہ سکندریہ کی دیواروں پر چھوٹی مبینقتیں لگادیں اور ان کے قریب پتھروں کے ڈھیر لگادیے۔

محاصرے کو ناکام اور پسپا کرنے کے لئے دیواروں پر تیر انداز اور برچھی باز مورچہ بند کر دیئے تھے جو حملہ آوروں کو دردناک اور دیواروں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ حملہ آور اگر قلعے پر یلغار کرتے تو اوپر سے ان پر تیروں کی بوچھاڑیں اور برچھیاں آتی تھیں۔ ان سے وہی بچتا تھا جو بیچھے کو بھاگ آتا تھا لیکن تھیودور نے دیواروں پر مبینقتیں لگادیں جن کے چھینکے ہوئے پتھروں نے حملہ آوروں کو دور ہی رکھا تھا۔

استقف اعظم قیصر نے اپنا محاذ کھول لیا تھا جس کا تعلق مذہب کی تبلیغ کے ساتھ تھا۔ اس کی تفصیلات پچھلے باب میں بیان ہو چکی ہیں۔ تمام بستیوں میں اس نے پادری بھیج دیئے تھے لیکن مجاہدین اسلام کی پیش قدمی اور حملے ایسے طوفانی تھے کہ قیصر کے اس محاذ کو خس و خاشاک کی طرح اڑاتے چلے گئے۔

قیصر نے ایک انتظام یہ کر لیا تھا کہ دوسرے استقف اعظم بنیامین کو جلاوطنی سے اپنے پاس سکندریہ بلالیا تھا۔ اسے قیصر قائل کر رہا تھا کہ وہ قبطیوں کو آمادہ کرے کہ وہ فوج میں شامل ہو جائیں یا مسلمانوں کے دوست بن کر ان کی پیٹھ پر وار کریں۔ بنیامین اسے وہ قتل عام یاد دلارہا تھا جو اس نے ہرقل کی شہر پر قبطیوں کا کیا تھا۔

”ہرقل مر گیا ہے“ — قیصر نے بنیامین سے کہا — ”اس کا بیٹا قسطنطین بھی مر گیا ہے۔ سمجھو کہ ہرقل کی عیسائیت مر گئی ہے اور اب ہم دونوں اصل عیسائیت کی تبلیغ کریں اور قبطیوں کو بتائیں کہ اسلام سے عیسائیت کو بچائیں۔ مصر ہاتھ سے جا رہا ہے اور ہم

مصر کو ہی عیسائیت کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔“

”مصر جانیں رہا بلکہ ہاتھ سے نکل گیا ہے“ — بنیامین نے کہا — ”تم لوگوں نے مذہب کو کھلونا بنالیا ہے۔“

”میرے بھائی بنیامین!“ — قیصر نے جھنجھلا کر کہا — ”مذہب کو الگ رکھ دو، مصر کا خیال کرو جو ہمارا اپنا وطن ہے۔“

”یہی تمہاری بھول ہے“ — بنیامین نے کہا — ”ہماری شکست اور مسلمانوں کی فتح کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تم لوگوں نے مذہب کو الگ رکھ دیا تھا بلکہ مذہب کو اپنے ذاتی مفادات اور شہنشاہیت کو مزید تقویت دینے کے لئے اپنے سانچے میں ڈھال لیا تھا.... حیران مت ہو قیصر بھائی! اتنے تھوڑے مسلمان فتح یاب ہوئے تو اس میں کوئی حیرت والی بات نہیں۔ تم مذہبی پیشوا اور عالم ہو۔ حیران ہونے والی بات تو یہ ہے کہ تم سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان صرف اس لئے فتح یاب ہوئے چلے جا رہے ہیں کہ انہوں نے مذہب کو الگ نہیں رکھا بلکہ اپنی ذات، اپنے دنیاوی مفادات اور اپنی جانوں کو الگ رکھ کر مذہب کو سینے سے لگائے رکھا ہے۔ اس جنگ کو وہ اپنے مذہب کی جنگ کہتے ہیں۔ یہ ان کے مذہب کا ایک فریضہ ہے جو جہاد کہلاتا ہے۔ ان کے مذہب میں نماز قضا ہو سکتی ہے جہاد کو قضا نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ان کے مذہب کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مفتہ۔ لہگوں کو اپنا غلام نہ سمجھو اور انہیں بحیثیت انسان پورے حقوق اور تقسیم دو۔ ان مسلمانوں نے یہاں اپنے اس مذہبی اصول کی پابندی کی اور سوگ ان لے مسن سلوک سے متاثر نہ ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے متانے میں تم لوگوں نے قتل اور بے رحمیت اپنی غلط عیسائیت منوائی اور ان کی سبوں اور فریادوں کی طرف توجہ نہ دی۔ تم ہی بتاؤ قیصر! یہ لوگ کسے اپنا اور کسے پرایا سمجھیں!“

”اس وقت جو صورت حال اس کی طرف دھیان دیں!“ — قیصر نے ہاری ہوئی آواز میں کہا — ”قبطیوں کو میدان میں لاؤ۔ انہیں بتاؤ کہ مصر تمہارا ہے اور تمہارا اپنا ایک مذہب ہے۔ مسلمان اس ملک پر قابض ہو گئے تو تم ان کے غلام بنے رہو گے اور تمہارا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔“

”قبطی میدان میں نہیں آئیں گے“ — بنیامین نے کہا — ”اگر رومی مصر سے دستبردار ہو جائیں پھر دیکھو قبطی کس طرح مصر کے دفاع میں لڑتے ہیں۔“

”اگر یہ نہیں تو ایک اور کام کرو!“ — قیرس نے کہا — ”قبیلوں سے کہو کہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنا چھوڑ دیں۔ میں نے کہا تھا کہ قبیلی مسلمانوں کی پیش قدمی کو آسان اور تیز کرنے کے لئے ان کے راستے کی رکاوٹیں صاف کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ جہاں پہل بنانے کی ضرورت پڑتی ہے وہاں پہل بنا دیتے ہیں۔“

”میری آخری بات سن لو قیرس بھائی!“ — بنیامین نے کہا — ”میں نے تم سے یہ بگڑے شکوہ تو کیا ہی نہیں کہ مجھے لوگوں نے اسقف اعظم بنایا تھا لیکن تم نے خود اسقف اعظم بن کر مجھے شاہی حکم سے جلاوطن کر دیا بلکہ میری گرفتاری کا حکم نامہ لیا اور میں صحراؤں میں جا روپوش ہوا۔ یہ معاملہ تو میں نے خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ قبیلوں کے متعلق میں تمہیں آخری فیصلہ سنا رہا ہوں کہ انہوں نے یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ جہاں رومی قابض ہیں وہاں قبیلی رومیوں کے وفادار ہیں اور جو علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے ہیں وہاں قبیلی مسلمانوں کے وفادار بن گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں طاقتوں میں سے کسی کے خلاف دشمنی پیدا کی اور وہی طاقت مصر پر قابض ہو گئی تو پھر ان کے لئے زندگی جہنم بنادی جائے گی۔ میں نہیں یہ ضمانت دیتا ہوں کہ قبیلی عیسائی روم کی بادشاہی کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے۔۔۔ ہم دونوں چونکہ مذہبی پیشوا ہیں اور مذہب سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اس لئے میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ جس مذہب میں فرقے پیدا ہو جاتے ہیں وہ مذہب کھیل تماشا بن جاتا ہے اور اس مذہب کی قسمت میں غیروں کی غلامی الگھ دی جاتی ہے۔ تم نے ہرقل کے ساتھ مل کر عیسائیت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور آج اس کی سزا بھگت رہے ہو۔ اپنے مقابلے میں مسلمانوں کو دیکھو۔ ان میں کوئی فرقہ نہیں۔ وہ ایک جماعت ہیں۔ اپنے سپہ سالار کو اپنا فوجی قائد ہی نہیں بلکہ اپنے مذہب کا امام بھی کہتے ہیں۔“

یہاں تاریخ کا ایک اور پہلو سامنے لانا ضروری ہے۔ مصر کی فتح ایک معجزاتی فتح سمجھی جاتی ہے لیکن یہ معجزہ اپنے آپ ہی رونا نہیں ہو گیا تھا۔ مجاہدین نے اپنی جائیں اللہ کے سپرد اور اپنے جسم اپنے سالاروں کے سپرد کر دیئے تھے۔ انہیں جتنا بھروسہ اپنے اللہ پر تھا اتنا ہی اعتماد قیادت پر تھا۔ مصر کی فتح میں ایمان کی پختگی اور سپہ سالار عمرو بن عاص کی غیر معمولی عسکری ذہانت کا کرشمہ تھا لیکن غیر مسلم مؤرخوں نے اس حقیقت کو اس طرح جھٹلانے کی کوشش کی ہے کہ مصر کے تمام قبیلی عیسائی مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے

اور مسلمانوں کی فتح کا باعث بنے تھے۔ یہ مؤرخ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رومی جرنیلوں کی کمزوری تھی کہ وہ ہر شہر میں مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ہتھیار ڈال دیتے تھے۔

یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ قبیلی عیسائیوں کی جو پالیسی تھی وہ قیرس اور بنیامین کی گفتگو میں واضح ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شہر میں جرنیل مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیتے تھے لیکن وہ اس وقت ایسا کرتے تھے جب دیکھ لیتے تھے کہ اب اس شہر کو مسلمانوں سے بچانا ممکن نہیں رہا تو کم از کم اپنی جانیں ہی بچالی جائیں اور بچی کچی فوج کو یہاں سے نکال لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ معاہدہ کرتے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔



کریون کی فتح کے بعد سپہ سالار عمرو بن عاص نے وہاں زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھا۔ ان کا اصول تھا کہ بھاگے ہوئے دشمن کے تعاقب میں رہا جائے تاکہ وہ کہیں سنبھل اور سستانہ سکے لیکن عمرو بن عاص کو پھر بھی کچھ دن انتظار کرنا پڑا۔ وہ اس لئے کہ مجاہدین کے لشکر کو رستہ کی شدید ضرورت تھی اور وہ دشمنی جو لڑنے کے قابل نہیں رہے، اتنے صحت یاب ہو جائیں کہ پیش قدمی کر سکیں۔ اس کے علاوہ کریون جیسے بڑے شہر میں امن و امان بحال کرنا تھا اور وہاں کے سرکاری انتظامات کو بھی رواں کرنا ضروری تھا۔ عمرو بن عاص پر تو جیسے دیوانگی طاری ہو گئی تھی لیکن وہ حقیقت پسندی سے دست بردار نہ ہوئے اور عقل و ہوش کو ٹھکانے رکھا۔ مقریزی اور ابن الحکم جیسے مستند تاریخ دان لکھتے ہیں کہ مجاہدین کی جسمانی کیفیت اس قابل رہی ہی نہیں تھی کہ وہ چند قدم بھی پیش قدمی کر سکتے لیکن روحانی طود پر وہ اس قدر تروتازہ اور سرور تھے کہ وہ کریون میں زیادہ انتظار کے حق میں تھے ہی نہیں۔ سالاروں کے جذبے کی کیفیت تو اور ہی زیادہ پرجوش تھی۔ سپہ سالار عمرو بن عاص اپنے لشکر کی اور اپنے سالاروں کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے لیکن انہیں یہ احساس بھی تھا کہ لشکر پر جذباتیت طاری ہو گئی تو یہ شکست کا باعث بن سکتی ہے۔ انہوں نے پہلے دو تین موقعوں پر مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ فتح کے نشے سے سرشار ہو کر اگلی لڑائی نہیں لڑنی چاہئے کیونکہ فتح کا نشہ خوش فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے اور خوش فہمیاں شکست کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔

اب عمرو بن عاص نے کریون سے سکندریہ کی طرف پیش قدمی کے وقت ضروری

سمجھا کہ لشکر سے خطاب کیا جائے۔ ایک تو وہ لشکر کو جذباتیت اور خوش فہمی سے نکالنا چاہتے تھے اور دوسرے یہ کہ لشکر کو یہ بتانا بہت ہی ضروری تھا کہ اب وہ جس ہدف پر جا رہے ہیں وہ ایسے ہی ہے جیسے پہاڑ کو جڑوں سے اکھاڑنے کی کوشش ہو، چنانچہ انہوں نے لشکر کو اکٹھا کیا اور کچھ وقت لگا کر خطاب کیا۔ پہلے تو لشکر کو یہ ذہن نشین کرایا کہ حقیقت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور اس خوش فہمی کو بھی دل و دماغ پر طاری نہ ہونے دیں کہ وہ جہاں بھی جائیں گے انہیں فتح ہی حاصل ہوگی۔

پھر لشکر کو بتایا کہ اب وہ جس شہر پر حملہ کرنے جا رہے ہیں وہ صحیح معنوں میں ناقابلِ تخیر ہے اور اس کا زیادہ تر دفاع قدرتی ہے۔ عمرو بن عاص نے سکندریہ کے دفاع کے تمام انتظامات وغیرہ لشکر کو تفصیل سے بتائے اور بتایا کہ ہم نے سکندریہ کا شہر فتح کر لیا تو سمجھو پورا مصر فتح کر لیا ہے۔ رومیوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ ان کے پاس بحری بیڑہ ہے جو انہیں سمندر پار پہنچا دے گا۔

”اسلام کے علمبردارو!“ — عمرو بن عاص نے کہا۔ ”جب کوئی لشکر لڑنے کے لئے نکلتا ہے تو نتیجہ فتح کی صورت میں بھی سامنے آ سکتا ہے اور شکست کی صورت میں بھی۔ لڑنے والوں کے لئے فتح اور شکست پہنچو پہنچا کرتی ہیں نہیں ہمارے معاملے میں صورت بچو اور جی ہے۔ اگر سکندریہ میں ہم شکست کھا گئے تو پھر ہمارے قدم شاید کہیں بھی نہ جم سکیں۔ تم میں سے بہت کم جانتے ہوں گے کہ مذہبی شکست کی صورت کچھ اور ہوگی۔ وہ یہ کہ ہم مدینہ واپس جا کر اپنی قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ تمہیں نہیں، لوگ مجھے طعنے دیں گے کہ تمہیں بزرگ صحابہ کرام نے منع کیا تھا کہ مصر پر فوج کشی نہ کرو اور تم باز نہ آئے۔ اب اتنے زیادہ ماؤں کے جوان بیٹے مروا کر اور پرانی زمین پر ان کی لاشیں پھینک کر آ گئے ہو....

”تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ میں نے امیر المومنین سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی تھی تو تقریباً تمام صحابہ کرام نے مخالفت کی تھی جن میں سب سے زیادہ محترم بزرگ حضرت عثمان بن عفان خاص طور پر شامل ہیں۔ اب یہ سوچو کہ میں نے اتنا برا خطرہ کیوں مول لیا ہے۔ اس میں میری یا تم میں سے کسی کی کوئی ذاتی غرض نہیں کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ ہم باطل کے خلاف اللہ کی راہ پر جہاد میں نکلے ہیں....

”دینِ اسلام کے مجاہدو! مصر کے متعلق یہ ذہن میں رکھو کہ یہ فرعونوں کا ملک

ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک فرعون کو دعوت حق دینے آئے تھے لیکن اس فرعون نے حضرت موسیٰ کو زیر کرنے کے لئے اپنے جادوگر کو بلا لیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے عصا میں اپنی خدائی طاقت ڈال دی جس کے سامنے ہر جادو بے کار ہو کے رہ گیا۔ یہ تو بڑی لمبی کہانی ہے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نیل نے حضرت موسیٰ کو راستہ دے دیا تھا اور پھر اسی نیل نے فرعون کو غرق کر دیا۔ آج اللہ نے تمہیں یہ اعزاز بخشا ہے کہ فرعون کی زمین سے باطل کا نام و نشان مٹا دو۔ تم سوچو گے کہ فرعون تو کبھی کے دفن ہو چکے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ فرعون صدیاں گزریں ختم ہو گئے ہیں لیکن مصر میں فرعونیت ابھی تک باقی ہے۔ اللہ نے یہ فرض تمہیں سونپا ہے کہ اس فرعونیت کو اس ملک سے ختم کرو۔ مصر میں تم نے رومیوں کی فرعونیت کے قصے سنے ہوں گے۔ ہمیں اس سرزمین کو پاک اور مقدس بنانا ہے کیونکہ یہ ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔“

عمرو بن عاص نے ایسی باتیں کیں اور ایسے پر دے اٹھائے کہ اپنے لشکر کو جذباتیت اور خوش فہمیوں سے نکال کر حقیقت کا صحیح روپ دکھا دیا۔ اس کے بعد کریوں سے لشکر روانہ ہوا۔

پیش قدمی کا راستہ خطروں سے خالی نہیں تھا۔ اس علاقے میں کئی ایک چھوٹی بڑی بستیاں تھیں۔ ان میں قصبے بھی تھے اور درمیان درجے کے شہر بھی۔ ان میں سے بعض میں رومی فوج موجود تھی۔ فوج کی کچھ نفری جہز تھیوڈور اپنے ساتھ سکندریہ لے گیا تھا اور جو نفری پیچھے رہ گئی تھی اسے تھیوڈور نے یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں پر دائیں بائیں اور پیچھے سے حملے کرتے رہیں تاکہ ان کی پیش قدمی سست رہے اور ان کا جالی نقصان ہوتا رہے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص میں یہی تو بنیادی خوبی تھی کہ وہ اس قسم کے خطرات کو پہلے ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے جو انہیں اطلاعیں دیتے جا رہے تھے کہ کہاں سے حملے کا خطرہ ہے۔ عمرو بن عاص اس خطرے کا سد باب یہ کرتے کہ مجاہدین کے کچھ دستے لے کر اس جگہ کو محاصرے میں لے لیتے اور ایسی غضب ناک یلغار کرتے کہ رومی فوجی ہتھیار ڈال دیتے تھے۔

اس طرح پیش قدمی کی رفتار کچھ کم تو رہی لیکن خطرے ٹلنے جا رہے تھے۔ تاریخ

میں آیا ہے کہ بعض مقامات پر رومیوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی وجہ وہی تھی جو پہلے کئی موقعوں پر بیان ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ کریوں سے بھاگے ہوئے فوجی ان مقامات پر چلے گئے اور وہاں کے فوجیوں کو مسلمانوں کی بے جگری اور شجاعت کی باتیں بدھنا چڑھا کر سنائیں کہ ان پر بھی دہشت طاری کر دی۔ وہاں کے فوجی یہ بھی تو ضرور سوچتے ہوں گے کہ جنہوں نے اتنی قلیل تعداد میں کریوں جیسا مستحکم قلعہ لے لیا ہے ان کے آگے یہ چھوٹی سی قلعہ بندی کیا حیثیت رکھتی ہے!

بعض بستیوں کو عمرو بن عاص نے نظر انداز کر دیا کیونکہ وہاں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس طرح مجاہدین کا لشکر آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور منزل قریب آتی گئی۔

○

دانشمندیوں نے کہا ہے کہ تاریخ بہترین استاد ہے۔ جس قوم نے تاریخ سے سبق سیکھا وہ قوم تاریخ میں زندہ اور پائندہ رہی اور رہتی صدیوں تک نام پایا اور جن قوموں نے تاریخ کے عبرت ناک واقعات سے عبرت حاصل نہ کی وہ دوسروں کے لئے عبرت کا باعث بن کر تاریخ سے ہمیشہ کے لئے لاپتہ ہو گئیں۔

تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ جس مذہب میں تفرقہ بازی پیدا ہوئی وہ مذہب زندہ نہ رہ سکا اور اگر زندہ رہا بھی تو اس کے پیروکار غیروں کے غلام رہے اور ان کا مذہب غیروں کے لئے تماشا بنا رہا۔ یہ بھی کہ جس قوم کی قیادت میں ذاتی مفادات آ گئے اور اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی، وہ قوم اگر زندہ رہی بھی تو دوسروں کی محتاج بن کر زندہ رہی.... نہ اس قوم کی کوئی عزت رہی نہ وقار اور نہ کوئی پہچان!.... مجاہدین اسلام کے جذبہ جہاد اور ایمان کی پختگی نے رومیوں کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا۔

پہلے آچکا ہے کہ مزنیا کے بیٹے ہر قلیہ ناس کو کونستانس کے ساتھ شریک حکمرانی بنا دیا گیا تھا۔ یہ مزنیا کے سازشی اور ابلیسی ذہن کا حاصل تھا اور نہ ہر قلیہ ناس اس قابل تھا ہی نہیں کہ اسے حکمرانی جیسے نازک فرائض اور امور میں شریک کیا جاتا۔ ہر قلیہ ناس نے دیکھا کہ کریوں کی شکست کے معاملے میں ہر کوئی کونستانس کے ساتھ بات کرتا ہے اور اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں اس کی ماں نے اسے اپنی اہمیت جتانے کا یہ طریقہ بتایا تھا یا اس کے اپنے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ ایک روز اس نے بزنطیہ کی ساری فوج کو گھوڑوں کے میدان میں اکٹھا کر لیا۔ فوج کے ساتھ تین چار جرنیل بھی

تھے۔

ہر قلیہ ناس گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے فوج کو یہ خبر سنائی کہ مصر میں مسلمانوں نے کریوں نام کا ایک اور بڑا شہر فتح کر لیا ہے اور اب وہ سکندریہ کی طرف بڑھ رہے ہیں جو مصر کا دار الحکومت ہے اور اگر مسلمانوں نے سکندریہ بھی فتح کر لیا تو پورا مصر مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے گا.... ہر قلیہ ناس نے یہ پیغام سنا کہ کہا کہ اپنی فوج مسلمانوں کے آگے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے، اگر پورا مصر ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان بجیرہ روم پار کر کے بزنطیہ پر حملہ کریں گے اور پھر تم بھی مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دو گے۔

بزنطیہ کی فوج کو یہ خبر دینے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر اس فوج کو یہ خبر سنائی ہی تھی تو اس فوج کی حوصلہ افزائی کرنی تھی کہ وہ فوجی اپنے ان فوجی ساتھیوں جیسے نہ ہو جائیں جو مصر میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے آ رہے ہیں اور پورا مصر دے بیٹھے ہیں لیکن ہر قلیہ ناس نے اس فوج کو بزدل اور حرام خور کہا جو ابھی مصر گئی ہی نہیں تھی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگ تنخواہیں حرام کر رہے ہو اور اپنا فرض دیانت داری سے پورا نہیں کر رہے پھر اس نے جرنیلوں کو بھی تو پین آئیز الفاظ کہہ دیئے اور اس کا بولنے کا انداز طنزیہ اور غصیلا ہوتا چلا گیا۔ اس نے کہا کہ یہاں سے جو کمک بھیجی گئی تھی وہ بھی مصر کی فوج جیسی بزدل نکلی.... ہر قلیہ ناس کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کمک کا بہت تھوڑا حصہ کریوں بھیجا گیا تھا اور باقی ساری کمک ابھی سکندریہ میں ہے اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں آئی ہی نہیں۔ وہ دراصل جرنیلوں اور فوج پر یہ رعب گانہ رہا تھا کہ وہ بھی سلطنت روم کا ایک بادشاہ ہے اور جو چاہے کر اور کہہ سکتا ہے۔

آخر ایک جرنیل بول پڑا۔ اس نے کہا کہ انہیں وہ بلا جواز بزدل اور حرام خور نہ کہے۔ ابھی تو وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجے ہی نہیں گئے۔ اگر مصر کی فوج نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالے ہیں تو بزنطیہ کے فوجی بزدل کس طرح قرار دے دیئے گئے ہیں۔

ہر قلیہ ناس نے کوئی تسلی بخش یا حوصلہ افزا جواب دینے کی بجائے اس جرنیل کو یوں ڈانٹ دیا جیسے وہ جرنیل نہ ہو کوئی اونٹن سپاہی ہو۔ ایک جرنیل کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر ایک اور جرنیل بول پڑا اور اس نے بھی احتجاج کیا اور کہا کہ ہر قلیہ ناس بادشاہ ہی

کیوں نہ ہو وہ فوج کے سامنے کسی جرنیل کی اس طرح توہین نہ کرے۔

ہر قلیبناں میں تدبیر کا تو نام و نشان نہ تھا، وہ بگڑا ہوا اشتراہ تھا۔ اس میں کونستانس جیسی ذہانت تھی ہی نہیں۔ کونستانس کی تربیت اس کے باپ قسطنطین نے کی تھی جس میں عسکری ٹریننگ بھی شامل تھی اور سلطنت کے امور و مسائل کی تعلیم و تربیت بھی۔ ہر قلیبناں اپنی ماں مرتبنا کے زیر اثر رہا تھا اور مرتبنا ایک انتہائی خوبصورت اور بے حد سازشی ذہن والی عورت تھی۔

جب ہر قلیبناں نے دوسرے جرنیل کو پہلے جرنیل سے بھی زیادہ ڈانٹ پلا دی تو باقی جرنیل غصے اور احتجاج سے بھرے ہوئے ایسے بولے کہ ہر قلیبناں کو ایک دو تلخ باتیں کہہ ڈالیں۔ اس کے ساتھ ہی پوری کی پوری فوج نے شور و غل مچا کر دیا اور کچھ نے ترتیب ہی توڑ ڈالی اور ایک منظم فوج نے غم و غصے سے بھرے ہوئے ہجوم کی صورت اختیار کر لی۔ ہر قلیبناں تحکمانہ لہجے میں چیخ چلا رہا تھا لیکن اس کی کوئی سنتا ہی نہیں تھا نہ اس کی آواز اس قدر زیادہ شور و غل میں سنائی دے رہی تھی۔

ہر قلیبناں فوج سے خطاب کرنے کے لئے پورے شاہانہ کردار سے گیا تھا۔ اس کے ساتھ شاہی باڈی گارڈز کا دستہ تھا اور ایک باڈی گارڈ نے شاہی پرچم اٹھا رکھا تھا۔ وہاں صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ہر قلیبناں کی جان خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے فوجی ہر قلیبناں پر حملہ کر کے اسے تلواروں سے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ حفاظتی دستے کے کمانڈر نے اپنے دستے کو اشارہ دے کر ہر قلیبناں کو حفاظتی حصار میں لے لیا۔

حفاظتی دستے کے کمانڈر نے اپنا دماغ حاضر رکھا اور غنڈی یہ کی کہ تلواریں نیاموں سے نہ نکلنے دیں۔ تلواریں بے نیام کرنے کا مطلب چیلنج ہوتا تھا۔ حفاظتی دستے کے فرائض کا تقاضا کچھ اور تھا لیکن اس کے کمانڈر نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اپنی ہی فوج کے مقابلے میں آنے سے گریز کیا اور ساتھ ہی یہ دانشمندی کی کہ ایک باڈی گارڈ کو کان میں کہا کہ وہ بہت ہی تیزی سے جائے اور جنرل اقلینوس کو اطلاع دے کہ گھوڑوں کے میدان میں بغاوت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ محاذ گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہوا سے باتیں کرتا جنرل اقلینوس کے پاسی جا پہنچا۔ اس جرنیل نے کونستانس کو اطلاع دی اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر گھوڑے سرپٹ دوڑاتے گھوڑوں دوڑ میدان میں جا

پہنچے۔ دیکھا کہ فوج ان کی اپنی فوج لگتی ہی نہیں تھی۔ وہاں شاہی خاندان کے خلاف نعرے لگ رہے تھے اور بار بار ایسی آوازیں اٹھتی تھیں کہ ہم بزدل نہیں، بزدل شاہی خاندان ہے وغیرہ۔

کونستانس اور سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس کے لئے یہ صورت حال کوئی نئی نہیں تھی۔ اس سے پہلے باقاعدہ بغاوت ہو چکی تھی جو بہت حد تک خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب قسطنطین کی موت پر پتہ چلا تھا کہ مرتبنا نے شاہی طبیب کے ہاتھوں اسے زہر دلوایا ہے۔ روم کے تخت و تاج کی وراثت پر جرنیل اور سول انتظامیہ کے بالائی حکام دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور پھر جرنیلوں نے آپس میں بٹ کر فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ بظاہر فوج ایک تھی لیکن ان کے دل پھٹ کر دو ہو گئے تھے۔ بڑی ہی مشکل سے وہ خانہ جنگی قابو میں آئی اور امن و امان بحال کیا گیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں تخت کی وراثت کونستانس اور ہر قلیبناں کو دی گئی تھی۔

اب صورت حال خانہ جنگی والی نہیں رہی تھی کیونکہ زیادہ تر حمایت کونستانس کو حاصل تھی اور تقریباً تمام جرنیل سمجھ گئے تھے کہ مرتبنا شیطان صفت عورت ہے اور اس کا بیٹا ہر قلیبناں عیاش اور بگڑا ہوا اشتراہ ہے اور اس میں حکمرانی کی ذرا سی بھی رمتق نہی تھی۔

جنرل اقلینوس نے کونستانس اور ہر قلیبناں کو پیچھے کر دیا اور خود فوج کو ٹھنڈا کرنے کے لئے چیخنے چلانے لگا۔ آدی جمانیدہ اور دانشمند تھا اس لئے اس کا انداز رعب جھانٹنے والا نہیں تھا بلکہ بڑے ہی دوستانہ اور صلح جو انداز سے فوج سے مخاطب ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ پہلے فوج اپنی ترتیب میں ہو جائے پھر بات ہو سکے گی کہ فوجیوں کو کیا شکایت پیدا ہوئی ہے۔ فوج فوراً ترتیب میں ہو کر خاموش ہو گئی۔ اقلینوس نے ایک سینئر جرنیل سے کہا کہ وہ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بتائے کہ یہ فساد کس طرح شروع ہوا ہے۔

”ہمیں بزدل اور حرام خور کہا گیا ہے“ اس جرنیل نے کہا۔ ”ہم بزنایہ میں ہیں مصر میں نہیں۔ مصر کی شکست کے ذمہ دار ہم نہیں۔“

”ہمارا ایک مطالبہ پورا کیا جائے“ ایک اور جرنیل بیچ میں بول پڑا۔ ”ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ ہم نے ایک بادشاہی کے دو بادشاہ کبھی نہیں سنے۔“

ہم شاہ ہرقل اور قسطنطین کی قاتلہ کے بیٹے کا حکم نہیں مانیں گے۔“
 ”ہم صرف کونستانس کو شاہ روم مانتے ہیں۔“ ایک اور جرنیل نے کہا۔
 ”ہر قلیڈناں پوری فوج کو مروادے گا یا ایک بار پھر آپس میں لڑا دے گا۔“
 فوج نے ایک بار پھر شور شرابہ شروع کر دیا۔ فوجی ایک ہی بات کے چلے جا رہے تھے کہ وہ کونستانس کو شاہ روم مانتے ہیں اور اسی کا حکم مانیں گے۔
 مزیندا کو بھی اطلاع پہنچ گئی تھی اور وہ بھاگی بھاگی وہاں آن پہنچی اور اپنے بیٹے کے پاس کھڑی فوج کا شور شرابہ اور احتجاجی مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ کونستانس فوج کے قریب اور بالکل سامنے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے جو اشارہ تھا کہ فوجی خاموش ہو جائیں۔ فوجی آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے۔

”تم لوگ کہتے ہو کہ صرف میرا حکم مانو گے۔“ کونستانس نے کہا۔ ”میرا حکم یہ ہے کہ خاموشی سے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاؤ۔ تمہاری جو توہین کی گئی ہے اسے میں نظر انداز نہیں کروں گا۔ اگر تمہیں بزدل کہا گیا تو اس کا مطلب یہ نہ لو کہ میں بھی اور جنرل اقلینوس بھی تمہیں بزدل سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر میں تمہاری عزت اور وقار قائم ہے اور قائم رہے گا۔ اپنے آپ کو بالکل ٹھنڈا کر لو اور واپس اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔“
 کونستانس نے جرنیلوں کو اشارہ کیا کہ وہ یہیں موجود رہیں۔ فوج خاموشی سے بارکوں میں چلی گئی۔ مزیندا اور ہر قلیڈناں آہستہ آہستہ چلتے کونستانس اور جنرل اقلینوس اور دوسرے جرنیلوں کے قریب ہو گئے۔

”قابل احترام خاتون!“ جنرل اقلینوس نے کہا۔ ”آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ آپ کے بیٹے نے کیا صورت حال پیدا کر دی تھی۔ کیا آپ پہلی بغاوت اور خانہ جنگی کو بھول گئی ہیں؟ اب صورت کچھ اور ہے محترمہ! اب آپ کے حمایتی اتنے تھوڑے رہ گئے ہیں کہ ان کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی نہ ان کی آواز میں کوئی اثر رہ گیا ہے۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا رہا ہوں کہ اب آپ دونوں کی جان خطرے میں ہے۔ اُدھر مصر ہاتھ سے جا رہا ہے اُدھر فوج کو آپ کا بیٹا بغاوت کے لئے بھڑکا رہا ہے۔ مت بھولیں کہ مسلمان بزنڈیہ تک آسکتے ہیں۔ روم کی سلطنت ہی نہ رہی تو اپنے بیٹے کو کون سے تخت پر بٹھائیں گی؟“

”میری بات پر کبھی کسی نے غور نہیں کیا۔“ مزیندا نے دہلی دہلی زبان میں کہا۔

”میں کہتی تھی کہ تخت و تاج میرے حوالے کر دیں لیکن مجھ پر الزامات لگائے گئے۔ میرا مطلب یہی تھا کہ حکمرانی ایک انسان کے ہاتھ میں رہے۔ اب کونستانس کا کچھ اور خیال ہوتا ہے اور ہر قلیڈناں کچھ اور سوچتا ہے۔ اگر آپ میری بادشاہی تسلیم کر لیں۔۔۔۔“
 ”میں پھر وہی بات کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں۔“ جنرل اقلینوس نے مزیندا کی بات کانٹنے ہوئے کہا۔ ”اُدھر ہاتھ سے جا رہا ہے اور اُدھر دار الحکومت میں آپ نے تخت و تاج کو مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے۔۔۔۔ پہلے ہمیں اس عظیم سلطنت کو بچا تو لینے دیں۔“
 مزیندا خاموش ہو گئی۔ اس کا بیٹا ہر قلیڈناں اس کے منہ کی طرف احمقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ مزیندا چپ چاپ اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر وہاں سے چلی گئی سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سب یہی سوچ رہے ہوں گے کہ اس عورت کی خاموشی بڑے ہی تیز و تند اور تباہ کن طوفان کے پہلے کی خاموشی ہے۔ کوئی بھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا کہ اس عورت کو کچھ کھری کھری باتیں کہہ کر لا جواب کر دیا گیا ہے۔

○

مجاہدین اسلام کا لشکر سکندریہ تک پہنچ گیا لیکن اس شہر کو محاصرے میں لینا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کا محل وقوع پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے دو مقامات حلوہ اور قصر فاروس کے درمیان اپنے لشکر کو روک کر خیمہ زن کر دیا۔ خیمہ گاہ کے لئے وہ علاقہ موزوں تھا لیکن وہاں مسئلہ صرف خیمہ زن ہونے کا نہیں بلکہ سکندریہ کو سر کرنا اصل مقصد تھا جو پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ لشکر نے شہر کی سامنے والی دیوار پر بے شمار منجنیقیں لگی دیکھیں۔ عمرو بن عاص ان منجنیقوں کی زد سے دور رہے۔ بڑے مضبوط اور مشہور خانوں کو دیکھا گیا تھا جن پر برجیاں اتنی زیادہ نہیں تھیں جتنی سکندریہ کی دیوار پر تھیں۔ ان برجیوں میں تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے بالکل محفوظ تھے۔

عمرو بن عاص نے سالاروں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ سوال رکھے کہ کیا رومی باہر آکر لڑیں گے؟ اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو اس شہر کو لینے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اور کیا سکندریہ نہ لینے کی صورت میں مسلمان پورے مصر پر قبضہ برقرار رکھ سکیں گے؟

سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے اور تجاویز پیش کیں۔ عمرو بن عاص نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا

چاہئے۔ محاصرے کو طول دینا پڑا تو دیں گے اور رسد روکنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ رومی جرنیل اسے اپنی ذلت سمجھ لیں اور باہر آکر لڑیں۔

مجاہدین کو وہاں پورے دو مہینے رکنا پڑا۔ کوئی رومی باہر نہ آیا۔ پہلے جتنے بھی قلعوں کو مجاہدین نے محاصرے میں لیا تھا وہاں رومیوں کی جنگی پالیسی یہ رہی تھی کہ باہر آکر محاصرے پر حملہ کرتے تھے اور ان کی یہی پالیسی ان کی شکست کا باعث تھی۔ سپہ سالار عمرو بن عاص نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب رومیوں نے اپنا وہ طریقہ جنگ بدل دیا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ یہ شہر ناقابلِ تسخیر ہے اسے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ مسلمانوں کو رسد کی جو ضرورت رہتی تھی وہ انہوں نے ارد گرد کی بستیوں سے حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔

دو مہینوں بعد عمرو بن عاص نے ایک اور جگہ دیکھ لی جو انہیں خیمہ گاہ کے لئے اور جنگی نقطہ نظر سے بھی زیادہ موزوں نظر آئی۔ اس جگہ کا نام منس تھا۔ انہوں نے سارے لشکر کو اس جگہ منتقل کر دیا اور یہ نئی خیمہ گاہ بن گئی۔ یہ ایک وسیع اور غیر ہموار سا میدان تھا جس میں خیمے گاڑے گئے تھے۔ خیمہ گاہ سے ذرا ہی دور بائیں طرف ہری بھری ٹیکریاں تھیں جن پر درخت بھی تھے اور ان کے نیچے بھی درختوں کی بہتات تھی۔ سکندریہ شہر کی طرف سے بھی کوئی حرکت نہیں ہو رہی تھی نہ مجاہدین کوئی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اگر کچھ ہی رومی باہر آجاتے تو تھوڑی سی ہانپل بربا ہو جاتی لیکن دونوں طرف سکوت طاری تھا اور روز و شب بڑی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

چونکہ وہاں دشمن کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے مجاہدین خیمہ گاہ سے تھوڑی دور گھوم پھر آتے تھے۔ ایک روز بارہ مجاہدین خیمہ گاہ سے نکل کر ٹیکریوں والے علاقے میں چلے گئے۔ وہاں ایسی اوٹ تھی کہ قلعے کے اندر سے کوئی نکل کر اس طرف سے خیمہ گاہ کی طرف آتا تو وہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ مجاہدین چلے تو گئے لیکن شام تک واپس نہ آئے۔ کوئی مجاہد کیمپ سے زیادہ دیر غیر حاضر نہیں رہتا تھا۔ یہ مجاہدین واپس نہ آئے تو ان کے ساتھی ان کے پیچھے گئے۔

کچھ اور آگے نئے جمال اوٹ زیادہ تھی، وہاں مجاہدین کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔ ان کے کپڑے خون سے لال تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں نہیں تھیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ رومی گھات میں تھے اور ان پر ایسا اچانک حملہ کیا کہ انہیں

نیاموں سے تلواریں نکالنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ ان کے قاتل کس طرف سے آئے تھے۔

لاشیں کیمپ میں آئیں اور سپہ سالار کو اطلاع دی گئی۔ سپہ سالار اظہارِ افسوس کے سوا کبھی کیا سکتے تھے۔ دشمن سامنے ہوتا تو اس پر حملہ کر کے انتقام لیا جاسکتا تھا۔ سپہ سالار کے حکم کے مطابق ٹیکریوں پر سپرے کا انتظام کر دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ رات رومی کیمپیں ادھر سے آجائیں اور کیمپ پر حملہ کر کے نکل بھاگیں۔

دو مہینوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ ایک روز سپہ سالار عمرو بن عاص نے سالاروں کو بلایا۔

”میرے رفیقو!“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”کیا تم نے اپنے مجاہدین میں بیزاری کا تاثر نہیں دیکھا؟.... مجاہدین یہاں لڑنے آئے تھے لیکن اتنے عرصے سے بیکار پڑے ہیں۔ اب ان کے بارہ ساتھی شہید ہو گئے ہیں تو میں لشکر میں بے چینی اور بے قراری دیکھ رہا ہوں۔ اگر ہم نے سکندریہ کو محاصرے میں لے رکھا ہو تا تو پھر کسی کو اکتاہٹ نہ ہوتی مگر یہاں ہم صرف بیکار بیٹھے ہیں اور محاصرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”یہ تو ہم بھی محسوس کر رہے ہیں“ — ایک سالار نے کہا — ”کیا سپہ سالار بتائیں گے کہ اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے؟.... میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ لشکر کو کچھ نہ کچھ مصروفیت ملنی چاہئے۔“

”میں ایک اور خدشہ محسوس کر رہا ہوں“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”کیا ایسا نہ ہو کہ مجاہدین یہ سمجھنے لگیں کہ سالاروں میں لڑنے کی تاب ہی نہیں رہی اور اب یہ زیادہ محتاط ہو گئے ہیں.... اگر لشکر کی سوچ یہ ہے تو یہ مجاہدین کے جذبے کو مجروح کرے گی۔ میں نے اس کا یہ علاج سوچا ہے کہ اس علاقے میں جو شہر اور قصبے ہیں ان پر حملے کر کے قبضہ کیا جائے۔ اس سے ہمیں وہ فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو لشکر کو ان کی من پسند مصروفیت مل جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہم نے اگر سکندریہ پر حملہ کیا تو ان شہروں میں جو فوج موجود ہے وہ ہم پر عقب سے حملہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان فوجیوں کو یہی حکم ملا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں جو عام شہری اور دیہاتی نظر آتے ہیں وہ فوجی ہی ہوں۔“

وہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ یہ مال غنیمت اتنا زیادہ نہ تھا کہ اس کا ایک حصہ بیت المال کے لئے مدینہ بھیجا جاتا۔

تین مہینے گزر گئے۔ اب یہ تبدیلی آئی کہ رومی فوجیوں کی بہت تھوڑی سی نفری باہر آتی مجاہدین کو لٹاکاری اور لڑے بغیر واپس چلی جاتی۔ کچھ دنوں بعد چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونے لگیں۔ بہت تھوڑے رومی فوجی باہر آتے اور مجاہدین ان پر حملہ کرتے تو وہ رومی لڑتے ہوئے بڑی تیزی سے پیچھے ہٹتے اور پھر قلعے میں چلے جاتے تھے۔ مجاہدین دروازے تک پہنچنے کا خطرہ مول نہیں لیتے تھے کیونکہ دیوار سے تیر بھی آتے تھے اور برہمیاں بھی اور مخنیفوں سے پتھر بھی۔

ان جھڑپوں کا یہ اثر اور فائدہ ہوا کہ مجاہدین کے جسموں میں جان آگئی اور ان کی روصیں تروتازہ ہو گئیں۔ مجاہدین نے یہ توقع رکھی کہ کسی دن رومی فوج کے دو چار دستے باہر آکر ان پر حملہ کریں گے اور بڑے پیمانے کی لڑائی لڑی جائے گی اور ہو سکتا ہے شہر میں داخل ہونے کا موقع مل جائے لیکن ایسا نہ ہوا اور دن گزرتے چلے گئے۔

رومی فوج بدستور بہت تھوڑی تعداد میں باہر آتے رہے اور ان کا انداز بتاتا تھا جیسے وہ مجاہدین کے لشکر سے مذاق کر رہے ہوں یا وہ اس مقصد سے باہر آتے تھے کہ مجاہدین اٹا آگے آجائیں کہ اوپر سے تیر انداز انہیں واپس جانے کے قابل نہ چھوڑیں۔

ایک روز پھر رومیوں کی تھوڑی سی تعداد باہر نکلی اور اُس روز تو انہوں نے مجاہدین کا بہت مذاق اڑایا اور مجاہدین کو رومی لٹاکارنے لگے۔ چند ایک مجاہدین دوڑے گئے کہ آج ان میں سے کسی کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن رومی حسب معمول پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین تیروں کی زد میں آنے لگے۔

مجاہدین بغیر لڑے تیروں سے گھائل نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن ایک مجاہد ایسا جوش میں آیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ آگے نکل گیا۔ وہ اکیلا تھا اور رومی زیادہ تھے رومیوں نے اسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اسے گرایا اور اس کا سر کاٹ کر دوڑتے ہوئے قلعے میں چلے گئے۔ وہ اس مجاہد کا سر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

یہ مجاہد قبیلہ خمرہ کا تھا۔ اس قبیلے کے بہت سے مجاہدین لشکر میں موجود تھے۔ تین چار دوڑے گئے اور تیروں کی بوچھاڑوں میں جا کر اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر لے آئے۔ اس قبیلے کی کچھ اپنی ہی روایات تھیں۔ عام حالات میں ان کا انداز براخوشگوار اور دوستانہ

تمام سالاروں نے سپہ سالار کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور اُسی وقت حملوں کا پلان تیار کر لیا گیا۔ اس علاقے کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر حصے میں چار چار پانچ پانچ قصبے یا شہر تھے۔ ہر ایک حصے پر حملے کرنے کے لئے سالار مقرر کر دیے گئے۔

ان تینوں سالاروں کے نام تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ ایک تھے خارجہ بن حذافۃ العدوی، دوسرے عمرو بن وہب حنظلہ اور تیسرے کا نام عقبہ بن غامر تھا۔ دو مٹور خوں نے چوتھا نام بھی لکھا ہے۔ یہ نام ہے وردان۔ یہ عمرو بن عاص کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ پچھلے باب میں اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ جنگوں میں علم بردار ہوا کرتا تھا اور عمرو بن عاص کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ رہتا تھا۔ تاریخ میں آیا ہے کہ وردان شجاعت والا مجاہد تھا۔ اسے جنوبی علاقے کے دیہات میں بھیجا گیا تھا کہ اس علاقے کو رومی فوج سے پاک کر دے جو اس نے بڑی خوش اسلوبی سے کر دیا تھا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص خیمہ گاہ میں ہی رہے اور گھوم پھر کر سکندریہ کو دیکھتے اور سوچتے رہے کہ اس پر حملہ کیا جائے تو کس سمت سے اور کس انداز سے کیا جائے۔ تینوں سالار اور وردان اپنی اپنی ذمہ داری کے علاقے میں مجاہدین کا ایک ایک دستہ لے کر چلے گئے۔

ان سب کی جنگی سرگرمیوں اور کارروائیوں کی روئیداد ایک ہی جیسی ہے۔ یہاں بھی وہی بات سامنے آئی جو پہلے اکثر جنگوں پر آچکی تھی کہ ان رومی فوجیوں پر جو مختلف مقامات پر تھے، مجاہدین کی دہشت طاری تھی۔ بعض شہروں کے فوجیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن ہتھیار ڈال دیے اور بیشتر مقامات پر یوں ہوا کہ رومیوں نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیے۔ مجاہدین نے کسی پر بلاوجہ تشدد نہ کیا بلکہ ایسا روئے اپنایا اور ایسا سلوک روا رکھا جیسے مجاہدین ان کے دشمن نہ ہوں بلکہ ان کے محافظ ہوں۔

سالاروں نے ہر جگہ اعلان کیا کہ ان میں سے جو بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیں گے انہیں مسلمان اپنا بھائی سمجھیں گے اور وہ تمام مراعات کے حقدار ہوں گے اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے ان پر کوئی جبر نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ انہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا.... مٹور خوں نے لکھا ہے کہ کئی ایک عیسائی حلقہ گوش اسلام ہو گئے۔

جن شہروں کے رومی فوجیوں نے مقابلہ کیا تھا اور مجاہدین کو کچھ نقصان پہنچا کر ہتھیار ڈالے تھے ان شہروں سے مال غنیمت اکٹھا کیا گیا جو سپہ سالار عمرو بن عاص نے

کاٹا ہوا سر در پھینک آئے۔

بزنطیہ کونستنس، جنرل اقلینوس اور دوسرے جرنیل مصر کی مخدوش صورت حال کے متعلق بہت پریشان تھے اور ہر لمحہ کسی پیغام کے منتظر رہتے تھے۔ انہیں سلطنتِ روم کا بڑا ہی بُرا انجام صاف نظر آنے لگا تھا۔

ادھر مرتینا تھی جو کچھ اور ہی سوچوں میں غرق بیچ و تاب کھا رہی تھی۔ یہ چوٹ اس کے لئے قابلِ برداشت نہیں تھی کہ اس کے بیٹے کے ساتھ جرنیلوں نے اور فوج نے بہت بُرا سلوک کیا تھا اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ مرتینا کے تو خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ وہ غیند میں ہوتی یا بیدار، تخت و تاج کے ہی خواب دیکھا کرتی تھی۔ وہ قیصر سے مایوس ہو چکی تھی، بزنطیہ کے تخت و تاج سے مایوس ہو گئی تھی اور اس نے خود جو چالیں چلی تھیں وہ بھی ناکام رہیں اور اب اسے ہر سو مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی۔ وہ اب آخری حربے پر اتر آئی۔

رومی جرنیلوں اور مذہبی پیشواؤں کو معلوم ہو گا ہی کہ باہر کے بڑے ہی طاقتور دشمن کی نسبت اندر کا کمزور سادشمن بھی بہت ہی خطرناک ہوتا ہے لیکن انہیں شاید یہ اندازہ نہ تھا کہ مرتینا وہ دشمن ہے جو شاہی محل کی آستین میں بیٹھ کر اپنی ہی سلطنت کو ڈس سکتی ہے اور یہ بہت ہی زہریلی ناگن ہے۔

مرتینا کی ایک خاص ملازمہ ریکا تھی۔ عالمِ شباب میں تھی اور بڑی ہی پُرکشش لڑکی تھی۔ مرتینا نے اسے کہیں دیکھا تھا۔ ایک تو اس کی شکل صورت اور جسمانی حسن سے متاثر ہوئی اور جب اس کے ایک دو جوہر اور دیکھے تو مرتینا اسے شاہی محل میں لے آئی۔ دوچار دنوں میں ہی مرتینا نے دیکھ لیا کہ یہ بڑی ہی ذہین اور ہر ڈھنگ کھیلنے والی لڑکی ہے۔ بڑی ہی خوشگوار طبیعت والی تھی۔ مرتینا تو اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ چند دنوں میں ہی ریکا نے مرتینا کے دل میں وہ مقام پیدا کر لیا جو کوئی رازدار سہیلی ہی پیدا کر سکتی ہے۔ مرتینا نے بخوشی اسے اپنی رازدان بنالیا۔ کچھ اور دن گزرے تو مرتینا نے صاف طور پر محسوس کیا کہ یہ لڑکی جو شکل و صورت سے ہنس مکھ، بھولی بھال اور معصوم سی لگتی ہے دراصل بڑی کھلاڑی لڑکی ہے اور اس کے جال میں آیا ہوا شخص نکل نہیں سکتا۔ مرتینا کو ایسی ہی ملازمہ کی ضرورت تھی۔

ہوا کرتا تھا لیکن میدانِ جنگ میں اس قبیلے کا ہر مجاہد سر لیا قہر اور غضب بن جاتا تھا۔ اس قبیلے کے مجاہدین نے جب اپنے ساتھی کی لاش بغیر سر کے دیکھی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اس شہید کی لاش سر کے بغیر دفن نہیں کریں گے اور اس کا سر لے کر آئیں گے ورنہ سب اپنے سر کٹا دیں گے۔

”میں تمہارے اس جذبے کی بہت قدر کرتا ہوں“ — سپہ سالار عمرو بن عاص نے انہیں کہا۔ ”یہ ممکن ہی نہیں کہ تم قلعے کے اندر جا کر ایسی لڑائی لڑو کہ اپنے ساتھی کا سر لے آؤ۔ اگر تم سب مارے گئے تو سوچو کہ لشکر کو کتنا نقصان پہنچے گا۔ لشکر کی تعداد پہلے ہی کم ہے۔“

اس قبیلے کے مجاہدین پر اپنے سپہ سالار کی اس بات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی اسی ضد پر ڈٹے رہے کہ شہید کا سر لا کر ہی اسے دفن کریں گے۔

”پھر یوں کرو“ — عمرو بن عاص نے انہیں کہا۔ ”ہمداری یہ نہیں کہ اندھا دھند پاگلوں کی طرح دیوار کے ساتھ جا ٹکراؤ اور مارے جاؤ۔ تمہیں اس کا سر نہیں ملے گا۔ ہمداری یہ ہے کہ اب رومی باہر آئیں تو ان میں سے کسی کا سر کاٹ لاؤ۔ اس طرح تم سر کے بدلے سر لے آؤ گے۔“

یہ بات اس قبیلے کے مجاہدین کے پلے پڑ گئی۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اپنے ساتھی کے سر کے بدلے سر لائیں گے۔ تاریخ میں اس واقعہ کے بیان کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص نے کہا تھا کہ بنو مہرہ قتل کرنا جانتے ہیں قتل ہونا نہیں جانتے۔ ایک ہی روز بعد کچھ رومی فوجی حسبِ معمول ایک دروازے سے باہر نکلے اور مجاہدین کو لٹکارنے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ بنو مہرہ کے چند ایک مجاہدین آگے گئے اور اس انداز سے آگے گئے جیسے ان کا لڑنے کا ارادہ نہ ہو۔ رومیوں نے جب ان کا ٹھنڈا ٹھنڈا سا انداز دیکھا تو وہ اور آگے آگے۔ ایک لخت بنو مہرہ کے مجاہدین رومیوں پر جھپٹ پڑے۔ رومی بغیر لڑے بھاگ اٹھے لیکن مجاہدین نے ان میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اسے دبیں گرا کر اس کا سر کاٹا اور سر کو تلوار کی نوک پر اڑس کر بلند کیا اور تکبیر کے نعرے لگاتے واپس آ گئے۔ اب انہوں نے سپہ سالار سے کہا کہ ان کے شہید ساتھی کا جنازہ پڑھیں اور اسے دفن کروادیں۔

جنازہ پڑھا گیا اور شہید کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ رومی کے جسم سے

ایسی طاقت تھی یا نہیں یہ ایک الگ بات ہے لیکن حالات کے پنے ہوئے لوگوں کے لئے وہ آخری سہارا تھی۔

مرتینا اور ریکا جیسے انسان اس قسم کے جادوگروں اور قسمت سنوارنے والوں کا بڑا آسان شکار ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کردار لپٹنے ذہنوں اپنی نیتوں کو سنوارنے کی بجائے اپنی قسمت سنوارنے کے لئے جو تئیں اور جادوگروں کے قدموں میں جاگرتے ہیں۔ مرتینا نے بھی شاید اس جادوگر کی شہرت سنی ہوگی۔ اگر نہیں سنی تھی تو ریکا نے اس کی ایسی تصویر پیش کی کہ مرتینا نے اسے کہا کہ اس جادوگر کی کو کسی ایسے وقت اس کے پاس لے آئے جب کوئی دیکھ نہ سکے۔

اگلی ہی رات یہ جادوگر کی مرتینا کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکا اسے مرتینا کے پاس بٹھا کر باہر نکل گئی تھی، تاکہ مرتینا تنہائی میں اس کے ساتھ دل کی باتیں کر سکے۔ مرتینا نے پہلے تو اس جادوگر کی کاحال اور حلیہ دیکھا۔ ایک تو بڑھاپے نے اس کے چہرے پر رونق نہیں رہنے دی تھی اور چہرے پر میڑھی میڑھی لکیریں پیدا ہو گئی تھیں، دیے بھی اس کا چہرہ مکڑ سا تھا اور رنگ بالکل سیاہ.... اس نے سر پر میلا پکیلا سارومال باندھ رکھا تھا۔ اس کے پال رستیوں جیسے تھے۔ لباس عجیب و غریب تھا جسے بیان کرنا بھی کسی کے لئے آسان نہ تھا۔

اس نے شیشے کا گولہ اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں دو فٹ لمبا ایک ڈنڈا تھا جس پر کئی رنگوں کے کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے دونوں سروں میں پرندوں کے رنگ برنگے پر اڑے ہوئے تھے۔ ڈنڈے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں اور تین چار گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ اس عورت کی آنکھیں گہری لال اور ہونٹ گہرے زرد تھے۔ وہ کراہت کا جیتا جاگتا مجسمہ تھی۔

”بول ملکہ!“ — جادوگر کی نے مرتینا سے کہا — ”حاجت مندوں کی جھولیاں بھر دینے والی ملکہ کو ایسی کون سی حاجت آن پڑی ہے کہ مجھے بلایا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ رعایا کی قسمت ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔“

”لیکن بادشاہوں کی اپنی قسمت نہ جانے کس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔“ — مرتینا نے کہا — ”اگر تو میری تین مرادیں پوری کر دے تو اتنا سونا تجھے دوں گی جو تو اٹھا نہیں سکے گی۔ تو میری قسمت سنوار دے اور میں تیری کاپیالٹ دوں گی۔“

مرتینا کی عمر پچاس برس سے کچھ اوپر ہو گئی تھی لیکن اپنی جوانی کو یا جوانی کے جذبات کو اس نے زندہ و بیدار رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک بدکار عورت تھی۔ اس نے ایک دو آدمیوں کے ساتھ خفیہ دوستی نگار رکھی تھی۔ ریکا اس کے لئے کبھی کبھی کوئی بڑا ہی خوبو اور جوان سال آدمی لے آتی تھی۔ یہ شامی محل کا کردار تھا جسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

پھر مرتینا کو ریکا اس وجہ سے بھی اچھی لگتی تھی کہ اس کا بیٹا ہر قلیوٹاس ریکا کا شیدائی ہو گیا تھا۔ ریکا بڑی خوشی سے ہر قلیوٹاس کی داشتہ بن گئی تھی۔ ہر قلیوٹاس کو تو ریکا انگلیوں پر نچائے رکھتی تھی اور وہ اس حق فوجوان اسی میں بہت خوش ہوتا تھا۔

مرتینا سے ریکا کو پتہ چلا کہ فوج نے ہر قلیوٹاس کو دھتکار دیا ہے اور فوج اس سے باغی ہو گئی ہے تو ریکا نے مرتینا سے کہا کہ اب اس جادوگر کی کو آزما لیا جائے تئیں کو ریکا کی یہ تجویز پسند آگئی اور اس نے ریکا سے کہا کہ وہ اس کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اگر وہ یہ کام کر سکتی تو اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

ریکا ان دنوں امید سے تھی اور چند ہی دنوں بعد ماں بننے والی تھی۔ بچے کی پیدائش میں کچھ دن ہی باقی تھے۔

”مجھے ایک بچے کی خواہش بہت ہی پریشان رکھتی تھی۔“ — ریکا نے مرتینا سے کہا — ”یہ تو میں بھی جانتی تھی کہ شادی ہو گئی تو بچہ بھی ہو جائے گا لیکن میں آپ کی ملازمت میں آگئی اور آپ کے بیٹے کو دیکھ کر شادی کا خیال دل سے نکال ہی دیا۔ آپ کے بیٹے نے مجھے اپنی داشتہ بنا لیا۔ اڑھائی تین سال گزر گئے، بچے کے آثار نظر نہ آئے۔ آخر میں اس جادوگر کی کے پاس گئی۔ اس نے نہ جانے کیا عمل کیا۔ اب آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ عورت آپ کی ہر خواہش پوری کر دے گی۔“

وہ ایک بوڑھی عورت تھی جو بزنلیہ کی ایک مضافاتی بستی میں رہتی تھی۔ وہ جادوگر کی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے پاس شیشے کا ایک گولہ تھا جس میں سے روشنی گزرتی تو کئی رنگ نظر آتے تھے۔ لوگوں کے چہرے اور ہاتھ دیکھتی اور پھر اس گولے میں جھانکتی اور بتاتی تھی کہ ان کا مستقبل کیسا ہوگا۔ لوگ پورے یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ بگڑی ہوئی قسمت کو سنوار دیتی اور تاریک مستقبل کو درخشندہ کر دیتی ہے لیکن وہ معاوضہ اتنا زیادہ لیتی تھی جو کوئی عام آدمی ادا نہیں کر سکتا تھا.... اس کے ہاتھ میں کوئی

تھر تھرانے لگا اور گھنٹیاں اور گھنگرو بجنے لگے۔

اس کے ہاتھوں کا ریشہ زیادہ ہونے لگا اور پھر اس کا پورا جسم کانپنے لگا۔ وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور سر سے پاؤں تک تھر تھرانے لگی۔ اس کا منہ اس طرح کھل گیا تھا کہ سارے دانت نظر آنے لگے تھے۔ اس کی نظریں گولے پر لگی ہوئی تھیں۔ ذرا دیر بعد یوں لگا جیسے جادوگر نے کھڑے کھڑے ناچ رہی ہو۔ مرتینا پر خوف طاری ہونے لگا۔

اس کے وجود کا ریشہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ شک ہوتا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ گھنٹیوں اور گھنگھروؤں کی جھنکار ڈراؤنی سی ہوتی جا رہی تھی۔ خاصی دیر بعد اس کا تھر کنا زرا کم ہونے لگا اور کم ہوتے ہوتے اس کا جسم اپنی قدرتی حالت میں آ گیا۔ اس نے منہ چھت کی طرف کر کے کھولا اور منہ سے بڑی لمبی ہو جیسی آواز نکالی۔ پھر اس نے بڑی زور سے ڈنڈا دو چار مرتبہ ہوا میں گھمایا جیسے کسی کو مار رہی ہو۔ اس کے بعد دو سرا ہاتھ ہوا میں اوپر کر کے پھیرنے لگی اور بار بار اس طرح مٹھی بند اور کھلنے لگی جیسے ہوا کو یا ہوا میں کسی چیز کو پھلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ آخر وہ بیٹھ گئی اور پھر شیشے کے گولے میں جھانکنے لگی۔

”ہو جائے گا“ — اس نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا — ”کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ ایک بچہ چاہئے۔ عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ ہاتھ آئی جائے گا۔“

”کیا کہا؟“ — مرتینا نے پوچھا — ”ایک بچہ چاہئے؟ عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو۔“

”ہاں ملکہ!“ — جادوگر نے ہانپتی کانپتی سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا — ”مجھے ایک بچہ دے دے جس کی عمر ایک مہینے سے دو چار دن کم ہو۔ میں اپنے گھر میں اسے کچھ دن رکھوں گی اور اس پر کچھ عمل کروں گی۔ یہ عمل مکمل کر کے بچے کا دل نکالوں گی پھر اس دل پر اپنا کچھ کام کر کے اپنی ناگن کو کھلا دوں گی۔“

ایک تو جادوگر نے شکل و صورت بھی مکروہ اور ڈراؤنی سی تھی اور پھر اس کا حلیہ اور ہی زیادہ کراہت آمیز تھا اور اس کے بولنے کا انداز تو بالکل ہی غیر قدرتی تھا۔ اس نے جب یہ کہا کہ وہ بچے کا دل اپنی ناگن کو کھلا دے گی تو مرتینا جیسی شیطان فطرت عورت بھی لرز گئی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے جادوگر کی طرف دیکھا۔

”بچے کی تلاش کوئی مشکل نہیں“ — جادوگر نے کانپتی ہوئی سرگوشی کی —

”بول کیا چاہتی ہے!“ — جادوگر نے کہا۔

”کوئی ناسن مرجائے“ — مرتینا نے کہا — ”سلطنت روم کی ملکہ بن جاؤں یا میرا بیٹا تخت نشین ہو اور تیسری مراد یہ ہے کہ مصر سے مسلمان بھاگ جائیں اور مصر روم کی سلطنت سے نہ نکلے.... کیا تو اتنی طاقت رکھتی ہے؟“

”دیکھ کر بتاؤں گی“ — جادوگر نے جواب دیا اور مرتینا کے چہرے کو بڑی غور سے دیکھنے لگی پھر بولی — ”میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے تو مجھے معاف کر دینا۔ بھول جانا کہ تو ملکہ ہے اور میں تیری رعایا ہوں۔ تیرے سامنے وہ آئے گا جو اس شیشے میں دکھائی دے گا۔ بات کہیں اور سے آئے گی جو میری زبان سے تیرے کانوں تک پہنچے گی۔“

”جو جی میں آئے کہہ دے“ — مرتینا نے کہا — ”میں جو چاہتی ہوں وہ ہو جائے تو جو جی میں آئے مجھے کہہ دے۔“

بوڑھی جادوگر نے مرتینا کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔ اس کے مکروہ چہرے پر کچھ اور ہی طرح کی سنجیدگی آ گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے چہرے کے خدو خال تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس نے اچانک اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور مرتینا کا دایا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ہاتھ کو پھیلا کر دیکھنے لگی۔ اب جادوگر نے کچھ ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں پھر یوں ہوا جیسے وہ پھنکار رہی ہو۔

”ہے تو بھی جادوگر!“ — جادوگر نے کہا — ”لیکن کسی جگہ تیرا پاؤں پھسل گیا اور تو زمین کے بل گری۔ قسمت ان کی چمک اٹھی جنہوں نے اپنی عقل اور سوچ کو ٹھکانے رکھا۔ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔“

اس نے مرتینا کا ہاتھ پکڑا اس کی طرف دھکیل دیا جیسے کوئی بیکار سی چیز پرے پھینک دی ہو۔ اس نے گولے میں جھانکنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ڈنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ وہ گولے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ نہایت آہستہ آہستہ گولے کی طرف جارہا تھا جیسے کسی چیز کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی ہو۔

اس نے یک لخت اپنا سروں پیچھے کیا جیسے گولے نے اسے دس لینے کی کوشش کی ہو۔ اب تو اس کا چہرہ اور ہی زیادہ مکروہ ہو گیا تھا۔ اس نے ڈنڈے کا سرا گولے پر پھیرا اور ایک بار گولے کر بلکی سی ضرب لگائی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ہاتھ کانپنے تو ڈنڈا بھی

”تیری قسمت تیرے اپنے ہاتھوں میں آجائے گی۔ پتہ تیرے گھر میں موجود ہے۔ چند دنوں بعد تجھے مل جائے گا ریکا کا پتہ پیدا ہونے والا ہے۔“

”نہیں، نہیں!“ — مرتینا نے کہا — ”ریکا اپنا بچہ نہیں دے گی۔ یہ لڑکی تو ایک بچے کی خاطر مری جا رہی تھی۔ اسے ایک بچے کی بہت ہی خواہش تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تیرے ہی عمل سے اسے یہ بچہ ملا ہے۔ میں تجھے یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ یہ میرے بیٹے کا بچہ ہے۔“

”یہ تو بہت اچھا شگون ہے“ — جادوگر نے کہا — ”اس بچے میں تیرا خون ہے۔ یہ تیری کلیا پلٹ دے گا۔ پر ایسا بچہ ذرا مشکوک ہوتا ہے۔ ریکا سے یہ بچہ خرید لے۔ تیرے پاس خزانے میں اور خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔“

”نہیں دے گی“ — مرتینا نے کہا — ”میں حکم دے کر اس سے بچہ لے سکتی ہوں لیکن حکم نہیں دوں گی۔ اس لڑکی کے ساتھ مجھے بہت پیار ہے میں اس کا دل نہیں ڈکھاؤں گی۔“

”پھر اپنی مرادیں اور خواہشیں دل سے نکال پھینک“ — جادوگر نے کہا — ”ملکہ کو اتنا رحم دل نہیں ہونا چاہئے۔ قلوبطرحہ بن جا اور دل سے رحم و کرم نکال پھینک۔ بچہ چوری کرو اور مجھ تک پہنچا دے۔ یہی بچہ موزوں ہے۔ ریکا کو پتہ نہ چلے دینا کہ میں نے بچہ مانگا ہے۔“

مرتینا گہری سوچ میں کھو گئی۔ وہ کوئی رحم دل عورت نہیں تھی لیکن آخر عورت تھی۔ اس کی ذات میں ماسما موجود تھی۔ ایک معصوم بچے کا دل ناگن کو کھلا دینا۔ اس کے تصور میں آتا ہی نہیں تھا اور اگر آیا بھی تو وہ سر سے پاؤں تک کاپ گئی۔ جادوگر نے نہ کچھ بولے جاری تھی۔ اس نے مرتینا کو بتایا کہ اس نے تین سانپ پالے ہوئے ہیں اور تینوں بڑے زہریلے ہیں۔ ان میں ایک ناگن ہے اور اس ناگن نے اس کی کئی شکلیں آسمان کی ہیں۔

مرتینا نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ ریکا کا بچہ جادوگر کی کو دے دے گی۔ اس نے جب تصور میں اپنے آپ کو ملکہ کے روپ میں دیکھا تو ماسما اس کے وجود میں ہی کہیں دم توڑ کر غائب ہو گئی۔ اس نے جادوگر کی کو بتایا کہ ریکا کا بچہ اسے مل جائے گا۔

جادوگر نے اسے یہ یقین دلا کر اٹھی کہ اس کی تینوں مرادیں پوری ہو جائیں گی بشرطیکہ بچہ اس تک پہنچا دیا گیا۔ مرتینا نے جادوگر کی کو کچھ انعام دیا اور کہا کہ کام ہو جانے پر وہ اس پر خزانہ لٹا دے گی۔ جادوگر نے رخصت ہو گئی اور ریکا دوڑی دوڑی مرتینا کے پاس آئی۔

”کیا کہتی ہے؟“ — ریکا نے مرتینا سے پوچھا — ”کیا آپ کا کام ہو جائے گا؟“

”ہاں ریکا!“ — مرتینا نے جواب دیا — ”ہو جائے گا۔“

ریکا ملازموں کے کمروں میں رہنے والے کمروں میں سے ایک کمرے میں رہتی تھی۔ وہ مرتینا کی خاص اور معتمد ملازمہ تھی اور ہر قلیوناس کی داشتہ تھی۔ دس بارہ دن ہی گزرے ہوں گے کہ ریکا کا بچہ پیدا ہوا۔ مرتینا نے شاہی دانی کو ریکا کی خدمت پر لگا دیا تھا۔ مرتینا بھی اور ہر قلیوناس اسے دیکھنے کے لئے اس کے کمرے میں گئے اور اس کے آرام و آسائش کو اچھی طرح دیکھا۔ بڑا خوبصورت اور پھول جیسا بچہ تھا۔ ریکا تو بہت ہی خوش تھی کہ اس کی ایک خواہش پوری ہو گئی ہے۔

ریکا بچے کی پیدائش پر اس قدر خوش تھی کہ بیس دن ہی گزرے تھے کہ نارمل حالت میں آکر مرتینا کے پاس جا پہنچی اور روزمرہ کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ کبھی وہ بچہ اپنے ساتھ لی آتی تھی اور کبھی اپنے کمرے میں ہی سوتا چھوڑ آتی تھی۔

ایک رات ریکا مرتینا سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد مرتینا نے اسے پھر بلوایا اور جب ریکا آئی تو اسے کسی کام میں لگا دیا اور ساتھ ساتھ اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی رہی۔ اسے کم و بیش ایک گھنٹہ اپنے ساتھ رکھا اور پھر اسے فارغ کیا۔ ریکا چلی گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ریکا چیخ چلائی اور روئی ہوئی مرتینا کے پاس دوڑتی آئی۔ مرتینا گہرا کراہی اور پوچھا کیا ہو گیا ہے۔

”میرا بچہ غائب ہو گیا ہے“ — ریکا نے چلاتے ہوئے کہا — ”میں اسے سوتا چھوڑ آئی تھی۔“

مرتینا اور ہر قلیوناس دوڑے گئے اور انہوں نے بھی دیکھا کہ بچہ غائب ہے۔ مرتینا نے ہنگامہ بنا کر دیا اور تمام ملازموں کو چگا کر اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ بچے کو تلاش کریں۔ ہر قلیوناس سب کو گالیاں دے رہا تھا۔ صرف مرتینا کو معلوم تھا کہ بچہ کہاں ہے۔

جرنیل سکندریہ میں جمع ہو گئے تھے اور ان کا استقباعظم قیصر بھی ان کے ساتھ تھا۔
بہر حال عمرو بن عاص مطمئن تھے کہ محاصرہ طول پکڑتا ہے تو یہی بہتر ہو گا۔
مجاہدین چوکس اور چوکے تو رہتے ہی تھے لیکن وہ تقریباً "فراغت کے دن گزار
رہے تھے۔ خیمہ گاہ سے تھوڑی دور تک گھوم پھر بھی آتے تھے۔ قریبی دیہات کے
لوگ اور لڑکے بالے خیمہ گاہ کے قریب آکر انہیں دیکھتے بھی رہتے تھے۔

○

کرشی اپنے باپ کے ساتھ قید ہو کر آئی تھی تو دونوں ڈرے ہوئے تھے۔ ان کی
حیثیت جنگی قیدیوں والی تھی جنہیں غلام سمجھا جاتا تھا بلکہ غلام بنالیا جاتا تھا۔ کرشی کے
باپ کے دل پر یہی ایک خطرہ سوار تھا لیکن اسے کھلی قید میں رکھا گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا
کہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اسے زنجیریں ڈال کر رکھا جائے گا۔ اس باپ کے
لئے دوسرا خطرہ یہ تھا کہ کرشی جو غیر معمولی طور پر حسین لڑکی تھی، سالاروں کے لئے
کھلوانا بن جائے گی۔ کرشی کو عورتوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اسے ہر لمحہ توقع رہتی تھی
کہ سالار اسے لونڈی سمجھ کر داشت بنالیں گے اور اس کی ہر رات کسی نہ کسی سالار کے
خیمے میں گزرے گی لیکن کریون سے سکندریہ تک اتنی راتیں گزر گئی تھیں، کسی نے
اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ سالاروں کو تو جیسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں
تھا۔

کرشی کو جن عورتوں کے حوالے کیا گیا تھا، وہ مجاہدین کی بیویاں، مانیں اور بہنیں
وغیرہ تھیں۔ ان میں تین چار وہ رومی لڑکیاں بھی تھیں جو مجاہدین کے کردار اور حسن
اخلاق سے متاثر ہوئیں اور ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اسلام قبول کر لیا اور ان کے
ساتھ شادیاں کر لی تھیں۔ کرشی ان لڑکیوں میں کھل مل گئی تھی۔

وہ سب سے زیادہ متاثر شاربنا سے ہوئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اسے بتایا گیا تھا
کہ شاربنا شہر قتل کے شاہی خاندان کی لڑکی تھی اور ایک مجاہد سے اتنی متاثر ہوئی کہ
شہانہ زندگی کو ٹھوکر مار کر اس مجاہد کے ساتھ آگئی اور دل و جان سے اسلام قبول کر کے
اس مجاہد کی بیوی بن گئی۔ اس کے خاوند کا نام حدید خزرج تھا جو جاسوسی اور شیخون مارنے
کی خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ کرشی نے ضرور سوچا ہو گا کہ شاہی خاندان کی اتنی
خوبصورت لڑکی نے آخر ان صحراورد عربوں میں کوئی خاص بات ہی دیکھی ہو گی کہ ان

جن دلوں میں اللہ کا نام تھا، اللہ نے اُن کی قسمت اُن کے ہاتھوں میں دے
دی تھی۔ وہ ایمان کی پختگی کے جادو جگا رہے تھے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا
تھا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت ایک بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ ایسا
ہر وقت ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ چھوٹی جماعت والوں کے دلوں میں اللہ کا نام ہو اور
ان کا ایمان پختہ ہو۔

مجاہدین اسلام کا لشکر ابھی تک سکندریہ سے باہر اس انتظار میں تیار تھا کہ رومی باہر
نکل کر حملہ کریں گے جیسا وہ ہر قلعے کے محاصرے کے وقت کرتے رہے ہیں لیکن رومی
چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے لئے باہر نکلتے اور واپس چلے جاتے تھے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص بھی کوئی زیادہ جلدی میں نہ تھے۔ وہ محاصرے کو طول دے
سکتے تھے۔ اس مہلت سے یہ فائدہ مل رہا تھا کہ سابقہ معرکوں کے شدید زخمی لڑنے کے
قاتل ہو رہے تھے۔ رسد کی کمی لشکروں کے ارادے اور عزم تس تس کر دیا کرتی تھی
لیکن مجاہدین کو کسی ایسے مسئلے کا سامنا نہیں تھا۔ انہوں نے سکندریہ کے قرب و جوار
کے جو قلعے اور شرف فتح کئے تھے، وہاں سے رسد کے ذخائر اکٹھے ہو گئے تھے۔ مصری بدو
رسد کم ہونے ہی نہیں دے رہے تھے۔ عقب سے حملے کا خطرہ بھی نہیں رہا تھا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص کی کوشش یہ تھی کہ شہر کے اندر رسد نہ جاسکے۔ انہوں
نے رسد کے ممکنہ راستے بند کر دیئے تھے لیکن سمندر کا راستہ بند نہیں کیا جاسکتا تھا اور
اصل مشکل یہ تھی کہ شہر کا محاصرہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود عمرو بن عاص کہتے
تھے کہ سکندریہ کے اندر قلعہ والی کیفیت نہ بھی پیدا ہوئی تو رومی جرنیل اتنے طویل
محاصرے سے اپنی ذلت ضرور محسوس کریں گے۔ رومیوں کے تمام چھوٹے بڑے

کے ساتھ ماری ماری پھر رہی ہے۔ کرشی دوسری نو مسلم لڑکیوں سے بھی خاصی متاثر تھی۔

یہ سب لڑکیاں خصوصاً ”شارینا“ کرشی میں زیادہ دلچسپی لیتی تھیں اور انہوں نے اسے اپنے ساتھ پوری طرح بے تکلف کر لیا تھا۔ کرشی اپنے متعلق انہیں جو کچھ بتاتی رہی تھی وہ سب جھوٹ تھا۔ وہ اپنے آپ کو اور اپنے باپ کو مظلوم سمجھتی تھی اور کہتی تھی کہ انہیں بے گناہ پکڑ لیا گیا ہے۔ وہ دُورے دُورے سے لہجے میں انہیں اپنے خدشے بتاتی رہتی تھی جن میں دو خدشے اسے زیادہ پریشان رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ اس کے بوڑھے باپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہو گا اور وہ خود سالاروں کی تفریح طبع کا بڑا ہی خوبصورت ذریعہ بن جائے گی۔

”لیکن میں حیران ہوں“ — کرشی نے کہا — ”ان سالاروں میں سے کوئی میری طرف دیکھتا ہی نہیں جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ایک اتنی حسین اور نوجوان لڑکی ان کے درمیان موجود ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ شاید ان بدذوقوں کے ہاں حُسن کا معیار کچھ اور ہے جس پر میں پوری نہیں اتر سکتی۔“

شارینا اور وہ لڑکیاں جو وہاں بیٹھی سن رہی تھیں، کھکھلا کر ہنس پڑیں۔ انہوں نے کرشی کو بتایا کہ یہ سب بدذوق نہیں ہیں اور جہاں تک حسن و جوانی کا تعلق ہے، ان کا معیار رومیوں اور مصریوں سے مختلف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی عورتوں کو دیکھ لو، ان میں کیسی کیسی خوبصورت خواتین موجود ہیں۔

”یہ معیار کی نہیں کردار کی بات ہے“ — شارینا نے کہا — ”یوں کرو، کسی بھی سالار کے خیمے میں جا کر بالکل برہنہ ہو جانا اور دعوتِ گناہ دینا۔ وہ سالار تمہیں اپنے ہاتھوں کپڑے پہنا کر خیمے سے نکال دے گا۔ تم یہ تاثر لے کر آؤ گی کہ تم کسی بھی مرد کے لئے قابلِ قبول ہو ہی نہیں اور اس حسین جسم میں ذرا سی بھی کشش نہیں ہے۔“

”آزمائے فی ضرورت ہی نہیں“ — کرشی نے کہا — ”یہ تو میں پہلے ہی محسوس کر رہی ہوں کہ یہ لوگ بدذوق اور بے جس ہیں یا میں بد صورت اور دھتکاری ہوئی لڑکی ہوں۔“

”نہ یہ بدذوق ہیں نہ تم بد صورت ہو“ — ایک اور نو مسلم لڑکی اپنی نے کہا — ”تمہاری تربیت ایسی ہوئی ہے کہ تم کچھ اور سوچنے کے قابل نہیں رہیں۔ راز کی ایک

بات سن لو، دیکھ رہی ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی تھوڑی ہے لیکن انہوں نے تمہارے سامنے کریوں کا قلعہ فتح کیا اور اب سکندریہ پر حملے کر رہے ہیں اور انہوں نے سارا مصر فتح کر لیا ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ کیوں؟.... صرف اس لئے کہ ان کی توجہ تم جیسی لڑکیوں پر نہیں۔ ان کی نظریں اپنے اللہ پر لگی ہوئی ہیں۔ تم صرف اُس ایک شخص کے لئے قابلِ قبول اور حسین ہو گی جو تمہارے ساتھ اللہ کے نام پر شادی کرے گا۔“

کرشی بڑی زندہ دل، شگفتہ مزاج اور بے تکلفی سے باتیں کرنے والی لڑکی تھی۔ اس نے ایسی کوئی بات نہ کی کہ وہ ان مسلمانوں سے اتنی متاثر ہوئی ہے کہ مسلمان ہو جانا چاہتی ہے۔ اس نے ہنستے مسکراتے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ اس کی تربیت کسی اور ہی طرح ہوئی ہے۔ اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کو اپنے متعلق غلط باتیں بتا رہی تھی۔ اب اس نے سچ اگنا شروع کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ زہر میں بچھا ہوا ایک بڑا ہی حسین تیر ہے جو بڑی آسانی سے اپنے شکار کے دل میں اُتر جاتا ہے اور اسے کسی کام کا نہیں چھوڑتا اور اس کا کوئی مذہب اور کوئی وطن نہیں رہتا۔

اس نے بڑے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یہ شخص جسے وہ اپنا باپ بتاتی رہی ہے، اس کا باپ نہیں۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا باپ کون اور ماں کون تھی۔ اس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس کی پرورش کرنے والوں نے اسے بڑے پیار سے پالا پوسا اور جوان کیا تھا۔ اس کے دل سے نگے ماں باپ کی محبت اور ذہن سے ان کی یادیں بھی صاف ہو گئی تھیں۔ اسی عمر سے اسے یہ تربیت دی جانے لگی تھی کہ آدمیوں کو انگلیوں پر کس طرح نچایا جاتا ہے۔ مردوں پر اپنا طلسم طاری کرنا، پتھر کو موم کرنا، اپنے حُسن کو برقرار رکھنا اور دشمن دیس کو اپنا گھر سمجھنا اور ایسے ہی کچھ اور سبق تھے جو اسے زبانی ہی نہیں پڑھائے گئے بلکہ اسے عملاً سکھایا گیا تھا۔ یہ تربیت اسے بڑی ہی حسین و جمیل اور بے حد چالاک عورتوں نے دی تھی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اپنے شکار کے جذبات کو بھڑکا کر اس کی عقل و ہوش اپنے قبضے میں کر لیتا اور خود جذبات سے عاری اور بے حس ہو جاتا۔ اسے خبردار کیا گیا تھا کہ دل میں کسی دشمن کی ہمدردی پیدا ہو جائے تو اسے اپنے کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ اسے بڑی ہی خوبصورت ناگن بنادیا گیا تھا اور یہ تعلیم و تربیت اس کی فطرت بن گئی تھی۔

کرشی نے ان لڑکیوں کو سنایا کہ اس نے مصری بدو اسطافت کو کس طرح قبضے میں

لے لیا تھا اور وہ ایک سالار کو قتل کرنے پر آمیا تھا اور خود مار گیا۔

”سلاطنت مسلمان نہیں تھا“ — شارنہ نے کہا — ”وہ عرب بھی نہیں تھا۔ اگر وہ مسلمان ہو تا تو تمہارے جھانے میں کبھی بھی نہ آتا۔“

”میری تربیت صرف عورتوں نے نہیں کی“ — کریشی نے کہا — ”میں مرد استادوں کے ہاتھوں میں سے بھی گزری ہوں۔ وہ سب میرے مذہب کے آدمی تھے۔ ہر ایک آدمی نے مجھے تربیت دینے سے پہلے میرے اس حسین جسم سے لطف اٹھایا پھر اگلی بات کی لیکن عرب کے ان مسلمانوں کے ہاں تو بالکل ہی الٹ معاملہ دیکھا ہے۔ یہ شخص جسے میں اپنا باپ کہتی ہوں، اس نے بھی مجھے نہیں بخشا۔“

”تم اسلام قبول کر لو“ — شارنہ نے کہا — ”پھر جو آدمی تمہیں اچھا لگے وہ مجھے بتاؤ اور تمہاری شادی اس کے ساتھ کروادوں گی۔“

”میں نے شادی کی تو سوچی ہی نہیں“ — کریشی نے کہا — ”مذہب کو تو میں نے کبھی اہیت دی ہی نہیں۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان عیسائیت کے دشمن ہیں اور اسلام کو ختم کرنا ہے.... اب میرے خیالات اتنے بدل گئے ہیں کہ میں ان مسلمانوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ میرے دل میں ان مسلمان سالاروں کی عزت پیدا ہو گئی ہے۔“

”تم ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتیں“ — ایک اور نو مسلم لڑکی نے کہا۔

”بہت کچھ کر سکتی ہوں“ — کریشی نے کہا — ”میرے پاس یہی ہنر ہے جو بتا چکی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ مسلمان مجھ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں ان کے لئے جاسوسی کر سکتی ہوں۔ رومی جرنیلوں کو قتل کروا سکتی ہوں۔ یہ نہ ہو سکا تو انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا سکتی ہوں۔ کسی طرح مجھے سکندریہ میں داخل کر دیں۔“

”کریشی!“ — شارنہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا — ”اسلام میں عورت کو اس طرح استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ اپنی بیٹی کی ہی نہیں بلکہ بیٹی کسی دشمن کی بھی ہو تو یہ اپنے آپ کو اس کی عزت و آبرو کا محافظ سمجھتے ہیں۔ تم اپنے مستقبل کی سوچو۔ تمہارے سامنے بڑی لمبی عمر بڑی ہے۔ یہ باعزت انداز سے گزرنی چاہئے۔“

یہ بات کچھ سنجیدگی اور کچھ مذاق میں آئی گئی ہو گئی۔



مدینہ میں امیر المومنین حضرت عمرؓ ہر لمحہ مصر سے خبر آنے کے منتظر رہتے تھے۔

پیغام آتے جاتے رہتے تھے لیکن پہلی مرتبہ یوں ہوا کہ چار مہینوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا، عمرو بن عاص کی طرف سے کوئی پیغام مدینہ نہ گیا۔ اس تاخیر اور خاموشی سے امیر المومنین کو تشویش ہونے لگی۔ یہ تشویش ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی اور امیر المومنین نے مجلس مشاورت بلائی۔ تمام مستند مؤرخین اور بعد کے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے مشیروں سے کچھ اس طرح خطاب کیا:

”کیا تم میری طرح پریشان نہیں ہو؟“ — حضرت عمرؓ نے کہا — ”چار چاند طلوع و غروب ہو گئے ہیں اور عمرو بن عاص کی کوئی خبر نہیں آئی۔ یہ وہی لشکر ہے جس نے مصر کے بڑے ہی مضبوط شہر اور ناقابل تسخیر قلعے فتح کئے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ وہ سکندریہ کی دیواروں کے باہر جا کر بیٹھ گئے ہیں اور کوئی حرکت نہیں کر رہے۔ کیا ایسا تو نہیں کہ انہیں وہ جگہ اچھی لگی اور اسی کو وہ ایک خوبصورت منزل سمجھ کر وہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں؟“

”یا امیر المومنین!“ — ایک مشیر نے کہا — ”عمرو بن عاص ایسے غیر ذمہ دار سپہ سالار تو نہیں، کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے“ — ”ایک اور نے کہا — ”سکندریہ بہت ہی مضبوط اور قلعہ بند شہر ہے اور یہ مصر کا آخری قلعہ ہے۔ عمرو بن عاص کے لشکر کی تعداد اور کم ہو گئی ہوگی اس لئے اس شہر کی فتح کے لئے تین چار مہینے کافی نہیں ہو سکتے۔“

”خدا کی قسم، میں ان سب پہلوؤں پر غور کر چکا ہوں“ — حضرت عمرؓ نے کہا — ”سکندریہ اجنادین سے زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اس وقت ہر قتل بھی زندہ تھا اور روم کی فوج بھی زندہ و بیدار اور بے حد طاقتور تھی۔ رومی سمجھتے تھے کہ اجنادین دراصل بیت المقدس کا دفاعی قلعہ ہے۔ یہ گیتا بیت المقدس بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ رومی بیت المقدس میں اپنے آپ کو یوں سمجھتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا دفاع کر رہے ہوں لیکن اسی عمرو بن عاص نے رومیوں سے اجنادین بھی لے لیا اور بیت المقدس بھی چھین لیا تھا۔ آج عمرو بن عاص اسی رومی فوج کے سامنے کیوں بے بس ہو گیا ہے؟...“

”اب تو رومی فوج بہت زیادہ دہشت زدہ اور کمزور ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بزنطیہ میں ہر قتل کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین بھی مر چکا ہے۔“

وہاں تخت و تاج کی دراشت پر شاہی محل میں جھگڑا چل رہا ہے۔ عمرو بن عاص اس صورت حال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھا رہا؟

”کیا آپ کو عمرو بن عاص پر کوئی شبہ ہے امیر المومنین؟“ — ایک صحابی نے پوچھا۔

”ہاں میرے بھائی!“ — امیر المومنین نے جواب دیا — ”مجھے شبہ ہے کہ عمرو اور اس کے لشکر میں کوئی ایسی ذہنی خرابی پیدا ہو گئی ہے جس نے ان کے دلوں سے شہادت کی ترب اور جہاد کی لگن چھین لی ہے۔ ہو سکتا ہے مصر کی خوبصورتی اور دولت نے انہیں دنیاوی آسائشوں اور عیش پرستی میں الجھا دیا ہو۔ اگر یہ نہیں تو کوئی ایسی وجہ ضرور ہے کہ مصر کی فتح میں اتنی زیادہ دیر لگ رہی ہے... کیا میں عمرو بن عاص کو پیغام بھیج کر پوچھ نہ لوں کہ اس کی اتنی طویل خاموشی کی وجہ کیا ہے اور اس کا لشکر کس حال میں ہے؟“

سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ ابھی پیغام دے کر قاصد کو روانہ کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت پیغام لکھا جو آج تک تاریخ کے دامن میں لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ تاریخ نویس ابن الحکم، مقریزی اور بلاذری کے حوالے سے یہ پیغام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”میں حیران ہوں کہ تم دو سالوں سے لڑ رہے ہو اور مصر کی فتح ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔ میں جانتا ہوں تم مصر کا آخری قلعہ فتح کرنے پہنچے ہوئے ہو لیکن اتنے عرصے میں تمہاری طرف سے کوئی اطلاع اور کوئی خبر نہیں آئی۔ مجھے شک ہے کہ تمہارے دل میں وہ پہلا ساجذہ نہیں رہا اور اپنے اس دشمن کے ملک کا تم پر یہ اثر ہوا ہے کہ تمہارے دل میں بھی دنیا کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ میں نے چار بڑے ہی بہادر سالار تمہاری مدد کے لئے بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ ان میں سے ہر سالار ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دنیاوی جاہ و جلال میں الجھ گئے ہیں اور تم بھی الجھے ہوئے ہو۔ میرا یہ پیغام پورے لشکر کو سناؤ اور انہیں کہو کہ اپنے جذبے اور حوصلے کو مجروح نہ ہونے دیں۔ میرے بھیجے ہوئے چاروں سالاروں کو فوج کے آگے رکھو اور اللہ کے نام پر سکندریہ پر چڑھ دوڑو۔“

حضرت عمرؓ نے اس پیغام میں جن چار سالاروں کا ذکر کیا ہے ان کی شجاعت کے

کارناموں کی تفصیل پیچھے ایک باب میں بیان ہو چکی ہے۔ یہ تھے زیر بن العوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن اسود اور مسلمہ بن مخلد۔ یہ سب صحابہ کرام تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جب کمک دے کر مصر بھیجا تھا تو ساتھ پیغام میں انہوں نے لکھا تھا کہ ان چاروں میں ہر ایک سالار ایک ہزار مجاہدین کے برابر ہے۔ ان الفاظ میں حضرت عمرؓ نے ان چاروں کی شجاعت اور میدان جنگ میں قیادت کی مہارت کی تعریف کی تھی لیکن تاریخ لکھنے والے ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ اس غلط فہمی کی تفصیل بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔ زیر بن العوام کی بہادری تو معجزہ نعمتی تھی۔

ہم آج کے دور میں امیر المومنین حضرت عمرؓ کا پیغام بنام سپہ سالار عمرو بن عاص پڑھتے ہیں تو ہمارے تصور میں عمرو بن عاص کا یہ رد عمل آتا ہے کہ انہوں نے کہا ہو گا کہ مدینہ میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، یہاں آ کر دیکھیں کہ ہم لوگ کیسی مشکلات میں گرفتار ہیں اور ہم سے ناممکن کو ممکن بنانے کی توقع رکھی جا رہی ہے لیکن عمرو بن عاص نے کسی ایسے ناروا رد عمل کا اظہار نہ کیا۔ وہ خود محسوس کر رہے تھے کہ سکندریہ پر زیادہ وقت صرف ہو رہا ہے اور حاصل کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ وہ امیر المومنین کی بیعتی کو اور ان کے شکوک و شبہات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے یہ پیغام پڑھا اور پہلا کام یہ کیا کہ امیر المومنین کے نام ایک پیغام لکھوا کر اسی قاصد کو دے کر رخصت کر دیا۔ اس پیغام کے الفاظ تاریخ کے صفحات پر نہیں ملتے سوائے اس کے کہ عمرو بن عاص نے امیر المومنین کو مطمئن کیا کہ لشکر کا جذبہ مجروح ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ پختہ اور غضب ناک ہو گیا ہے اور ہر مجاہد سکندریہ کی فتح کے لئے بے تاب ہے۔

تاریخ کے مطابق، حضرت عمرؓ کا پیغام حضرت عمرو بن عاص کے پاس دن کے پچھلے پہر پہنچا تھا۔ عمرو بن عاص نے اُسی وقت تمام لشکر کو اکٹھا کیا اور امیر المومنین کا پیغام بلند آواز میں پڑھ کر سنایا۔ پھر لشکر سے کہا کہ سب وضو کر کے فوراً واپس آئیں۔ مجاہدین گئے، وضو کیا اور واپس آ گئے۔ عمرو بن عاص نے دو رکعت نفل باجماعت پڑھائے اور اس کے بعد فتح کی دعا مانگی گئی۔ تاریخ میں آیا ہے کہ دعا کے دوران عمرو بن عاص کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ دعا کے بعد انہوں نے لشکر سے کہا کہ سکندریہ پر یلغار کی جائے گی۔ مجاہدین نے نعروں سے سپہ سالار کے اس عہد اور عزم پر لبیک کہی۔

ابن عبد الحکم اپنے والد عبد اللہ بن عبد الحکم سے روایت کرتے ہیں کہ دعا کے بعد

شکر منتشر ہو گیا اور عمرو بن عاص سالاروں کو اپنے خیمے میں لے گئے۔ بغیر کسی تہدید اور تعارف کے سکندریہ پر یلغار کا پلان تیار ہونے لگا۔ یہ واقعی ایک ناممکن مہم تھی جسے ممکن بنانا تھا۔ عمرو بن عاص اور ان کے سالار جذبات کے زور پر نہیں سوچا کرتے تھے بلکہ حقائق اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر پلان بناتے اور جذبے اور جوش و خروش سے اس پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ہر پہلو پر غور کیا تو سوائے دشواری اور ناکامی کے کچھ نظر نہ آیا۔ عمرو بن عاص یوں زمین پر بیٹھ کے بل لیٹ گئے جیسے تھک ہار گئے ہوں۔

معلوم نہیں ان کے اس طرح لیٹ جانے سے سالاروں پر کیا اثر ہوا ہو گا۔ ہوا یوں کہ عمرو بن عاص فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور پُر جوش لہجے میں بولے — ”میں نے غور کر لیا ہے اور اس فیصلے پر پشیمان ہوں کہ ہمارے انجام کو وہی سنوارے گا جس نے آغاز کو سنوارا ہے۔“ ظاہر ہے ان کا اشارہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف تھا۔

ایک سالار عبادہ بن صامت بھی وہیں تھے۔ عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ سکندریہ پر یلغار کے وقت علم ان کے ہاتھ میں ہو گا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمرو بن عاص نے علم مسلمہ بن مخلد کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مسلمہ بن مخلد نے کہا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حقدار عبادہ بن صامت ہیں۔ چنانچہ عمرو بن عاص نے علم عبادہ بن صامت کے حوالے کیا۔

یہ واضح رہے کہ میدان جنگ میں علم بردار کو اپنی جان پر کھیل کر علم بلند رکھنا پڑتا تھا۔ دشمن علم کو گرانے کے لئے حملے پر حملے کرتا تھا۔ علم کو بلند اور لہراتا رکھنے کے لئے کئی مجاہدین شہید ہو جایا کرتے تھے۔

سکندریہ پر حملے کا پلان بن گیا جس کے لئے مجاہدین پہلے ہی تیار تھے لیکن حملہ کچھ دنوں بعد کرنا تھا۔ تین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے پیغام میں لکھا تھا کہ حملہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد کیا جائے کیونکہ اُس وقت اللہ کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا تھا کہ حملے سے پہلے اللہ کے حضور گڑگڑا کر فتح کے لئے دعا کی جائے۔ حملے میں تاخیر کی غالباً یہی وجہ تھی۔ جمعۃ المبارک کو ابھی چار پانچ دن باقی تھے۔

ان چار پانچ دنوں میں ایک اور واقعہ ہو گیا۔ مجاہدین حملے کے لئے تیار بھی تھے اور

جنتاب بھی لیکن ابھی ان کے لئے فراغت تھی۔ ایک روز تین آدمی جو غالباً ”مصری تھے“ چھوٹے چھوٹے قالین اٹھائے خیمہ گاہ کے قریب آن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دو تین قالین کھول کر زمین پر بچھا دیئے۔ یہ مسئلے کے ساز کے قالین تھے۔ قریبی خیموں سے چند مجاہدین باہر نکلے تو ان آدمیوں کے پاس جا کر قالین دیکھنے لگے۔ ایک مجاہد نے کہا کہ وہ یہاں کیوں آگئے ہیں؟ یہاں ان قالینوں کا کوئی خریدار نہیں۔

”ہم یہ قالین بیچنے نہیں آئے“ — ایک آدمی نے کہا — ”ہم دو تین قالین آپ کے سپہ سالار کو تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر وہ نماز پڑھا کریں گے۔“

”پہلی بات یہ ہے دوستو!“ — مجاہد نے کہا — ”ہمارے سپہ سالار تمہیں ملیں گے ہی نہیں اور اگر مل گئے تو یہ تحفے قبول نہیں کریں گے۔ ہمارے ہاں تحفے لینے کا رواج ہی نہیں۔“

”ہمیں ان تک پہنچا تو دیں“ — ایک آدمی نے کہا — ”ہم مسلمانوں کے کردار سے اور جو سلوک آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ روار کھا ہے اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ ہم اظہارِ شکر کے لئے اپنے بنائے ہوئے یہ قالین انہیں بطور تحفہ پیش کرنے آئے ہیں۔“

مجاہدین نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ سپہ سالار اتفاق سے کہیں مل جائیں تو ان سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن وہ تحفہ قبول نہیں کریں گے۔ ایک مجاہد نے کہا کہ ہم زمین پر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ ہمارے سالار بھی ہمارے ساتھ زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور زمین پر ہی سجدے کیا کرتے ہیں۔

”یہ تو ہم نے دیکھا ہے“ — قالین والے ایک آدمی نے کہا — ”آپ لوگ جس زمین پر سجدہ کرتے ہیں وہ زمین اللہ کی طرف سے آپ کے نام لکھ دی جاتی ہے اور وہ زمین آپ کے قدم چومتی ہے۔“

مجاہدین وہاں سے ہٹنے لگے۔ ابھی دو تین مجاہدین وہیں تھے۔ ایک طرف سے مجاہدین کی تین چار خواتین آرہی تھیں۔ ان میں شاربنا بھی تھی اور کرشی بھی۔ قالین اتنے خوبصورت تھے کہ لڑکیاں زمین پر بچھے ہوئے قالینوں کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگیں۔ خریدنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا نہ انہیں ایسے خوبصورت اور قیمتی قالینوں کی ضرورت تھی۔

قالینوں والے تین آدمی بھی زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ کرشی نے قالینوں سے نظریں ہٹا کر ان تینوں آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ان تینوں میں ایک ہی تھا جو مجاہدین کے ساتھ باتیں کرتا رہا تھا۔ وہی بولتا تھا اور باقی دو چپ چاپ بیٹھے یا کھڑے رہے۔ اس جو اس سال آدمی نے کرشی کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر شکن آگئے اور اس نے آنکھیں ذرا سی سکیریں جیسے کرشی کو غور سے دیکھ رہا ہو۔

یہی تاثر کرشی کے چہرے پر بھی آگیا تھا۔ وہ بھی جیسے اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جلدی ہی دونوں کے چہروں کا یہ تاثر حیرت میں بدل گیا جیسے انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا ہو۔ عورتیں ان تینوں سے قالینوں کے متعلق کچھ پوچھ رہی تھیں۔ کرشی بیٹھی بیٹھی پاؤں پر سر کی اور نہایت آہستہ آہستہ اس شخص کے قریب چلی گئی۔

ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں کوئی مختصر سی بات ہوئی اور کرشی اٹھ کھڑی ہوئی اور خواتین کے پاس آگئی۔ ان تینوں آدمیوں نے قالین لیٹنے شروع کر دیئے اور مجاہدین کی یہ خواتین اور کرشی وہاں سے چل دیں۔ کرشی نے شارینا کو اشارے سے الگ کیا اور اسے سرگوشیوں میں کچھ کہا۔ شارینا یوں سر ملاتی رہی جیسے کرشی کی بات سمجھ گئی ہو اور اسے یہ بات اچھی لگی ہو۔ یہ خواتین اپنے خیموں کی طرف چلی گئیں اور قالینوں والے قالین اٹھا کر مایوسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہو گئے۔

○

گھنٹے ڈیڑھ بعد کرشی قالینوں والے اس آدمی کے پاس کھڑی تھی جو سب سے زیادہ بولتا تھا اور اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ عقل و دانش والا آدمی ہے اور جماندیدہ بھی ہے۔ وہ دونوں ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کرشی چھپ چھپا کر وہاں تک پہنچی تھی۔ یہ وہی علاقہ تھا جو پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ وہاں ہری بھری ٹیکریاں تھیں اور درختوں کے جھنڈ اتنے گھنے تھے کہ وہاں قریب سے بھی کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اسی جگہ بارہ مجاہدین کو رومیوں نے اس طرح گھات لگا کر شہید کر دیا تھا کہ نہ ان رومیوں کے آنے کا پتہ چلا نہ یہاں سے جانے کا۔

کرشی اکیلی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ مجاہدین کی کوئی اور خاتون ہوتی تو کوئی اور بات تھی، کرشی کی حیثیت ایک قیدی کی سی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اس پر قیدیوں جیسی

پابندی نہیں تھی پھر بھی عورتوں کو بتایا گیا تھا کہ اسے اپنی نگرانی میں رکھیں۔ کرشی کے لئے اس خطرناک علاقے تک جانا صرف اس لئے ممکن ہوا تھا کہ اس نے شارینا کو ایک خاص بات بتا کر اعتماد میں لے لیا تھا اور شارینا نے یہ بات اپنے خاوند حدید کو بتادی تھی کرشی کو معلوم نہیں تھا کہ حدید چھپ چھپ کر اس کے پیچھے گیا تھا اور جب وہ اس آدمی کے پاس پہنچی تو حدید کچھ دور اوٹ میں زمین پر پیٹ کے مل لیٹا انہیں دیکھ رہا تھا۔ کرشی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

کرشی نے قالین دیکھتے دیکھتے جب اس آدمی کو دیکھا تھا تو اسے پہچان لیا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر کرشی نے شارینا کو الگ کر کے یہ بتایا تھا کہ وہ اس شخص کو جانتی ہے، کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہی ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق یہ شخص اُن پیشہ ور قاتلوں میں سے تھا جو دشمن کی بڑی شخصیتوں کو قتل کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

کرشی نے شارینا کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اُس گاؤں میں یہ مشن پورا کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنا ہے۔ اس سے پہلے اسے کسی اور مقام پر بھیجا گیا تھا اور یہ شخص اس کے ساتھ تھا لیکن وہاں مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکا اور مجاہدین کا لشکر وہاں سے آگے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد کرشی اس شخص سے الگ کر دی گئی تھی اور اسے معلوم نہیں تھا کہ اس آدمی کو کہاں بھیج دیا گیا ہے۔ کرشی کو اُس گاؤں میں منتقل کر دیا گیا تھا جہاں مصری بدو اسطافت ایک سالار کو قتل کرنے لگا تھا مگر خود مارا گیا۔

یہ سارا راز شارینا کو دے کر کرشی نے کہا تھا کہ وہ اس شخص سے ملے گی اور معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ یہاں تک کیا عزم لے کر آیا ہے یا اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔ شارینا نے حدید کو بتایا اور حدید نے یہ انتظام کیا تھا کہ کرشی اس آدمی سے ملے۔ کرشی نے قالین دیکھتے دیکھتے اس آدمی سے سرگوشی میں جو بات کی تھی وہ اسی ملاقات کا وقت اور جگہ کا تعین کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ کرشی نے اس آدمی کا نام انتھون بتایا تھا۔ اس قسم کے نام فرعونوں کے خاندان کے افراد کے ہوا کرتے تھے۔ یہ شخص مصری تھا اور اس کا مذہب عیسائیت تھا۔

”تم ان دشمنوں کے پاس کیسے پہنچ گئی ہو؟“ — انتھون نے کرشی سے پوچھا۔

”پکڑی گئی تھی“ — کرشی نے جواب دیا — ”سیموسن بھی میرے ساتھ ہے۔“

ہم ان کے قیدی ہیں لیکن ہمیں کچھ آزادی حاصل ہے اس لئے تم تک پہنچ گئی ہوں۔“
 سیمون وہ آدمی تھا جسے کرشی اپنا باپ ظاہر کرتی تھی لیکن وہ اس کا باپ نہیں تھا۔
 اختمون نے اس سے پوچھا کہ وہ پکڑے کس طرح گئے تھے؟.... کرشی نے اسے پوری
 تفصیل سے بتایا کہ اسے اس گاؤں میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنے یا کروانے
 کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایک مصری بدو مسلمانوں کے لشکر کے لئے رسد اکٹھی کرتا پھر تھا،
 اس کے جال میں ایسا آیا کہ وہ کسی نہ کسی سالار کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن عین
 اس وقت جب وہ سالار اس کے تیر کے نشانے میں تھا، وہ پکڑا گیا اور اس کے بعد کرشی
 بھی اور سیمون بھی پکڑے گئے۔

”میں کیسی گزر رہی ہے؟“ — اختمون نے پوچھا۔

”یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے!“ — کرشی نے جھوٹ بولا — ”مجھ جیسی لڑکی
 کسی کے ہاتھ چڑھ جائے تو کیا بغیر پوچھے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس کی کیسی گزر رہی
 ہے؟.... میری ہر رات کسی نہ کسی سالار کے خیمے میں گزرتی ہے۔ کچھ راتیں سپہ سالار
 کے خیمے میں گزارتی ہیں لیکن وہ بڑا محتاط آدمی ہے۔ کچھ دیر بعد خیمے سے نکال دیتا اور
 اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ میرے ارادوں میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ان کے
 سپہ سالار کے قتل کے لئے بے تاب اور بیقرار ہوں لیکن موقع نہیں ملتا۔ میں نے ان
 سب پر اپنا اعتماد جمارکھا ہے پھر بھی کسی سالار کے خیمے میں مجھے بلایا جاتا ہے تو پہلے میری
 جامہ تلاشی ہوتی ہے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں!.... یہ کام صرف تم کر سکتے ہو۔“

”لیکن اصل مسئلہ کون حل کرے گا؟“ — اختمون نے پوچھا — ”مجھے سپہ
 سالار کے خیمے تک کون پہنچائے گا؟ یہ میں نے دیکھ لیا ہے کہ باہر اسے قتل کرنا ناممکن
 ہے۔ میں نے اسے دور سے دیکھا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے محافظ گھوڑ سواروں کے
 حصار میں ہوتا ہے۔ آخر یہ طریقہ آزمایا کہ قالینوں کا تحفہ پیش کیا جائے، شاید اس طرح
 اس کے خیمے میں داخلے کا موقع نکل آئے لیکن یہ موقع بھی ممکن نظر نہیں آتا۔ ان
 لوگوں نے بتایا ہے کہ سپہ سالار کوئی تحفہ قبول نہیں کرتا اور اس کے خیمے میں کسی کو
 جانے کی اجازت نہیں۔“

”اگر تمہیں اس کے خیمے تک پہنچا دوں تو اسے قتل کس طرح کرو گے؟“ —
 کرشی نے پوچھا اور اسے خبردار کیا — ”قتل تو کر لو گے لیکن وہیں پکڑے جاؤ گے اور

مارے جاؤ گے۔“

”زیادہ امکان تو یہی ہے“ — اختمون نے کہا — ”لیکن میں بچ نکلنے کی صورت
 بھی پیدا کر سکتا ہوں۔ ہم دو آدمی قالین لے کر اس کے خیمے میں جائیں گے اور قالین
 زمین پر بچھا دیں گے۔ وہ دیکھنے کو جھکے گا یا نہ بھی جھکے تو پیچھے سے خنجروں کے وار کر کے
 نکل جائیں گے اور جب تک باہر والوں کو پتہ چلتا ہے کہ ان کا سپہ سالار خیمے میں قتل ہو
 گیا ہے ہم اس خیمہ گاہ سے دور نکل چکے ہوں گے اور آگے علاقہ ایسا ہے جہاں ہم یوں
 غائب ہو جائیں گے جیسے زمین نے ہمیں نگل لیا ہو۔ اگر پکڑے گئے تو ہم دونوں آدمی
 مرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں اتنا زیادہ معاوضہ دیا گیا ہے جسے تم ایک خزانہ کہہ سکتی ہو
 یہ ہماری آئندہ دو تین نسلوں کے لئے کافی ہو گا۔ یہ نہ بھی ہوا تو تم جانتی ہو کہ ہم مذہب
 کے جنونی ہیں۔ اسلام کا راستہ اپنی جائیں قربان کر کے روکنا ہے.... کو ہماری کچھ مدد کر
 سکتی ہو؟“

”کر سکتی ہوں“ — کرشی نے کہا — ”کل صبح جب سورج افق سے اوپر اٹھ رہا
 ہو گا تم ہمیں آجائیں تمہیں بتاؤں گی کہ راستہ صاف ہوا ہے یا نہیں.... یہ سوچ لو کہ
 میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی۔“

”ہمیں خیمے کے اندر تمہاری ضرورت بھی نہیں ہوگی“ — اختمون نے کہا —
 ”مجھے پوری امید ہے کہ اس راز کو اپنی ذات میں ہی دفن کر دوں گی۔“

جب سورج افق سے اوپر اٹھ رہا تھا کرشی اور اختمون اسی جگہ کھڑے تھے جہاں ان
 کی گزشتہ روز ملاقات ہوئی تھی۔ اس صبح کی ملاقات بہت ہی مختصر تھی۔ کرشی نے
 اختمون کو بتایا کہ آج وہ زیادہ دیر رک نہیں سکے گی اور صرف یہ بتانے آئی ہے کہ آج
 جب مسلمانوں کا لشکر ظہر کی نماز پڑھ چکے گا تو اختمون اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اسی
 جگہ پہنچ جائے جہاں وہ قالین لے کر آئے تھے۔ کرشی نے کہا کہ ان کے پاس قالین
 ہونے چاہئیں۔ وہاں انہیں ایک آدمی ملے گا جو انہیں اپنے ساتھ سپہ سالار کے خیمے تک
 پہنچا دے گا۔

”یہ انتظام تم نے کیسے کیا ہے؟“ — اختمون نے پوچھا۔
 ”مجھ جیسی لڑکی کیا نہیں کر سکتی!“ — کرشی نے کہا — ”میں نے رات سپہ سالار

کے خیمے میں گزاری ہے اور اسے بتایا کہ وہ مصر کے قالین کم از کم دیکھ ہی لے۔ وہ مان تو نہیں رہا تھا لیکن میں نے منوالیا اور اس نے اپنے ایک محافظ کو کہہ دیا کہ کل قالین والے آئیں تو انہیں اس کے خیمے میں پہنچا دیا جائے۔

اُسی روز ظہر کی نماز حسبِ معمول پورے لشکر نے باجماعت عمرو بن عاص کی امامت میں پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر عمرو بن عاص اپنے خیمے میں چلے گئے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ تین آدمی قالین زمین پر رکھے کھڑے تھے۔ عمرو بن عاص نے ان کی طرف توجہ نہ دی، صرف انہیں دیکھا۔

خیمے میں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد ایک محافظ خیمے میں داخل ہوا اور بتایا کہ قالینوں والے تینوں آدمی آگئے ہیں۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ انہیں اندر بھیج دیا جائے۔ محافظ باہر نکلا اور دو آدمی مصلوٰں کے سائز جتنے دو چار قالین اٹھائے خیمے میں داخل ہوئے۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ کھول کر دکھائیں۔

وہ آدمی قالین کھول کر زمین پر بچھانے لگے۔ ان کا تیسرا ساتھی خیمے کے باہر پہرے پر کھڑے محافظ کے پاس رکا رہا اور اس کے ساتھ اوہر اوہر کی باتیں کرنے لگا وہ اس محافظ کی توجہ خیمے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ خیمے کے اندر دونوں نے قالین کھول دیئے اور سپہ سالار عمرو بن عاص کھڑے ہو کر قالینوں کے ارد گرد آہستہ آہستہ ٹہلنے لگے۔

”ذرا جھک کر یا بیٹھ کر ان قالینوں کو قریب سے دیکھیں“ — اہتمون نے کہا — ”ہم یہ قالین بیچنے نہیں آئے، آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے آئے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی خزانہ نہیں جو آپ کو پیش کریں، یہی ہمارا ہنر ہے اور یہی لے آئے ہیں۔ ان رومیوں نے ہم پر فرعونوں کی طرح حکومت کی ہے۔ آپ تو ہمارے لئے رحمت کے فرشتے بن کر آئے ہیں۔“

عمرو بن عاص ایک قالین پر جھک گئے جیسے اسے بڑی غور سے دیکھ رہے ہوں۔ اہتمون آہستہ آہستہ ان کے عقب میں آگیا۔ اس کا دایاں ہاتھ کپڑوں کے اندر چلا گیا۔ یہ ہاتھ باہر آیا تو اس ہاتھ میں خنجر تھا۔ عمرو بن عاص کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔

خنجر اوپر اٹھا اور پیشتر اس کے کہ یہ عمرو بن عاص کی پیٹھ میں اترتا، عمرو بن عاص حیران کن تیزی سے جھکے جھکے پیچھے کو مڑے، سیدھے ہوئے اور جھپٹ کر اہتمون کے اوپر اٹھے ہوئے بازو کی کٹائی پکڑ لی اور اس قدر زور سے مروڑی کہ اس کے ہاتھ سے خنجر

نیچے گر پڑا اور اہتمون اتنا طاقتور جوان ہونے کے باوجود اس طرح بل کھا گیا کہ اس کی پیٹھ عمرو بن عاص کی طرف ہو گئی۔

اہتمون نے اپنے ساتھی سے کہا کہ نکالو خنجر، دیکھتے کیا ہوا!.... اس کا ساتھی اپنے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالنے لگا تو خیمے کے باہر کھڑا محافظ بڑی تیزی سے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تنگی تلوار تھی۔ وہ اس قدر پھرتا تھا کہ خیمے کے دروازے میں نظر آیا اور دوسرے لمحے اس کی تلوار کی نوک اہتمون کے ساتھی کے سینے میں چبھ رہی تھی۔ محافظ نے اسے خنجر پھینک دینے کو کہا تو اس نے بڑے اطمینان سے خنجر پھینک دیا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے شاید کوئی آواز پہلے ہی مقرر کر رکھی تھی جو انہوں نے منہ سے نکالی تو محافظ جو اسی آواز کی انتظار میں تھا، کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح خیمے میں آیا اور اس شخص کو اپنے قابو میں لے کر اسے ہتھ کر دیا۔ اہتمون عمرو بن عاص کے قابو میں تھا۔

ان کا تیسرا ساتھی جو باہر کھڑا تھا، اسے ابھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ خیمے کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے وہ خیمے کی طرف چلا تو دو محافظ مجاہدین نے پیچھے سے آکر اسے دو بوج لیا.... مجاہدین کے لشکر کے سپہ سالار کو قتل کرنے کی کوشش بُری طرح ناکام ہو گئی۔ کرشی نے ان تینوں کو پھانسنے کے لئے بڑا ہی خوبصورت پھندا تیار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا فرمائی۔ شارنا اور اس کے خاوند حدید نے اس کے ساتھ ایسا تعاون کیا تھا جس کے بغیر وہ کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عمرو بن عاص نے تمام سالاروں کو بلوایا۔ اہتمون اور اس کے ساتھیوں کو باہر لے گئے۔ تنگی تلواروں سے مسلح چار محافظ ان تینوں کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔

”اے خوش قسمت سپہ سالار!“ — اہتمون نے عمرو بن عاص سے کہا — ”ہم تمہیں قتل کرنے آئے تھے اور یہ قالین تو محض ایک بہانہ تھا۔ تیری خوش قسمتی اور ہماری بد بختی کہ ہم کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا کردار اور اخلاق بہت ہی بلند اور قابلِ تعریف ہے۔ میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بخشی کی درخواست نہیں کروں گا، صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں فوراً قتل کر داؤ۔ ہمیں اذیتیں

دے دے کر اور ترسانا کرنا مارنا۔“

سالاروں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ آج کیا ہونے والا ہے۔ وہ سپہ سالار کے بلاوے کے ہی منتظر تھے۔ اطلاع ملتے ہی دوڑے آئے۔ عمرو بن عاص نے انہیں بتایا کہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں فوراً قتل کر دیا جائے اور ایذا رسانی سے بچایا جائے۔ سالار یہ سن کر خاموش رہے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ ان تینوں کو سزائے موت ہی دی جائے گی لیکن عمرو بن عاص نے فیصلہ سنایا تو سب ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

”میں تمہیں معاف کرتا ہوں“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”تم مجھے قتل کرنے آئے نہیں بلکہ بھیجے گئے تھے۔ میں تمہیں یہاں بھیجنے والے کو قتل کراؤں گا۔ تم آزاد ہو۔ واپس جاؤ اور اپنے جرنیلوں اور بزنلیہ میں بیٹھے ہوئے اپنے بادشاہوں کو بتانا کہ مرد میدان میں آکر لڑا کرتے ہیں، یوں اپنے دشمن کو فریب کاری سے قتل کروانے کی کوشش عموماً شکست کا باعث بنا کرتی ہے۔ انہیں کہنا کہ سکندریہ کی دیواروں اور قلعوں بندیوں کی پناہ سے باہر آؤ اور لڑکر ہمیں یہاں سے پساکرو۔ تمہارے پاس اتنی زیادہ فوج ہے جس کے مقابلے میں میرا یہ لشکر کچھ بھی نہیں۔ آؤ اور اس چھوٹے سے لشکر کو کچل ڈالو۔“

”یقین نہیں آتا سپہ سالار!“ — اختمون نے کہا — ”تو ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے، ہمارا مذاق اڑا رہا ہے، ہم اسے جذباتی اذیت سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے کردار کی تو ہم نے کوئی اور ہی کہانیاں سنی تھیں۔ ہم قتل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ تیرے قتل کا عہد ہم نے یہ قبول کر کے کیا تھا کہ ہم زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔“

”اور میں عہد کر چکا ہوں کہ تم زندہ واپس جاؤ گے“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”تم نے ہمارے کردار کی جو کہانیاں سنی ہیں ان میں یہ کہانی سب سے زیادہ دلچسپ اور انوکھی ہوگی جو تم باقی عمر لوگوں کو سناتے پھرؤ گے۔“

اختمون اور اس کے ساتھی حیرت میں ڈوبتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے یقین آیا کہ سپہ سالار نے انہیں معاف کر دیا ہے۔

”مجھے صرف ایک بات بتادے اے سپہ سالار!“ — اختمون نے پوچھا — ”تجھے کس طرح پتہ چل گیا تھا کہ میں خنجر نکال رہا ہوں؟.... کیا ایسا تو نہیں کہ تجھے پہلے ہی علم

تھا کہ ہم تجھے قتل کرنے آرہے ہیں؟“

”کیا تم اس پر حیران نہیں ہوئے کہ ہم اتنے تھوڑے ہیں اور کتنی بڑی فوج سے مصر چھین لیا ہے؟“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”میرا تمہارے قاتلانہ حملے سے بچ نکلنا تو معمولی سی بات ہے۔ ہمیں اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اور جسے وہ زندہ رکھنا چاہتا ہے اس کا کوئی سبب پیدا کر ہی دیتا ہے۔ ہم کسی کو چوری چھپے قتل نہیں کیا کرتے۔“

”تو پھر یہ بھی سن لے اے خوش بخت سپہ سالار!“ — اختمون نے کہا — ”سکندریہ بھی تیرا ہے۔ ہمیں اسقف اعظم قیروس نے تیرے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہر قتل کی ایک بوہ مرتینا نے اسے پیغام بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کروادو تو اس کے لشکر کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ قیروس اور مصر کی فوج کے سب سے بڑے جرنیل تھیوڈور میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ دونوں کی نیوٹوں میں خاصا فرق پیدا ہو گیا ہے اور وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے۔ سکندریہ کے شہری اپنی فوج سے بیزار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔“

”کیا بزنلیہ سے کمک نہیں آ رہی؟“ — عمرو بن عاص نے پوچھا۔

”نہیں!“ — اختمون نے جواب دیا — ”بزنلیہ میں کچھ اور ہی چپقلش اور سازش چل رہی ہے جو سکندریہ پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔ سکندریہ میں تو تیرے ساتھ صلح کے معاہدے کی بات ہوتی ہے۔ اگر تو نے اتنے ہی چھوٹے سے لشکر سے بابلین اور کریون کے قلعے فتح کئے ہیں تو اسی لشکر سے تو سکندریہ بھی فتح کر لے گا۔“

سپہ سالار عمرو بن عاص نے حکم دیا کہ ان کے قالین انہیں دے دیئے جائیں اور انہیں واپس چلے جانے کی اجازت ہے۔ اختمون اصرار کرنے لگا کہ وہ قالین واپس نہیں لے جائیں گے لیکن عمرو بن عاص نے کہا کہ اسلام میں جان بخشی کی قیمت وصول کرنا گناہ ہے اور ہر وہ چیز اسلام میں حرام ہے جو مال غنیمت کے زمرے میں نہیں آتی۔ اگر قیروس یا تمہارا سب سے بڑا جرنیل یا تمہارا بادشاہ ملے آئے اور اپنے ساتھ کوئی تحفہ لائے تو وہ میں قبول کر سکتا ہوں، تمہارا کوئی تحفہ مجھ پر حرام ہے۔

محافظ دستے کے مجاہدین نے قالین خیمے سے نکلے اور ان تینوں کے حوالے کر دیئے۔ تینوں سر جھکائے ہوئے رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد عمرو بن عاص نے کرسی کو بلوایا۔ وہ آئی تو اسے بے ساختہ

اور بے دریغ خراج تحسین پیش کیا پھر پوچھا کہ وہ کیا انعام چاہتی ہے۔ اگر وہ آزاد ہونا چاہتی ہے تو اس کی یہ خواہش بھی پوری کی جاسکتی ہے۔

”نہیں قابل احترام سپہ سالار!“ — کرشنی نے کہا — ”میں اب آزاد نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے اسلام میں داخل کر لیا جائے اور اگر مجھے کوئی مسلمان قبول کر لے تو میں اس کے ساتھ شادی کر کے خوشی محسوس کروں گی لیکن میں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں ایک آبرو باختہ لڑکی ہوں۔ میرا خیال میں نے آپ کو قتل ہو جانے سے اس لئے بچایا ہے کہ میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی تھی۔“

”اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”ہماری عورتیں تمہیں اسلام سے ایسا روشناس کروائیں گی کہ تم اپنے آپ کو پاک باز عورت سمجھنے لگو گی۔ تمہاری شادی بھی کرا دی جائے گی۔“

○

اس سے اگلے روز یادو روز بعد کا واقعہ ہے کہ رومی فوج کا ایک دستہ شہر سے باہر نکلا۔ اس دستے کی نفری بھی کوئی زیادہ نہیں تھی لیکن اس سے پہلے جتنی نفری باہر آ کر واپس چلی جاتی تھی اس سے اس دستے کی نفری زیادہ تھی۔ تاریخ میں اس دستے کی نفری کا کوئی واضح ذکر نہیں، ایک دو اشاروں سے کچھ پتہ چلتا ہے کہ ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دستے کے کمانڈر نے مسلمانوں کو لٹکارا۔

سپہ سالار عمرو بن عاص نے اس دستے جتنی ہی نفری آگے کی لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ رومیوں کا انداز وہی پہلے والا ہے کہ وہ لڑنے کی بجائے مجاہدین کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔

”میں اپنا ایک ہمار آگے کرتا ہوں“ — رومیوں کے کمانڈر نے لٹکار کر کہا — ”تم اس کے مقابلے کے لئے اپنا کوئی ہمار آگے کرو۔“

کھلی لڑائی سے پہلے ذاتی مقابلے اس دور کی لڑائیوں کا ایک رواج تھا۔ مجاہدین کے سالار مسلمہ بن خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے چلے گئے۔ اُدھر سے ایک قوی ہیکل رومی گھوڑے پر سوار پہلے ہی دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمہ بن خالد کی ہماروں کے کارناموں میں بہت ہی مشہور تھے۔ وہ اس رومی کے مقابلے کو آگے بڑھے۔ دونوں کے پاس برپھیاں تھیں اور وہ ایک

دوسرے کو گھوڑے سے گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں وار کرتے بھی تھے اور وار بچاتے بھی تھے۔

پھر یوں ہوا کہ رومی بڑی ہی تیزی سے آیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کے گھوڑے آمنے سامنے سے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے۔ رومی نے طاقت سے بر چھی کا وار کیا جو مسلمہ نے بچالیا لیکن رومی کا گھوڑا مسلمہ کے گھوڑے کے پسلو سے اتنے قریب سے گزرا کہ مسلمہ نے آگے جھک کر بر چھی کا وار تو بچالیا لیکن رومی نے اپنے کندھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ مسلمہ گھوڑے سے نیچے آ پڑ۔ اور ان کے ہاتھ سے بر چھی چھوٹ گئی۔

رومی نے ذرا ہی آگے جا کر گھوڑا روکا، بڑی تیزی سے موڑا اور مسلمہ کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ مسلمہ جو اٹھ ہی رہے تھے، رومی کی بر چھی کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنے گھوڑے کے پسلو کی ایک طرف ہو کر وار بے کار کر دیا۔

مسلمہ نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھا تو رومی پھر واپس آیا اور اب کے تو اس کا گھوڑا بہت ہی تیز تھا۔ اس نے مسلمہ کو گھوڑے پر سوار ہونے کی مہلت نہ دی اور بر چھی بلند کر کے پوری طاقت سے ماری۔ مسلمہ نے رکاب سے پاؤں نکالا اور بیٹھ گئے۔ اس طرح رومی کی بر چھی انہیں گلنے کی بجائے گھوڑے کے پسلو میں لگی اور گھوڑا بھاگ اٹھا۔ مسلمہ اب پیادہ ہو گئے۔

مسلمہ کی بر چھی یہ واہ بچاتے ایک بار پھر گر پڑی۔ اب کے رومی پیچھے کو مڑا تو صاف نظر آنے لگا کہ وہ مسلمہ کو بر چھی کی آبی پر لے لے گیا اپنے گھوڑے تلے روند ڈالے گا۔ اس وقت ایک مجاہد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مسلمہ کو بچانے کے لئے سرپٹ گھوڑا دوڑا دیا۔ پیشتر اس کے کہ رومی مسلمہ تک پہنچتا مجاہد پہنچ گیا اور اس نے بر چھی کے پہلے وار سے ہی رومی کو گھوڑے پر اوندھا کر دیا۔ مجاہد کی بر چھی رومی کے پیٹ میں اتر گئی اور اس کی آبی پیٹھ کی طرف سے باہر آ گئی تھی۔ مسلمہ اٹھے اور ندامت کے سے عالم میں اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کے چہرے پر ناراضگی اور غصے کا گہرا اثر آ گیا۔ انہیں مسلمہ سے ایسی شکست کی امید نہ تھی۔ مسلمہ سر جھکائے ہوئے

کہ حملہ بعد از نماز جمعہ کیا جائے اور دعا بھی کی جائے، یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا ہوتا ہے۔

نماز جمعہ کا وقت آیا تو پورے لشکر نے نماز پڑھی۔ خطبے میں عمرو بن عاص نے لشکر کو امیر المومنین کے پیغام کے یہ الفاظ ایک بار پھر سنائے کہ تم میں وہ پہلے والا جذبہ نہیں رہا اور شہادت کی تڑپ بھی نہیں رہی اور تمہیں وہ جگہ پسند آگئی ہے اور وہیں کے ہو کے رہ گئے ہو۔ عمرو بن عاص نے لشکر سے کہا کہ آج ہمیں امیر المومنین کا یہ شبہ رفع کرنا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا ہے۔

لشکر میں جوش و خروش تو وہی تھا جو پہلے بھی ہوا کرتا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن ہند دروازوں والے قلعے پر یلغار خود کشی کے برابر تھی۔ سکندر یہ کے دفاع کی بات ہی کچھ اور تھی۔ سالاروں کو سپہ سالار نے ضروری ہدایات اور احکام پہلے ہی دے دیئے تھے۔ لشکر ہر طرح تیار تھا۔

اللہ نے مجاہدین کے لئے پہلی سہولت یہ مہیا کر دی کہ نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ رومی فوج باہر آگئی۔ اُس روز ان کی اچھی خاصی زیادہ نفری باہر آئی تھی۔ ان کی للکار سے پتہ چلتا تھا کہ آج وہ لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔

تاریخ میں ابن الحکم اور علامہ بلاذری کے حوالے سے یہ بات بھی آئی ہے کہ شہر کی اس طرف والی دیوار پر اس قدر آدمی کھڑے کر دیئے گئے تھے کہ ایک ہجوم تھا جس نے انسانی دیوار کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی جرنیلوں نے شہر کے لوگوں کو دیوار پر کھڑا کر دیا تھا اور ان میں عورتیں بھی تھیں اور عورتوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے چہرے باہر کی طرف نہ رکھیں بلکہ پیٹھ باہر کو رکھیں تاکہ مسلمانوں کو یہ یقین ہو کہ یہ عورتیں نہیں بلکہ مرد ہیں۔ یہ ہجوم دراصل مجاہدین کو ڈرانے کے لئے دیوار پر کھڑا کیا گیا تھا کہ دیکھ لو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تم یہ شہر فتح نہیں کر سکتے۔

سپہ سالار عمرو بن عاص کے حکم سے ایک بلند آواز مجاہد آگے چلا گیا اور اس نے بڑی ہی بلند آواز سے رومیوں سے کہا کہ ہم تعداد سے ڈرنے والے نہیں، اگر ہم جنگی طاقت اور تعداد سے ڈر جاتے تو مصر میں داخل ہی نہ ہوتے.... یہ مجاہد واپس آگیا۔ عمرو بن عاص نے بلند آواز سے اپنے لشکر سے کہا کہ تعداد سے نہ ڈرو، لڑنے والے یوں اچھی حرکتوں اور باتوں سے ڈرایا نہیں کرتے وہ لڑا کرتے ہیں۔ ان رومیوں کے اس

سپہ سالار کے قریب پہنچے۔

مسلمان مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے عمرو بن عاص نے مسلمہ سے کہا — ”تم جیسا شخص جو عورتوں کی خصلت رکھتا ہو اسے مردانہ کاموں میں دخل دینے کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟“

تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمہ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے، انہوں نے قہر اور غضب سے سپہ سالار کی طرف دیکھا لیکن وہ غصہ پی گئے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ رومی دیوار سے کچھ زیادہ آگے آگئے تھے۔ عمرو بن عاص نے حملے کا حکم دے دیا۔ سالاروں کو انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حملہ کس طرح کرنا ہے جس میں سب سے اہم ہدایت یہ تھی کہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرنی ہے لیکن رومی جو لڑنے کے لئے آگے آئے تھے وہ ایسا خطرہ مول لینے والے نہیں تھے کہ شہر کا دروازہ مجاہدین اسلام کے لئے کھلا چھوڑ دیتے۔ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ کچھ زیادہ نفری دروازے کے آگے کر دی اور دروازہ کھلا رہنے دیا۔

دیوار پر زیادہ خطرناک چیز مینجینتیس تھیں لیکن مسلمان اتنا آگے چلے گئے تھے جہاں مینجینتیس اوپر سے نیچے کی طرف سنگ باری نہیں کر سکتی تھیں۔ رومی تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں تو پھینکیں لیکن دونوں طرف کے آدمی اس طرح گنڈم ہو گئے تھے کہ تیر اندازی رک گئی۔ یہ اس لئے بھی رکی کہ مسلمان تیر اندازوں نے دیوار پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

رومیوں کا انداز یہ تھا کہ وہ پیچھے ہی ہٹتے جا رہے تھے اور مجاہدین کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کے اُس پہلو پر چلے جائیں جس پہلو پر شہر کا دروازہ تھا۔ سالاروں کی للکاری تھی کہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ معرکہ بڑا ہی گھمسان کا تھا لیکن رومی پیچھے ہٹتے ہٹتے شہر کے اندر جاتے رہے۔ ان کا جانی نقصان تو اچھا خاصا ہوا لیکن وہ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور کوئی ایک بھی مجاہد ان کے پیچھے دروازے تک نہ پہنچ سکا پھر دروازہ بند ہو گیا۔ مجاہدین کو واپس آنا پڑا۔

آخر جمعۃ المبارک کی صبح طلوع ہوئی۔ مجاہدین نے اپنے سپہ سالار کی امامت میں نماز فجر ادا کی اور سپہ سالار نے لشکر کو بتایا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے پیغام میں لکھا تھا

مظاہرے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ خود ڈرے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم آج ہم قلعے میں داخل ہو ہی جائیں گے۔

اس کے فوراً بعد سپہ سالار نے بڑی تیز اور شدید یلغار کا حکم دے دیا۔ رومیوں نے دیوار پر شہریوں کے ہجوم کو اکٹھا کر کے بڑی ہی حماقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جب مجاہدین نے ہلہ بولنا تو دیوار کے تیر اندازوں اور منجیقوں کا جو خطرہ تھا وہ اس طرح کم ہو گیا کہ ان کا اپنا ہی ہجوم ان کے لئے رکاوٹ بن گیا۔ تیروں اور پتھروں سے بچنے کے لئے مجاہدین نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ بڑی ہی تیزی سے رومیوں پر بھجپٹ پڑے۔ لڑائی کی صورت ایسی پیدا ہو گئی کہ کسی بھی منجیق کو کوئی ایک پتھر بھی نہ آیا اور تیر اندازی بھی خاصی کم رہی کیونکہ ان کے اپنے ہی فوجی زد میں آتے تھے۔

اُس روز واقعی رومی لڑنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ وہ یہ احساس بھی رکھتے تھے کہ سکندریہ گیا تو پورا مصر گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ فوج کو شراب پلا کر باہر بھیجا گیا تھا۔ بہر حال فوج پورے جذبے اور جوش سے لڑ رہی تھی۔ مجاہدین کو عمرو بن عاص نے بڑی مہارت سے اپنے کنٹرول میں رکھا ہوا تھا تاکہ جس چال اور ترتیب سے وہ حملہ کرنا چاہتے تھے اس میں ذرا سی بھی گڑبڑ نہ ہو۔ کوشش یہ تھی کہ قلعے میں داخل ہوا جائے۔ اس کا مجاہدین کو خاصا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ مجاہدین کا زیادہ دباؤ رومیوں کے اس پہلو پر تھا جس پہلو پر صدر دروازہ تھا۔

دروازے تو اور بھی تھے لیکن ابھی رومی فوج ان کے آگے حائل تھی۔ عمرو بن عاص نے دوسرے پہلو پر حملہ کروا دیا۔ اس طرح رومی پہلوؤں کی طرف سے سکتے گئے اور ایک گھنے ہجوم کی صورت اختیار کر گئے۔ ان کے پیادے گھوڑ سواروں کی پلیٹ میں آنے لگے اور ان میں جو گر پڑا تھا وہ گھوڑوں کے قدموں تلے پکلا جاتا تھا۔ سپہ سالار نے رومیوں کو اور زیادہ بے حال اور مجبور کرنے کے لئے اپنے محفوظہ کے دستوں میں سے ایک دستہ آگے کر دیا کہ وہ سامنے کے رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ دائیں بائیں سے تو رومیوں پر خاصا دباؤ پڑ رہا تھا۔

اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ رومیوں کی چیخ و پکار نے اندر والوں کو مجبور کر دیا کہ اس طرف کے بھی دروازے کھول دیں۔ اُس وقت رومیوں کی دراصل ضرورت یہ تھی کہ اندر سے مزید فوج باہر بھیجی جائے جو مجاہدین کو پسپا کر دے لیکن دروازے کھولے تو گھوڑ

سوار رومی اندر جانے لگے۔ اس طرح انہوں نے اندر سے آنے والوں کا راستہ روک لیا۔ مجاہدین اس قدر دیوار کے قریب چلے گئے تھے کہ اوپر سے تیر آتے تو ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ سپہ سالار نے اپنے تیر اندازوں کو ایسے مقام پر مورچہ بند کر دیا تھا جہاں سے ان کے تیر بڑی آسانی سے دیوار پر پہنچ جاتے تھے اور رومی تیر انداز اور منجیقوں کے آدمی زخمی ہو ہو کر وہاں سے ہٹ رہے تھے۔

اس خونریز معرکے میں ذاتی شجاعت کے بڑے ہی کارنامے ہوئے۔ اُس روز مجاہدین کا جوش و خروش انتہا سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ وہ طویل محاصرے سے تنگ آئے ہوئے تھے اور پھر امیر المومنین نے ان کی نیٹوں پر ٹنک کا اظہار کیا تھا۔ ان میں کچھ اس قسم کا احساس پایا جاتا تھا کہ امیر المومنین ناراض ہیں تو سمجھو اللہ بھی ناراض ہے۔

تمام سالار پوری حاضر دماغی سے کام لے رہے تھے۔ اُس وقت تک انہیں رومیوں کی کمزوری کا پتہ چل چکا تھا۔ آخر رومی اپنی جائیں بچانے کے لئے لڑنے لگے اور اس کے ساتھ ہی وہ کھلے دروازوں سے اندر جانے لگے۔ رومی اس قدر خوف زدہ ہو چکے تھے کہ انہیں صدر دروازہ بند کرنے کی بھی ہوش نہ رہی۔ ایک تو ان کی ضرورت تھی کہ یہ دروازہ کھلا رہے کیونکہ باہر کے فوجی اندر جا رہے تھے اور اندر سے فوجی باہر آنے کی کوشش میں تھے۔

اس ہڑونگ اور خونریزی میں مجاہدین قلعے میں داخل ہو گئے۔ قلعے میں داخل ہونے والوں میں سپہ سالار عمرو بن عاص بھی تھے اور مسلمہ بن مخلد بھی۔ مجاہدین نے جب دیکھا کہ ان کے سپہ سالار اور سالار بھی قلعے میں چلے گئے ہیں تو انہوں نے بڑا ہی زوردار ہلہ بولا اور قلعے میں داخل ہو گئے۔ وہ اس خطرے کے پیش نظر جانوں کی بازی لگا کر قلعے میں داخل ہوئے تھے کہ ان کے سپہ سالار اور ایک دو سالار اندر چلے گئے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ رومی انہیں گھیر کر کاٹ چکے ہیں گے۔

یہ خبر تمام تر لشکر میں پھیل گئی کہ سپہ سالار قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے مجاہدین کے جوش و خروش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان سالاروں کو جو ابھی باہر تھے یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ سپہ سالار اور جو سالار اندر چلے گئے ہیں زندہ پکڑے جائیں گے۔ مجاہدین پکڑے جانے کی بجائے جائیں دے دینا بہتر سمجھتے تھے۔ سپہ سالار کا زندہ گرفتار ہو جانا پورے لشکر کے لئے بڑا ہی نقصان دہ تھا۔

مسلمانوں کے ہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ کمائڈر پکڑا جاتا تو پورا لشکر بھاگ اٹھتا۔ مسلمانوں کا انداز اور طور طریقہ یہ تھا کہ سپہ سالار کے شدید زخمی یا شہید ہو جانے کی صورت میں کوئی دوسرا سالار کمان لے لیتا اور لشکر کی قیادت میں ذرا سا بھی فرق نہیں آتا تھا۔ پھر بھی عمرو بن عاص جیسے سپہ سالار کا دشمن کے ہاتھ چڑھ جانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ تاہم مجاہدین پر اس کا یہ اثر نظر آیا کہ جہاں جہاں سپہ سالار کے اندر چلے جانے کی خبر پہنچی اور ساتھ یہ خطرہ محسوس ہوا کہ وہ زندہ نہ پکڑے جائیں، مجاہدین کا جوش و خروش اس قدر زیادہ ہو گیا جیسے وہ ان دیواروں کو ہاتھوں سے گرا کر اندر چلے جائیں گے اور اپنے سپہ سالار کو زندہ و سلامت دیکھیں گے۔

مجاہدین اسی جوش و خروش سے اندر گئے تو یوں لگتا جیسے خاک و خون کا طوفان آ گیا ہو۔ ان کے سامنے جو آیا وہ کٹ کر گرا اور تڑپنے لگا لیکن اندر رومی فوج کی تعداد مجاہدین کی نسبت بہت ہی زیادہ تھی۔ جرنیلوں نے اپنے فوجیوں کو ایسا بھڑکایا اور گرمایا کہ رومی بھی جوش اور بڑے ہی مضبوط حوصلے کے ساتھ مجاہدین پر بچھٹ پڑے۔ جرنیل لگا کر رہے تھے کہ یہ بہت ہی تھوڑے ہیں، انہیں گھیر کر ختم کر دو۔

شہر کی عورتیں بھی اپنے فوجیوں کو لگا کر اور گرمایا تھیں۔ پھریوں ہوا کہ رومیوں نے تمام دروازے بند کر دیئے۔ مجاہدین کی بیشتر نفری باہر ہی رہ گئی۔ تاریخ اس معرکے کو یوں بیان کرتی ہے کہ اندر والے مجاہدین لڑ رہے تھے اور دروازوں کی طرف اس لئے ہٹ رہے تھے کہ دروازہ پھر کھول دیں۔

تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ ایک دروازہ کس طرح کھل گیا۔ توقع تو یہ تھی کہ اس دروازے سے مجاہدین اندر چلے جائیں گے لیکن اس دروازے پر اتنے زیادہ رومی تھے کہ باہر سے کوئی اور مجاہد اندر نہ جاسکا بلکہ اندر والے مجاہدین پر اتنا دباؤ پڑا کہ اس دروازے سے باہر آ گئے اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔

○

غیر مسلم مؤرخوں نے جن میں بیشتر خاص طور پر قاتل ذکر ہے اور تمام مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مجاہدین تو باہر آ گئے لیکن چار مجاہدین اندر ہی رہے۔ ان میں سپہ سالار عمرو بن عاص تھے اور سالار مسلمہ بن مخلد بھی تھے اور دوسرے دو مجاہدین تھے۔ یہ چاروں ایسی دیوانگی کے عالم میں لڑ رہے تھے کہ کوئی بھی رومی ان کے قریب آنے کی

جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ عمرو بن عاص کو کوئی رومی نہیں پہچانتا تھا۔ کسی رومی جرنیل کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان چار مجاہدین میں ایک سپہ سالار عمرو بن عاص ہے اور ایک اور سالار بھی ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا تو وہ جائیں لڑا کر ان دونوں سالاروں کو زندہ پکڑ لیتے اور پھر صلح کی اپنی شرائط مسلط کرتے۔

استقب اعظم قیرس نے تو عمرو بن عاص کو قتل کروانے کے لئے خزانہ لٹا دیا تھا۔ اگر عمرو بن عاص اس کے ہاتھ چڑھ جاتے یا اسے معلوم ہوتا کہ ان چاروں میں یہ شخص عمرو بن عاص ہے تو وہ انہیں فوراً قتل کروا دیتا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ سپہ سالار ختم ہو جائے تو اس قبیل سے لشکر سے مصر چند دنوں میں واپس لیا جاسکتا ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ روم کے حکمران حلقوں میں عمرو بن عاص ایک دہشت کا نام بن گیا تھا۔

یہ بھی اللہ کی مدد تھی کہ عمرو بن عاص کو وہاں کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ یہ چاروں لڑتے رہے اور رومی انہیں عام سی قسم کے یا سپاہیوں کی حیثیت کے مجاہد سمجھتے رہے۔ رومیوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ قلعہ محفوظ ہے اور مسلمانوں کو باہر دھکیل دیا گیا اور دیواروں سے تیر انداز انہیں اور دور ہٹا چکے ہیں تو رومی ہنسی مذاق کے موڈ میں آ گئے۔

اتنی بڑی فوج کے لئے چار آدمیوں کو پکڑنا یا تلواروں اور برہمیوں سے مار ڈالنا کوئی بڑی بات تھی ہی نہیں۔ چاروں اس طرح لڑ رہے تھے کہ انہوں نے تیسہیں جوڑی ہوئی تھیں اور رومی فوجی انہیں گھیرے میں لئے ہوئے آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے تھے۔ کسی طرف سے بھی ان پر کوئی وار کار کر نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب جانتے تھے کہ ان چاروں کو آخر مرنا ہے۔ اگر تلواروں اور برہمیوں سے یہ گھائل نہیں ہوتے تو ذرا دور سے ان پر ہر طرف سے تیر چلائے جائیں گے اور یہ ڈھیر ہو جائیں گے لیکن ایک جرنیل کو کوئی اور ہی خیال آ گیا۔

اس جرنیل نے اپنے ان آدمیوں کو پیچھے ہٹ آنے کا حکم دیا جو ان چاروں کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب صورت یہ تھی کہ یہ چاروں اکٹھے کھڑے تھے اور ذرا دور ہٹ کر فوجی اور شہری دائرے میں یوں کھڑے تھے جیسے تماشائی دنگل دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

”ٹھہر جاؤ!“ — یہ جرنیل ان مسلمانوں کے قریب آیا اور بولا — ”تمہارے لشکر نے ہمارے کچھ آدمی قید کر لئے ہیں۔ ہم تمہیں دیوار پر لے چلتے ہیں۔ وہاں سے اپنے

سپہ سالار سے کہو کہ وہ ہمارے آدمیوں کو چھوڑ دے اور ہم تم چاروں کو عزت سے رخصت کر دیں گے۔

عمرو بن عاص نے اپنا چہرہ اس طرح چھپا لیا تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ انہیں کسی نے پہچانا نہیں۔ انہوں نے جرنیل کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔

”ہم کسی شرط پر ہتھیار نہیں ڈالا کرتے“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”ہم جانیں دے دیتے ہیں اور اللہ کے حضور سرخرو ہو جاتے ہیں۔ اگر تم اسے بہادری سمجھتے ہو کہ پوری فوج چار آدمیوں کو قتل کرنے کی کوشش میں لگادی جائے تو ہم اصل بہادری دکھائیں گے۔ تمہاری پوری فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے جانیں دیں گے۔“

یہ جرنیل رومی تھا اور رومی بلا شک و شبہ جنگجو قوم تھی۔ عمرو بن عاص کی اس بات نے اس کے دل پر بڑا ہی گہرا اثر کیا۔ اس نے یقیناً ”محسوس کیا ہو گا کہ یہ کوئی بہادری نہیں کہ چار آدمیوں کو پکڑنے یا مارنے کے لئے اس نے پوری فوج کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

”پھر میری ایک شرط مان لو“ — جرنیل نے کہا — ”میں ایک آدمی باہر نکالتا ہوں اور تم میں سے کوئی آدمی اس کا مقابلہ کرو۔ اگر میرے آدمی نے تمہارے آدمی کو مار دیا تو پھر ہم باقی تینوں کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں گے اور اگر تمہارے آدمی نے میرے آدمی کو مار ڈالا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں قلعے سے نکال دوں گا“ تم آزاد ہو گے۔“

چاروں نے یہ شرط مان لی اور کہا کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ قوی ہو، شہسوار اور مانا ہوا بہادر ہے اسے سامنے لاؤ۔

جرنیل گیا اور مقابلے کے لئے کسی کو منتخب کرنے لگا۔ ادھر مسلمہ بن مخلد نے عمرو بن عاص سے کہا کہ وہ اس رومی کا مقابلہ کریں گے.... عمرو بن عاص اور مسلمہ بن مخلد کے درمیان جو مختصر سا مکالمہ ہوا وہ تاریخ کے دامن میں لفظ بہ لفظ آج تک محفوظ ہے۔ وہ یوں ہے:

”سوچ لو مسلمہ!“ — عمرو بن عاص نے کہا — ”تم پہلے بھی شرمسار کرا چکے ہو۔ ایک رومی نے تمہیں گھوڑے سے گرا دیا تھا۔ ایک مجاہد نے تمہیں بچا لیا، اب پھر تم

مقابلے کے لئے اترنا چاہتے ہو!“

”میرے محترم سپہ سالار!“ — مسلمہ نے کہا — ”میں اپنی اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میں مارا گیا تو مجھے بخش دینا لیکن مجھے اس موقع سے محروم نہ کریں۔“ دراصل عمرو بن عاص خود رومی کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمہ بن مخلد نے ایسے انداز سے اپنے ارادے کا اظہار کیا کہ عمرو بن عاص خاموش ہو گئے اور انہیں لڑنے کی اجازت دے دی۔

اُدھر سے جو رومی مقابلے کے لئے نکلا وہ خود تو قوی ہو بلکہ تھا ہی لیکن اس کا جنگلی گھوڑا اتنا زبردست تھا جیسے اس کے قابو میں ہی نہ آ رہا ہو۔ وہ جب چلتا اور دوڑتا تھا تو زمین ہلٹی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں برچھی تھی لیکن مسلمہ بن مخلد کے پاس تلوار تھی۔ برچھی اور تلوار کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ مسلمہ اللہ کا نام لے کر اس کے مقابلے کو نکل گئے۔

دونوں گھوڑے کچھ دور چلے گئے، رکے اور پیچھے کو مڑے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑائے۔ رومی نے برچھی آگے کر رکھی تھی۔ مسلمہ نے تلوار تانی ہوئی تھی لیکن پیشتر اس کے کہ تلوار برچھی والے کے جسم تک پہنچ سکتی برچھی تلوار والے کے جسم میں داخل ہو چکی ہوتی۔ وہاں تو کوئی کار آمد پیشتر ہی کام آ سکتا تھا یا اللہ کا خاص کرم مطلوب تھا۔

گھوڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب آئے تو مسلمہ ایک لخت بائیں کوبوں جھک گئے جیسے گھوڑے سے گرنے لگے ہوں۔ اس سے یہ ہوا کہ رومی کی برچھی جس کا نشانہ مسلمہ کا سینہ یا پیٹ ہو سکتا تھا ان کے جسم کے اوپر سے گزر گئی۔

مسلمہ نے فوراً ”گھوڑے کی بائیں کھنچیں اور اسے روک لیا۔ وہیں سے پیچھے کو موڑا۔ رومی ابھی گھوڑے کو روک رہا تھا۔ اسے بھی پیچھے کو مڑنا تھا لیکن مسلمہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا بے حد تیز ہو گیا۔ پیشتر اس کے کہ رومی اپنا گھوڑا پوری طرح موڑ چکا تھا اور دوڑاتا، مسلمہ اس تک پہنچ چکے تھے۔ اس نے مسلمہ کو دیکھ لیا۔ انہیں مارنے کے لئے برچھی اوپر اٹھائی ہی تھی کہ مسلمہ کی تلوار برچھی کی طرح اٹھے ہوئے بازو کے نیچے رومی کی بغل میں اتنی زور سے اتری کہ سینے کے اندر چلی گئی۔ رومی کا وہ بازو نیچے ہوا اور ہاتھ سے برچھی چھوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ مسلمہ ذرا آگے جا

کر گھوڑے کو پھر اسی تیزی سے موڑ لائے۔ رومی ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ مسلہؓ کی تلوار برچھی کی ہی طرح اس کی پیٹھ میں اتر گئی۔

مسلہؓ نے اب کے گھوڑا ذرا چکر میں لے جا کر موڑا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے رومی کو مار لیا ہے۔ رومی کی حالت اب یہ تھی کہ وہ دائیں طرف کو جھک گیا تھا اور جس بازو کی طرف تلوار سینے میں اتری تھی وہ بازو بے جان سا ہو کر نیچے لٹک رہا تھا۔ مسلہؓ نے سامنے سے آکر اس بازو والے کندھے پر اتنی زور سے تلوار کھار کیا کہ بازو آدھے سے زیادہ کٹ کر جسم سے الگ ہو گیا لیکن کندھے کے ساتھ لٹکتا رہا۔ مسلہؓ نے فاتحانہ انداز سے گھوڑا تماشاویوں کے قریب لے جا کر چکر میں موڑا اور چکر پورا کیا۔ رومی گھوڑے سے گر پڑا تھا اور اس کا ایک پاؤں رکاب میں آگے چلے جانے کی وجہ سے رکاب میں پھنسا رہا اور گھوڑا آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسے گھسیٹا رہا۔ مسلہؓ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے پیچھے سے آکر رومی کے گھوڑے کی پیٹھ میں تلوار زور سے چھوئی تو گھوڑا بدک کر دوڑنے لگا اور مرتے ہوئے رومی کو گھسیٹا پھرا۔

مسلہؓ بن مغلہ نے مقابلہ جیت لیا تھا۔ یہ خاص طور پر پیش نظر رکھنے والی بات ہے کہ یہ گھوڑا مسلہؓ کا اپنا نہیں تھا۔ وہ تو پیادہ قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ رومی جرنیل نے انہیں کہا تھا کہ وہ اپنے لئے گھوڑا خود منتخب کر لیں جو انہوں نے کر لیا تھا۔ وہ اس گھوڑے کے لئے اور گھوڑا ان کے لئے اجنبی تھا۔ گھوڑا اپنا ہو تو وہ اپنے سوار کے اشارے بھی سمجھتا ہے لیکن مسلہؓ نے اس اجنبی گھوڑے کو بھی ایسا قابو میں رکھا کہ ان کے اشاروں پر چلتا رہا۔

عمروؓ بن عاص اور ان کے ساتھی میدان میں آئے۔ ادھر سے مقابلہ کرانے والا جرنیل آیا۔ عمروؓ بن عاص کو توقع نہیں تھی کہ رومی جرنیل اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اس نے اپنے لوگوں کو اور فوج کو تماشا دکھانا تھا جو وہ دکھا چکا تھا۔

”اے روم کے جرنیل!“ — عمروؓ بن عاص نے کہا — ”تم ایک جنگجو قوم کے جرنیل ہو اور جنگجو قوم وعدہ خلافی نہیں کیا کرتی۔ کیا تمہارے وعدے کے مطابق ہم آزاد ہیں؟“

”ہاں!“ — جرنیل نے کہا — ”میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں تمہاری بہادری کا قائل ہو گیا ہوں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔“

مسلہؓ بن مغلہ گھوڑے سے اتر آئے تھے۔ چاروں چل پڑے۔ رومی جرنیل نے انہیں روک کر مسلہؓ سے کہا کہ یہ گھوڑا اپنے ساتھ لیتے جاؤ، اسے انعام سمجھنا۔

”نہیں روم کے جرنیل!“ — مسلہؓ نے کہا — ”ہم یوں کسی سے انعام وصول نہیں کیا کرتے۔ ہم لڑتے ہیں اور دشمن کے گھوڑے اور مال غنیمت خود ہی لے لیا کرتے ہیں۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میری قدر کی۔“

تماشاویوں نے ان چاروں کو جانے کا راستہ دے دیا۔ چاروں باہر نکلے تو کچھ دور جا کر عمروؓ بن عاص رک گئے اور بے اختیار مسلہؓ بن مغلہ کو گلے لگا لیا۔

”مسلہؓ!“ — عمروؓ بن عاص نے کہا — ”تم وہ مقابلہ ہارے تھے تو میں نے تم پر طنز کی تھی۔ آج تم نے میری وہ ناراضگی دھوڑالی ہے۔ مجھے ایسے گلے نہیں کسنے چاہئیں تھے۔ میں نے زندگی میں تین غلطیاں کی ہیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں جب میں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور تیسری غلطی یہ کہ تم جیسے بہادر پر طنز کی تھی۔ خدا کی قسم، اب ایسی چوتھی غلطی نہیں کروں گا۔“

قلعے سے کچھ دور مجاہدین کا لشکر بے تاب تھا اور اس بے تابی میں پریشانی کا عنصر زیادہ تھا۔ لشکر کی قیادت ایک اور سالار نے سنبھال لی تھی لیکن ان کے سامنے سب سے بڑا اور پیچیدہ مسئلہ یہ تھا کہ قلعے پر ایک بار پھر یلغار کی جائے یا انتظار کیا جائے۔ سارے لشکر کو توقع یہی تھی کہ سپہ سالار، مسلہؓ بن مغلہ اور دونوں مجاہدین پکڑے گئے اور قتل بھی کئے جا چکے ہوں گے۔ انہوں نے جب ان چاروں کو قلعے سے آتے دیکھا تو سب حیرت زدہ ہو کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگے جیسے انہیں کوئی نظری دھوکہ ہو رہا ہو۔ چاروں لشکر کے قریب آئے تو لشکر سے بے ساختہ تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔

”اسلام کے پاس بانو!“ — عمروؓ بن عاص نے بڑی ہی بلند اور جوشیلی آواز میں لشکر سے کہا — ”سکندر یہ ہمارا ہے۔ دو چار روز پہلے اللہ نے مجھے قاتلوں سے بچایا اور اب ہم قلعے کے اندر پھنس گئے تو بھی اللہ نے ہمیں زندہ و سلامت باہر نکال دیا ہے۔ یہ اللہ کے اشارے ہیں۔ مجھے اللہ نے سکندرؓ کی فتح کا فرض سونپ کر زندگی عطا فرمائی ہے۔“ اس کے فوراً بعد عمروؓ بن عاص نے سالاروں کو اپنے خیمے میں لے جا کر سکندرؓ پر ایک اور یلغار کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب مزید انتظار نہیں کیا جائے گا۔

رویکا چینی چلائی مرتبتا کے پاس گئی اور کہا کہ اس کا بچہ غائب ہو گیا ہے مرتبتا نے اسی وقت تمام ملازموں سے کہا کہ بچے کو فوراً ڈھونڈا جائے۔ رات کا وقت تھا۔ مرتبتا نے کسی ملازم کو سونے نہ دیا۔ ملازم بچہ کہاں ڈھونڈتے، حکم کی تعمیل میں وہ ویسے ہی ادھر ادھر بھاگتے دوڑتے رہے۔

صبح طلوع ہوئی ہی تھی کہ رویکا جادو گرنی کے پاس جا پہنچی۔ یہ رویکا ہی تھی جس نے جادو گرنی کو مرتبتا سے متعارف کروایا اور اسے یقین دلایا تھا کہ جادو گرنی کا جادو معجزے کر کے دکھا سکتا ہے۔ رویکا دوڑی دوڑی جادو گرنی کے پاس پہنچی اور روتے چیتے اسے کہا کہ اسے جو بچہ اس کے جادو کے اثر سے ملا تھا وہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ جادو گرنی نے اپنا شیشے کا گولہ سامنے رکھ کر اٹنی سیدھی حرکتیں کیں اور گولے میں جھانکا پھر بولی کہ بچہ مل جائے گا لیکن کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا، بچہ زندہ ہے۔

جادو گرنی نے صرف یہ سچ بولا تھا کہ بچہ زندہ ہے۔ بچہ کیسے دور نہیں تھا جادو گرنی کے ساتھ والے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ جادو گرنی نے اس بچے پر اپنا عمل شروع کر دیا تھا اور ایک دو دنوں ہی بعد اس نے بچے کا دل نکالنا اور دل پر کچھ عمل کر کے اپنی ناگن کو کھلا دیا تھا۔ جادو گرنی نے رویکا کو ایسی تسلیاں دیں کہ وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔

دو تین دنوں بعد آدھی رات کے وقت بچہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ جادو گرنی نے اسے ہاتھوں پر اٹھایا اور لکڑی کی ایک میز پر لٹا دیا۔ بچہ سویا رہا۔ بچے کو تو ابھی دنیا کی کوئی ہوش ہی نہیں تھی، اس کی عمر ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو ایک کلی تھی جس کی ابھی ایک پتی بھی نہیں بکھلی تھی۔

جادو گرنی نے اپنا وہ ڈنڈا اٹھایا جس پر رنگ برنگے کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اور اس کے ایک سرے پر پرندوں کے رنگارنگ پر اڑتے ہوئے تھے اور دوسرے سرے پر ایک چھوٹی سی ایک گھنٹی بندھی تھی۔ جادو گرنی یہ ڈنڈا بچے کے جسم سے ذرا اوپر کر کے ہوا میں آہستہ آہستہ پھیرتی رہی اور پھر جادو گرنی کا جسم تھر تھرانے لگا۔ لگتا تھا جیسے اس کا جسم اس کے دماغ کے قابو سے نکل گیا ہو۔ کچھ دیر وہ ایسی ہی حرکتیں کرتی رہی اور پھر قریب پڑی ہوئی ایک نوکدار چھری اٹھائی۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ جادو گرنی نے جیتے جاگتے بچے کے سینے میں اُس جگہ چھری اتار دی جہاں دل ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مرتبتا کی ایک اور منہ چڑھی ملازمہ تھی جس کے دو

اس خوریز معرکے میں جو لڑا جا چکا تھا، مجاہدین نے چند ایک رومی فوجیوں کو پکڑ لیا اور ساتھ لے آئے تھے۔ جنگی قیدیوں سے عموماً ان کی فوج کے متعلق معلومات لی جاتی تھیں۔ ان سے بھی پوچھا جانے لگا کہ سکندریہ کے اندر کی کیفیت کیا ہے اور بزنطیہ کی کیا خبر ہے وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ ان جنگی قیدیوں میں ایک ذرا اونچے عہدے کا فوجی ہے جس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ ہے۔ عمرو بن عاص نے اسے اپنے پاس بلایا۔

اس رومی عہدے دار نے پہلی خبر یہ سنائی کہ بزنطیہ میں مرتبتا قتل کر دی گئی ہے اور وہاں شہلی محل کی صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہاں سے ملک آئے گی۔ اس رومی نے سکندریہ کے اندر کی بھی کچھ باتیں بتادیں جو عمرو بن عاص کے لئے سودمند ہو سکتی تھیں۔ انہیں سب سے زیادہ اطمینان تو یہ سن کر ہوا کہ بزنطیہ کے شاہی محل کی صورت حال آپس کے خون خرابے تک پہنچ گئی ہے اور وہاں سے سکندریہ والوں کو کوئی مدد اور کمک نہیں ملے گی۔

اللہ فتح انہیں عطا فرمایا کرتا ہے جن کا کردار اور ایمان پختہ ہو اور جن کے ارادے اور جن کی نیتیں صاف اور نیک ہوں اور ان کے سامنے کوئی ایسا مقصد ہو جو اللہ کو عزیز ہو۔ فتوحات فوجیوں کی افراط سے اور اسلحہ کے انباروں سے حاصل نہیں کی جاسکتی فتح کالے جادو سے بھی نہیں ملا کرتی اور اپنے حریف کو فریب کاری سے قتل کروانے سے بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

بزنطیہ میں مرتبتا کالا جادو چلا رہی تھی۔ اس نے ایک جادو گرنی سے کہا تھا کہ وہ ایسا جادو چلائے کہ اس کا بیٹا ہر قیدیوں اس تحت نشین ہو جائے اور مصر سے عربی مسلمان نیست و نابود ہو جائیں اور مصر اسے سالم کا سالم مل جائے۔ اب خبر ملی کہ مرتبتا قتل کر دی گئی ہے۔

جادو گرنی نے مرتبتا سے ایک نوزائیدہ بچہ مانگا تھا اور اس نے کہا تھا کہ بچے کی عمر ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو۔ مرتبتا کی بڑی ہی پیاری ملازمہ رویکا کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بچہ کچھ دنوں کا ہی تھا کہ لاپتہ ہو گیا۔ رویکا کا دل ایک بچے کی خواہش میں ایسا بے چین اور بے قرار رہتا تھا کہ اس نے شادی کا انتظار نہ کیا نہ شادی کی ضرورت محسوس کی اور ہر قیدیوں کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے بچہ پیدا کر لیا مگر بچہ لاپتہ ہو گیا۔

جزواں بچے تھے۔ ان کی عمر ایک سال ہو گئی تھی۔ یہی دو بچے اس کی کل اولاد تھی۔ جس رات رویکا کا بچہ غائب ہوا تھا اس کے اگلے دن اس ملازمہ کا ایک بچہ بیمار ہو گیا۔ مزینا نے اسے شای طیب کے پاس بھیجا تھا لیکن اس طیب کی کسی دوائی نے بھی اثر نہ کیا۔ کچھ دن بعد جاو گرنی نے آدھی رات کے وقت نوزائیدہ بچے کے سینے میں چھری اتاری تو بچہ گہری نیند سویا ہوا تھا، اس کے منہ سے توی بھی نہ نکلی لیکن جس ملازمہ کا ایک سال کا بچہ بیمار تھا، سچ اس ماں کی نکل گئی۔ وہ اس لئے کہ اس نے آدھی رات کے وقت بچے کو دیکھا تو بچہ مرا ہوا تھا۔ وہ اتنی زیادہ روئی اور چیئی کہ اس کے قریب رہنے والے شای محل کے ملازموں کے گھروں میں سب جاگ اٹھے اور دوڑے پھرنے لگے۔ شای طیب اس بچے کی بیماری کو نہایت معمولی بیماری کہتا رہا تھا لیکن بچہ بچ نہ سکا اور مر گیا۔ جاو گرنی نے نوزائیدہ بچے کے سینے سے ننھا مناسا کلی جیسا دل نکال لیا اور الگ رکھ دیا۔ پھر اس نے باہر جا کر کدال اٹھائی اور صحن میں گڑھا کھود کر بچے کی لاش اس میں رکھی اور اوپر مٹی ڈال دی۔ کچھ دیر مٹی کے ڈھیر پر کھڑی ہو کر اسے دباتی رہی اور صحن کو ہموار کر دیا۔ پھر اپنے خاص کمرے میں جا کر اسی وقت ننھے کا دل سانسنے رکھ کر اپنا عمل شروع کر دیا۔ اسے مزینا نے خزانہ پیش کیا تھا جس کے لئے وہ بڑی ہی محنت کر رہی تھی۔

اگلی صبح رویکا پھر جاو گرنی کے ہاں گئی۔ اُس وقت جاو گرنی صحن میں ہی کوئی کام کر رہی تھی۔ رویکا نے کھڑے کھڑے جاو گرنی کو بتایا کہ بچہ ابھی تک نہیں ملا پھر پوچھا کہ اس کے ملنے کی توقع بھی ہے یا نہیں۔ جاو گرنی نے اسے غصے سے کہا کہ وہ کہہ چکی ہے کہ بچہ جلدی مل جائے گا پھر وہ کیوں پریشان ہوئی جا رہی ہے!.... رویکا کو کون بتاتا کہ وہ اپنے بچے کی قبر پر کھڑی ہے اور بچہ اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ جاو گرنی کی یقین دہانی سے وہ کچھ مطمئن ہو گئی اور چلی گئی۔

ایک آدھ دن ہی اور گزرا ہو گا کہ جزواں بچوں کی ماں کا دوسرا بچہ بھی بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری کی علامات بھی پہلے بچے جیسی تھیں جو مر گیا تھا۔ ماں بے تاب اور بے حال ہو گئی۔ وہ مزینا کے پاس دوڑی گئی اور کہا کہ اس کے دوسرے بچے کو بھی وہی تکلیف ہو گئی ہے۔ مزینا نے اسے کہا کہ وہ بچے کو شای طیب کے پاس لے جائے۔

ماں بچے کو سینے سے لگائے شای طیب کے پاس جا پہنچی اور روتے ہوئے اس کی

منت سماجت کرنے لگی کہ پہلا بچہ تو نہیں بچ سکا، اسے طیب بچالے۔ طیب نے کہا کہ اب وہ کوئی اور دوائی آزمائے گا جو پہلے بچے کو نہیں دے سکا تھا۔ اس نے دوائی دے دی اور کچھ پرہیز ہتکریاں کر خست کر دیا۔

بچے کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دوائیاں اُلٹا اثر کر رہی ہوں۔ ماں مزینا سے اور طیب سے اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتی پھر رہی تھی۔ وہ جاو گرنی کے پاس بھی گئی۔ جاو گرنی نے اسے ویسی ہی تسلیاں دیں جیسی وہ رویکا کو دے رہی تھی کہ اس کا بچہ مل جائے گا۔ جاو گرنی کو یہ تو معلوم ہو گا ہی کہ اس کا جاو کسی کی موت کو نہیں ٹال سکتا اور زندگی اور موت اُس عظیم طاقت کے ہاتھ میں ہے جو بندوں کو آسمان سے زمین پر اتارتی اور جب چاہتی ہے اٹھا لیتی ہے۔

جاو گرنی ہر رات رویکا کے بچے کے سینے سے نکلے ہوئے دل پر اپنا کچھ عمل کرتی تھی اور پھر اسے ایک انسانی کھوپڑی کے اندر رکھ دیتی تھی۔ آخر ایک رات کا عمل پورا ہو گیا۔ اس نے پنجرے سے اپنی ناگن نکالی اور اس کی گردن کو اس طرح دیا کہ ناگن کا منہ کھل گیا۔ جاو گرنی نے ننھا منا دل ناگن کے منہ میں رکھ کر انگلیوں سے دبایا اور ناگن کے حلق سے آگے کر دیا۔ اس کے بعد ناگن خود ہی اس دل کو پیٹ کی طرف نکلنے لگی۔ جاو گرنی نے ناگن کو پھر پنجرے میں بند کر دیا۔

جب ناگن کے جسم کے اندر دل اس کے پیٹ کی طرف جا رہا تھا، ملازمہ کے بیمار بچے کی حالت بگڑ گئی۔ بچہ گہری نیند سے جاگ اٹھا اور تکلیف سے رونے اور چیخنے لگا۔ وہ تو تڑپ رہا تھا۔ ماں بھی رونے لگی لیکن اچانک یوں چپ ہو گئی جیسے اسے غائب کی کوئی آواز سنائی دی ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے خدا سے بچے کی زندگی مانگ رہی ہو لیکن اسے کوئی اور ہی خیال آ گیا تھا۔ وہ دوڑتی باہر نکلی اور رویکا کے کمرے کے دروازے پر جاد تک دی۔

رات کی اس دستک پر رویکا جاگ اٹھی اور دروازہ کھولنے کو دوڑی۔ دروازہ کھولا تو باہر ملازمہ کو کھڑے دیکھا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا — ”میرا بچہ مل گیا؟“
 ”نہیں رویکا!“ — ملازمہ نے کہا — ”اندر چلو“ میں بتاتی ہوں تمہارا بچہ کہاں ہے۔“

رویکا اسے بازو سے پکڑے بڑی تیز تیز چلتی اندر گئی اور کہا، جلدی بتاؤ، جلدی بتاؤ۔

”تمہارا بچہ مرتبتا کے حکم سے میں نے اٹھایا تھا“ — ملازمہ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ ”اُس وقت تمہیں مرتبتا نے اپنے ہاں بلوایا تھا۔ اس نے اسی لئے رات کے اس وقت تمہیں بلوایا تھا کہ میں تمہارا بچہ اٹھا سکوں۔ میں نے بچہ اٹھایا اور اپنے گھر چھپایا تھا۔ تم جب واپس آئیں اور بچے کو غائب پایا تو پھر مرتبتا کے پاس چلی گئی۔ مجھے معاف کر دینا رویکا بہن، میں اگر مرتبتا کا حکم نہ مانتی تو مجھے بھی اور میرے بچوں کو بھی قتل کروادیتی لیکن خدا نے مجھے اس گناہ کی سزا دے دی ہے۔ میرا ایک بچہ مر گیا ہے اور دوسرا مر رہا ہے۔ میں اسی لئے تمہارے پاس آئی ہوں کہ یہ راز تم پر کھول دوں اور تم سے یہ درخواست کروں کہ میرا یہ گناہ معاف کر دو، ہو سکتا ہے تمہاری بخشش سے میرا دوسرا بچہ زندہ رہ جائے۔“

اس ملازمہ کو معلوم نہیں تھا کہ مرتبتا نے یہ بچہ کس کو دیا تھا۔ جادوگرنی کا تو ملازمہ کے ذہن میں ذرا سا بھی خیال اور شک نہیں تھا۔ اس نے یقین کی حد تک محسوس کر لیا تھا کہ اس کا ایک بچہ اسی گناہ کی سزا کے طور پر مر گیا ہے اور دوسرا بھی اسی گناہ کی پاداش میں خدا اس سے واپس لے رہا ہے۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ جس وقت جادوگرنی نے رویکا کے بچے کے سینے میں چھری اتاری تھی عین اُسی وقت اس کا پہلا بچہ مر گیا تھا اور دوسرا بچہ اُس وقت بیمار پڑا تھا جب اس نوزائیدہ بچے کا دل ناگن کے پیٹ میں پینچا تھا۔

رویکا تو غصے سے کانپنے لگی۔ اسے شاید اس ملازمہ کی مجبوری کا خیال آگیا تھا اس لئے اس نے ملازمہ سے کچھ بھی نہ کہا البتہ غصے کی شدت سے مغلوب ہو کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ وہ ابھی مرتبتا کے پاس جاتی ہے۔ ملازمہ نے اسے پکڑ کر پلنگ پر بٹھا دیا اور کہا کہ رات کے اس وقت وہ مرتبتا کو نہ جگائے ورنہ وہ اسے بچہ کیا دے گی اسے قتل ہی کروادے گی۔

جادوگرنی مرتبتا کو بتا گئی تھی کہ اس کا عمل پورا ہو گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دنوں بعد اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔ عرب کے مسلمان شکست کھا کر مصر سے نکل بھاگیں گے اور بزنطیہ کے تخت پر اس کا بیٹا ہر قلیوئاس بیٹھا ہوا ہو گا اور بادشاہی کا تاج اس کے سر پر ہو گا۔

ملازمہ جب اپنے گھر پہنچی تو اس کا دوسرا بچہ بھی مر گیا تھا۔ اس کا خاوند بچے کی

چارپائی کے قریب کھڑا ہچکیاں لے رہا تھا۔ ملازمہ اپنے مرے ہوئے بچے کے اوپر گرمی اور لاش کا منہ چوم چوم کر پانگل ہونے لگی۔ وہ روتی اور یہی نین کر رہی تھی کہ مجھے اپنے گناہ کی سزا ملی ہے۔

○

رویکا باقی رات سو نہ سکی۔ وہ کروٹیں بدلتی اور تڑپتی رہی۔ کبھی اسے خیال آتا کہ مرتبتا اس پر رحم کر کے اس کا بچہ واپس دے دے گی لیکن زیادہ تر اسے بڑے ہی بھیاںک خیال آ رہے تھے۔ اسے جادوگرنی کا خیال بھی آیا کہ مرتبتا نے اس کا بچہ کسی عمل کے لئے جادوگرنی کو ہی نہ دے دیا ہو۔ صرف رویکا کو معلوم تھا کہ مرتبتا جادوگرنی سے کوئی عمل کروا رہی ہے۔ رویکا ہی اس جادوگرنی کو مرتبتا کے پاس لے گئی تھی۔

صبح ابھی دھندلی تھی جب رویکا شاہی محل میں مرتبتا کے کمرے میں جا پہنچی۔ مرتبتا آخر ملکہ تھی گو نام ہی کی ملکہ تھی لیکن اس کی حیثیت ملکہ جیسی ہی تھی۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ رویکا کی ماتا اس قدر بھڑکی ہوئی تھی کہ اس نے نتائج سے بے خبر مرتبتا کو جگالیا۔ مرتبتا کی آنکھ کھلی تو وہ رویکا پر برس پڑی۔ اس نے کہا کہ رویکا کو اتنی جلدی آ کر اسے جگلنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ رویکا اس کی راز دان تھی لیکن رویکا آخر ملازمہ تھی۔

میرا بچہ مجھے لوٹا دو“ — رویکا نے روتے ہوئے کہا۔

مرتبتا غصے کی حالت میں اٹھ بیٹھی اور پوچھا کہ وہ کیا بک بک کر رہی ہے؟.... رویکا نے پھر احتجاج کے لہجے میں کہا کہ مرتبتا اسے اس کا بچہ لوٹا دے۔ ایسی توقع تو رکھی ہی نہیں جا سکتی تھی کہ بچے کے متعلق کچھ بتانا تو دور کی بات ہے، وہ یہ تو تسلیم ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا بچہ اس نے اٹھوایا ہے اور جادوگرنی کو دے دیا تھا اور اس کا بچہ مارا جا چکا ہے۔ مرتبتا نے رویکا کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا کہ پھر اس نے اس پر یہ الزام لگایا تو اسے اس کی بڑی ہی بھیاںک سزا ملے گی۔

رویکا نے ملازمہ کا نام لے کر کہا کہ اس نے اسے بتایا ہے کہ بچہ مرتبتا کے حکم سے اس نے اٹھایا اور مرتبتا کے حوالے کیا تھا۔

مرتبتا اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ وہ ابھی اس ملازمہ کو بلا کر ایسی سزا دے گی کہ دیکھنے والے کانپ اٹھیں گے۔ رویکا نے اسے روک لیا اور کہا کہ اس بیچاری کا دوسرا بچہ بھی

رات مر گیا ہے۔

مرنیتا نے جب رویکا کی جذباتی حالت دیکھی اور پھر یہ پتہ چلا کہ ملازمہ نے راز افاش کر دیا ہے تو اس نے اپنا روتیہ فوراً بدل کر نرم کر لیا۔ اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ ملازمہ بلوا کر اسے جھوٹا کہہ دیتی اور اسے ملازمت سے نکال دیتی لیکن اس کا ضمیر مجرم تھا اس لئے اس نے رویکا کو ہسلانے والا طریقہ سوچ لیا۔

”بیٹھو رویکا!“ — مرنیتا نے بڑے پیار سے کہا — ”دعا کرو میرا بیٹا زندہ رہے“ تمہیں ایک اور بچہ مل جائے گا لیکن میں جو چاہتی ہوں وہ مجھے نہیں ملے گا۔ اگر مل گیا تو تم ملازمہ نہیں ملکہ بنو گی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات سن لو۔ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ کتنا پیار کیا ہے اور تمہیں ملازمہ نہیں راز دان دوست سمجھتی ہوں۔ کیا تم میرے لئے اتنی سی قربانی نہیں دے سکتیں؟“

مرنیتا نے رویکا کو صاف صاف بتا دیا کہ اس کا بچہ اسی نے اٹھوایا تھا اور اس کا مقصد کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا کہ جاو گرنی بچے کو مار چکی ہے اور اس کا عمل پورا ہو چکا ہے۔ ”دس دنوں تک میرا بیٹا شاہ روم بن جائے گا“ — مرنیتا نے کہا — ”ادھر وہ تخت پر بیٹھے گا ادھر میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کرا دوں گی اور تم سلطنت روم کی ملکہ کہلاؤ گی۔“

رویکا کی ذات میں مامتا یوں پھٹی جاری تھی جس طرح آتش فشاں کا دھانا پھٹتا ہے۔ وہ شاہی محل کے ان بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہرقل اور اس کے بیٹے فسطین کو مرنیتا نے ہی مروایا تھا۔ اس نے غالباً ”یہ بھی سوچا ہو گا کہ ملکہ تو مرنیتا خود بننے کو بے تاب ہے، ایک ملازمہ کو کون ملکہ بناتا ہے۔ اگر اس کی شادی ہر قلیوٹاس کے ساتھ ہو بھی گئی تو یہ چند دنوں کا کھیل ہو گا اور پھر اسے حرم میں پھینک دیا جائے گا لیکن رویکا کے دل و دماغ پر اور جذبات پر صرف پتہ غالب تھا۔ وہ ایک بچے کے لئے ہمیشہ تڑپتی ترستی رہتی تھی۔ بچہ ملا تو وہ مرنیتا نے اپنے ذاتی مفاد پر قربان کر دیا۔

مرنیتا نے جب یہ کہا کہ بچے کو جاو گرنی مار چکی ہے تو رویکا کا دماغ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس پر پاگل پن سوار ہو گیا۔ اس نے واہی تباہی مکنی شروع کر دی۔ وہ بھول ہی گئی کہ وہ ایک بے بس اور بے وسیلہ ملازمہ ہے اور قانون اور انصاف مرنیتا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے بڑے آرام سے قتل کر دے سکتی ہے۔ رویکا کے منہ سے جھاگ پھوٹنے

لگی۔

مرنیتا نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ منہ سے بولے کہ اپنے بچے کی کتنی قیمت چاہتی ہے۔

”میرے سامنے زرو جو اہرات کا ڈھیر لگا دو“ — رویکا نے قبر بھری آواز میں کہا — ”میں اسے ٹھوکر مار کر اپنا بچہ ہی مانگوں گی۔“

مرنیتا اپنی شاہانہ حیثیت میں آگئی۔ اس نے سلطنت کی ملکہ کے انداز سے رویکا کو دھتکار دیا اور کہا کہ وہ فوراً ”یہاں سے نکل جائے ورنہ وہ اسے قید خانے میں ڈال دے گی اور اس کی باقی عمر کل کو ٹھڑی میں گتے سڑتے گزرے گی۔ مرنیتا نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ رویکا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے گھمایا اور پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا اور کہا، نکل جاؤ یہاں سے۔

رویکا کی نظر کمرے کی سانسے والی دیوار پر گئی۔ وہاں شاہ ہرقل کی تلوار لٹکی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہرقل کا لمبا خنجر نیام میں پڑا لٹک رہا تھا۔ یہ دونوں ہتھیار مرنیتا نے ہرقل کی یادگار کے طور پر کمرے میں لٹکا رکھے تھے۔

مرنیتا کو تو یاد آ گیا تھا کہ وہ اس سلطنت کی ملکہ ہے لیکن رویکا بالکل ہی بھول چکی تھی کہ وہ اس ملکہ کی ملازمہ ہے، وہ مکمل طور پر پاگل ہو چکی تھی۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر دیوار سے ہرقل کا خنجر نوچ لیا اور اتنی ہی تیزی سے خنجر نیام سے نکالا، نیام پر بے پھینکی، پھینک اس کے کہ مرنیتا سمجھ پاتی کہ یہ کیا کر رہی ہے، خنجر مرنیتا کے سینے میں اتر چکا تھا۔ رویکا نے بڑی ہی تیزی سے مرنیتا کے سینے میں تین بار خنجر مارا اور مرنیتا ایک چیخ مار کر لڑھک گئی اور پھر وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

رویکا خون سے لٹھڑا ہوا خنجر ہاتھ میں لئے باہر نکلی اور چلا چلا کر کہنے لگی — ”میں نے اپنے بچے کے خون کا انتقام لے لیا ہے“ — اس کی یہ لٹکار اور پکار جس کسی کے کانوں تک پہنچی وہ دوڑا آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ملازموں کا اور شاہی خاندان کے کچھ افراد کا جھوم اکٹھا ہو گیا۔

رویکا جتنی چلاتی باہر کو جاری تھی اور وہ خون آلود خنجر لہراتی جا رہی تھی۔ آوازیں آنے لگیں، پکڑو اسے، پکڑو اسے.... مرنیتا کے کمرے میں جا کر دیکھ لیا گیا تھا کہ وہ ہولناں مری پڑی ہے۔ کئی آدمی رویکا کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف دوڑے۔ وہ بھاگی

نہیں، پیچھے کو مڑی اور رک گئی۔ اس نے دیکھا کہ اسے پکڑنے کے لئے آرہے ہیں تو اس نے خنجر کا دستہ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ہاتھ اوپر کئے اور کہا — ”میں اپنے بچے کے پاس جا رہی ہوں“ — اس نے بڑی زور سے اپنے دونوں ہاتھ نیچے کو کھینچے اور خنجر آدھے سے زیادہ اس کے سینے میں اتر گیا۔ وہ آہستہ آہستہ گرنے لگی۔ خنجر کو سینے میں ہی رہنے دیا۔ گھٹنوں سے اس کی ٹانگیں دوہری ہوئیں اور بڑی آہستہ سے اس کے گھٹنے زمین پر لگے اور پھر وہ ایک پہلو کو لڑھک گئی۔

اسے پکڑنے والے اس تک پہنچے اور اسے سیدھا کر کے پیٹھ کے بل کر دیا۔ وہ آخری سانس لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور ہونٹ ال رہے تھے۔

”میرا بچہ مل گیا ہے“ — اس کے ہونٹوں سے سرگوشیاں پھسل رہی تھیں — ”آخر میرا مٹا مل ہی گیا ہے۔ اب اسے میرے سینے سے کوئی نہیں نوچ سکتا“ — اس نے اپنے دونوں بازو اپنے سینے پر رکھ کر دبا لئے۔ سینے سے ابھی تک خون نئے جا رہا تھا۔ فوراً ہی بعد اس کی آنکھیں کھلیں، ہونٹ ساکن ہو گئے اور پھر آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں اور ہونٹ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

○

مرتینا کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا بیٹا ہر قلیوناس بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ حکمانہ بلکہ شاہانہ لب و لہجے میں کچھ نہ کچھ کہے جا رہا تھا۔ وہ تو جیسے وہاں کھڑے ہر انسان کو قتل کروا دینے کا فیصلہ بنا رہا تھا۔

کونستنس کو اطلاع مل گئی، وہ بھی دوڑتا ہوا آن پہنچا۔ رومی فوج کا سپریم کمانڈر جنرل اقلینوس بھی آگیا اور پھر دوسرے جرنیل بھی آن پہنچے۔

کونستنس اور جنرل اقلینوس کو صرف یہ بات مطمئن نہیں کر سکتی تھی کہ ایک ملازمہ نے مرتینا کو قتل کر کے خودکشی کی ہے۔ وہ اس اتنے بڑے حادثے کی وجہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مرتینا کے ملازموں سے پوچھنا شروع کر دیا۔ انہیں بتایا گیا کہ رویا مرتینا کی منہ چڑھی ملازمہ تھی بلکہ یہ ملازمہ کم اور مرتینا کی گہری دوست زیادہ تھی۔

یہ پوچھ گچھ ہو ہی رہی تھی کہ وہ ملازمہ آگئی جس کا دوسرا بچہ بھی مر گیا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ شاہی محل میں کیا قیامت آئی اور گزر گئی ہے تو وہ بھی وہاں آن پہنچی۔ جذباتی

لحاظ سے اس کی حالت بھی نارمل نہیں تھی۔ وہ اپنے دوسرے بچے کی لاش گھر میں چھوڑ کر آئی اور آتے ہی غیر قدرتی سے لہجے میں اعلانیہ کہا کہ اسے معلوم ہے کہ یہ سب کیوں ہوا ہے۔

اس نے ساری بات کھول دی۔ وہ اتنا ہی بتا سکی کہ رویا کا بچہ اس نے مرتینا کے حکم سے اٹھایا اور مرتینا کو دیا تھا۔ اس سے آگے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ البتہ ایک اور بات اسے اچھی طرح معلوم تھی، اس نے وہ بھی بتادی۔ وہ یہ تھی کہ رویا کو ہر قلیوناس نے داشتہ بنارکھا تھا اور یہ بچہ ہر قلیوناس کا ہی تھا۔

”مجھے ہر قلیوناس کی ماں کے قتل کا کوئی افسوس نہیں“ — کونستنس نے اعلان کے لہجے میں کہا — ”مجھے غم یہ کھا رہا ہے کہ سلطنت روم کا زوال بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ ہم خود اس عظیم سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ادھر مصر ہاتھ سے نکل گیا ہے اور مٹھی بھر مسلمانوں نے اتنے بڑے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور ادھر دارالحکومت میں یہ پراسرار اور خونی کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔“

”میں یہ کھیل بند کروا دوں گا“ — ہر قلیوناس بڑی کھوکھلی سی آواز میں بولا — ”اور جو کوئی میرا حکم نہیں مانے گا....“

”مجھے باغی کہہ لو، کچھ کہہ لو“ — ایک پرانا جرنیل بول اٹھا — ”حکم صرف ایک حکمران کا چلے گا اور وہ حکمران کونستنس ہو گا۔ کبھی شاہی نہیں کہ ایک سلطنت کے بیک وقت دو حکمران ہوں اور دونوں اپنے اپنے حکم چلا رہے ہوں۔“

اس جرنیل کے بولنے کی دیر تھی کہ دوسرے جرنیل بھی بول اٹھے۔ وہ اس جرنیل کی تائید میں بول رہے تھے۔ جرنیل اقلینوس نے سب کو خاموش کر دیا اور کہا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ یہاں ملازموں اور دوسرے لوگوں کے سامنے کھڑے کھڑے طے کر لیا جائے۔ یہ کہیں اور بیٹھ کر طے کرنے والا معاملہ ہے اور اب ہمیں کسی نہ کسی فیصلے پر پہنچنا ہی ہو گا۔

مرتینا مرچکی تھی اور اس کا بیٹا ہر قلیوناس اکیلا رہ گیا تھا۔ مرتینا ہی اس کی تلوار اور مرتینا ہی اس کی ڈھال تھی اور یہ تلوار اپنے آپ ہی چلا کرتی تھی۔ اس دن کے بعد ایک اور چیقلش چل پڑی۔ اب تو ہر جرنیل اور سول حکومت کا ہر بڑا حاکم ایک ہی بات کہتا تھا کہ ہر قلیوناس کو ایک طرف کر دیا جائے اور صرف کونستنس شاہ روم کہلائے۔

ایک واقعہ کچھ دنوں بعد ہوا تھا۔ اس سے پہلے مصر میں مجاہدین اسلام نے سکندریہ پر آخری یلغار کر دی تھی۔ بہتر ہے کہ بزنطیہ کا یہ واقعہ ہمیں بیان کر دیا جائے۔ واقعہ یوں ہوا کہ یہ بات زیرِ غور آئی کہ سلطنتِ روم کا حکمران صرف کونستنس رہے۔ ہر قلیوناس کے حامی تو بہت ہی کم رہ گئے تھے لیکن کچھ نہ کچھ زمین دوز سازش چل رہی تھی۔ ہر قلیوناس صرف کہنے سے یا اپنی مرضی سے حکمرانی سے دست بردار نہیں ہو رہا تھا۔

ماں کے قتل کے تین چار روز بعد ہر قلیوناس گھوڑے پر سوار ہوا، چند ایک ملازم ساتھ لئے اور جنگل میں شکار کو نکل گیا۔ اُن دنوں سلطنتِ روم ایسی صورتِ حال میں آ گئی تھی کہ کسی کو شکار کھیلنے کی سوجھ ہی نہیں سکتی تھی لیکن ہر قلیوناس اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک گھوڑا سوار گھوڑا دوڑاتا آیا اور اس نے کونستنس کو اطلاع دی کہ شکار کے دوران نہ جانے کدھر سے دو تیر آئے اور دونوں تیر ہر قلیوناس کی پیٹھ میں اتر گئے۔ ظاہر ہے تیر پیچھے ہٹوں میں اترے تھے۔ ہر قلیوناس گھوڑے سے گرا اور گرا بھی پیٹھ کے بل جس سے یہ ہوا کہ دونوں تیر اور زیادہ آگے پیچھے ہٹوں میں چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد ہر قلیوناس مر گیا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ تیر اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر اسے نہیں لگے تھے بلکہ ایک باقاعدہ پلان کے تحت اسے قتل کیا گیا تھا۔ بہر حال شاہی محل سے یہ اعلان کیا گیا کہ ہر قلیوناس کے ساتھ کچھ اور شکاری بھی تھے جن میں سے دو نے بیک وقت کسی جانور پر تیر چلائے تو اتفاق سے ہر قلیوناس آگے آگیا اور تیر اس کی پیٹھ کی طرف سے اس کے سینے میں اتر گئے اور وہ مر گیا۔

اب کونستنس شاہِ روم بن گیا اس طرح تخت و تاج کا تنازعہ ختم ہو گیا۔

مجاہدین نے سکندریہ پر پہلی جو یلغار کی تھی اور سپہ سالار عمرو بن عاص جنگی قیدی ہوتے ہوتے بچے اور اپنے تین ساتھوں سمیت قلعے سے نکل آئے تھے، اس سے تیسرے یا چوتھے دن سکندریہ پر بڑی ہی زور دار یلغار کی گئی۔ عمرو بن عاص نے سالاروں کے ساتھ مل کر اس یلغار کا پلان تیار کر لیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے پیغام میں خاص طور پر لکھا تھا کہ میرے بھیجے

ہوئے چاروں سالاروں کو لشکر کے آگے رکھنا۔ ان سالاروں کے نام پہلے آچکے ہیں۔ عمرو بن عاص نے ان چاروں کو آگے رکھا۔ سارے لشکر کو معلوم تھا کہ دیوار سے منجھتیوں سے سنگ باری بھی ہوگی اور بے پناہ تیر آئیں گے۔ عمرو بن عاص نے اپنے تیر انداز دستے کو آگے بھیج دیا کہ وہ بڑی ہی تیزی سے دیوار پر تیر پھینکتے رہیں۔ ان تیر اندازوں میں سے کچھ قریبی درختوں پر چڑھ گئے تھے۔ یہاں سے ان کے تیر زیادہ کارگر ہو سکتے تھے۔

اس انتظام کے باوجود عمرو بن عاص نے لشکر سے کہہ دیا تھا کہ مجاہدین کو سنگ باری اور تیروں کی بوچھاڑوں میں سے گزرنے پر بے گاور جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ لشکر کا ہر مجاہد اس قربانی کے لئے تیار تھا۔

جب پورا لشکر آگے بڑھا تو دیوار سے سنگ باری شروع ہو گئی اور تیر بھی آنے لگے۔ مجاہدین کے تیر انداز دستے نے جم کر مقابلہ کیا اور خصوصاً اُن تیر اندازوں نے جو درختوں پر چڑھ گئے تھے، بہت کام کیا۔ ان کے تیر ٹھیک نشانوں پر جاتے تھے جن سے منجھتیوں چلانے والے کچھ لوگ گھاسل ہوئے اور کچھ تیر انداز بھی گرے لیکن دیوار کی طرف سے آنے والے تیر بہت ہی زیادہ تھے۔ مجاہدین نے دیکھا کہ سالار ان کے آگے ہیں تو ان کے حوصلے اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ سالار تیروں کی بارش سے اس طرح گزرتے جا رہے تھے جیسے انہوں نے زرہ بکتر پہن رکھی ہو جن پر تیر کچھ اثر ہی نہیں کرتے لیکن ان کا محافظ اللہ تھا اور وہ اللہ کے نام پر تیروں میں سے گزرتے جا رہے تھے۔ رومیوں نے اپنی وہی چال چلی جس سے وہ پہلے نقصان اٹھا چکے تھے۔ وہ یہ کہ شہر کے اس طرف والے دروازے کھلے اور زیادہ نفری کی فوج باہر نکلی۔ سپہ سالار عمرو بن عاص یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو اسی کے مطابق ترتیب میں رکھا تھا۔ یلغار کا انداز یہ نہیں تھا کہ ایک ہجوم کہیں ہلے بول رہا ہو۔ لشکر کی ایک ترتیب تھی اور یہ ترتیب سالاروں کے کنٹرول میں تھی اور ہر سالار کا رابطہ سپہ سالار کے ساتھ تھا۔

رومیوں نے سکندریہ میں بے شمار فوج اکٹھی کر رکھی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، سکندریہ بڑا ہی مضبوط اور قلعہ بند شہر تھا۔

رومی فوج باہر آئی تو سپہ سالار نے اپنے خاص احکام سالاروں کو بھیج دیئے جن کے مطابق لشکر دائیں بائیں پھیل گیا اور سامنے والے دستے سیدھے آگے گئے۔ رومیوں

نے بھی یلغار جیسا حملہ کیا۔

پہلے دی ہوئی ہدایت کے مطابق درمیان والے مجاہدین کے دستے ذرا راہ پیچھے ہٹے لگے جس سے رومیوں کو یہ تاثر ملا کہ مسلمان قدم جما کر لڑنے کے قابل نہیں رہے اور پسپا ہو رہے ہیں۔

رومی جرنیل بھی سمجھ نہ سکے کہ مسلمانوں کے سپہ سالار نے یہ جہاں چل کر رومی فوج اور سکندریہ کی دیواروں کے درمیان خاصا فاصلہ پیدا کر لیا ہے اور اس کا دوسرا فائدہ یہ حاصل کر لیا ہے کہ دیوار سے منجینقوں کی سنگ باری اور تیر اندازی بند ہو گئی ہے۔ وہ اس لئے کہ اب ان کے اپنے رومی پتھروں اور تیروں کی زد میں آتے تھے۔ لڑائی ختم گئی انداز کی ہو رہی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان عملی طور پر سامنے آ رہا تھا کہ اللہ جب چاہتا ہے کہ یہ کام ہو جائے تو اس کی ذات باری صرف اتنا اشارہ دیتی ہے، ہو جاو وہ کام ہو جاتا ہے۔ سپہ سالار اور دوسرے سالاروں کو ایسی توقع تھی ہی نہیں کہ وہ اُس روز سکندریہ میں داخل ہو سکیں گے بلکہ رومی فوج کی افراط اور مجاہدین کی قلت بتا رہی تھی کہ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑے گا لیکن وہاں کچھ اور ہی ہو گیا۔

ہوا یہ کہ مجاہدین کو اس قسم کی لڑائی کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا۔ سپہ سالار نے رومیوں پر دائیں اور بائیں پہلوؤں سے حملہ کرا دیا اور اس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ پہلوؤں پر حملہ کرنے والے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ سپہ سالار نے اپنے سامنے والے رومیوں کو لڑائی میں الجھائے رکھا۔

رومیوں کے پہلوؤں پر حملہ ہوا تو وہ بوکھلا گئے۔ یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی کہ رومیوں کی فوج درمیان کی طرف ٹسکتے لگی اور اس طرح پیادہ سپاہی گھوڑوں کے درمیان پکچلے جانے لگے۔ اس فوج کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ مجاہدین ان کے عقب میں پہنچ گئے ہیں۔

رومیوں کے دفاع کا ایک ہی طریقہ تھا کہ شہر کے دروازے بند کر دیں لیکن انہوں نے دروازے اس لئے کھلے رکھے کہ مزید فوج باہر آرہی تھی۔ مجاہدین نے دروازوں پر بلب بول دیا۔ سالاروں نے پہلوؤں کی طرف سے مزید دستے آگے بڑھا دیے اور مجاہدین دروازوں سے نکلتی ہوئی فوج کو برہمیوں اور تلواروں پر لیتے اندر جانے لگے اور کچھ ہی دیر بعد مجاہدین کی اچھی خاصی تعداد شہر کے اندر چلی گئی۔

خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ مجاہدین گوشت پوست کے انسان تھے جن بھوت نہیں تھے۔ ان میں اگر کوئی اضافی طاقت تھی تو وہ جذبہ جہاد تھا اور ایمان کی پختگی تھی اور اللہ کی ذات باری پر پورا پورا یقین تھا، اس کے باوجود وہ تھے تو انسان ہی۔ ان کے مقابلے میں اتنے کثیر تعداد رومی کس طرح بوکھلا گئے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے؟.... اس میں انسانی نفسیات کی کمزوریوں کا ہاتھ تھا۔ ایک یہ کہ رومی فوج پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی اور فوجی تسلیم کرنے لگے تھے کہ واقعی مسلمانوں کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے جو صرف جنت میں ہوتی ہے۔ تاریخ مرتب کرنے والے مؤرخوں نے بھی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس قدر کم تعداد مسلمانوں نے کس طرح اتنی بڑی فوج کو شکست دے دی۔

ایک تو یہ دہشت تھی جس نے رومی فوج کو نفسیاتی طور پر کمزور کر رکھا تھا اور اس فوج میں دوسری کمزوری یوں پیدا ہوئی کہ اتنے مضبوط قلعہ بند شہر میں وہ اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ سمجھ رہے تھے اور ہمارے بھی۔ اس شہر کو وہ ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن جب انہیں ان مضبوط، چوڑی اور اونچی دیواروں سے باہر کھلے میدان میں نکالا گیا تو ان کے حوصلے کمزور پڑ گئے۔ وہ مسلمانوں کی بے جگری اور طوفانی یلغار کے آگے ٹھہرنہ سکے۔

مجاہدین اس فوج سے لڑتے لڑتے اندر چلے گئے جو باہر کی فوج کو مدد دینے کے لئے باہر آرہی تھی۔ مجاہدین کی مزید تعداد شہر میں داخل ہونے لگی اور باہر لڑنے والے رومی سمجھ نہ پائے کہاں جائیں۔ دروازوں پر مجاہدین قابض ہو چکے تھے اور مجاہدین کی کچھ نفری باہر بھی تھی جو ان رومیوں پر تابہ توڑ وار کر رہی تھی۔ ان رومی فوجیوں کا لڑنے کا جذبہ بالکل ہی سمجھ کے رہ گیا۔

سالار بھی شہر کے اندر چلے گئے اور ان کے پیچھے باقی مجاہدین بھی شہر میں داخل ہوئے اور ایک معرکہ شہر کے اندر لڑا گیا۔

شہری پہلے ہی محاصرے سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی فوج کو ذرا سا بھی تعاون دینے سے گریز کر رہے تھے۔ ان پر بھی تو مسلمانوں کا خوف طاری تھا۔ رومی فوجی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو رہے تھے لیکن لوگ انہیں دھکیل دھکیل کر باہر نکال دیتے تھے۔ یہ رومی فوجی دراصل پناہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

اُس دن کا سورج غروب ہونے تک سکندریہ کا پورا شہر مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا، روم کا جھنڈا اُتر گیا اور اسلامی پرچم لہرانے لگا۔
یہ ایک اور داستان ہے کہ بڑے شہر کا نظم و نسق کس طرح سنبھالا گیا اور کس طرح امن و امان قائم کیا گیا۔ یہ تو ہر شہر فتح کرنے کے بعد ہوتا تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ قبرس اور جنرل تھیودور نے عمرو بن عاص کے آگے ہتھیار ڈال کر درخواست کی کہ انہیں اپنی فوج کے ساتھ شہر سے نکل جانے کی مہلت دی جائے۔ عمرو بن عاص نے انہیں دو مہینوں کی مہلت دے دی لیکن ساتھ یہ کہا کہ کوئی فوج یا فوج کا ایک بھی آدمی مصر میں نہ رہے، سب جہازوں میں سوار ہو کر سمندر پار چلے جائیں۔
مصر پورے کا پورا فتح ہو گیا اور اتنا بڑا ملک سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا جو آج تک عالم اسلام کا ایک بڑا اور اہم ملک ہے۔

سکندریہ فتح ہوتے ہی سپہ سالار عمرو بن عاص نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک نائب سالار معاویہ بن ہدیج کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً مدینہ روانہ ہو جائیں اور امیر المومنین کو سکندریہ کی فتح کی خوشخبری سنائیں۔ معاویہ نے پیغام لینے کے لئے ہاتھ آگے کیا تو عمرو بن عاص نے کہا کہ کوئی تحریری پیغام نہیں۔ معاویہ حیران رہ گئے۔
”کیا تم عرب نہیں ہو؟“ — تاریخ کے مطابق عمرو بن عاص نے کہا — ”کیا تم زبانی پیغام نہیں پہنچا سکو گے؟.... جو تم نے دیکھا ہے وہ بیان کر دینا۔“

مؤرخوں نے تاریخ میں عمرو بن عاص کے یہی الفاظ لکھے ہیں اور بعض نے یہ رائے دی ہے کہ سکندریہ کی فتح ایک لمبی کہانی تھی جو تحریر میں نہیں لائی جاسکتی تھی اس لئے انہوں نے معاویہ بن ہدیج کو پیغام دینے کے لئے منتخب کیا تھا کہ ان کا لشکر میں عمدہ بھی تھا اور وہ ذہین بھی تھے۔

معاویہ روانہ ہو گئے اور بڑی ہی تیزی سے منزلیں طے کرتے مدینہ پہنچے۔ تاریخ کے مطابق وہ اُس وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور امیر المومنین کے دروازے پر پہنچے جب امیر المومنین قیلولہ کیا کرتے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام ضرور کرتے تھے۔ معاویہ نے دروازے پر دستک نہ دی۔ اس کی بجائے دروازے کے باہر ہی بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ کی ایک خادمہ باہر نکلی۔ اس نے معاویہ کا حال حلیہ دیکھا اور ان کی اونٹنی کو پاس کھڑے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ شخص بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔
”آپ کسی محاذ سے تو نہیں آئے؟“ — خادمہ نے پوچھا۔
”سپہ سالار عمرو بن عاص کا ایلچی ہوں“ — معاویہ نے کہا — ”ابھی ابھی پہنچا ہوں، امیر المومنین کے آرام کا وقت ہے، ان کے آرام میں خلل نہیں ہونا چاہتا۔“
خادمہ اندر چلی گئی اور فوراً ہی واپس آکر کہا کہ امیر المومنین بلارہے ہیں۔ معاویہ فوراً اٹھے اور اندر چلے گئے۔

”کیا خبر لائے ہو؟“ — حضرت عمرؓ نے پہلا سوال کیا۔

”اللہ تعالیٰ نے سکندریہ ہمیں عطا فرمادیا ہے“ — معاویہ نے جواب دیا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے پیغام کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تو معاویہ بولے زبانی سناؤں گا۔ امیر المومنین نے خادمہ کو بلایا اور کہا کہ معاویہ کے لئے فوراً کھانا لائے۔ تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ جو روٹی معاویہ کو کھلائی گئی وہ زیتون کے تیل میں تیار کی گئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ معاویہ کو مسجد میں لے گئے۔ لوگوں کو مسجد میں بلانے کا طریقہ اذان ہوتا تھا۔ امیر المومنین کے کہنے پر اذان دی گئی اور مدینہ کے لوگ بڑی تیزی سے مسجد میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد بھر گئی۔ حضرت عمرؓ نے معاویہ سے کہا کہ اٹھو اور پیغام سناؤ۔

معاویہ بن ہدیج نے اٹھ کر بلند آواز میں سکندریہ کی فتح کی خبر سنائی اور پھر تفصیل سے سنایا کہ یہ شہر جو ہر پہلو سے ناقابلِ تسخیر تسلیم کیا جاتا تھا، مجاہدین نے اتنی تھوڑی تعداد میں کس طرح فتح کیا۔

سننے والے آفرین آفرین اور داد و تحسین کے کلمے ہی بے ساختہ کہتے رہے۔ حضرت عمرؓ اٹھے اور اُسی وقت شکرانے کے دو نفل باجماعت پڑھائے۔

بلاذری اور مقریزی نے لکھا ہے کہ شکرانے کے نفل پڑھ کر حضرت عمرؓ معاویہ کو اپنے گھرالائے اور اُس وقت کھانا پیش کیا۔ خادمہ کھانا لائی جس میں روٹی اور زیتون کا تیل تھا اور اس کے بعد کھجوریں کھانے میں رکھی گئیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور معاویہ میں یہ مکالمہ ہوا۔

”معاویہ!“ — حضرت عمرؓ نے پوچھا — ”تم اتنی اہم خبر لائے تو دروازے کے

باہر ہی کیوں بیٹھ گئے تھے؟

”یا امیر المومنین!“ معاویہ نے جواب دیا — ”میں جانتا تھا کہ آپ اس وقت کچھ دیر کے لئے سوئے ہیں۔“

”نہیں معاویہ!“ — امیر المومنین حضرت عمرؓ نے کہا — ”تم نے کسی سے غلط سنا ہے۔ میں دن کو سو جاؤں تو رات کا نقصان ہوتا ہے اور اگر رات کو سوؤں تو میرا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ خلیفہ کو نیند کی ضرورت ہے معاویہ!“

فتح ہو گیا.... عربوں سے سکندر یہ تک ہر چھوٹے بڑے قلعہ بند شہر اسلامی مصر پر چم لہرا رہے تھے۔

فرعونوں کے دیس میں اذانیں گونجنے لگیں۔ فرعونوں کو دنیا سے رخصت ہوئے صدیاں گزر گئی تھیں لیکن رومیوں نے فرعونیت کو زندہ رکھا اور اپنے ہم مذہب اہل مصر کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت کے بیج بوئے تھے۔

مدینہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی امامت میں شکرانے کے نفل ادا کئے گئے۔ سب سے زیادہ خوش امیر المومنین تھے۔ وہ تو ہر فتح پر سب سے زیادہ خوش ہوتے تھے کیونکہ ہر یہ شہادی اور جنگ ان ہی کے حکم سے ہوتی تھی اور دل میں یہ خدشہ موجود رہتا تھا کہ کوئی حکم یا پلان غلط نہ ثابت ہو جس سے مجاہدین کو جانی نقصان اٹھانا پڑے۔ یہ بڑی ہی نازک ذمہ داری تھی جو فتح تک امیر المومنین کو بے چین اور بے کل رکھتی تھی لیکن مصر کی فتح کا ایک پہلو اور بھی تھا۔

اس طویل داستان میں یہ پہلو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یاد دہانی کے لئے مختصراً یوں ہے کہ عمرو بن عاص نے مصر کو سلطنت اسلامیہ میں شامل کرنے کا عہد کر لیا تھا اور یہ ان کی ایک ایسی خواہش بن گئی تھی کہ ان کے دل و دماغ پر غالب آگئی تھی لیکن انہوں نے ایسے وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت کی درخواست کی تھی جب مجاہدین کا ایک لشکر کسریٰ ایران کی بڑی طاقتور اور اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو فیصلہ کن شکست دینے کے لئے سردھڑکی بازی لگائے ہوئے تھا اور دوسرا لشکر اُس وقت کی دوسری بڑی جنگی طاقت روم کی کثیر تعداد فوج کو شام سے بے دخل کر رہا تھا۔

یہ دو ایسے محاذ تھے جو سو فیصد توجہ، یکسوئی اور غیر معمولی قربانیوں کے طلبگار تھے۔ اس جنگی صورت حال میں تیسرا محاذ اور وہ بھی اتنی دور کھولنا بہت ہی خطرناک تھا۔ بزرگ صحابہ کرام عمرو بن عاص کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ سب سے بڑھ کر مخالفت کرتے اور کہتے تھے کہ عمرو بن عاص خالد بن ولید کی طرح ایسے خطروں میں کود جاتے ہیں کہ پورے لشکر کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ خود حضرت عمرؓ مصر پر فوج کشی کے حق میں نہیں تھے اور انہوں نے جس طرح عمرو بن عاص کو اجازت دی تھی وہ اس داستان میں بیان ہو چکی ہے۔

یہ تھا وہ دوسرا پہلو جو حضرت عمرؓ کو دوسری فتوحات کی نسبت زیادہ خوشی دے رہا تھا اور جو صحابہ کرام مصر پر حملے کے خلاف تھے وہ بھی خوشی سے پھولے نہیں ساتے تھے کہ عمرو بن عاص نے اپنی ضد حیران کن کامیابی سے پوری کر دکھائی ہے ورنہ وہ سب تو بہت ہی پریشان تھے کہ مصر کا محاذ سارے لشکر کو ہی نہ لے ڈوبے۔

اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین سے جو اُسی کی ذات باری پر توکل رکھتے تھے، اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا کہ ہم نے تمہیں کفار کی زمین اور ان کے خزانوں کا مالک دیا اور ہم نے تمہیں وہاں تک پہنچا دیا جہاں تک تم کبھی تصور میں بھی نہ پہنچتے تھے۔ (قرآن الحکیم)۔

طلمس ہو شریا جیسا شہر سکندریہ فتح ہو گیا۔
پورا مصر سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔
پچی کچی رومی فوج جہازوں پر سوار ہوئی اور بحیرہ روم پار کر گئی۔
اور نیل بہتا رہا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مصر کی فتح مسلمانوں کا معجزہ تھا۔ توقع تھی کہ رومی بزنطیہ میں اکٹھے ہو کر اور نئی فوج تیار کر کے مصر پر جوابی حملہ کریں گے لیکن سکڑی ہوئی سلطنت روم کے نئے بادشاہ کونستنس نے حکم جاری کر دیا کہ مصر پر جوابی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بجائے جو علاقے سلطنت میں رہ گئے ہیں انہیں ناقابلِ تخییر بنایا جائے گا۔

مؤرخوں نے اس حکم کی دو وجوہات لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ رومی فوج کے جرنیل بھی کھسک پھرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی نیبی اور پُر اسرار طاقت ہے

ورنہ ایسا ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ اتنے کم اور کمزور لشکر نے اتنی بڑی فوج کو کبھی شکست دی ہو اور وہ بھی ایسی فیصلہ کن شکست کہ اتنے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر کے پورا ملک فتح کر لیا ہو۔

رومی نہیں جانتے تھے کہ مسلمان جس قرآن میں یقین رکھتے ہیں اس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ایسا کنی بار ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے، اللہ ایمان والوں کو اسی طرح صلہ دیا کرتا ہے.... رومیوں کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو نیبی اور پُر اسرار طاقت ہے وہ اللہ پر ایمان ہے۔

بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ جواں سال شاہ روم کونستنس اور اس کے جرنیلوں کے دلوں میں بھی شیع رسالت کے پروانوں کی اگر دہشت نہیں تو دھاک ضرور بیٹھ گئی تھی اس لئے انہوں نے مصر کو اپنی سلطنت کے نقشے سے مٹا دیا۔ یوں شکست تسلیم کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ مصر پر جوابی حملہ کیا تو امکان یہی ہے کہ حملہ ناکام ہو جانے کی صورت میں مسلمان بحیرہ روم عبور کر کے آئیں گے اور رہی سہی سلطنت پر بھی ہاتھ صاف کر جائیں گے۔

وہاں ایک خدشہ یہ بھی محسوس کیا جا رہا تھا کہ مسلمان مصر پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے بزنطیہ پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ اس خدشے کے پیش نظر انہوں نے بزنطیہ اور دیگر شہروں کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا۔

فتح مصر کی ولولہ انگیز اور ایمان افروز داستان جہاد سنائی جا چکی ہے، اس کے بعد کی کچھ دلچسپ باتیں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک بات یہ کہ عمرو بن عاص کا بحیرہ روم عبور کرنے کا ارادہ تھا ہی نہیں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان ابھی جہاز رانی اور سمندری لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مصر کے ساحل پر جتنے بھی بحری جہاز اور بڑی بادبانی کشتیاں موجود تھیں وہ سب، مصر سے جانے والی رومی فوج اور دیگر شہری لے گئے تھے۔ عمرو بن عاص نے شمالی افریقہ (آج کے لیبیا) کی طرف رخ کر لیا تھا۔

فتح مصر صرف رومیوں کی شکست نہیں تھی بلکہ یہ عالم صلیب کی بہت بڑی شکست تھی۔ اہل صلیب تو اسلام کا ہی نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اہل اسلام نے معجزہ کر دکھایا۔ انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا جس سے اہل صلیب کو یہ خیال آیا کہ ان

کے اپنے لوگ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام اللہ کا سچا دین ہے اس لئے اللہ نے ان کی مدد کی ہے اور پھر یہ بات آنے والی نسلوں تک بھی پہنچے گی اور یہ عیسائیت کے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔ چنانچہ عیسائی مؤرخوں نے تاریخی حقائق کو ہی مسخ کر ڈالا۔ حادثہ یہ ہوا کہ صدیوں بعد کے بعض مسلمان تاریخ نویسوں نے انہی کے حوالوں سے فتح مصر کی وہ تاریخ پیش کی ہے جو مفروضوں پر اور مسخ شدہ واقعات پر مبنی ہے۔

ان عیسائی مؤرخوں میں ایلفریڈ بلگر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حوالے دے کر تاریخ مرتب کرنے والوں نے سب سے زیادہ اسی کے حوالے دیئے اور مستند بھی کہا ہے لیکن بلگر نے اسلام کے خلاف تعصب کے اظہار میں تاریخی حقائق کو بڑی بے رحمی سے مسخ کیا اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس نے فتح مصر خصوصاً فتح سکندریہ کو اس طرح بیان کیا ہے جیسے رومیوں نے سکندریہ پلیٹ پر رکھ کر عمرو بن عاص کو بصد عزت و احترام پیش کیا اور خود جہازوں میں بیٹھے اور بزنطیہ چلے گئے۔ بلگر جھوٹ یہ بول رہا ہے کہ مسلمان لڑے نہیں اور انہیں سکندریہ بغیر لڑے مل گیا۔

بلگر کی کتاب — ”مصر میں عربی فتوحات“ — کا عربی میں ترجمہ ایک عرب سکالر استاذ محمد فرید ابو عدید نے کیا ہے۔ اس کے صفحہ 288 پر بلگر فتح سکندریہ کو صرف اتنی سی تحریر پر ختم کر دیتا ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں سے شکست نہیں کھائی تھی اور برائے مصلحت ان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

پھر بلگر اپنے اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے لکھتا ہے — ”عمرو بن عاص اپنے لشکر کے ساتھ ابھی بابلون میں ہی تھے۔ قیصر تسلیم و اطاعت کا تحریری عہد نامہ لئے بابلون گیا اور یہ عہد نامہ عمرو کو پیش کر کے کہا کہ خدا نے مصر کی زمین تمہیں عطا کر دی ہے۔ سکندریہ لے لو اور رومیوں پر تلواریں اٹھانا.... اس طرح صلح نامہ تیار ہو گیا اور عربوں نے جا کر سکندریہ پر قبضہ کر لیا۔“

اگر آپ نے یہ داستان غور سے پڑھی ہے تو آپ کو یاد ہو گا کہ جن دنوں عمرو بن عاص بابلون میں تھے ان دنوں قیصر مصر میں تھا ہی نہیں۔ وہ بحیرہ روم کے پار کہیں جلاوطنی میں تھا۔ ہرقل کا بیٹا کنستانتین ابھی زندہ تھا اور وہ قیصر کو جلاوطنی سے واپس بلا رہا تھا۔

پھر دیکھئے بلگر اپنی دروغ گوئی کو کس طرح آگے بڑھاتا ہے۔ اپنی اسی کتاب میں لکھتا

ہے — ”قیصر صلح کا یہ معاہدہ سکندریہ لے گیا۔ اپنی فوج کے جرنیلوں کو معاہدہ دکھایا اور شہر کے لوگوں میں بھی اس کی تشہیر کر دی۔ کوئی بھی نہیں مان رہا تھا۔ قیصر نے جرنیلوں سے تو منوالیا لیکن شہر کے لوگ اس معاہدے کو اپنی ذلت کا باعث سمجھ کر قیصر کے خلاف بھڑک اٹھے....

”لوگ اس وقت تو بہت ہی غضبناک ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت گھوڑوں پر سوار شہر میں آگئی ہے اور ایسی بے نیازی سے چلی آ رہی ہے جیسے یہ شہر عربی مسلمانوں کا اپنا ہو۔ کچھ لوگ ان پر لعن طعن کرنے لگے اور بہت شور و غل پکڑا لیکن یہ مسلمان گھوڑ سوار ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے....

”شہر کے لوگوں کو معلوم تھا کہ ان کے اسقف اعظم قیصر نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے لیکن لوگوں کو یہ گمان نہیں تھا کہ مسلمان اس شانہ انداز سے شہر میں آ جائیں گے۔ شہر کے ان بھڑکے پھرے ہوئے لوگوں نے اس محل پر دھاوا بول دیا جس میں قیصر رہتا تھا۔ وہ قیصر کو قتل کر دینے کے نعرے لگا رہے تھے....

”اس شور و غل پر قیصر باہر نکل آیا۔ اس کی شخصیت کا ایک خاص تاثر تھا۔ وہ خوش گفتار بھی تھا اور اس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ تھا اور وہ سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی تھا اس لئے لوگ اس کے جاہ و جلال سے فوراً متاثر ہو جاتے تھے۔ وہ شور و غل سن کر باہر آیا تو لوگوں کا غیظ و غضب دیکھ کر گھبرایا۔ اس نے تقریر شروع کر دی۔ قوت استدلال سے تو وہ مالا مال تھا۔ اس نے ایسی پُر اثر تقریر کی کہ لوگ نہ صرف یہ کہ ٹھنڈے ہو گئے بلکہ ایک دوسرے کو کوٹنے لگے کہ انہوں نے اپنے مقدس بطریق (اسقف اعظم) کی توہین کر دی ہے....

”لوگ واپس چلے گئے۔ معاہدے کے مطابق مسلمانوں نے جو جزیہ عائد کیا تھا وہ رقم گھروں سے لے آئے اور قیصر کے حوالے کر دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے خاصا زیادہ سونا اکٹھا کیا اور یہ رقم اور سونا ایک کشتی میں رکھا۔ شہر کے اندر سے ایک نہر گزرتی تھی۔ کشتی اس میں کھڑی تھی۔ یہ کشتی جنوبی دروازے سے باہر نکلی۔ قیصر خود ساتھ گیا اور یہ مال سپہ سالار عمرو کے حوالے کیا اور اس طرح سکندریہ کی فتح اختتام کو پہنچی۔“

یہ ہے وہ جھوٹ جو اہل صلیب مؤرخوں نے تاریخ میں شامل کر کے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ مصر کی فتح اور وہاں سے رومیوں کا انخلا مسلمانوں

کی شجاعت اور ایمان کی قوت کا کرشمہ ہے۔

حقیقت اس داستان میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے جو یہ کہ مصر بزرگ شمشیر فرخ کیا گیا تھا اور جو معاہدہ ہوا تھا وہ رومیوں کے ہتھیار ڈالنے کے بعد ہوا تھا۔ اس میں اہل سکندریہ پر جزیہ عائد کیا گیا تھا جو دو دینار فی کس تھا۔ یہ صرف بالغ اور صحت مند مردوں پر عائد ہوا تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، معذور، بے روزگار، فقیر، مساکین اور دوسروں کے محتاج جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

ایلیفینڈ پٹر اور اس کی ذہنت والے دوسرے مؤرخوں نے قیصر کو بڑا ہی بھلا مذہبی پیشوا ظاہر کیا ہے کہ اس نے بڑی شرافت سے سکندریہ مسلمانوں کو پیش کر دیا تھا لیکن تاریخ نے قیصر کی اصل ذہنت بے نقاب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ تو آپ نے اس داستان میں پڑھ لیا ہے کہ قیصر نے درپردہ ہرقل کی بیوہ مریتنا کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ مریتنا کے ساتھ اس کے ناجائز مراسم تھے۔ وہ بزنطیہ سے مریتنا کے ساتھ یہ پلان بنا کر آیا تھا کہ مصر سے مسلمانوں کو نکال باہر کرے گا اور مریتنا کو مصر بلا کر اسے مصر کی ملکہ بنا دے گا اور مریتنا اپنے بیٹے ہرقلیوناس کے ساتھ مصر میں خود مختاری کا اعلان کر دے گی۔

مصر میں وہ آیا تو جہاں بہت سے مبلغ ساتھ لیا وہاں خفیہ طور پر ایسے آدمی بھی ساتھ لایا تھا جو زمین دوز اور پراسرار طریقوں سے بڑے اونچے درجوں کی شخصیتوں کو قتل میں مہارت رکھتے تھے۔ مصر میں اس نے ایک طرف مبلغوں کو شہروں اور دیہات میں پھیلا دیا کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مشتعل کریں، دوسری طرف اس نے سپہ سالار عمرو بن عاص کو قتل کروانے کا کام پیشہ ور قاتلوں کے سپرد کر دیا۔

اس کا یہ مشن جس بڑی طرح ناکام ہوا وہ سنایا جا چکا ہے۔ اس کے مبلغ پادری بھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ قطبی عیسائی قیصر کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تو خوش نفع تھے کہ مصر رومیوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ قیصر دراصل ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کا شاید اسے خود بھی احساس تھا اس لئے وہ اوجھے جھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہوتے ہوئے اسے مذہب کا کتنا کچھ پاس تھا۔

اس نے مصر میں آتے ہی بہت سی تربیت یافتہ جوان سال اور بڑی ہی خوبصورت

لڑکیاں سکندریہ میں اپنے پاس اکٹھی کر رکھی تھیں اور ایک اور ہی ٹریننگ دینی شروع کر دی تھی۔ ان سے وہ سالاروں اور مجاہدین کی اخلاقی تخریب کاری کروانا چاہتا تھا، ساتھ یہ بھی کہ ہر لڑکی ایسا موقع پیدا کرے کہ ایک ایک سالار کو قتل کر دے۔ قیصر کی زیادہ دلچسپی عمرو بن عاص کے قتل میں تھی.... اس کا یہ حربہ بھی ناکام ہوا جا رہا تھا۔

آج کے روم کے ایک تاریخ نویس مائیکل کنڈسکیپ اور مصری مبصر اور واقع نگار آذر سطوت نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے اور مستند مؤرخوں کے حوالے دیے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قیصر کو توقع نہیں تھی کہ مسلمان سکندریہ اتنی جلدی فتح کر لیں گے۔ اسے غالباً یہ توقع بھی تھی کہ مسلمان سکندریہ فتح کر ہی نہیں سکیں گے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے تین چار کو باہر نکال دے اور وہ کسی طرح سپہ سالار عمرو بن عاص اور دوسرے سالاروں تک پہنچیں اور مظلومیت کی کیا کیا کہانیاں سنا کر ان سالاروں کی ہمدردیاں حاصل کریں۔ یہ اسے یقین تھا کہ جو لڑکی جس سالار کے خیمے میں داخل ہو گئی اسے وہ اپنے جہل میں لے لے گی اور اپنا کام کر گزرے گی۔

قیصر سوچتا ہی رہ گیا اور مجاہدین اسلام اس طرح سکندریہ کے اندر نظر آنے لگے جیسے زمین میں سے ابھرے ہوں۔ قیصر کا یہ حربہ دھوا رہ گیا اور مجاہدین شہر میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت قیصر اپنے محل میں تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ مسلمان شہر میں آگئے ہیں تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ ذرا جلدی سنبھل گیا اور باہر نکلا۔ عمرو بن عاص محل کی طرف گئے تو قیصر نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

ان کے درمیان ضروری گفتگو ہوئی۔ رومی فوج کے انخلا کے لئے مہلت کا عرصہ طے ہوا۔ اس عرصے کے اندر اندر رومی فوج کو سکندریہ سے نکل جانا تھا۔ قیصر مہلت کے اس عرصے میں سکندریہ میں رہ سکتا تھا۔ عمرو بن عاص نے اسے قید میں نہ ڈالا وہیں رہنے دیا جہاں وہ رہتا تھا۔ اسے مراعات سے محروم نہ کیا۔

اس نے مسلمانوں کا ممنون ہونے کی بجائے اپنی زمین دوز تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس نے چھ سات لڑکیاں منتخب کر لیں۔ وہ خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اس پر ایسی پابندی عائد نہ کی کہ لڑکیاں اس کے پاس نہ آئیں۔ وہ مذہبی پیشوا تو تھا ہی۔ اس پر ایسا شک تو کیا ہی نہ گیا کہ اس کے پاس یہ جو لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں انہیں وہ کسی تخریب کاری کے لئے تیار کر

رہا ہے۔

یہ دونوں تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اپنا کردار ایسا تھا کہ ان لڑکیوں کی طرف انہوں نے کبھی اس خیال سے دیکھا ہی نہیں تھا کہ یہ بہت حسین اور دلنشین لڑکیاں ہیں اور یہ ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ کردار کی بلندی کے علاوہ سالاروں اور لشکر کے مجاہدین کو اتنی ہوش اور مہلت میسر نہیں تھی کہ وہ تفریح طبع کی بھی سوچتے۔ وہ اتنے بڑے شہر کے ہر کوئے کھد رے کو دیکھتے پھر رہے تھے کہ رومی فوجی تخریب کاری کے لئے کہیں چھپے نہ رہ جائیں یا شاہی خزانے کا مال کہیں چھپا نہ رہے ہوں کہ جاتے ہوئے ساتھ لے جائیں گے۔

شہر میں افزائش کا سماں تھا۔ رومی فوجیوں کو نہتا کر دیا گیا تھا اور وہ شہر سے نکل رہے تھے۔ بعض شہری بھی جارہے تھے۔ شہر کا نظم و نسق اور امن و امان بھی معمول پر لانا تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان لوٹ مار تو دور کی بات ہے کسی گھر کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے پھر بھی وہ اس اندیشے سے آزاد نہیں تھے کہ یہ مسلمان فاتحین جزیرے کے علاوہ ان سے اور کچھ بھی جو چاہیں گے لے لیں گے۔ وہ اپنے مال و اموال اور جوان عورتوں کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔

قیرس کو ابھی تک یہ توقع تھی کہ اس افزائش اور نفسا نفسی کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر ایسی تخریب کاری میں کامیاب ہو جائے گا کہ رومی فوجی اور شہری مجاہدین اسلام پر دھاوا بول دیں گے اور انہیں سکندریہ سے نکالا جاسکے گا۔ اس نے دو جرنیلوں کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ وہ لڑکیوں کو سالاروں کے قتل کے لئے تیار کر رہا تھا اور انہیں یہ بھی بتا رہا تھا کہ دھوکے میں سالاروں کو شراب پلا کر مدہوش کر دیں۔ یہ ایک قدرتی حقیقت ہے کہ ایک حسین و جمیل لڑکی کسی بھی مرد کو شراب کے بغیر بھی مدہوش کر سکتی ہے۔

آخر چند ہی دنوں بعد شہر میں امن و سکون اور نظم و نسق کی کیفیت بحال ہو گئی۔ کوئی ایک بھی لڑکی کسی سالار کو اپنے جال میں نہ لاسکی۔ شہر کے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وہ محفوظ ہیں۔ مسلمانوں نے انہیں حسن اخلاق سے اور رویے سے یہ یقین دلایا تھا۔ قیرس مایوس ہوا جا رہا تھا۔ اس کے فوجی شہر سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے تھے۔ شہری جو جانا چاہتے تھے وہ بھی جا چکے تھے۔ شہر میں جو لوگ رہ گئے ان میں اکثریت قبطی عیسائیوں کی تھی۔

قبطی بہت خوش تھے کہ رومی گئے لیکن ابھی یہ خدشہ دل میں موجود تھا کہ مسلمان نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مسلمانوں نے شہری حالات اور انتظامات معمول پر لا کر اعلان کر دیا کہ اسلام قبول کرنے والوں کو کیا مراعات ملیں گی اور کسی کے مذہب اور عبادت گاہوں میں دخل اندازی اور جبر نہیں ہو گا۔ مختصر یہ کہ مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔

اب قبطی عیسائی مسلمانوں کے محکوم ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے۔ انہوں نے ہر قل اور قیرس کے جور و استبداد میں زندگی گزاری تھی بلکہ ان کی نسلیں رومیوں کی غلام چلی آرہی تھیں۔ اب انہیں آزادی ملی تو انہوں نے اپنے اصل استغفار اعظم بنیامین کو جو پہلے ہی سکندریہ میں موجود تھا، کہا کہ وہ آزادی کا جشن منانا چاہتے ہیں۔ بنیامین نے انہیں کہا کہ وہ سپہ سالار سے اجازت لے وے گا۔

اس داستان میں بنیامین کا بڑا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ ہر قل نے بنیامین کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور قیرس کو اپنی بیٹی ہوئی عیسائیت کا استغفار اعظم بنا دیا تھا۔ بنیامین صحرا میں جا روپوش ہوا اور برسوں گزر گئے تھے۔ اب ہر قل اور اس کے بیٹے قسطنطین کی موت کے بعد قیرس بڑا نفیس سے سکندریہ آیا تو اس نے بنیامین کو روپوشی سے واپس بلا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ قبطی عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار کرے۔ بنیامین نے اسے کہا تھا کہ قبطی نہ رومیوں کا ساتھ دیں گے نہ مسلمانوں کا۔ قبطی تو رومیوں کے خلاف بغاوت پر اترے ہوئے تھے لیکن بنیامین نے انہیں روک دیا تھا۔ اب مسلمانوں نے سکندریہ پر قبضہ کر لیا تو بنیامین قیرس سے الگ ہو گیا اور محل سے نکل کر ایک عام سے مکان میں رہتا تھا۔

بنیامین نے سپہ سالار عمرو بن عاص سے قبطی عیسائیوں کو جشن آزادی منانے کی اجازت لے دی۔ لوگ شام کے بعد رات تاریک ہوتے ہی گھروں سے نکل آئے اور ٹولیوں کی صورت میں باغوں اور سرسبز میدانوں میں جا کر ناچنے لگے اور شراب نوشی کرنے لگے۔ بڑائی پر لطف ہنگامہ تھا جو رات گزرنے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ موثر بلا ذری نے اس جشن کے متعلق اتنا ہی لکھا ہے — ”اس رات قبطی عیسائیوں سے اور شہر کے دیگر لوگوں نے ایسی رنگ رلیاں منائیں جو رومی دور حکومت میں وہ بھول ہی گئے تھے۔ انہوں نے جذباتی اور جسمانی عیاشیوں کا ہر طریقہ اختیار کیا اور

محفل میں ایسی جمائیں کہ نیک و بد کی تمیز بھی نظر انداز کر دی۔“

تین اور مؤرخوں نے بھی اس جشن کے متعلق کچھ ایسے ہی ایک ایک ذروہ جملے لکھے ہیں۔ تفصیل رومی اور مصری تاریخ نویسوں نے لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جشن منانے والے اخلاقیات کی حدود پھلانگ گئے۔ اپنی پرانی بیویوں کی بھی تمیز اور پہچان ختم ہو گئی۔ یہ شراب نوشی کے کرشمے تھے۔ مسلمان اس جشن میں شامل نہیں تھے۔ وہ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ دنگا فساد نہ ہو، امن و امان رہے۔

قیرس نے اس موقع سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جن چھ لڑکیوں کو وہ شراب مسلمانوں کے قبضے کے دن سے ایک خاص ٹرننگ دے رہا تھا، جشن کی شام بلایا۔ انہیں تازہ پھولوں کے ہار دیئے، لباس ایسا پہنایا جس میں وہ نیم عریاں تھیں، ہر ایک کو گلاب کا ایک ایک پھول دیا۔ کسی اور تاریخ نویس نے لکھا ہے کہ پھولوں پر کوئی ایسا تیز ہر ملا ہوا تھا جس کی بو یہ پھول سوگھنے والے کے پیچھے لڑکیوں میں جا کر اسے کچھ ہی دیر بعد ہلاک کر ڈالتی یا دماغ پر ایسا اثر کرتی تھی کہ دماغی توازن پاگلوں کی طرح بگڑ جاتا تھا۔

دوسرے دونوں مؤرخوں نے ان پھولوں کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قیرس نے ان لڑکیوں سے کہا کہ ایک لڑکی سپہ سالار عمرو بن عاص کے پاس اور باقی پانچ ایک ایک سالار کے پاس جائیں، انہیں جشن کے حوالے سے ہار پہنائیں اور اپنا آپ اس طرح پیش کریں کہ وہ بدست ہو کر انہیں قبول کر لیں۔ انہیں یہ پھول پیش کریں اور انہیں تھوڑی سی شراب پینے پر اکسائیں۔ شراب فوراً مل جائے گی۔ گلاب کا یہ پھول شراب میں ڈبو کر شراب پلا دینا خواہ وہ ایک ہی گھونٹ پئے، کام ہو جائے گا۔

لڑکیوں کو ٹرننگ دی جا چکی تھی اور وہ بہت ہی ذہین اور مکار لڑکیاں تھیں۔ سالار اس محل سے جس میں قیرس رہتا تھا، کچھ دور کسی اور طرف رہتے تھے۔ لڑکیاں قیرس سے رخصت ہو کر ادھر کو چل پڑیں۔ راستے میں دو الگ ہو گئیں کیونکہ ان کے شکار کسی اور طرف رہتے تھے۔ راستے میں لوگ جشن منا رہے تھے۔ ٹاپتے لگتے ان پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ شراب اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

اس ٹولی نے دو لڑکیوں کو دیکھ لیا۔ وہ جوان سال اور کچھ نوجوان تھے۔ لڑکیوں کے لباس اور ہاتھوں میں ہار دیکھ کر وہ سمجھے کہ یہ لڑکیاں جشن منانے نکلی ہیں۔ ان سب نے انہیں بازوؤں پر اٹھا اٹھا کر پیار سے اچھالنا شروع کر دیا۔ لڑکیاں انہیں بتا نہیں سکتی تھیں

کہ وہ کسی اور مشن پر جارہی ہیں۔ وہ ہنستے مسکراتے ان آدمیوں سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دو آدمیوں نے انہیں بازوؤں میں لے کر رقص میں شامل کر لیا۔

اتنے میں بنیامین کا ادھر سے گزر ہوا۔ ایک لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔ وہ بنیامین کو جانتی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ بنیامین قیرس کے ساتھ اس لئے رہتا ہے کہ وہ بھی استقباعظم ہے اور مسلمانوں کے خلاف دونوں کا مشن ایک ہے۔ لڑکی ایک آدمی کے بازوؤں سے نکل کر بنیامین کے پاس دوڑتی پہنچی اور اسے بتایا کہ ان دونوں کو کس کام کے لئے بھیجا تھا اور لوگوں نے انہیں روک کر سارا کھیل بگاڑ دیا ہے۔

بنیامین چونکہ اٹھا۔ قیرس نے اسے اس راز میں شریک کیا ہی نہیں تھا۔ سالاروں کے قتل کی یہ سازش اسے بتائی ہی نہیں تھی۔ بنیامین نے دوسری لڑکی کو بھی بلایا اور ان سے پوچھا کہ باقی چار لڑکیاں کہاں ہیں۔ ان دونوں نے اسے بتایا تو بنیامین نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لے جا کر ایک کمرے میں بند کر دیا۔ باہر نکلا اور اُس طرف دوڑ پڑا جہر چار لڑکیاں گئی تھیں۔ اسے معلوم تھا سالار کہاں کہاں رہتے ہیں۔

سارا شہر جاگ رہا تھا۔ روشنیاں ہی روشنیاں تھیں لیکن اُس طرف اندھیرا تھا جہاں سالار رہتے تھے۔ سنتری نمل رہے تھے۔ بنیامین نے ہر سنتری سے پوچھا کہ ادھر تین چار لڑکیاں تو نہیں آئیں؟ ہر سنتری نے تقریباً ایک جیسا ہی جواب دیا کہ ادھر لڑکیوں کا کیا کام!

بنیامین لڑکیوں کو ڈھونڈتا پھرا لیکن سکندریہ کوئی چھوٹا سا شہر نہ تھا کہ وہ رات ہی رات لڑکیوں کو ڈھونڈ نکالتا۔ صبح تک اسے لڑکیاں نہ ملیں البتہ بانگوں اور میدانوں میں اور جہاں جہاں رات جشن منایا گیا تھا وہاں کچھ آدمی کھلے آسمان تلے بڑے بیسویں کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ رات وہ اتنی زیادہ پی گئے تھے کہ جہاں گرے صبح تک وہیں پڑے رہے۔ چار لڑکیوں کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ بعد دوپہر چار مختلف گھروں سے لڑکیاں مل گئیں۔ جشن منانے والوں نے رات بھر انہیں اپنے ساتھ رکھا تھا۔ انہیں اتنی زیادہ شراب پلائی گئی تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں۔ چار آدمی ایک ایک لڑکی کو اپنے گھروں میں لے گئے تھے کہ باہر خراب نہ ہوتی پھریں۔

بنیامین نے ان چاروں کو اپنے ساتھ لیا اور گھر لے گیا۔ وہ ساری رات پریشان رہا

تھا کہ کوئی لڑکی کسی سالار کے پاس پہنچ ہی نہ گئی ہو اور ایسا نہ ہو کہ کوئی سالار کسی لڑکی کے دھوکے میں آکر مارا جائے۔ بنیامین نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھیں۔ چاروں نے بنیامین کو قیرس کا قابل اعتماد دوست سمجھتے ہوئے اصل بات بتادی۔ وہ خوش تھا کہ کوئی لڑکی کسی سالار تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ عمرو بن عاص اور دیگر سالاروں کا ایمان ایسا کمزور تو نہیں تھا۔ ان میں سوائے ایک دو کے سب صحابہ کرام تھے لیکن بنیامین کی اپنی سوچ تھی جس میں ہمدردی اور خلوص تھا۔ وہ ان سالاروں کا ممنون تھا کہ انہوں نے قطعی عیسائیوں کو رومیوں سے نجات دلائی تھی۔

وہ لڑکیوں کو اپنے گھر چھوڑ کر قیرس کے پاس گیا اور اس پر برس پڑا۔
”تم قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے“ — بنیامین نے کہا — ”تم نے ہزار ہا قبیلوں کو قتل کروا دیا تھا۔ کیا تم نے سالاروں کو لڑکیوں کے ہاتھوں زہر دلوا دیا ہے؟“
”لڑکیاں کہاں ہیں؟“ — قیرس نے دبی دبی زبان میں پوچھا۔

”میرے پاس!“ — بنیامین نے جواب دیا — ”میں انہیں اپنے گھر چھوڑ آیا ہوں..... جنگجو قوموں کے آدمی میدان میں اتر کر لڑا کرتے ہیں، تمہاری طرح لڑکیوں سے دشمن کو نہیں مروایا کرتے۔ اگر میں ان لڑکیوں کو سپہ سالار کے پاس لے جاؤں اور وہ اسے بتائیں کہ تمہاری سازش کیا تھی تو جانتے ہو تم کس انجام کو پہنچو گے؟.... قتل.... مسلمانوں کا سپہ سالار تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا لیکن میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں کہ اتنی بڑی شکست کی اذیت برداشت کرتے رہو اور گمناہی میں پڑے رہو۔“

یہ بنیامین کے کردار کی بلندی تھی کہ سپہ سالار عمرو بن عاص کو بتائے بغیر اس نے ان کا احسان چکا دیا تھا۔

فتح مصر کے بعد کی ایک اور دلچسپ بات سن لیں۔ اس داستان..... اور نیل بہتا رہا۔ میں ایک واقعہ سنایا گیا ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ سال میں ایک خاص دن عید صلیب منایا کرتا تھا۔ اس دن ایک رسم ادا کی جاتی تھی جس میں ایک نوجوان کنواری لڑکی کو عروسی لباس اور بڑے قیمتی زیورات پہنا کر دریائے نیل میں پھینک دیا جاتا تھا اور لڑکی ڈوب کر مر جاتی تھی۔ اس لڑکی کو نیل کی دہن کہا جاتا تھا۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی سال نیل کو یہ قربانی نہ دی جائے تو اس کا بہاؤ رک جاتا ہے اور اس کے دونوں طرف کے کھیت خشک ہو جاتے ہیں اور فصل نہیں اُگتی جس کا نتیجہ قحط ہوتا ہے۔

عیسائیت ایسی توہم پرستی بلکہ خرافات میں بالکل یقین نہیں رکھتی۔ وہ کوئی ایسا فرقہ تھا جو خود کو عیسائی کہلاتا تھا۔ بنیامین بھی اس ظالمانہ رسم کے خلاف تھا اور قیرس بھی۔ رومیوں کے دور حکومت میں یہ رسم ممنوع تھی اور اسے قتل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود شہروں سے دور ہر سال یہ رسم ادا ہوتی تھی۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ رسم دراصل فرعونوں کے زمانے سے چلی آرہی تھی اور فرعون اس میں یقین رکھتے تھے۔

عمرو بن عاص نے مصر فتح کر لیا تو اس فرقے کا ایک وفد ان کے پاس آیا۔ چونکہ حکمران رومیوں نے ”نیل کی دہن“ والی رسم کو جرم قرار دے رکھا تھا اس لئے وہ مصر کے فاتح سپہ سالار عمرو بن عاص جو اب امیر مصر بھی تھے، کے پاس یہ استدعا لے کر آئے کہ انہیں یہ سم جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ عید صلیب کو دو ماہ باقی تھے۔

عمرو بن عاص نے انہیں بتایا کہ دین اسلام توہم پرستی اور بُت پرستی کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے اتارا ہے۔ عبادت اسی ایک اللہ کی کی جاتی ہے جس کے حکم سے دریا بہہ رہے ہیں اور دریاؤں کی روانی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ عمرو بن عاص نے انہیں یہ بھی کہا کہ وہ عیسائی ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ عیسائیت میں بھی توہم پرستی گناہ ہے لیکن یہ رسم ان لوگوں کے دلوں میں اتنی گہری اُتری ہوئی تھی کہ وہ اس کے خلاف کوئی بات کوئی دلیل تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھے۔

”امیر مصر!“ — وفد کے ایک آدمی نے کہا — ”اگر آپ نے ہمیں یہ رسم ادا کرنے کی اجازت نہ دی تو ہم یہاں سے نقل مکانی کر جائیں گے کیونکہ نیل کو اس کی دہن نہ دینے سے نیل اپنا بہاؤ روک دے گا۔ ہم قحط سالی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ عید صلیب کو صرف دو مہینے باقی ہیں۔“

عمرو بن عاص ایسا کر سکتے تھے کہ سختی سے حکم دے دیئے کہ وہ ایسی خرافات کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن انہوں نے بہتر یہ سمجھا کہ ان لوگوں کو کسی ایسے طریقے سے اس توہم پرستی سے ہٹایا جائے کہ ان کے جذبات کو نہیں بھی نہ پہنچے اور یہ راہ راست پر آجائیں۔ انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے امیر المومنین سے پوچھ کر کوئی فیصلہ کریں گے۔ وہ دراصل ان لوگوں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا جو اپنا حکم چلاتا ہے اور زبردستی رعایا سے منواتا ہے۔

عمرو بن عاص نے اُسی روز اس رسم کی تفصیل لکھوائی اور ایک پیغام امیر المومنین

حضرت عمرؓ کے نام مدینہ بھیج دیا۔

حضرت عمرؓ نے پیغام پڑھا تو انہوں نے بھی یہی سوچا کہ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کو کسی طریقے سے ہی قائل کیا جائے۔ انہوں نے پیغام کا جواب فوراً دیا۔ اس پیغام کے ساتھ ایک الگ پیغام نیل کے نام تھا۔ قاصد نے اتنا طویل سفر اتنی جلدی طے کیا کہ عید صلیب سے کچھ دن پہلے مدینہ سے سکندریہ پہنچ گیا۔

عمرو بن عاص نے اپنے نام پیغام پڑھا جس میں امیر المومنین نے انہیں کچھ ہدایات بخشی تھیں۔ پھر نیل کے نام پیغام پڑھا اور اس فریقے کے وفد کو بلوایا۔ یہ لوگ سکندریہ میں ہی رکے ہوئے تھے، اطلاع ملتے ہی آگئے۔ عمرو بن عاص نے انہیں حضرت عمرؓ کا نیل کے نام لکھا ہوا پیغام پڑھ کر سنایا۔ تحریر یوں تھی:

”اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام!.....! ابعد اگر تو اپنی مرضی سے بتاتا ہے تو نہ ہم، رک جا اور اگر تیرے ہماؤ کو رواں دواں رکھنے والا اللہ وحدہ لا شریک ہے تو ہم اسی کے نام پر تجھ سے عرض کرتے ہیں کہ اسی کے حکم سے ہمارے اپنی روانی میں ایک لمحے کی بھی رکاوٹ نہ آنے دے۔“

اس فریقے کے وفد کا ہر فرد باؤس سا نظر آنے لگا لیکن عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ وہ عید صلیب کے روز خود یہ پیغام نیل کے سپرد کریں گے اور دیکھیں گے کہ نیل بہتا رہے گا یا رک جائے گا۔

عید صلیب اس مہینے کی 12 تاریخ کو منائی جاتی تھی۔ اس صبح عمرو بن عاص خود دریائے نیل کے کنارے اُس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے وفد کو پہنچنے کے لئے کہا تھا۔ وفد کے علاوہ وہاں اور بھی بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ عمرو بن عاص نے نیل کے نام امیر المومنین کا پیغام بلند آواز سے پڑھ کر دریا میں پھینک دیا اور پھر لوگوں سے کہا کہ اگلے روز آکر دیکھیں کہ نیل بہ رہا ہے یا رک گیا ہے۔

اگلے روز لوگوں کا ایک جھوم دریا کے کنارے جا پہنچا۔ نیل بہ رہا تھا۔ اس کے بعد کئی روز لوگ جا کر دیکھتے رہے، نیل بہ رہا تھا اور پھر نیل بہتا رہا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ بعض تاریخ نویسوں نے اس روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ دریا کا ہماؤ رک گیا تھا اور لوگ پریشان ہو گئے تھے کہ یہ اچھا شگون نہیں۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص نے

حضرت عمرؓ کا پیغام دریا میں پھینکا اور دریا بننے لگا۔

بعض نے یوں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا پیغام جب نیل میں پھینکا گیا تو اُس وقت نیل بہ رہا تھا۔ اگلی صبح دیکھا گیا کہ رات ہی رات دریا کا پاٹ سولہ ہاتھ چوڑا ہو گیا۔

یہ دونوں روایات بالکل بے بنیاد ہیں۔ اگر ہم انہیں صحیح مان لیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عیسائیوں کے اس فریقے کی توہم پرستی صحیح اور جائز تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کو اللہ نے غیر معمولی ذہانت اور باریک بینی کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ عمرو بن عاص اور حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو قائل کرنے کے لئے یہ طریقہ سوچا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی دریا کا ہماؤ رک جائے۔ ان کا یہ طریقہ کامیاب رہا اور یہ رسم جس میں ایک معصوم لڑکی کی جان چلی جاتی تھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

مجاہدین عرب نے جب کسریٰ ایران کو شکست دے کر اس کے محلات پر قبضہ کیا تھا تو وہ اس کے آباؤ اجداد کی پوشاکیں اور وہاں کے خزانے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ہم نے اپنی ایک کتاب — ”حجاز کی آندھی“ — میں ان پوشاکوں اور ان میں جڑے ہوئے ہیرے جواہرات کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ ایسی ہی ایک پوشاک امیر المومنین حضرت عمرؓ کو بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں حیرت سے جیسے ٹھہر ہی گئی تھیں۔ ان بے ہما خزانوں کے علاوہ وہاں اور کوئی خاص قابل ذکر چیز نہیں تھی لیکن سکندریہ شہر نے عرب کے فاتح مجاہدین کو مبہوت اور انگشت بدنداں کر دیا تھا۔

یہ شہر عجائبات کا خزانہ تھا۔ اسے سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ سکندر اعظم کا مقبرہ جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا سکندریہ میں ہی ہے۔

اس شہر میں عبادت گاہیں اور مختلف مذاہب کے پیغمبروں کے مقبرے ہیں جن میں بعض سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ فرعونوں کی ملکہ مصر قلو پطرہ کی تعمیرات بھی اس وقت تک موجود تھیں۔

اتنے وسیع و عریض شہر میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت مینار تھا۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کرنے لگیں تو ایک الگ کتاب بن جائے لیکن یہاں اتنا ہی کہیں گے کہ یہ حیران کن حد تک خوبصورت باغات اور تعمیرات کا شہر تھا۔ ہم صرف ایک مینار کا ذکر کریں گے جو سکندر اعظم کے بعد ایک یونانی بادشاہ بطلموس ثانی نے سمندر میں ایک چٹان پر تعمیر کروایا تھا۔ اس کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہونا چاہئے

کہ اس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا رہا ہے۔ یہ سنگِ مرمر سے زیادہ سفید پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ دن کے وقت یہ پتھر چمکتے تھے۔ رات کو اس مینار میں آگ جلا دی جاتی تھی۔ اس مینار کا مقصد بحری جہازوں کی راہنمائی تھا۔

یہ مینار تین سو ہاتھ بلند تھا اور اس کی چار منزلیں تھیں۔ پہلی منزل چو کوڑ تھی، دوسری منزل کے آٹھ پہلو تھے، تیسری منزل گول تھی اور چوتھی منزل بالکل کھلی ہوئی تھی جہاں جہازوں کی راہنمائی کے لئے آگ جلا دی جاتی تھی۔

آگ والی جگہ ایک بہت بڑا آئینہ نصب تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ آئینہ کس دھات سے بنایا گیا تھا۔ ایک خیال یہ ہے کہ یہ شفاف پتھر سے بنا تھا۔ یہ آئینہ سات ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ دن کو دھوپ اس میں سے منعکس ہوتی تھی جس کی چمک دُور دُور تک نظر آتی تھی اور رات کو آگ کی روشنی منعکس ہو کر بہت دُور تک پہنچتی اور جہازوں کی راہنمائی کرتی تھی۔

اس آئینے کے متعلق کچھ اور روایات بھی تاریخ میں ملتی ہیں جن میں ایک ہی قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ یونانیوں نے یہ آئینہ دشمن کے جہازوں کو جلانے کے لئے اس مینار پر نصب کیا تھا۔ اس کا استعمال یہ تھا کہ دور سے دشمن کا بحری بیڑہ نظر آتا تو اس آئینے کو ایسے زاویے پر کر دیا جاتا تھا کہ سورج کی کرنیں مرکوز ہو کر دشمن کے جہازوں کے بادبانوں پر پڑتیں اور بادبانوں کو آگ لگ جاتی تھی۔ معلوم نہیں یہ روایت کہاں تک صحیح ہے لیکن مصدقہ بات یہی ہے کہ اس آئینے کی چمک سے جہازوں کی راہنمائی ہوتی تھی۔

ہم اس مینار کا انجام پیش کرتے ہیں۔ ایک وہ مجاہدین تھے جنہوں نے عجائباتِ زمانہ سے بھرپور ملک فتح کیا تھا۔ اس کے متعلق عمرو بن عاص نے امیر المومنین کو لکھا تھا کہ میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف نہیں کی جاسکتی، بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں چار ہزار عمارتیں اور اتنے ہی حمام ہیں اور چار سوشائی رقص گاہیں ہیں۔

عمرو بن عاص نے اور ان کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں مصر کے جتنے امیر مقرر ہوئے، ان عمارات، میناروں اور دیگر عجائبات کو بڑی صحیح حالت میں رکھا لیکن چند سو برس بعد وہ خلفاء آگئے جن کی دلچسپی خزانوں کے ساتھ تھی اور ان کے انداز بادشاہوں جیسے تھے۔ ان میں ایک خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا۔

تاریخ میں یوں آیا ہے کہ رومی مسلمانوں سے مصر تو واپس نہ لے سکے لیکن مسلمانوں کی دشمنی نسل بعد نسل ان کے دلوں میں قائم رہی۔ رومیوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک رومی خلیفہ ولید کے پاس گیا اور قبولِ اسلام کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ شاہِ روم کا خاص آدمی تھا لیکن بادشاہ اس سے ناراض ہو گیا اور اسے قتل کروانا چاہتا تھا لیکن وہ بھاگ آیا ہے۔

اس شخص نے خلیفہ ولید پر اپنا اعتماد اس طرح بٹھالیا کہ اسے مصر کے کچھ مدفون خزانوں کا علم ہے۔ ولید نے اسے اپنا مقرب بنا لیا۔ اس شخص نے شام میں دو جگہوں کی نشاندہی کی۔ ولید نے وہاں جا کر کھدائی کروائی تو خزانے برآمد ہوئے۔ اس کے بعد اس رومی نے ولید کو بتایا کہ سکندریہ میں جہازوں کی راہنمائی کے لئے جو مینار کھڑا ہے اس کے نیچے سونے اور جواہرات کے بہت بڑے خزانے دفن ہیں۔

خلیفہ ولید فوراً "سکندریہ پہنچا اور اتنے قیمتی کارآمد اور خوبصورت مینار کو گرانے کے لئے ایک فوجی دستہ لگا دیا۔ مینار گرنا ہوا اور دیکھتے رہے کہ خزانہ کہاں سے برآمد ہوتا ہے لیکن خزانہ ہوتا تو برآمد ہوتا۔ مینار سمار کر دیا گیا اور نیچے سے سمندری چٹان برآمد ہوئی۔ اس رومی کو ڈھونڈنے لگے جس نے خزانے کا پتہ دیا تھا لیکن وہ غائب ہو گیا تھا۔ مینار دوبارہ تعمیر کیا گیا مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب اس میں آئینہ نصب کیا گیا تو اس کی چمک ختم ہو چکی تھی اور اب یہ محض بیکار تھا۔ اب وہاں اس مینار کی بنیادوں کے کچھ آثار ملتے ہیں۔

مصر آج بھی اپنے دامن میں مختلف تہذیبوں کے آثار لئے ہوئے ہے جن میں فرعونوں کے اہرام، ابو ہوال کا مجسمہ اور کچھ دیگر تعمیرات قابل ذکر ہیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ جن مجاہدین نے فرعونوں کا یہ ملک فتح کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کیا تھا وہ ہے تو آج بھی عالمِ اسلام کا ایک ملک لیکن اس ملک کے آج کے حکمرانوں نے امریکہ اور اسرائیل کی دوستی میں اللہ کے نام لیواؤں کی سرکوبی کے لئے فرعونیت رائج کر رکھی ہے۔